مخالفت اُن کو پسپا نہ کرسکی اور وہ اپنے مدعاے دلی کے حصول میں کامیاب ہوئے۔
ذکر ہی کرتے ۱۸۰۱ء میں اسکاٹلینڈ کا ایک گھڑی ساز کلکتہ میں رہتا تھا۔ نام اُس کا
تھا ڈیوڈ ہیر۔ جس زمانے کا ہم ذکر کررہے ہیں اُسوقت وہ گھڑی سازی کا کام ترک
کرکے اس کوشش میں سرگرم ہوا کہ اہل ہند تعلیم کے زیور سے مزین ہوجائیں۔
اُسنے اپنا تمام وقت اور سرمایہ ان ہی مساعی میں صرف کردیا۔ بنگال میں انگریزی تعلیم
کا بانی وہی خیال کیا جاتا ہے۔ اور وہاں ابتک اُسکا نام عزت سے لیا جاتا ہے۔ ابتدا میں
اُسی نے سپریم کورٹ کے چیف جسٹس سرہائڈ ایسٹ اور کلکتہ کے بہت سے
سربرآوردہ لوگوں کی امداد سے کلکتہ میں پہلا انگریزی مدرسہ قائم کیا۔ لیکن مسٹر ہیر کو
جلد ہی یہ بات محسوس ہوئی کہ جب تک مدرسہ میں بنگالی تعلیم کی بنیاد نہ ڈالی جائے گی۔
اُسوقت تک لوگ انگریزی تعلیم میں نمایاں ترقی حاصل نہیں کرسکتے۔ بدیں خیال اُسنے
۱۸۱۷ء میں ایک سوسائٹی قائم کی جسکا نام اسکول سوسائٹی رکھا، اس سوسائٹی کا
مقصد یہ تھا کہ شہر کلکتہ کے مختلف حصص میں بنگالی اور انگریزی زبانوں کے ابتدائی
مدرسے کھولے جائیں۔ اس سوسائٹی کے سکرٹری مسٹر ہیر ہوئے۔ اور راجہ
رادہاکانت دیو اسکے جائنٹ سکرٹری ہوئے۔ اس سوسائٹی نے جتنے مدرسے
قائم کیے تھے وہ سب لڑکوں کے لیے مخصوص تھے۔ لیکن مدرسے کے قواعد
میں کسیقدر تبدیلی کرکے لڑکیوں کو بھی ان میں داخل کرنے سے گریز نہیں کیا گیا۔
اسپر سوسائٹی کے ممبروں میں اختلاف راے ہوا اور بعض ممبروں کو یہ بات بالکل
پسند نہ آئی کہ ایک ہی مدرسہ میں لڑکوں کے ساتھ لڑکیاں بھی پڑھیں۔ چنانچہ
لڑکیوں کے لیے ان مدارس کے دروازے بند کردیے گئے۔ اور اب صرف لڑکے
ہی ان مدرسوں سے فیضیاب ہونے لگے۔ یہ دیکھکر سوسائٹی کے وہ ممبر جو تعلیم نسواں
کے حامی تھے برافروختہ ہوئے اور پھر ۱۸۱۹ء میں اُنھوں نے بپٹسٹ مشن سوسائٹی

رجسٹرڈ نمبر اے ۲۷۱

خاتون

جلد ۵ | بابت ماہ جنوری ۱۹۰۸ء | نمبر ۱

اڈیٹر شیخ محمد عبداللہ بی اے۔ ایل۔ ایل۔ بی سکرٹری تعلیم نسواں سکشن

فہرست مضامین

(۱) جاپانی عورت ... ... پ۔ ا ۱

(۲) شیراز ... ... سید خورشید علی۔ از حیدرآباد دکن ۔ ۹

(۳) ایک سلیقہ شعار لڑکی کے اہم فرائض ... یوسف قیصر۔ از بھوپال ... ۱۴

(۴) مستورات کو ورزش کی ضرورت ... ع۔ ق۔ از جالندھر ... ۱۸

(۵) انجمن تعلیم نسواں ... ... سکرٹری انجمن ۲۲

(۶) اڈیٹوریل ۳۰

گل محمد خاں کے اہتمام سے

مطبع فیض عام علی گڑھ میں چھپا

خاتون

۱۔ یہ رسالہ ۴۸ صفحے کا علیگڑھ سے ہر ماہ میں شائع ہوتا ہے اور اسکی سالانہ قیمت ۱؎ اور ششماہی ۸؎ ہے

۲۔ اس رسالہ کا صرف ایک مقصد ہے یعنی مستورات میں تعلیم پھیلانا اور پڑھی لکھی مستورات میں علمی مذاق پیدا کرنا۔

۳۔ مستورات میں تعلیم پھیلانا کوئی آسان بات نہیں ہے اور جبتک مرد اس طرف متوجہ نہونگے مطلق کامیابی کی امید نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ اس خیال اور ضرورت کے لحاظ سے اس رسالے کے ذریعے سے مستورات کی تعلیم کی اشد ضرورت اور بے بہا فوائد اور مستورات کی جہالت سے جو نقصانات ہوئے ہیں اُس کی طرف ہمیشہ مردوں کو متوجہ کرتے رہیں گے۔

۴۔ ہمارا رسالہ اس بات کی بہت کوشش کریگا کہ مستورات کے لیے عمدہ اور اعلیٰ لٹریچر پیدا کیا جائے جس سے ہماری مستورات کے خیالات اور مذاق درست ہوں اور عمدہ تصنیفات کے پڑھنے کی انکو ضرورت محسوس ہو تاکہ وہ اپنی اولاد کو اس بڑے لطف سے محروم رکھنا جو علم سے انسانکو حاصل ہوتا ہے معیوب تصور کرنے لگیں۔

۵۔ ہم بہت کوشش کرینگے کہ علمی مضامین جہانتک ممکن ہو سلیس اور بامحاورہ اُردو زبان میں لکھے جائیں۔

۶۔ اس رسالہ کی مدد کے لیے اسکو خریدنا گویا اپنی آپ مدد کرنا ہے اگر اس کی آمدنی سے کچھ بچیگا تو اس سے غریب اور یتیم لڑکیوں کو وظائف دیکر ہندستانیوں کی مدد کے لیے تیار کیا جائیگا۔

۷۔ تمام خط و کتابت و ترسیل زر بنام اڈیٹر خاتون علیگڑھ ہونی چاہیے۔

کتب خانہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

۸ لے

خاتون

جاپانی عورت

حال میں ایک نہایت مشہور پروفیسر شنجو اوتا کامینتی کی ایک کتاب مندرجہ بالا عنوان سے لنڈن میں شائع ہوئی ہے۔ عربی اخبارات نے اُسکے دیباچہ کا خلاصہ شائع کیا ہے۔ عام ناظرین خاتون کے لیے ہم بھی اُسکا ترجمہ درج کرتے ہیں۔ پروفیسر مذکور لکھتا ہے

مشرقی اور مغربی عورتوں کے عادات و اطوار پر اگر نظر ڈالو تو تم کو سخت حیرت ہوگی کہ ان دونوں براعظموں میں عورتوں کے ساتھ برتاؤ میں کسقدر حیرت انگیز فرق ہے یوروپ میں عورت محترم ہے۔ وہ مرد پر پورا غلبہ رکھتی ہے۔ وہ مالک ہے اور مرد اُسکا غلام ہے۔ وہ معلمہ ہے اور مرد اُسکا شاگرد ہے۔ وہ حاکمہ ہے اور مرد اُسکا محکوم ہے۔ اور ایشیا میں معاملہ بالکل برعکس ہے۔ یہاں عورت کی مرد کے مقابلہ میں وہی حالت ہے جو کہ یوروپ میں مردوں کی عورتوں کے مقابلہ میں بیان کی گئی۔ مشرق میں غلبہ اور اقتدار مرد کا حصہ ہے۔ اور

ضعف اور کمزوری عورت کا لازمہ۔ یہاں پر مرد اُستاد ہی اور عورت نادان شاگرد
اور اسکے اشاروں پر کام کرتی ہی۔ اس اختلاف کا باعث یقیناً دونوں ملکوں کی آب و ہوا
اور رسم و رواج کا تغایر ہی۔

مشرق میں نہایت قدیم حکما کو عورت کی شان کا حقیر ہونا۔ اور اُس کی سخت ناتوانی
اور کمزوری کا حال معلوم ہو گیا تھا۔ وہ عورت کو بالکل آزاد بنا دینے اور اسکو اُس کے
حسب منشا تمام حقوق دیدینے کے بُرے نتائج سے ڈرتے تھے۔ اسلیے اُنھوں نے ایسی
تعلیمات مشہور کیں جو عورت کو مرد کی ماتحتی سے باہر نہ نکلنے دیں اور مرد کی فرماں برداری
اور اطاعت پر وہ مجبور ہی۔

اس خیال کی ابتدا نہایت ہی قدیم زمانہ سے ہوئی ہی۔ کیونکہ حکیم کنفیوشس نے
جسکو چین کا پیشوا اعظم کہنا چاہیے۔ آج سے ۲۴ صدیاں پہلے پردے کا قانون
بنایا تھا۔ اُسنے کہا ہی۔

"عورت کو سات برس کی عمر ہونے کے بعد مرد کے ساتھ بیٹھنا مناسب نہیں"
حکیم کنفیوشس ہی کا یہ قانون پردہ تھا جسنے اس بُرے نتیجہ پر پہنچایا کہ آج تمام مشرق
میں عورتیں غیر تعلیم یافتہ نظر آتی ہیں۔ اور ترقی سے بہرہ ور نہیں ہوئیں۔ اہل مشرق
یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ عورت جسقدر ترقی کریگی اور میدان حیات میں آگے بڑھے گی
اُسیقدر اُس کی بُرائیاں زیادہ اور نیکیاں کم ہوتی جائینگی۔ اور مرد کی حکومت اُسپر کمزور
پڑ جائیگی۔ بدھ مت کی ایک یہ تعلیم ہی۔

"عورت بظاہر اپنے حسن سے فرشتہ معلوم ہوتی ہی۔ لیکن اسکا باطن"
"شیطان کا سا ہی۔ عورت شر و فساد کا گھر ہی۔ بُرائیوں کا منبع ہی۔ اور خرابیوں"
"کی بنیاد ہی۔ تمام مخلوقات میں کوئی چیز ایسی بُری نہیں ہی جس سے اسقدر خوف"
"کھایا جا سکتا ہو جسقدر کہ عورت سے۔"

قدیم زمانے میں صرف مشرق ہی لوگوں کا یہ خیال نہ تھا۔ بلکہ حکمار مغرب کا بھی یہی اعتقاد تھا۔ چنانچہ حکیم سقراط جو یونانی ہی اپنی نصیحتوں میں لکھتا ہی کہ "عورت شر و فساد کی بنیاد ہی۔ مردوں کی عداوت کا انجام عورت کی دوستی سے کہیں زیادہ بے خطر ہی" الغرض مشرق سے مغرب تک آدم کے بیٹے حوا کی بیٹیوں سے بدگمان تھے۔ ایک اور یونانی حکیم کہتا ہی۔ "وہ جوان جو بیوی تلاش کرتا ہی اُس کی مثال بالکل اُس شخص کے مانند ہی جو اپنے پیروں میں آپ کلہاڑی مارتا ہی۔ یا یہ کہ خود اپنے پاؤں سے دوڑ کر ہلاکت کے کنوئیں میں پھاندنا چاہتا ہی۔ یا ایک چڑیا ہی جو خود بخود دوڑ کر جال میں پھنسنا چاہتی ہی" الغرض یوروپ و ایشیا دونوں براعظموں میں ایک ہی وقت میں تمام لوگ اس بات پر متفق تھے اور متحد بن گئے تھے کہ دنیا میں شر و فساد کی بنیاد اور جڑ عورتیں ہیں۔ اور اُسی وقت سے لوگوں کو طرح طرح کی نصیحتوں اور تعلیموں سے عورتوں سے نفرت دلائی گئی۔ اور اس کی صحبت میں بیٹھنا اس سے میل جول رکھنا گناہ بتایا گیا۔ اور یہ ایسی باتیں تھیں جنکی خلاف ورزی کرنا مذہبی گناہ سمجھا جاتا تھا۔ اور اس سے سرتابی کرنا خدا سے سرتابی کرنے کے برابر تھا۔

جاپان کے ملک میں بھی یہی خیالات اس طرح جاری تھے جس طرح خون رگوں میں دوڑتا پھرتا ہی۔ یا برقی رو جو جسم کے ہر رگ و ریشے میں سرایت کر جاتی ہی۔ اسلیے عورتوں کو مہذب اور شائستہ بنانے میں بے توجہی برتی گئی۔ اور اسی وجہ سے ان کی عقل کا دائرہ تنگ ہو گیا۔ اور وہ ایسی مخلوق ہو گئی جو کہ بالکل چوپایوں کی طرح زندگی بسر کرتی تھی۔ اُسکے علوم اور معلومات کا انحصار صرف اپنے گرد و پیش کی چیزوں اور خانہ داری کی ضروریات مثلاً کھانا پکانے وغیرہ میں ہو گیا۔ اور اسکا انجام یہ ہوا کہ جاپانی عورت مرد کی نگاہوں میں بالکل حقیر اور بے حقیقت ہو گئی۔ اور یہی حقارت آمیز خیالات شروع شروع میں عورت کے لیے بدترین بدسلوکی اور نقصان کا باعث تھے۔

جاپانی طرز معاشرت میں عورت کا درجہ برابر گھٹتا چلا گیا۔ خاصکر اُس زمانہ میں وہ اور بھی نظروں سے گر گئی جب تمام ملک میدان جنگ بن رہا تھا۔ اور پُرانی طرز زندگی کے پابندوں اور نئے مذہب اور آزاد خیال کے حامیوں میں جنگ ٹھنی ہوئی تھی۔ یہ آتش جنگ برسوں اور زمانوں گزرنے کے بعد بھی برابر مشتعل ہوتی جاتی تھی اور اہل جاپان کی نظروں میں خونریزی اور بے حرمتی کا منظر ایسا کچھ کھپ گیا تھا کہ وہ حفظ جان و آبرو کے لیے بالکل مستعد نہیں ہوتے تھے۔ آخر کئی صدیوں تک یہی حالت رہی۔

جاپان میں باوجود اسکے کہ وہ ایک ایسی قوم تھی کہ سترہ صدی قبل اپنے اعلی درجہ کے انشا پردازوں اور شاعروں پر ویسا ہی فخر و ناز کرتی تھی جیسا کہ اپنے بہادروں پر۔ اور اُس کی یہ عظمت اور شوکت اسکے گزشتہ اور سب سے پہلے حکمرانوں کے عہد میں تھی۔ جسوقت عنان حکومت بادشاہ مکاڈو کے ہاتھ سے نکلکر شوجونؔ[1] کے ہاتھ میں چلی گئی۔ اسوقت عورتوں کا مرتبہ اور بھی پست ہوگیا۔ کیونکہ اب ایسا کوئی شخص نہ تھا جو فرقۂ نسواں کی حمایت کرے۔ اور عورتیں اُس زمانے میں جو ظلم اور بیرحمی کا زمانہ تھا اپنے جوہر یا کوئی ترقی کی بات یا کوئی ذاتی فضیلت ظاہر کرنے کا موقع ہی نہیں پاتی تھیں۔

اس زمانے میں جاپان کے لوگوں نے تمام چیزوں سے اپنی توجہ اُٹھا کر صرف آلات جنگ کی فراہمی اور لڑائی اور خونریزی کے لوازمات کے جمع کرنے۔ زرہ۔ خود

---

[1] یہ وزیروں اور نائبوں کی ایک جماعت تھی جنھوں نے قابو پا کر جاپان کے سیاہ و سفید کو اپنے قبضے میں کر لیا۔ اور کئی صدیوں تک خود فرمانروائی اور حکمرانی کرتے رہے۔ ملک کے لوگ ان کی سختیوں سے نالاں ہوگئے تھے۔ یہانتک کہ آخر کار اہل ملک نے اُنکو معزول کر کے ملک اور سلطنت کو اُنکے اصلی مالکوں کے حوالے کر دیا۔

تیر۔ کمان وغیرہ کی بہم رسانی کی طرف مصروف کر رکھی تھی۔ کتاب۔ کاغذ۔ دوات اور قلم سے اُن کو کوئی سروکار نہ تھا۔ اگر کسی جاپانی کی بیوی لڑکی جنتی تو وہ اس بیوی سے سخت ناراض ہوجاتا اور اُسے بدقسمت قرار دیتا۔ کیونکہ ان کو اپنے دیوتاؤں سے آرزو کرتے ہوے زمانہ گزر جاتا تھا کہ وہ دیوتا انکو ایک ایسا ہونہار بیٹا عطا کرے جو آیندہ بڑا بہادر ہو اور لڑائی کے لیے کام آئے۔ اور جنگجو اور شمشیرزن مشہور ہو۔

یہ خیالات اسقدر پھیلتے اور بڑہتے گئے کہ رفتہ رفتہ عورتوں کی قدر اور محبت مردوں کے دل سے نکل گئی۔ اور وہ ایک بیقدر مخلوق بنکر جانوروں کی طرح زندگی بسر کرنے لگیں جو کہ قوت ارادی سے ناواقف محض ہیں۔ اسوقت میں عورت کی اسکے سوا اور کوئی خدمت ہی نہ تھی کہ وہ بچے جنتی رہے۔ جاپانی مرد کے لیے سب سے بڑا عیب یہ خیال کیا جاتا تھا کہ وہ اپنی بیوی سے مشورہ لیتا ہی یا اُسکے ساتھ محبت رکھتا ہی۔

جو شخص اپنی بیوی یا بیٹی یا بہن سے اُلفت رکھتا تھا وہ کمزور اور زنانی طبیعت کا آدمی کہا جاتا تھا۔ اور اس بارے میں دلیل یہ بیان کی جاتی تھی کہ جو شخص جنگ کے دیوتا سے محبت رکھتا ہو اسے عورت کی طرف رغبت رکھنے اور کُنبہ کی خبرگیری کے خیال رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہی۔ اس زمانے میں عورتوں سے محبت رکھنا سخت ترین گناہ تھا۔ اور تمام بُرائیوں کی جڑ خیال کیا جاتا تھا۔ اگر کوئی شخص کسی کمزور عورت کو دیکھکر اُسکے حال پر ترس کھاتا اور کچھ امداد کرنے کا خیال کرتا تو یہ جاہلانہ خیال سامنے آجاتا اور وہ اس کام میں سنگدلی اور بیرحمی کی زیادہ رعایت کرتا تاکہ لوگ اُسکو نرم دل اور موم کی ناک نہ کہیں۔

یہ امر تو بدیہی ہی کہ جب مردوں کے دلوں سے عورتوں کی محبت اور قدر نکل جائے تو یہ صنف نازک خود اپنی مدد آپ نہیں کرسکتی کیونکہ یہ کسی بھلائی یا بُرائی

کی مالک نہیں ہی۔

اب وہ زمانہ آتا ہی جبکہ جاپان پر آفتاب علم کی روشنی نمودار ہوئی۔ اور تمدن کی برکتوں نے بھلائیوں سے اس ملک کو مالا مال کیا۔ اسوقت ہم نے اپنی حالت سنبھالنی شروع کی۔ اور ترقی کے راستے میں قدم رکھا۔ لیکن ہم اس بات کو محسوس کرتے تھے کہ ہماری رفتار بہت سُست ہی۔ ہم نے اسکا سبب بہت کچھ تلاش کیا مگر ہم کو کچھ نہ معلوم ہو سکا۔ کیونکہ ہم میں وہ تمام طبعی صفتیں موجود نہیں جو کہ یوروپ کے لوگوں میں ہیں اورانکو دوسرے ممالک سے ممتاز بناتی ہیں۔ قریب تھا کہ ہمارے دلوں میں یہ شک پیدا ہو جاے کہ ترقی کی رفتار ہماری رفتار سے الگ ہے۔ ہم نے اپنی قوم کو غفلت اور کاہلی کا بھی اتہام لگایا اور کہا کہ ہماری قوم اُس درجے پر پہنچنے کی کوشش نہیں کرتی جسپر کہ یوروپ ہے۔ اور جو لوگ خود ہم میں سے ہماری ہمتوں کو پست کرنے والے تھے اُنھوں نے یہ کہنا شروع کیا کہ ہم ایشیائی قوم ہیں کبھی یوروپ کے درجے پر پہنچ ہی نہیں سکتے۔ ہم بھی ان لغو دعووں کو سچ جانتے تھے مگر یکایک مسٹر چیمبرلین نے جو کہ ہمارے تمدن کا مبصر تھا ہم کو خاص علۃ العلل اور تمام مسائل کے اصل راز سے خبردار کیا اور اُسنے بڑی وضاحت سے کہا کہ ہماری سست رفتاری کا سبب ہماری اخلاقی کمزوری یا ہماری حالت و اطوار کا نقص نہیں ہی۔ بلکہ اس پس ماندگی کا مرجع دراصل جاپانی عورت کی جہالت ہی۔ ہم اس راے کو سنکر خواب غفلت سے چونک پڑے اور ہم نے

فوراً اس مشورہ پر عملدرآمد کرنے کے لیے مستعدی سے کام کرنا شروع کیا۔

ہماری جاپانی عورتوں کو تعلیم دینے کے لیے آمادہ ہونے کی تاریخ ایک ضخیم جلد کی محتاج ہے لیکن میں حتی الامکان نہایت ہی اختصار کے ساتھ بیان کرتا ہوں۔ سب سے پہلے ہم نے جو کام کیا وہ یہ تھا کہ بہت بڑی چندہ کی رقم فراہم کی۔ میں بلا مبالغہ کہتا ہوں کہ یہ فہرست چندہ دو ہی سال کے عرصے میں چار ملین پاؤنڈ سے زیادہ ہوگئی۔ اور اس کثیر اور بیش قرار رقم سے ہم نے تمام اطراف و جوانب میں گرلس اسکول کھول دیے۔ اور ان مدارس کے لیے یوروپ اور امریکا سے اُن اُستانیوں کو بلایا جو تہذیب و تعلیم میں ماہر تھیں۔ ہم نے پہلے ان مدارس میں بلا فیس تعلیم جاری کی۔ پھر رفتہ رفتہ غریب ملکی لوگوں کے مناسب حال ہلکی فیس مقرر کردی۔ ہم نے یہی نہیں کیا کہ صرف بڑے بڑے شہروں ہی میں لڑکیوں کے لیے مدارس کھولے۔ بلکہ قصبات اور چھوٹے چھوٹے دیہات میں بھی مدرسے جاری کیے۔ لڑکیوں کا مدرسہ عبادت گاہ کے قریب بناتے تھے تاکہ جس مقام میں تہذیب نفس ہوتی ہے وہیں عقل کی بھی تربیت ہوا کرے۔ بعد میں ہم کو ضرورت نے مجبور کیا کہ بچوں کی تعلیم کی طرح لڑکیوں کی تعلیم بھی بلا فیس کے جاری کردی جائے۔ اور چھٹے سال کی عمر میں پہنچتے ہی والدین کو مجبور کیا جائے کہ وہ اپنی لڑکیوں کو مدرسہ میں بھیجا کریں۔ جہاں وہ چار سال تک پڑھتی رہے گی اور اس عرصہ میں اُسکو پڑھنا۔ لکھنا۔ زباندانی اخلاق۔ تہذیب نفس۔ شعر اور حساب اور چند دستکاریاں مثلاً کشیدہ کاڑھنا

یا جالی بنانا۔ سینا وغیرہ آجاتا ہی۔ سنہ ۱۸۹۸ء میں سرکاری مدارس میں تعلیم پانے والی لڑکیوں کی تعداد (۲۰۳۱۲۰۹) تھی یعنی بیس لاکھ سے زائد۔ اسی سال تمام جاپانی لڑکوں کی تعداد جو سرکاری مدارس میں تعلیم پاتے تھے سرکاری شمار و اعداد کے مطابق (۷۱۴۵۹۶۶) یعنی اکہتر لاکھ سے زائد یعنی تعلیم پانے والی لڑکیوں کی تعداد تقریباً ۳۵ فیصدی کے اوسط سے تھی۔ سنہ ۱۸۹۸ء سے ابتک تعلیم کا شوق بڑہتا جا رہا ہی۔ چنانچہ اب ۹ سال کے بعد مدارس میں تعلیم پانے والے لڑکوں کا اوسط ۸۲ فیصدی اور تعلیم پانے والی لڑکیوں کا ۵۴ فیصدی ہی۔ اور کچھ یہی مذکورۂ بالا ہی امور نہیں ہیں جو ہم اپنی عورتوں کی تہذیب اور اصلاح میں عمل میں لائے۔ بلکہ مزید براں ہم نے ہر سال امتحان میں کامیاب ہونے والی لڑکیوں کیواسطے بڑے بڑے انعام مقرر کیے۔ اور بیش قیمت تحفے اُنکو دینے کے لیے تجویز کیے۔ چنانچہ تعلیمی سال کا اختتام بھی نہیں ہونے پاتا کہ ملکہ جاپان اور اُن کی ہمچشم لیڈیاں اور نیز ملک کے تمام معزز گھرانوں سے نقد اور تحائف کی بہت بڑی مقدار جمع ہو جاتی ہی۔ اور کوشش سے پڑہنے والی لڑکیوں کو یہ انعام اور تحائف تقسیم کر کے حوصلہ افزائی کیجاتی ہی۔

دس سال کے عرصہ میں ہم نے اپنی ملکی عورتوں میں سے ایک کثیر تعداد انگلستان۔ امریکہ اور جرمن کے زنانے مدارس میں تعلیم و تربیت کے فنون سیکھنے کے واسطے بھیجی جو ان ملکوں سے تعلیم حاصل کر کے واپس آکر ملکی عورتوں

کو نہایت عمدگی اور خوبی کے ساتھ تعلیم و تربیت کے زیور سے آراستہ بنا رہی ہیں۔ طرہ یہ ہی کہ خود قوم اس کار خیر میں گورنمنٹ کا ہاتھ بٹاتی ہی نیز یہ تم کو معلوم ہو چکا ہی کہ ہمارے یہاں تعلیم یافتوں کا اوسط فیصدی ۸۲ ہی۔ کوئی تعلیم یافتہ مرد بے تعلیم یافتہ عورت سے شادی نہیں کرتا۔ اسلیے لڑکیوں کو ہمیشہ زیادہ تعلیم کی طرف متوجہ ہونا پڑتا ہی۔ کیونکہ یہ کون لڑکی چاہتی ہے کہ میری شادی نہ ہو۔

پ۔ ا

شیراز

شیراز کو کون نہیں جانتا؟ اس مردم خیز خطہ کے نام سے ہمارا بچہ بچہ واقف ہی۔ یہی وہ مقام ہی جس کی خاک پاک سے سعدی و حافظ پیدا ہوئے اور یہی وہ مبارک جگہ ہی جسے عروج اسلام کے زمانہ کے بڑے بڑے عالم و فاضل بزرگوں اور جلیل القدر شاعروں کا مولد. مسکن اور مدفن ہونے کا فخر حاصل ہی۔ اگرچہ فلک ناہنجار کی نیرنگیوں اور اسلامی سلطنت کے تنزل کے باعث شیراز کی اب وہ پہلی حالت نہیں رہی۔ لیکن وہ اپنی اس گئی گزری حالت میں بھی ایشیا کے مشہور شہروں میں خاص طور پر شمار کیا جاتا ہی اور کئی وجوہ سے اب بھی وہ دوسرے شہروں پر خاص تفوق رکھتا ہی

شیراز ایران کے اُس صوبے میں واقع ہی جسے فارس کہتے ہیں۔ پارس جیسا کہ فرہنگ ناصری میں لکھا ہی ہوشنگ کے بیٹے کا نام ہی۔ اسی بنا پر قدیم زمانے میں تمام ایران کو پارس کہتے تھے اور یہی وجہ ہے کہ ابتک اہل یورپ تمام ایران کو پرشیا کہتے ہیں۔ لیکن بعد میں ایران کے مختلف صوبوں کے جداگانہ نام رکھے گئے

اور اس صوبے کو جو ایران کے جنوب مغرب میں خلیج فارس کے کنارے واقع ہے فارس کہنے لگے۔ یہ صوبہ بھی ایران کے تمامی دوسرے صوبوں میں کیا بلحاظ قدرتی موقع اور آب وہوا کی خوبی اور زمین کی سرسبزی و شادابی کے اور کیا بلحاظ خطۂ مردم خیز ہونے اور دار العباد یعنی یزد اور دار العلوم یعنی شیراز اس میں واقع ہونیکے اول درجہ کا سمجھا جاتا ہے۔ اسکے آثار قدیمہ دنیا کے عجائبات میں شمار ہوتے ہیں۔ تخت جمشید۔ نقش شاپور۔ دخمہ فریدوں۔ اور خانۂ زردشت وغیرہ ہی کے بارے میں عرفی شیرازی نے کہا ہے۔

از نقش ونگار درو دیوار شکستہ

آثار پدید است صنادید عجم را

صحرائے شاپور میں شیراز کے قریب وہ وسیع قطعہ جسے شعب بوّاں کہتے ہیں واقع ہے۔ جس کی تعریف میں کسی نے کہا ہے۔

اذا اشرف المحزون من راس قلعة

علی شعب بوّان استراح من الکرب

یعنی جب غمگین آدمی قلعہ پر سے شعب بوّان کی فضا کا نظارہ کرتا ہے تو اُس کی تمام کلفتیں دور ہو جاتی ہیں۔ غرض اس صوبے کی چپّہ چپّہ زمین قدرت کی دلفریبیوں اور گرم پانی کے چشموں اور مفید ملک کانوں سے بھری ہوئی ہے۔ اس کے فرحت بخش و نشاط انگیز میوے ملک بھر میں مشہور ہیں۔

شیراز کی بنیاد محمد بن قاسم نے ایک نہایت ہی شاداب قطعہ زمین پر پہلی صدی ہجری کے آخر میں ڈالی۔ یہ وہی محمد بن قاسم تھا جسنے مسلمانوں میں سب سے پہلے ہندوستان پر فوج کشی کی تھی۔ اس کی تیاری میں خوبصورتی کا بڑا لحاظ رکھا گیا تھا اور باشندگانِ شہر کی آسائش کا پورا اہتمام ہوا تھا۔

تقویم البلدان سے ظاہر ہوتا ہی کہ اس شہر کے مکانات بہت وسیع اور بازار
رونق دار ہیں۔ کوئی مکان ایسا نہیں جس میں ایک باغ اور نہر نہو۔ صفاریوں اور دیلمیوں
نے جنھوں نے چالیس[۴۰] اور دو سو اڑتالیس[۲۴۸] برس تک بالترتیب حکومت کی ہی اس شہر
کے ترقی دینے اور اس کی رونق کو دوبالا کرنے میں بہت کوشش کی۔ عضد الدولہ
دیلمی کے زمانے میں کثرت آبادی کے باعث شہر کے باہر عمارتیں بنانی پڑیں جن میں سے
ایک سوق الامیر تھی۔ عضد الدولہ کے بعد اسکے بیٹے صمصام الدولہ نے اسکے
گرد پختہ چار دیواری بنوائی۔ شہر کی سربفلک عمارتوں میں سے شاہ چراغ کی مسجد کا
گنبد بہت بلند ہی۔

شیراز کی آب و ہو نہایت معتدل۔ خوشگوار اور انسان کے قویٰ میں شگفتگی اور
بالیدگی پیدا کرنے والی ہی۔ پانی کے افراط اور آب و ہوا کی عمدگی کی وجہ سے شہر نہایت
سرسبز و شاداب نظر آتا ہی۔ ہر موسم میں گلاب اور دوسرے قسم کے پھول باغات میں
بہ کثرت ملتے ہیں۔ پروفیسر ویمبری نے اپنے سفرنامہ میں لکھا ہی۔

اہل یورپ کی نگاہ میں جو بات قابل تعریف ہی وہ یہ ہی کہ شیراز
کی آب و ہوا نہایت صاف اور صحت بخش ہی۔ اس لحاظ سے نہ صرف
یہ مشرق کے بلکہ تمام دنیا کے شہروں میں اپنی نظیر آپ ہے۔

شیخ علی حزیں نے بارہویں صدی عیسوی میں شیراز کو دیکھا تھا جبکہ اس کی رونق پھیکی
پڑ چکی تھی۔ وہ اپنی سوانح عمری میں لکھتا ہی کہ۔

شیراز کی آب و ہوا دماغ کے ساتھ بڑی ہی مناسبت رکھتی ہی۔
جس قدر چاہو کتاب کے مطالعہ اور فکر و غور مضامین میں مصروف
رہو۔ کبھی جی نہ اُکتائیگا۔

افسوس ! اب وہی شہر جو کبھی مرجع خلائق تھا۔ معدن فضل و مخزن علم تھا

جو صدہا سال تک ایران کا پایۂ تخت تھا اب صرف پُرانی یادگاروں اور پُرانے افسانوں کا ایک قطعہ رہگیا ہی۔ وہی رکن آباد جسکے بارے میں حافظ کا یہ شعر مشہور ہی۔

بدہ ساقی مئے باقی کہ در جنت نخواہی یافت
کنار آب رُکن آباد و گلگشتِ مصلّے را

اب خشک ہوکر بقول پروفیسر ویمبری تین بالشت چوڑا رہگیا ہی۔ اُس جگہ جہاں کبھی سعدی و حافظ اور عرفی وغیرہ اپنی نغمہ سنجی میں مست رہا کرتے تھے اور جہاں ہر طرف علمی چرچے رہتے تھے اب علم و فضل کی بہت پست حالت ہی۔ اور سب سے بڑا افسوسناک بات تو یہ ہی کہ ان بلبلان شیراز کے مدفن بھی عجب کس مپرسی کی حالت میں ہیں اور زبان حال سے کہتے ہیں کہ۔

برمزار ما غریباں نے چراغے نے گلے
نے پر پروانہ سوزد نے صدائے بلبلے

اگرچہ ہر سال سینکڑوں سیاح جو شیراز جاتے ہیں ایک بار ضرور ان مقاموں کی زیارت کرتے ہیں اور یہ مقام گمنام نہیں ہیں لیکن ان کی حالت اچھی نہیں رہی۔ چنانچہ ولیم فرینکلن کے سفرنامے سے سرگور اوسلی نے شیخ سعدی کے مدفن کا حال یوں لکھا ہی جسے مولنٰنا حالی نے اپنی "حیات سعدی" میں نقل کیا ہی کہ۔

شیخ کا مزار مقام دلکشا سے ایک میل جانب شرق پہاڑ کے نیچے واقع ہی۔ عمارت اس کی بہت بڑی اور مربع ہی اور قبر سنگین بنی ہوئی ہی۔ جسکا طول چھ فٹ اور عرض ڈہائی فٹ ہی۔ قبر کے تمام ضلعوں پر کچھ عبارت قدیم نسخ میں کندہ ہی جس میں شیخ کا اور اُس کی تصانیف کا حال درج ہی۔ قبر ایک سیاہ رنگ کے چوبی قبرپوش سے جسپر سنہری کام ہوا ہی ڈہکی رہتی ہی اور اسپر شیخ ہی کا ایک شعر

خط نستعلیق میں لکھا ہوا ہے۔ جب اس قبر پوش کو ہٹاتے ہیں تو قبر
کا تعویذ دکھائی دیتا ہے۔ اکثر اہل اسلام جو اطراف و جوانب سے
شیخ کے مزار پر آتے ہیں وہ پھول اور دوسرے اقسام کے
چڑھاوے چڑھاتے ہیں۔ اور زائرین کے مطالعہ کے لیے ایک
نسخہ شیخ کی کلیات کا نہایت خوشخط لکھا ہوا مزار پر رکھا رہتا ہے
مقبرے کی دیواروں پر بہت سے فارسی اشعار لکھے ہوئے ہیں
جو لوگ دور دراز مقامات سے وہاں زیارت کو آتے ہیں یہ اشعار
اُنھوں نے لکھے ہیں۔ شیخ کے مقبرے کی عمارت اب روز بروز
گرتی جاتی ہے اور اگر اب اس کی خبر جلد نہ لی گئی تو بالکل کھنڈر ہو جائیگی
نہایت افسوس کی بات ہے اور زمانے کا عجیب انقلاب ہے کہ کسی شخص
کو اُس کی مرمت کرانے کا خیال نہیں۔

اسکے بعد سر گور اوسلی نے لکھا ہے کہ۔

سنہ ۱۸۱۱ء کے شروع میں جبکہ میں جارج سوم بادشاہ انگلستان
کی طرف سے بعنوان سفارت فتح علی شاہ قاچار کے پاس پیغام
لیکر طہران کو جاتا تھا۔ اُسوقت کئی مہینے شیراز میں میرا قیام رہا
جب تک میں وہاں رہا اکثر شیخ کے مزار پر جاتا تھا۔ مسٹر فرینکلن
کے لکھنے کی تصدیق شیخ کے مزار پر جاکر ہوتی تھی۔ اس کی قبر
حقیقت میں بالکل بوسیدہ ہوگئی ہے اور تمام عمارت عنقریب
منہدم ہوا چاہتی ہے۔ باغ اور درخت جو زمانۂ سابق میں وہاں تھے
انکا اب نام و نشان تک باقی نہیں رہا۔

نہایت تاسف کا مقام ہے کہ عنقریب وہاں کوئی نشان ایسا

باقی نہیں رہیگا جس سے معلوم ہو کہ وہ خطۂ ایران کا فخر جو زہد و تقوے اور ذہن و جودت اور علم و فضل میں اپنا مثل نہ رکھتا تھا کہاں اور کس جگہ دفن ہوا ہے۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

سید خورشید علی
از حیدرآباد دکن

ایک سلیقہ شعار لڑکی کے اہم فرائض

یہ نظم ہمکو ہمارے دوست سید محمد یوسف صاحب قیصر کی عنایتوں سے ملی ہی جو اُنھوں نے باوجود اسکے کہ بیمار تھے بستر پر پڑے پڑے لکھی ہی جس سے اُن کی اس خاص دلچسپی کا ثبوت ہوتا ہی جو وہ تعلیم نسواں سے رکھتے ہیں۔ اڈیٹر

سحر ہو گئی چار بھی بج چکے ہیں — مگر سونے والے ابھی سو رہے ہیں
نمازی نمازوں کو مسجد گئے ہیں — مگر گھر کے سب لوگ سوتے پڑے ہیں
اُٹھی خواب راحت سے ہشیار لڑکی
اُٹھی خواب غفلت سے ہشیار لڑکی

اُتارا وہ کھونٹی سے چھوٹا دوپٹا — اُسے دیکھا بھالا اُسے سر پہ اوڑھا
ضرورت سے فارغ ہوئی گھر کو دیکھا — صفائی کی اور گھر سے پھکوایا کوڑا
وضو کرکے اُس نے ادا کی نماز
بڑی دیر تک وہ پڑھا کی نماز

اُسے یاد تھے کام سارے ہنر کے — ہوئی بیفکر جبکہ سب کام کرکے

کیے کام مخصوص تھے جو سحر کو　　جگایا ہر اک شخص کو اپنے گھر کو

اُٹھو میری باجی اُٹھو میری آپا
بہت دیر سے ہو گیا ہے سویرا

اُٹھو امی جاں دن بہت چڑھ گیا ہے　　اُٹھو دیکھو ننھا اکیلا پڑا ہے
اُدھر آدمی ڈیوڑھی پر کھڑا ہے　　کھڑا کچھ بڑی دیر سے کہہ رہا ہے

اُٹھو کوئی اتنا بھی سوتا ہے۔ توبہ
کوئی اتنا غافل بھی ہوتا ہے۔ توبہ

ہر اک شخص کو اپنے گھر کے جگایا　　چلی۔ چھوٹے بھائی کے مُنہ کو دھلایا
اُسے لاکے ململ کا کُرتا پہنایا　　کھلائی اُسے روٹی پانی پلایا

گئی کوٹھے میں اور سامان لاکر
حوالے کیا خادمہ کو بلاکر

نکل آئی جب دھوپ کچھ دن چڑھا　　کلام اللہ کا ایک پارہ پڑھا
سبق اُردو کی پانچویں کا لیا　　سُنایا بہت دیر آموختا

کیے حفظ اُسنے اُصول صلات
سُنائی بڑے بھائی کو رہ نجات

بڑے بھائی سے اُسنے انگلش پڑھی　　ادب کی نصیحت ممانی نے کی
ہر اک شخص کا خوش ہوا اُس سے جی　　جو چیز آئی گھر میں وہ سب لکھ رکھی

ادب اور سلیقے میں ہشیار ہے وہ
ہر اک کام گھر سے خبردار ہے وہ

قطع اُسنے کپڑے کیے بھائی کے　　مرمت کی اُنکی جو تھے پھٹ گئے
ممانی کے خالا کے کُرتے سیئے　　وہ بیٹھی ہی کمرے میں پنچھی دھرے

بہت کام کرتی ہے چترائی سے
ادب اُسکو ہے باپ ماں بھائی سے

بنا لیتی ہے ریشمیں جھنریوں کو بہت عمدہ سیتی ہے وہ ٹوپیوں کو
پھٹے پاجاموں کو اور صدریوں کو نہیں لاتی خاطر میں ہے درزیوں کو

ہے پکّی ارادے کی دہن کی ہے پوری
پڑہی لکھی ہے اور گُن کی ہے پودی

کشیدہ وہ جانے وہ جانے سبھی لہر اور بنت بانکڑی ٹھپہ جھٹکی
چکن وہ بنالے۔بنالے وہ جالی وہ ململ کو فوراً کرے کامدانی

گون کو وہ سی لے وہ کوٹوں کو سی لے
پھٹی جلد والی کتابوں کو سی لے

نہ کل خالی بیٹھی نہ بیٹھی آج ہمیشہ سے کرتی ہے وہ کام کاج
یہ سمجھو کہ اُسکا ہی ہے گھر میں راج بڑے ہے بوڑہوںکے گھر کا گویا ہی تاج

بڑی کام والی ہے یہہ بالیقیں
مری بچّی۔ شاباش صد آفریں

یہ کیوں اسقدر تیز وطرار ہے یہ کیوں کام کرنے کو تیار ہے
یہ کیوں ساری باتوں میں ہشیار ہے یہ کیوں گھر سے اپنے خبردار ہے

یہ کیوں دوڑ کے کام کرتی ہے سب کا
یہ کیوں کام کرتی ہے سب اپنی ڈہب کا

بزرگوں کی آنکھوں نے اسکو سکھایا یہ سب کام تعلیم نے ہے بتایا
یہ اُس علم نے اُسکو رستہ بتایا کہ جو اُسکو ماں باپ نے ہے پڑہایا

پڑہایا۔ لکھایا کیا اُس کو ہشیار

جب ہی کام کرنے کو ہر سب کا تیار

یہ لڑکی وہ ہے ہوگی جب اسکی شادی　　خسر اُس سے خوش ہوگا ساس آسرہی

بنے گی یہ شوہر کی دل سے چہیتی　　غرض ہوگا کنبہ کا کنبہ ہی واری

جہاں جائے گی۔ ہوگی جس کی بہو

یہ سمجھو کہ بن جائے گی آبرو

زمانے کی رفتار بتلا رہی ہے　　صدا چار جانب سے یہ آرہی ہے

یہی طرز موجودہ جتلا رہی ہے　　یہی صورت حال دکھلا رہی ہے

کہ تعلیم نسواں ترقی کا در ہے

کہ تعلیم نسواں ترقی کا سر ہے

عجب خواب غفلت میں تم سو رہے ہو　　غضب وقت کو ہاتھ سے کھو رہے ہو

مگن فاقہ مستی میں جو ہو رہے ہو　　بُرائی کے کانٹے خود ہی بو رہے ہو

ذرا اُٹھ کے بیٹھو ذرا آنکھیں کھولو

ذرا سر سے کھیلو ذرا منہ سے بولو

اُٹھو قوم والو ! اُٹھو قوم والو　　مصیبت کے زغے سے خود کو بچالو

ذرا غیر اقوام کو دیکھو بھالو　　میاں۔ تم بھی کچھ ہاتھ پاؤں نکالو

یہی کہنے آیا تھا میں۔ معاف کیجے

چلا قیصر زار تسلیم لیجے

یوسف قیصر

بھوپال - محلہ سبزی منڈی

۲۸- دسمبر ۱۹۰۸ء

مستورات کو ورزش کی ضرورت

بہ نسبت زمانہ سابق کے تعلیم میں ترقی ہی۔ مگر جسمانی ورزش جسپر صحت منحصر ہے اُس پر کوئی بھی اتنا زور نہیں دیتا کہ جتنا ضروری ہی اور بغیر صحت کے دینی دنیوی کام کوئی بھی پورا نہیں ہو سکتا۔ وہ صحت ہی ہی جسکے بارے میں کسی نے کہا ہی "تندرستی ہزار نعمت ہے" اوپر کہا گیا ہی کہ صحت ورزش پر منحصر ہی۔ اگر ہماری صحت اچھی نہیں ہے تو ہم نہ تو پوری طرح سے مذہبی فرض ادا کر سکتے ہیں۔ اور نہ اپنے لیے یا اپنی قوم کے لیے کچھ کر سکتے ہیں۔ بلکہ اپنے متعلقین کے لیے باعث رنج و تکلیف ہیں۔

ورزش نہ کرنے سے ہمارے اعضاے رئیسہ کمزور ہو جاتے ہیں۔ معدے کے کمزور ہونے سے ہماری عقل زوال پذیر ہوتی ہی۔ نتیجہ یہ ہوتا ہی کہ ورزش نہ کرنے کا اثر بد ہمارے جسم اور ذہن دونوں پر پڑکر ہماری ہمت مردانہ وحوصلہ دلیرانہ جو تمام ترقیوں کا سرچشمہ ہی۔ دونوں کو کمزور کرتا ہی۔ یہ بات بھی قابل غور ہی کہ زمانہ قدیم کے آدمی اکثر مضبوط قدآور۔ قوی۔ تندرست و توانا تھے۔ لیکن آجکل جسمانی کمزوری اور ناتوانی کی ہر جگہ شکایت سُنی جاتی ہی۔

اس کی کیا وجہ ہو سکتی ہی۔ ایک تو یہ صاف ظاہر ہی کہ انکے پیشے ایسے تھے جنسے اُن کی کافی ورزش ہو جاتی تھی۔ لیکن شاید اس بات کا خیال کسی کو کم آیا ہو کہ اُس زمانے کی عورتوں کے تندرست و توانا ہونے کی وجہ سے وہ بچپن ہی سے مضبوط ہوتے تھے عورتیں بھی اسلیے مضبوط ہوتی تھیں کہ اُنکے کام محنت و مشقت کے ہوتے تھے اور عورتیں اکثر بیکار نہیں رہتی تھیں۔ لیکن کیا آجکل کی عورتیں بھی ویسی ہی مضبوط ہیں اور کیا آجکل کے مرد بھی عموماً ویسے ہی کام کرتے ہیں جنسے اُنکے اعضا ورزش پائیں۔ اگر بنظر انصاف دیکھا جاے تو یہ دونوں باتیں آجکل نہیں ملتیں۔ عورتیں ہیں کہ

وہ عام طور پر کمزور. دائم المریض ہیں۔ کیونکہ اُنکے کام اکثر سلائی وغیرہ کرنے کے ہیں
آدمی ہیں کہ اُن میں زیادہ لوگ قلم اور نشست کے کام کرتے ہیں۔ مثلاً طالب علم. منشی
اور کئی بیٹھ کے کام کرنے والے ہیں۔ پچھلی جماعت کو تو کچھ نہ کچھ ورزش کی طرف
خیال ہو رہا ہی۔ لیکن پہلی جماعت یعنی مستورات کی ورزش کی طرف نہ تو مرد اور نہ ہم
خود توجہ کرتی ہیں۔ حالانکہ اگر دیکھا جائے تو ہم کو مردوں سے بھی زیادہ ورزش کی
ضرورت محسوس ہونی چاہیے۔ کیونکہ اُنکا بھی بچپن سے زیادہ مضبوط ہونا ہم ہی پر زیادہ
منحصر ہی۔ اگر ہم توانا ہیں تو بچے بھی تندرست ہونگے۔ ورنہ کمزور ہونگے۔

مردوں کی ورزش تو باہر چلنے پھرنے سے بھی کچھ نہ کچھ ہو جاتی ہی۔ لیکن مستورات
جو کہ چار دیواری میں گھری رہتی ہیں۔ انکو کوئی موقع ایسا نہیں ملتا۔ مفصلہ بالا وجوہات سے
اتنا تو ضرور ظاہر ہی کہ قوم کی روحانی وجسمانی ترقی زیادہ تر عورتوں کے مضبوط و توانا
ہونے پر منحصر ہی۔ اور مضبوط و توانا صرف جسمانی ریاضت سے ہو سکتی ہیں۔ پس غور
کیا جائے تو ہر پہلو سے مستورات کو ریاضت جسمانی کی اشد ضرورت معلوم ہوتی ہے
نیز زیادہ تر امیروں کی بیبیاں ہی کمزور۔ دائم المریض۔ زرد رو۔ اور اقسام امراض میں
مبتلا پائی جاتی ہیں۔ اگر انہیں کی خدمتگاروں سے مقابلہ کیا جائے تو خدمتگاریں انکی
نسبت زیادہ مضبوط۔ طاقتور اور صحت یاب ہیں۔ وجہ یہ ہی کہ خدمتگاروں کی دن بھر
کام دہندوں میں لگی رہنے کی وجہ سے کافی ورزش ہو جاتی ہی۔ اور معزز بیبیاں
دن بھر بیٹھے رہنے یا لیٹے رہنے کے سوائے کوئی کام نہیں کرتیں۔ اُنکے نزدیک آپ
ہاتھ پاؤں ہلانا اور گھر کے کاموں میں نوکروں کا ہاتھ بٹانا عیب میں داخل ہی۔

پس ان دونوں فریقوں کا مقابلہ کرنے سے بھی پایا جاتا ہی کہ ورزش ہر شخص کو
ضرور کرنا چاہیے۔ یہ وہ ضروری چیز ہے کہ جسکے نہ کرنے سے امیروں کے آرام بھی تلخ
ہو جاتے ہیں۔ نیز کسانوں کی مضبوط عورتوں کے مقابلے میں بھی ہم پردہ نشین بالکل

سست و کمزور ثابت ہوتی ہیں۔ حالانکہ غذا اُن کی معمولی ساگ پات ہی۔ اس کی بھی یہی وجہ معلوم ہوتی ہی کہ وہ سخت مشقت کے کام کرتی ہیں۔ مثلاً گیہوں پسینا روٹی بیلنا کاتنا وغیرہ جنسے ان کی کافی ورزش ہوجاتی ہی۔ انکے بچے بھی ہمارے بچوں کی نسبت زیادہ مضبوط۔ توانا۔ خوش اور چالاک نظر آتے ہیں۔ گو وہ صبح سردی کے موسم میں ایک کرتہ پہنے ننگے پاؤں کھیتوں میں شبنم پر چلتے ہیں۔ تاہم تندرست اور صحت یاب ہیں۔ ہمارے بچے ہیں کہ گرم کپڑوں سے لدے ہوئے ہیں۔ سرد ہوا سے بچنے کے لیے ہر وقت اُن کی دیکھ بھال ہو رہی ہی۔ لیکن پھر بھی کبھی زکام اور بخار ہے کبھی کھانسی وغیرہ غرضکہ دائم مریض ہیں۔ حالانکہ کسانوں کے بچے جو عموماً تندرست نظر آتے ہیں اُنکے لیے ہماری طرح سردی سے بچنے کے لیے کوئی کوشش نہیں کیجاتی وجہ کیا ہی کہ ہمارے بچے کسانوں کے بچوں کی مانند مضبوط نہیں۔

فکر و غور کرنے سے خاصکر یہی وجہ معلوم ہوتی ہی کہ بچوں کے تندرست و توانا ہونے میں ماں کی صحت کا بڑا دخل ہی۔ اگر ماں صحیح و سالم و توانا ہی۔ تو بچے بھی عموماً مضبوط قوی پیدا ہونگے۔ اگر ماں کمزور ہو اسکے اعضا نشو نما کامل نہ حاصل کرچکے ہوں تو اسکی اولاد بھی کمزور و بیمار ہوگی۔ کیونکہ ایک تو خلقتاً ہی کمزور۔ پھر جس ماں کا دودھ پینا پڑتا ہے وہ پہلے ہی سے کمزور دائم المریض ہوتی ہی۔ گویا اسکا دودھ ہی تمام قسم کی کمزوریوں و بیماریوں کا سرچشمہ ہی۔ گو صاف ہوا کا بھی صحت پر بہت عمدہ اثر پڑتا ہی۔ جس سے ہم پردہ نشیں بالکل محروم ہیں۔ لیکن ورزش جو ہمارے اختیار میں ہی اُس کی طرف ہم مطلق توجہ نہیں کرتے جسکا نتیجہ یہ ہی کہ دن بدن آیندہ نسلیں کمزور ہوئی جاتی ہیں۔ اور نیز پھیپھڑے کی بیماری اور دیگر امراض سینہ میں بھی زیادہ عورتیں ہی مبتلا پائی جاتی ہیں اور وقت سے پہلے اس موذی مرض کا شکار ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ ورزش نہ کرنے سے اُنکے پھیپھڑے کمزور ہوجاتے ہیں۔ ورزش کرنے سے پھیپھڑوں میں خون زیادہ مقدار سے

جانے لگتا ہی۔ دل کی حرکت اور خون کی رفتار تیز ہوجاتی ہی۔ دل بھی زیادہ قوت کے ساتھ کام کرنے لگتا ہی۔ پھیپھڑے اور دوسرے اعضاے جسم بڑی مستعدی سے کام کرنے لگجاتے ہیں۔ دماغ میں ایک خاص قسم کی مستعدی پائی جاتی ہی۔ فعل ہضم ترقی کرجاتا ہے اور بدن کی ساری مشین کمال خوبی کے ساتھ کام کرنے لگجاتی ہے۔

ورزش وہ ضروری چیز ہے جسکے نہ کرنے سے بدن کا ہر ایک حصہ نقصان عظیم پاتا ہی انسان دن بدن سُست ہوتا جاتا ہی۔ کاہلی اُسپر غالب آتی جاتی ہی۔ پہلے سستی تھوڑی ہوتی ہی پھر جب خون میں فضلات ردّیہ بکثرت ہوجاتے ہیں تو سستی روزافزوں ترقی کرجاتی ہے یہانتک کہ وہ ایک جگہ بیٹھے رہنا یا لیٹے رہنا ہی پسند کرتا ہی۔ ایسا کاہل آدمی نہ صرف دنیاوی نقصان اُٹھاتا ہی۔ بلکہ دینی اولوالعزمی اور ذوق شوق یاد الٰہی سے بھی غافل ہوجاتا ہے۔ اور خسرالدنیا والآخرۃ کا مصداق بنجاتا ہی۔ اگر ہم ورزش نکریں تو اُسکا اثر ہمارے دل اور ذہن دونوں ہی قبول کرتے ہیں اور وہ دونوں اپنے اپنے فرض ادا کرنے سے قاصر ہوجاتے ہیں ایک اور عجیب بات یہ ہی کہ جیسے آدمی ورزش کی طرف سے غفلت کرتا جاتا ہے ویسے ہی اُسپر سستی غالب ہوجانے کی وجہ سے اُس کی طرف سے نفرت زیادہ ہوتی ہی گویا وہ ایک ایسا مریض بنجاتا ہی۔ جو علاج سے گریزاں و دوا سے نفور ہی۔ اور بدن کے اندر ایک قسم کا مواد جمع ہوجاتا ہی جسکو سستی کا زہر کہہ سکتے ہیں۔ زندہ دلی کافور ہوجاتی ہے اور مزاج میں چڑچڑاپن پیدا ہوجاتا ہے۔ ادنی بات سے ناراضی کا جوش آجاتا ہے۔ ادنیٰ ادنیٰ سبب غصہ کا محرک بنتا ہی۔ دل فکرمند رہتا ہی۔ غذا جو آدمی کھاتا ہی پورے طور پر جسز و بدن نہیں بنتی۔ اور غذا کا ایک حصہ بصورت چربی انسان کے بدن میں جمع ہونے لگتا ہی۔ جس سے آدمی بے طرح موٹا ہوجاتا ہے۔ دیکھنے والا شاید یہ خیال کرے کہ ایسا فربہ اور تیار آدمی شاید بڑا طاقتور ہوگا۔ لیکن وہ بالکل بھدّا اور کمزور ہوتا ہے نیز ایسا لاچار ہوتا ہی کہ اُسکو اپنے بدن کا اُٹھانا بھی مشکل معلوم ہوتا ہی۔ اور چونکہ عورتوں کے

مزاج میں عموماً غصہ زیادہ پایا جاتا ہی۔ شاید اُس کی یہی وجہ ہو کہ اُنکے لیے سامان ورزش جس میں کچھ دلچسپی بھی ہو نہیں ہی۔ اکثر اُنکے غصہ کا اثر اُن کی اولاد تک پہنچتا ہے پس وہ بھی نافرماں بدخو ہوجاتی ہی۔ پس ہم عورتوں کو بہ نسبت مردوں کے ورزش کی زیادہ ضرورت محسوس ہوتی ہی۔ لیکن نہ تو قوم کے خیرخواہ ہماری ورزش پر اتنا زور دیتے ہیں جتنا کہ ضروری ہی۔ اور نہ ہم خود ہی ورزش کی طرف جتنی کہ چاہیے اتنی توجہ کرتی ہیں۔

جب تک عورتوں کی ورزش کی طرف خیال نہ کیا جائیگا قوم جسمانی طاقت سے محض بے بہرہ رہے گی۔ اسلیے یہ ضرور ہی کہ ناظرین خاتون کوئی خاص قسم کی ورزش تجویز کریں جس میں کچھ تھوڑی بہت دلچسپی بھی ضرور ہو۔ گو خانہ داری کے کام ایسے ہیں کہ اُن میں کافی ورزش ہو سکتی ہی۔ مگر صبح سے شام تک انھیں میں لگے رہنے سے طبیعت گھبرا جاتی ہی۔ اور تعلیم حاصل کرنے سے بھی محروم رہنا پڑتا ہی۔ بہتر ہو کہ اگر صاحب توفیق اپنے کنبہ نیز محلہ وغیرہ کے لیے ٹینس یا بیڈمنٹن کے کھیلنے کا عورتوں کے لیے بندوبست کر دیں۔ یا کسی بہن کا گھر ہی فراغت کا ہو تو بیبیاں خود بھی وہاں ایسا بندوبست کر سکتی ہیں۔ اس میں بہت سے فائدے ہیں۔ ایک تو اکیلا رہنے سے طبیعت میں ایک قسم کی وحشت پیدا ہو جاتی ہی۔ دوسرے چند معزز بیبیاں باہم مل کر کھیلیں تو ایک دوسری کی صحبت سے فائدہ اُٹھا سکتی ہیں۔ اور اپنے عیب ایک دوسری سے ملکر رفع کر سکتی ہیں کیونکہ انسان انسان کا آئینہ ہی۔ اور نیز ورزش بھی ہو جائیگی اور جہاں یہ بندوبست نہیں ہو سکتا۔ انکے لیے سینڈو صاحب کے ایجاد کردہ ڈمبلوں کی ورزش بھی بہت فائدہ مند ہی۔ اگر باقاعدہ کیجائے۔ کیونکہ انسے بھی بخوبی ورزش ہو سکتی ہی۔ نیز وقت بھی زیادہ خرچ نہیں ہوتا۔ اور گھر کی چار دیواری میں ہم اسے بخوبی کر سکتی ہیں۔

اور علاوہ اسکے ناظرین خاتون اپنی رائے سے مطلع فرما دیں۔ اور مہربانی فرماکر ہماری ورزش کی طرف توجہ کریں جو ایک نہایت ضروری امر ہی۔ ورنہ آیندہ نسلیں دن بدن کمزور۔ پست حوصلہ۔ بزدل۔ کم ہمت ہوئی جاتی ہیں۔ اور یہ کوئی نئی بات نہیں ہی۔ ہمیشہ سے یہی دستور چلاآیا ہی کہ جن قوموں نے ریاضت جسمانی کو حقیر سمجھا قدرت نے اُن کو یہ سزادی کہ اُنکے جسموں اور اُن کی نسلوں کو کمزور بزدل۔ اور بے حوصلہ بنادیا۔ فاعتبروا یااولی الابصار۔

راقمہ

ع۔ ف از جالندھر بستی نو

انجمن تعلیم نسواں

ناظرین خاتون انجمن تعلیم نسواں کے نام سے زیادہ واقف نہیں ہیں۔ کیونکہ یہ انجمن خاتون کے اجراء سے پہلے ہی قائم ہوئی تھی اور اسکے جلسوں کی روداد وغیرہ تہذیب نسواں اور البشیر وغیرہ میں شائع ہوئی تھی۔ اور جب سے خاتون جاری ہوا ہی اسوقت سے ابتک یہ انجمن قریب قریب معطل سی رہی۔ اور جو کچھ اسکا چندہ تھا اس میں سے جو حصہ بعد اخراجات کے باقی رہگیا تھا وہ نارمل اسکول علیگڑھ کو دیدیا گیا تھا۔ اور اُسکا اعلان بھی خاتون کے صفحات میں ہوچکا ہی۔

یہ انجمن پردہ نشین مستورات دہلی کی انجمن ہی۔ ۱۹۰۲ء میں چند۔ روشنخیال بیبیوں کے دلوں میں اسکے قائم کرنیکا خیال پیدا ہوا۔ اور اُنھوں نے اپنی بہنوں کی اصلاح اور بہبودی کے لیے اسکو قائم کیا۔ اس کی پریسیڈنٹ سکندر جہاں بیگم صاحبہ اور سیکرٹری سلطانہ بیگم صاحبہ اور مسز عبداللہ ہیں۔

اسکے معطل رہنے کی وجہ یہ تھی کہ اسکے ارکین متفرق مقامات پر چلے گئے تھے

اسوجہ سے اسکے اجلاس نہو سکے۔ اب پھر اراکین کے دہلی میں جمع ہو جانے کی وجہ سے اسکا جلسہ ۲۳ دسمبر ۱۹۰۳ء کو سلطانہ بیگم صاحبہ کے مکان پر منعقد ہوا۔ اس میں مس ڈاکٹر سہراب جی جنھوں نے اپنے اعلیٰ اخلاق اور قابلیت کی وجہ سے بہت تھوڑے عرصہ میں دہلی کی بیگمات میں نہایت ہر دلعزیزی اور مقبولیت حاصل کی ہے وہ بھی شریک جلسہ تھیں۔ اور تیس چالیس معزز خاندانوں کی بیگمات بھی شامل تھیں۔ اس میں مفصلہ ذیل رزولیوشن پیش ہو کر بالاتفاق پاس ہوئے۔ اور بعد جلسے کے پان اور پھولونکے ہار اراکین جلسہ کی طرف سے حاضرین کو تقسیم ہوئے اور جلسہ برخاست ہوا۔

اڈیٹر

سکرٹری نے پہلے گزشتہ اجلاسوں کی کیفیت پڑھکر سنائی۔

اجلاسوں کا خلاصہ۔ یہ انجمن تعلیم نسواں ۱۹۰۲ء میں قائم ہوئی تھی اسکا پہلا جلسہ ۱۸ اکتوبر ۱۹۰۲ء میں خوبی کے ساتھ بر مکان مرزا رفیع الدین بیگ صاحب دہلی میں ہوا تھا۔

۱۔ پہلے جلسہ اکتوبر میں انجمن قائم کرنے کی تجویزیں پیش کی گئی تھیں۔ اور دو ایک تحریریں تعلیم کی خوبیوں میں بیان کی گئی تھیں۔

۲۔ ۱۹۔ نومبر ۱۹۰۲ء کو دوسرا جلسہ بر مکان مرزا رفیع الدین بیگ منعقد ہوا۔ اس جلسہ میں یہ تجویزیں پیش کی گئیں۔

۱۔ لڑکیوں کی تعلیم کی طرف والدین کو توجہ کرنی چاہیے

لڑکیوں کو پڑھوانے کے لیے مدرسہ جاری کیا جائے۔ مدرسہ کی طرف سے استانیاں گھر گھر پڑھانے جائیں اُن لڑکیوں کو جو کہ مدرسے میں کسی وجہ سے نہ آسکیں۔

چندے جمع کرنے کے لیے تحریک کی گئی۔

۳۔ تیسرا جلسہ ۱۰ دسمبر ۱۹۰۲ء میں ہوا۔ اس میں تجویز پیش کی گئی کہ انجمن تعلیم نسواں

کی طرف سے لیڈی کرزن صاحبہ کی خدمت میں تہنیت کا ایک ایڈرس پیش کیا جائے۔ لہذا اسکے لیے ایک کارچوبی صندوقچی بنوائی جائے اور سنہری کاغذ پر وہ ایڈریس لکھکر پیش کیا جائے۔

بمنظوری پریزیڈنٹ اور سکرٹریاں اور باتفاق ممبروں کے یہ تجویز پاس ہوئی۔ اور آخر دسمبر میں معرفت ڈاکٹر مس شبلی صاحبہ کے لیڈی کرزن کو ایڈریس بھیجا گیا۔

اخراجات- سکرٹری و پریسڈنٹ اور ممبروں سے سو روپیہ چندہ وصول ہوا تھا جس میں سے پچیس روپیے اڈریس پر صرف کیے گئے۔ اور کچھ تھوڑی رقم پچھلے جلسوں میں صرف ہوئی باقی روپیہ ایک سال تک خزانچی قمر سلطانہ بیگم صاحبہ کے پاس جمع رہا۔ بعد میں سب ممبروں کی صلاح سے وہ روپیہ زنانہ نارمل سکول علیگڑھ کو دیدیا گیا۔

اسکے بعد سکرٹری نے حسب ذیل تجویز پیش کی۔

حال میں ہم نے سنا ہی کہ ہماری معزز ڈاکٹر مس سہراب جی کے ذریعے سے گورنمنٹ کی طرف سے دہلی میں ایک زنانہ سکول کھلنے والا ہی۔ اُس میں سب قوموں کی شرفاء اور معزز لڑکیاں لی جائیں گی۔ اب اس نعمت غیر مترقبہ کے حاصل کرنے میں بھی اگر شرفا غفلت کریں تو بہت ہی بے ہمتی اور جہل پرستی ہوگی۔ سُنا جاتا ہی کہ اس میں کسی کے مذہب سے کچھ تعلق نہوگا۔ اس سے زیادہ اور کیا آسانی ہوسکتی ہی کہ شہر میں ایسا معتبر سکول جاری ہوجائے جہاں والدین کی نگاہ کے سامنے لڑکیاں تعلیم حاصل کرسکیں۔ اہل وطن کو چاہیے کہ ہماری ڈاکٹر مس سہراب جی کا اس کام میں ہاتھ بٹائیں اور اُن کو اسکا موقع دیں کہ وہ سکول کو اعلیٰ پیمانے پر چلاکر ملکی بہنوں پر احسان کریں۔

شاید اکثر بہنوں کو تجربہ سے معلوم ہوا ہوگا کہ خاصکر شہر دہلی کی لڑکیاں اور مشہور شہروں کی نسبت تعلیم میں پیچھے ہیں۔ اور شہروں میں تعلیم کا اتنا چرچہ ہوگیا ہی کہ سکول لڑکیوں سے بھرے پڑے ہیں۔ یہاں اتنی مدت سے کوئی سرکاری سکول ایسا نہیں ہے کہ

جہاں آزادی کے ساتھ لڑکیاں داخل کرادی جایا کریں۔ بعض بیبیوں کو اپنی لڑکیوں کے نہ پڑہانے کے لیے مشنری سکولوں کی طرف سے ضرورت سے زیادہ بدظنی کرنے کا موقع مل گیا ہی۔

دہلی کی لڑکیاں اُردو مادری زبان ہونے کے سبب بہت آسانی سے اس میں خاص قابلیت پیدا کرسکتی ہیں۔ برخلاف اسکے میں دیکھتی ہوں کہ اور اضلاع کی لڑکیوں سے دہلی کی لڑکیاں اپنی بدشوقی کے سبب سے مضمون نگاری اور علمی حیثیت سے بہت گری ہوئی ہیں۔ امید ہی کہ یہ کمی تو بہت تھوڑی کوشش سے آیندہ نئے سکول سے پوری ہوجائے گی۔

ایک نئی تجویز آپ صاحبوں کے سامنے پیش کی جاتی ہی۔ اگرچہ صرف پیش کرنے والی میں ہوں۔ لیکن یہ کام آپ صاحبوں کی کوشش اور اتفاق پر منحصر ہی۔ جتنی کہ اسوقت اس کمرے میں بیبیاں موجود ہیں خواہ کسی مذہب اور ملت کی کیوں نہ ہوں سب کا ایک دوسرے سے نسبی رشتہ ہی۔ اول وہ بیبیاں لیجیے جن کی آپس میں عزیزداری ہے یہ رشتہ بہت تھوڑا ہی۔ دوسرا سبب ایک قوم ہونے کا۔ تیسرا ہموطن ہونے کا۔ چوتھا ملکی رشتہ پانچواں تعلق جو سب سے بڑا اور سمندر پار تک ہے وہ ایک شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم کی رعایا ہونے کا ہی جبکہ ہمارا سب کا آپس میں کچھ نہ کچھ تعلق ہی تو ہم کو ملکر کام بھی کرنا چاہیے۔

ہندوستانی بیبیوں کو ہمیشہ سے خرید و فروخت میں بے انتہا مشکل پڑتی ہے۔ اس مشکل سے یقیناً سب بیبیاں واقف ہونگی۔ زمانے کے ساتھ ضروریات بھی دن بدن بڑہتی جاتی ہیں۔ اچھا لباس اور نئی ارائش کا شوق پہلے سے بہت بڑہ گیا ہی۔ اور اسکے ساتھ ہی خریدنے کی دقتیں بھی زیادہ ہوگئی ہیں۔ اسکے رفع کرنے کی یہی صورت ہوسکتی ہی کہ سب کے چندے سے ایک چھوٹا سا کارخانہ کھولا جائے جہاں بیبیاں ہی خرید و فروخت کریں اور اسکو سٹور کمپنی کی صورت میں چلایا جائے۔ فی حصہ پچیس روپیہ ہو

اور کم سے کم تین چار ہزار روپیہ جمع ہونے کے بعد کام شروع کیا جائے۔ سٹور کمپنی
میں ادنی سے اعلیٰ تک کپڑا - گوٹا کناری اور ضروری چیزیں وغیرہ۔ بچوں کے کھلونے
آرائشی سامان میں جو کام کی چیزیں ہوں مہیا کیجائیں۔ سال ختم پر کمپنی کے ذاتی اخراجات
نکال کر باقی منافع تقسیم کیا جائے۔ اس کمپنی کے کھلنے سے بہت سی غریب گھر کی بیٹھنے
والی بیبیوں کو فائدہ پہنچیگا۔ ملکی اور قومی ہمدردی ہوگی۔

اگر بیبیاں اس تجویز کو پسند کریں اور چاہیں تو ایک کمپنی کھل جاے۔ خیر روپیہ تو جمع
ہو ہی جائے اگر برابر کوشش کیے جائیں تو۔ لیکن سب سے زیادہ یہ ہے کہ کوئی بی بی اُسکی
منتظم بنیں اور اس کام کو اپنے ذمے لیں تو سٹور کمپنی جاری ہونی کچھ بھی مشکل نہ ہو۔
میں خود اسکو پورا کرتی لیکن میری ہمت دو تین مددگاروں کو تلاش کرتی ہے۔ کیونکہ میں مستقل
طور پر دہلی میں نہیں رہتی۔ کبھی پشاور کبھی یہاں۔ اگر کوئی بی بی منتظمہ بنیں تو میں اُسکا اور
کل کام اپنے ذمے لے سکتی ہوں۔

عرصہ ہوا سنا تھا کہ ہماری عزیز محترمہ بہن صاحبہ یعنی ایڈیٹر صاحبہ تہذیب نسواں
کا ارادہ ہے کہ سٹور کمپنی کھولیں۔ کاش لاہور میں ہی جاری ہو جائے تو بہت
مناسب ہو۔

اگر کوئی بہن اس کی منتظم ہونا اختیار کریں تو سٹور کمپنی عملی صورت میں ظاہر ہو سکتی ہے
ورنہ یہ کمپنی تجویز اور خیال کی حیثیت سے نہیں بڑھے گی۔[1]

وحید جہاں بیگم نے مندرجہ ذیل الفاظ میں اس تجویز کی تائید کی۔

شکر کا مقام ہے کہ اس گرے وقت میں بھی بعض عالی دماغ بہنوں کو کوئی نہ کوئی
مفید بات سوجھ جاتی ہے۔ چار برس سے دہلی میں (خاتون اسٹور) معزز بہن سعید احمد بیگم

نوٹ [1]۔ اس تجویز کو پسند تو سب نے کیا مگر دیکھ بھال انتظام کی ذمے داری کسی نے نہیں لی۔ اسوجہ سے
اس تجویز کا پاس ہونا فی الحال بیفائدہ رہا۔

صاحبہ کی نگرانی میں کام کر رہا ہو کہ ہماری معزز بہن سلطانہ بیگم صاحبہ کو بھی خیال آیا کہ ایک سٹور کمپنی دلی میں اعلی پیمانے پر کھولنی چاہیے تاکہ شہر کے اور باہر کے لوگوں خصوصاً بیبیوں کو آسانی سے عمدہ اشیاء مل سکیں۔ اور حصہ داران کمپنی کو بھی فائدہ پہونچے گا اُن کا یہ عمدہ خیال ہے اور میں تائید کرتی ہوں۔ اس کی طرف بہنوں کو خاص طور پر توجہ کرنی چاہیے۔

اگر شہر اور باہر کی بیبیوں نے توجہ کی تو معزز پیاری بہن سلطانہ بیگم کی تجویز مفید ثابت ہوگی۔ شہر کی بیبیوں کو یہ بڑی آسانی ہوگی کہ خود آکر اپنی پسند سے اپنی ضرورت کی اشیاء خرید سکیں گی۔ اس کام کی ابتدا کرنے کے لیے پانچہزار روپیہ کی ضرورت ہوگی تاکہ جہانتک ممکن ہو اشیاء افراط سے جمع رہیں اور فرمائش پر فوراً عمل ہو۔

اسکے بعد سکندر جہاں بیگم صاحبہ نے حسب ذیل تقریر کی۔

تعلیم کی ضرورت کو تو سب نے تسلیم کر لیا ہے اور اس بات کو بھی سب مانتے ہیں کہ تعلیم پھیلنی چاہیے جو کچھ حرف شناسی چند بیبیوں نے حاصل کی ہے وہ خانگی تعلیم کا نتیجہ ہے اُس سے تعلیمی مقاصد پورے نہیں ہوسکتے۔ ابھی تک ماؤں کو لڑکیوں کی تعلیم کی طرف زیادہ خیال نہیں ہوا لیکن اب وہ وقت آگیا ہے کہ جیسے بیٹی کا پالنا اُسکا بیاہ کرنا فرض ہے ایسے ہی اُس کی تعلیم بھی فرض سمجھنی چاہیے یہاں شہر دہلی میں مشن کی طرف سے عرصۂ دراز سے مدرسے کھُلے ہیں شرفاء کی لڑکیاں اسکے فائدہ اُٹھانے سے محروم رہجاتی ہیں۔ گھر گھر اُستانیاں کہاں سے آویں۔ اور فرض کرو اُستانیاں مل بھی جاویں تو تعلیم بے قاعدہ رہے گی جبتک کہ لڑکیاں کامل طور پر مدرسے میں تعلیم نہ پاویں گی۔ تعلیم یافتہ نہ کہلائیں گی۔ اب حال میں شہر دلی میں ایک مدرسہ شریف لڑکیوں کا قائم کرنے میں معزز لیڈی ڈاکٹر مس سہراب جی صاحبہ کوشش کر رہی ہیں اور اُس مدرسے میں اہل ہنود اور مسلمان دونوں قوموں کی لڑکیاں انگریزی تعلیم بھی جو اس زمانہ

کے مناسب حاصل کرینگی ۔ اور سلائی کڑھائی کے کام بھی جنکے سکھانے کی ضرورت ہے
سکھایا جائیگا ۔ جب یہ مدرسہ قائم ہوجائیگا تو شہر کے معزز ہندو اور مسلمان بھی وہاں
اپنی لڑکیوں کو بلاتامل بھیجینگے اور امید ہی کہ یہ مدرسہ دہلی کی بیگمات میں تعلیمی روشنی
پھیلائے گا ۔

تقریر سرور بیگم صاحبہ ۔

(۱) جناب پریسیڈنٹ صاحبہ و دیگر حاضرین جلسہ ۔ مجھکو اس بات کے دیکھنے سے
نہایت مسرت ہی کہ ہمارے شہر کی بی بیوں نے اُس اہم ضرورت کو جسکا نام تعلیم نسواں
ہی محسوس کیا اور آج اس مقصد اعلے کے حاصل کرنے کی تدابیر پر غور کرنے کے لیے
یہاں تشریف لائیں ۔ ساتھ ہی مجھکو اس بات کے ظاہر کرنے سے افسوس آتا ہی کہ شہر
دہلی نے جو ہندوستان کے نامی شہروں میں سے ایک مشہور شہر ہی اور جو ایک زمانے
میں علم و ہنر کا میدان تھا اُسنے انیسویں صدی کے شروع میں اُس میدان میں قدم رکھا
جس میں دوسری قومیں صدہا منزلیں طے کر چکی ہیں اور ابتک برابر استقلال کیساتھ قدم
بڑہاے چلی جارہی ہیں ۔ خیر بقول شخصے کہ اگر صبح کا بھولا شام کو گھر آئے تو اُسکو
بھولا نہیں کہتے اب بھی کچھ نہیں گیا ہی اب بھی اگر ہم اس اہم ضرورت کو محسوس
کرکے عملی طور پر اسکے حصول کی طرف متوجہ ہوجائیں تو سب کچھ ہو سکتا ہی ہاں صرف
انجمن میں شریک ہونے سے اور اُسکے مقاصد کو صرف لیلی مجنوں کا فسانہ سمجھنے سے کوئی
فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا ۔

(۲) معزز بی بیو ! یہ امر مسلمہ ہی کہ تعلیم انسانی زندگی کا مقصد اعلی یا دوسرے لفظوں
میں اُس کی علت غائی ہی ۔ انسانی کمالات کی تکمیل اسکے بغیر ہونی محال ہی عام تعلیم کے
مسئلہ پر تو ہم لوگوں نے کبھی غور کیا ہی نہیں اور نہ کبھی اس ضرورت کو بطور ایک اعلے
ضرورت کے محسوس کیا گویا عام تعلیم کے لحاظ سے تو ہم اس مقام میں ہیں جسکا نام علم ہند

میں صفر ہی اور اگر پچاس فیصدی یا اس سے کم وبیش اس ضرورت کو محسوس کر کے اسکے حاصل کرنے پر متوجہ ہو ہی گئے ہیں تو وہ مردوں کا فرقہ ہی ہمارے شہر کے فرقۂ اناث نے اس صدی میں سوائے آج کے شاید کبھی اس مسئلہ پر غور نہیں کیا اور اگر کبھی کیا ہو تو تاوقتیکہ اس سے کوئی نتیجہ حاصل نہ ہو کسی شمار میں نہیں ہی۔ اگر فرض بھی کر لیا جائے کہ مذکورۂ بالا فرقے کے ہر فرد نے (یعنی مردوں نے) اس اصلی ضرورت کو محسوس کر کے حاصل بھی کر لیا تو جب تک کہ فرقہ اناث جو انسانی تکمیل کا بیٹر ہاف ہے یعنی بہتر آدھا حصہ ہی تعلیم حاصل نہ کرے اسوقت تک اس مقصد اعلے کی تکمیل نہیں ہو سکتی دیکھو یورپ میں تعلیم مردوں ہی تک محدود نہیں ہی بلکہ عورتوں نے بھی اسکو ویسا ہی ضروری خیال کیا ہی اور اسکا نتیجہ آپ کے سامنے ہی کہ آج یورپ کا علم وہنر فضل و کمال ترقی کے آسمان پر مہر نیم روز کی مانند جگ مگ کر رہا ہے اور اس کی تیز شعاعوں سے ہماری آنکھیں خیرہ ہوئی جاتی ہیں کوئی فرد بشر اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ جن باتوں نے یورپ والوں کو ترقی کے درجے پر پہنچایا ہی اُس میں سے سب سے بڑی چیز تعلیم ہے کیا افسوس ہی کہ ہم ایک بدیہی بے نظیر ہر روز اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھیں اور پھر بھی خواب غفلت میں سوتے رہیں۔ خدا کا شکر ہی کہ آج وہ مبارک ساعت ہی کہ ہم خواب غفلت سے جاگ کر اس اعلے مقصد کے متعلق سوچنے کے لیے یہاں جمع ہوئے ہیں۔

میں خدا سے دعا مانگتی ہوں کہ وہ ہمارے ارادوں میں استقلال اور استقلال میں کامیابی عطا فرمائے۔

اڈیٹوریل

زنانہ نمائش

اس سال ہم نہایت خوشی کے ساتھ زنانہ نمائش کے حالات ناظرین کو سناتے ہیں

ابکے نمائش جو کراچی میں ایجوکیشنل کانفرنس کے ساتھ ہوئی وہ نہ صرف صیغۂ تعلیم نسواں کی کوششوں کا نتیجہ تھا بلکہ خود کانفرنس کا جزو اعظم اُسکو کہنا چاہیے۔

کانفرنس کے جسقدر ڈیلیگیٹس تھے خواہ وہ کسی صوبے اور کسی جگہ کے رہنے والے ہوں بلا استثنا سب کے سب نمائش میں شریک ہوئے اور ہم کہہ سکتے ہیں کہ جو لوگ بھی نمائش دیکھنے کے لیے آئے وہ سب کے سب نمائش کی دلچسپی اور اُسکے مفید اثرات کو ساتھ لیکر واپس گئے۔ نمائش کے مقاصد سے تو ناظرین عام طور پر واقف ہیں اسکے بیان کرنے کی ضرورت نہیں صرف نمائش کا ایک سرسری طور پر حال بیان کرتے ہیں۔ کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ ناظرات خاتون میں اُن لیڈیز کی تعداد جنھوں نے بچشم خود اس نمائش کو جاکر دیکھا تھا اسقدر کم ہی کہ اُنگلیوں پر گنی جاسکتی ہی۔ زیادہ تر اسی اشتیاق میں رہی ہیں کہ اُنکو وہاں کے حالات سُنائے جائیں۔

چار سال ہم کو نمائش کرتے ہوئے ہوگئے۔ لیکن اس بات کا افسوس رہا کیا کہ جن کی بہتری اور بہبودی کے لیے ہم کوشش کرکے چیزیں جمع کرتے ہیں۔ نمائش میں لاتے ہیں۔ خود جن کی چیزوں سے ہم نمائش کو سجاتے ہیں وہ نمائش میں شریک نہیں ہوسکتیں اور نہ اُس سے کوئی فائدہ اُٹھا سکتی ہیں۔ خدا کے فضل سے اس سال یہ افسوس بہت کم ہوگیا۔ کیونکہ خود کراچی کی بہت سی مسلمان لیڈیوں نے نمائش سے خاص دلچسپی لی۔ خود نمائش میں شریک ہوئیں۔ بہت سی چیزیں خریدیں۔

ہمیں امید ہی کہ ہماری آیندہ نمائشیں بھی معزز بیگمات کی تشریف آوری اور دلچسپی سے مفید ثابت ہوں گی۔ اب نمائش کی کیفیت سُنیے۔

کانفرنس کیمپ کے دو بڑے پھاٹک تھے۔ ایک کے سامنے کانفرنس ہال تھا۔ دوسرے کے قریب زنانہ نمائش کی پختہ عمارت تھی۔ جس جگہ نمائش کی یہ عمارت تھی اُس جگہ چند دن پہلے کئی بڑے بڑے درخت اور اونچے اونچے ٹیلے تھے۔ مگر ہمارے

قابل تعریف دوست جناب علی محمد خاں صاحب دہلوی سکرٹری لوکل کمیٹی کانفرنس کی کوششوں سے یہ سب درخت کٹوا دیے گئے تھے اور زمین ہموار کر دی گئی تھی اور اُسپر یہ پختہ عالیشان عمارت بنی تھی جس میں نمائش کی چیزیں نہایت خوش اسلوبی اور خوبی کے ساتھ سجائی گئی تھیں۔

یہ نمائش بہ نسبت گزشتہ نمائشوں کے کم وقعت نہ تھی۔ اسکا کل انتظام لوکل کمیٹی کے ذمے تھا جن میں سے سب سے پہلے ہمکو اپنے پُرجوش نوجوان دوست محمد الیاس صاحب سکرٹری کا نام لینا چاہیے۔ انکے علاوہ یوروپین اور پارسی لیڈیز مسز وائنس مسز فرامرز۔ مسز پہنکی اور مسز سٹاٹ وغیرہ تھیں جنھوں نے رات دن محنت کر کے نمائش کا کام کیا تھا۔

جو لوگ نمائش کے کام سے واقف ہیں وہ سمجھ سکتے ہیں کہ ہر ایک چیز کا احتیاط سے رکھنا اور احتیاط کیساتھ واپس بھیجنا۔ خرید و فروخت کا حساب اور آرائش وغیرہ کرنا اور اُنکا ترتیب اور حفاظت کے ساتھ سجانا کسقدر مشکل کام ہے۔ مگر ان لیڈیز نے ان تمام کاموں کو نہایت خوبی سے انجام دیا۔ جسکو دیکھکر بیساختہ تحسین و آفریں زبان سے نکل جاتی تھی۔

نمائش کا افتتاح ۲۶ دسمبر کی شام کو مسز ینگ ہزبنڈ (کمشنر صاحب کی بیوی) نے کیا۔ اسوقت کی کیفیت کو ہم کبھی نہیں بھول سکتے۔ نمائش کے مکان کے سامنے ایک نہایت خوبصورت شامیانہ لگایا گیا تھا۔ جس کا ایک حصہ چلمنوں سے بند تھا اور دوسرا کھلا ہوا تھا۔ بند حصہ میں شہر کی معزز مسلمان لیڈیز تھیں۔ اور کھلے حصے میں یوروپین پارسی اور ہندو لیڈیز تشریف فرما تھیں۔ جنکی تعداد تقریباً دو سو تھی۔ یوروپین جنٹلمین بھی پچاس کے قریب تھے۔ اور دیگر حاضرین کی تعداد ایک ہزار سے زائد تھی۔ لیڈیز کے مختلف قسموں اور رنگ برنگ کے لباسوں نے جلسہ کی شان کو بہت بڑھا دیا تھا اور نہایت دلچسپ مجمع تھا۔

مسز وائنس نے کچھ تھوڑی سی تقریر کرکے مسز ینگ ہزبنڈ کو نمائش کی کنجی دی۔ اُنھوں نے اپنے ہاتھ سے اس قفل کو کھولا اور لوگوں سے مخاطب ہوکر کہا کہ میں اس نمائش کا افتتاح کرتی ہوں اور اسکے منتظموں کا شکریہ ادا کرتی ہوں کہ اُنھوں نے اس کی افتتاح کا فخر مجھے بخشا اور میں دعا کرتی ہوں کہ ہندوستانی لیڈیز کی دستکاری میں ایسی ایسی نمائشوں کی وجہ سے روزافزوں ترقی ہو۔ یہ کہکر وہ نمائش میں داخل ہوئیں اور اُنکے بعد اور مدعو لیڈیز اندر گئیں۔ اُس روز شام کے چھ بجے سے لیکر رات کے نو بجے تک صرف لیڈیز کے لیے اجازت تھی۔ دوسرے روز صبح سے رات کے نو بجے تک لوگوں کے لیے عام اجازت تھی۔ تیسرے دن پردے کا سخت انتظام کیا گیا اور ۱۲ بجے سے ۷ بجے تک صرف پردہ لیڈیز کی اجازت تھی۔ سُنا ہے کہ کراچی کی مسلمان لیڈیز اسقدر جمع ہوئیں کہ نمائش میں تل دہرنے کو جگہ نہ رہی اُن کی روشنخیالی اور تعلیم کا اشتیاق اسقدر بڑھا ہوا تھا کہ کانفرنس ہال میں اُنکے لیے پردے کا خاص انتظام کیا گیا تھا۔ اور وہ ہر میٹنگ میں برابر شامل ہوتی رہیں۔ کاش ہمارے ہاں کی بیگمات اپنی ان مغربی بہنوں سے۔ جو پردے میں بھی ہیں اور ترقی کی دوڑ میں آگے بڑھتی جاتی ہیں۔ کچھ سبق سیکھیں۔

نمائش کی ہر ایک چیز کا مفصل طور پر بیان کرنا تو بہت ہی دشوار کام ہے کیونکہ چیزیں اس قدر کثرت سے تھیں کہ اُنھیں نمائش میں رکھنے ہی کے لیے دقت پڑتی تھی مگر تاہم ہم اپنے ناظرین کو نمائش کی قابل تعریف چیزوں کے بیان سے ہرگز محروم نہ رکھینگے۔ نمائش کے بیچ میں ایک الماری میں ہر ہائنس بیگم صاحبہ جنجیرہ اور اُن کی ہمشیرگاں مس عطیہ فیضی و مس زہرا فیضی صاحبہ اور اُن کی بھاوج حلیمہ خاتون صاحبہ اور ہر ہائنس کی والدہ صاحبہ کے ہاتھ کی بنی ہوئی بے نظیر صنعت کے نمونے مس عطیہ فیضی صاحبہ نے اپنے ہاتھ سے سجائے تھے۔ اس الماری کے اوپر مسز جہانگیر

کی ہاتھ کی تین نہایت عالیشان تصویریں لگی تھیں۔ یہ تصویریں مسز جہانگیر نے فوٹوگرا
پرسے پنسل انلارجمنٹ کیا تھا۔ اس کی تعریف تو وہی لوگ اچھی طرح سے کرسکتے ہیں۔
جو اس کام سے کچھ واقف ہیں۔ ہم نے خود اپنے کانوں سے کراچی کے دو بڑے
نامی مصوّرونکو ان کی تعریف کرتے سُنا ہی۔ الماری کے ایک طرف فاطمۃ الکبرے
صاحبہ دہلوی کے ہاتھ کے لکھے ہوے طغرے اور اُردو خط کے نمونے ہیں۔ ہم
فاطمۃ الکبرے صاحبہ کو اس عمدہ خط کے لیے دل سے مبارکباد دیتے ہیں۔ ہم سمجھتے
ہیں کہ ہندوستان میں شاید ہی کوئی اور خاتون ایسی ہوں جنکا خط اس سے اچھا ہوگا۔
انکے طغروں کی یہ حالت تھی کہ لوگوں کا ایک ہجوم ان کو دیکھنے کے لیے ہردم رہتا تھا
اور ہر شخص یہی پوچھتا تھا کہ یہ ہم خرید سکتے ہیں۔ ایک طرف تو یہ اور دوسری طرف
مس کرم النسا کا جالی کا کام تھا۔ اُنھوں نے جالی پر خداے تعالی کی حمد میں چند شعر
نہایت ہی خوبی سے کاڑھے تھے۔ ایک تو خط انکا بھی ماشاءاللہ بہت خوبصورت تھا
اور دوسرے یہ شعر اس خوبی سے کاڑھے ہوئے تھے کہ ان میں اچھے اچھے کاریگر
بھی کوئی غلطی نہ نکال سکے۔ الماری کے دونوں طرف تو یہ دونوں چیزیں تھیں مگر اسکے
سامنے ایک چھوٹی سی میز پر ایک شیشہ کے بکس میں ایک بیش بہا اور نادر چیز تھی
وہ یہ ہے کہ کانفرنس کے پریسیڈنٹ اور ہماری قوم کے مشہور اور قابل قدر شاعر
مولانا حالی کی مشہور نظم چپ کی داد جو اُنھوں نے خاتون ہی کے لیے لکھی تھی۔
اس پوری نظم کو ایک بیل کے دونوں حاشیوں پر سلمے سے کاڑھا تھا۔ اور اس
خوبی سے ہر ایک لفظ بلکہ ہر ایک نقطہ بنایا تھا کہ جس کی محنت کی داد دل سے نکلتی ہی
نمائش کے ایک طرف پارسی اور یوروپین لیڈیز کی نہایت قیمتی اور قابل تعریف
چیزیں تھیں۔ یہ چیزیں سب کردشتے جالی کا کام پائنٹ لیس ڈرائنگ اور پینٹنگ
نقاشی اور مصوری وغیرہ وغیرہ تھیں کمشنر صاحب کی بیوی مسز ینگ ہزبنڈ صاحبہ نے اپنی

خاص عنایت سے اپنے ہاتھ کی کئی چیزیں بھیجی تھیں۔ مسز وائنس کی کوششوں سے دیگر یوروپین لیڈیز کی کئی چیزیں اور بھی آئی تھیں۔ مسز فرامرز اور مس فرامرز کی ریشم پر نقاشی بھی قابل تعریف تھی۔ کنور رانی صاحبہ پٹیالہ کی کئی چیزیں تعریف کے قابل تھیں۔ ہم امید کرتے ہیں کہ رانی صاحبہ اسی طرح سے ہمارے صیغہ تعلیم نسواں کے ساتھ دلچسپی ظاہر کرتی رہیں گی اور ہمیں شکرگزاری کا موقع دینگی۔

جو بات امسال ہمارے لیے سب سے زیادہ قابل فخر تھی وہ یہ تھی کہ سندھ کی اسلامی ریاست خیرپور سے شاہی بیگمات نے اپنے ہاتھوں کی بنائی ہوئی ریشمی کشیدہ کی بعض چیزیں ہماری نمائش کے لیے بھیجیں۔ فی الواقع وہ کام ایسا نفیس تھا کہ جو لیڈیاں اس کام کو جانتی ہیں اُنھوں نے بہت تعریف کی۔ اور جو لیڈیوں کی کمیٹی انعامات تجویز کرنے کے لیے قائم کی گئی تھی اُنھوں نے بہت سی چیزوں سے مقابلہ کرکے اُن پر نقرئی تمغہ دینا تجویز کیا۔

جام نگر کے مدرسہ کشیدہ کاری سے جو چیزیں آئیں اُن کی نسبت ہم کو پہلے ہی سے توقع تھی کہ وہ لاثانی ہونگی اور ویسی ہی ثابت ہوئیں۔ وہاں کی کل کی کل اشیاء لوگوں نے خرید لیں۔ بلکہ ہر شخص جو اس الماری کی طرف جاتا تھا وہ نہایت افسوس سے یہ کہتا تھا کہ کاش اگر یہ پہلے ہی فروخت نہ ہوجاتیں تو ہم انکو خریدتے۔ ایک چیز فروخت ہونے سے رہ گئی تھی۔ اُسپر کئی یوروپین لیڈیوں نے ایک ہی مرتبہ بولی بولی اور چونکہ ان میں سے سب اُس کی خریدنے کی خواہشمند تھیں اسلیے اُسکا فیصلہ قرعہ اندازی سے کیا گیا۔

ناظرین خاتون کو یہ معلوم ہو کہ نمائش سے ہمارا مقصد یہ ہو کہ دیسی صنعت و حرفت کی ترقی ہو اور غریب کام کرنے والوں کی ہمت افزائی ہو۔ ہمیں اس بات کے اظہار سے انتہا درجہ کی مسرت ہو کہ امسال خاص سندھ کی تیار کی ہوئی ریشم کی پھلکاریاں

قریب ایک ہزار کے نمائش میں آئیں اور اُن میں سے زیادہ حصہ فروخت ہوگیا۔ ہم اپنے ناظرین سے سفارش کرتے ہیں کہ اگر اُن کو گھروں کے پردوں کے لیے خوبصورت سے خوبصورت سراپردوں کی ضرورت ہو تو وہ سندہ کی پھلکاریاں منگواکر استعمال کریں۔

سندہ کے کام کو دیکھکر ہم کو اسبات کا اطمینان ہوگیا کہ جو کام ہم نے شروع کیا ہی یہ کوئی ہم نے غلط رستہ اختیار نہیں کیا۔ اسلیے کہ اس کی انتہا درجہ کی ضرورت تھی کہ ملک کے ہر حصہ کی تیار شدہ اشیاء اور بالخصوص عورتوں کے ہاتھ کی اشیاء پبلک کے سامنے پیش کیجائیں اور یہ کروڑہا روپیہ ہمارا جو اسوقت یورپ کی تیار کی ہوئی چیزوں کے خریدنے میں جو کسی طرح ہمارے خاص ملکی چیزوں سے بہتر نہیں ہیں صرف کیا جاتا ہی وہ اپنے ملک کی اشیاء خریدنے میں صرف ہو جس سے افلاس زدہ اہل وطن کو فائدہ پہنچے۔

سندہ میں نمائش کرنے سے ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ ادنیٰ سے اعلیٰ سب کی توجہ اپنے ملک کی دستکاری کی طرف مبذول ہوگئی۔ چنانچہ جناب شاہزادہ صاحب پرنس علی نواز خاں ولیعہد ریاست خیرپور اور جناب آنریبل شیخ صادق علی صاحب وزیر ریاست خیرپور جو ایک نہایت روشنخیال اکابر سندہ میں سے ہیں۔ ان دونوں بزرگوں نے انتہادرجہ کی دلچسپی ظاہر فرمائی۔ اور اس سے نمائش کو بہت ترقی ہوئی۔ اور علاوہ ان اشیاء کے جو خیرپور کی شاہی بیگمات کی تھیں جنکا اوپر ذکر ہوا جناب آنریبل شیخ صادق علی صاحب نے ایک قالین جو قیمتی سترہ سو روپیہ کا تھا جو واقعی ہندوستانی دستکاری کا کامل نمونہ تھا نمائش میں بھیجا گو وہ قالین عورتوں کی دستکاری کا نتیجہ نہ تھا تاہم اُس کی صنعت اور اسکا کام اس درجہ مقبول ہوا کہ لوگ یہ کہتے تھے کہ اگر یہ نہوتا تو نمائش میں ایک گونہ کمی رہتی۔

بیگمات اگر کوشش کریں تو انگریزی کام کو نہایت آسانی سے سیکھ سکتی ہیں بلکہ کامل طور پر پورا بھی کرسکتی ہیں چنانچہ اب کی نمائش میں مس بی لینا اور مس پیر بخش کی اونی فینسی انگریزی صدریاں نہایت عمدہ تھیں۔ یہ کام بالکل نیا ہے یہانتک کہ ہماری دانست میں تو یورپین لیڈیز بھی ایسا کام کم جانتی ہوں گی۔ ہم ان دونوں بیگمات کو مبارکباد دیتے ہیں۔ اُنھوں نے اپنی غیر قوم بہنوں کی تقلید دستکاری میں نہایت کامل طور پر کی۔ امید ہے کہ اسی طرح سے ہماری اور بہنیں بھی تعلیم اور ترقی میں اُنسے آگے بڑھنے کی کوشش کرینگی۔ مس بی۔ لینا کا ایک کروشئے کا کام بھی نہایت خوبی کا تھا۔ مس حفیظ النسا کا بھی کروشئے کا کام نہایت اچھا تھا۔ ہمیں امید ہے کہ وہ اس کام میں خوب ترقی کرینگی۔

آخر میں ہم ان تمام لیڈیز کا جنھوں نے اپنی محنت سے کیے ہوئے کاموں کو ہماری نمائش کے لیے بھیجا نہایت شکریہ ادا کرتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ آیندہ سال اس سے اور زیادہ چیزیں بھیجکر ہمیں شکریہ کا موقع دینگی

اختتام سے پہلے اُن حضرات کا ہم تہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں جنھوں نے دور دراز کی مسافرت کی تکلیفیں گوارا کرکے کراچی میں جاکر ہمارا ہاتھ بٹایا۔ یہ ہم نے کراچی میں بھی کہا اور یہاں بھی کہتے ہیں اور ہمیشہ کہا کرینگے کہ ہماری ان محسنوں نے ہمپر ایسا بڑا احسان کیا ہے جسکو ہم کبھی نہیں بھول سکتے۔ خصوصاً سب سے پہلے ہم مس عطیہ فیضی اور اُن کی ہمشیرہ صاحبہ زہرا خانم فیضی صاحبہ کا جو بمبئی سے تین دن کا سفر طے کرکے کراچی میں تشریف لائیں اور نمائش سے کئی دن پہلے کام میں مشغول رہیں۔ جتنا کام انھوں نے کیا ہے شاید ہی کسی اور نے کیا ہو۔ مس عطیہ فیضی نمائش میں صبح سے شام تک بلکہ رات تک برابر کام کرتی رہیں۔ یہانتک کہ کھانے اور چاء کا بھی خیال نہ رکھتی تھیں۔

اسکے بعد ہم اپنے جوشیلے نوجوان دوست مسٹر محمد الیاس صاحب لوکل سکرٹری کی محنتوں کے شکرگزار ہیں۔ اُنھوں نے دو مہینے پہلے سے اپنے گھر سے کراچی آکر یہاں اقامت اختیار کی اور نمائش کا کام برابر کرتے رہے۔ نمائش سے پہلے۔ نمائش کے زمانے میں اور نمائش کے بعد بھی برابر کام کرتے رہے۔ بلکہ ابھی تک وہ اسکے حساب کتاب سے سبکدوش نہو سکے ہونگے۔ اسکے مسٹر محمد الیاس نے ہمارا ہاتھ بٹایا اور ہمیں کسی چیز کا فکر نہونے دیا۔ اسکے خاندان والوں کا بالخصوص انکے چچا محمد یوسف صاحب کا احسان ہم ہرگز نہیں بھولینگے۔ ہم اپنے اُن جوشیلے دوستوں کا جو ہمارے ساتھ ہی علیگڑھ سے کراچی گئے تھے۔ شکریہ ادا کرتے ہیں اگر ان لوگوں کی مدد ہمیں نہ ملتی تو ہمیں خوف تھا کہ نمائش کی حالت ایسی نہ ہوتی۔ جو جو مشکل کام تھے یعنی بڑی بڑی چیزوں کی آرائش اور چھوٹی چھوٹی چیزوں کا حساب وہ سب انہیں لوگوں سے پورے ہوئے۔ ان نوجوانوں میں سے ملا احمد صاحب نور محمد صاحب۔ اور کراچی کے والنٹیرز محمد یونس صاحب۔ محمد ہارون صاحب۔ اسمٰعیل خانصاحب کے خاص طور پر ہم رہین منت ہیں۔

اس نمائش میں تمغے پانے والوںکے نام حسب ذیل ہیں

نام	کس چیز پر ملا	طلائی تمغے
مدرسۂ کشیدہ کاری جام نگر کی لڑکیاں ..	ریشم کا کشیدہ	ایک
مسز ینگ ہزبنڈ صاحبہ	نقاشی	"
مس فرامرزجی	ڈران تھریڈ	"
ایک یوروپین لیڈی صاحبہ	کشیدہ	"
ہر ہائنس بیگم صاحبہ جنجیرہ و مس زہرا فیضی صاحبہ و مس عطیہ فیضی صاحبہ اور انکی والدہ صاحبہ	مجموعۂ اشیار	"

نام	کس چیز پر ملا	طلائی تمغے
مسز جہانگیر صاحبہ	فوٹو انلارجمنٹ	ایک
ایک یوروپین لیڈی صاحبہ	فیتہ کے کام پر	"
محمد الیاس صاحب	کثیر التعداد اشیار کے جمع کرنے اور محنت و جانفشانی سے کام کرنے کے عوض میں	"
مدرسۂ نسواں بھوپال کی لڑکیاں	مجموعی اشیار	نقرئی تمغہ
فاطمۃ الکبریٰ	خوشخطی	"
خاتون اسٹور دہلی	مجموعی اشیار	"
کراچی کانونٹ کی ایک لڑکی	ڈران تھریڈ	"
کراچی کانونٹ کی سب لڑکیاں	مجموعی اشیار	"
محمودہ بیگم صاحبہ	سلمہ سے چپ کی ڈاد کھنے پر	"
بیگم صاحبہ کس بیلہ	مجموعہ اشیار	"
مسز چاولہ	"	"
مسز اوبرو	ریشمی کپڑے پر نقاشی	"
کراچی مینوسپلٹی گرلز اسکول	مجموعہ اشیار	"
عالیجناب میر صاحب خیرپور کی محلات مخدرات	مجموعہ اشیار	"
مسز علی اصغر صاحبہ	طلائی کشیدہ	"

مسز وائنس صاحبہ اور محمد الیاس صاحب کے پاس سے ابھی تک مکمل فہرست تمغہ پانیوالوں کی نہیں آئی ہے۔ غالباً اس فہرست میں کچھ اور اضافہ ہوگا۔

پردہ پارٹی۔ نمائش کے بعد آنریبل میر صادق علی صاحب وزیر ریاست خیرپور کی بیگم صاحبہ نے خیرپور ریاست کی کوٹھی میں جو کراچی کی مشہور کوٹھیوں میں ہی لیڈیز کو پردہ پارٹی دی۔ یوروپین۔ پارسی۔ ہندو اور مسلمان لیڈیاں جنکی تعداد دو سو سے زائد تھی اس پارٹی میں شریک ہوئیں۔ پارٹی کا اہتمام نہایت قابل تعریف سننے میں آیا۔ اور نہایت عمدہ طور پر بیگمات کی میزبانی کی گئی۔ انگریزی بینڈ برابر بجتا رہا۔ اور یہ شاندار پارٹی جس میں ہر قسم کی اور ہر قوم کی لیڈیز اور بیگمات جمع تھیں بڑے لطف اور خوشی کے ساتھ ختم ہوئی۔ مس عطیہ فیضی صاحبہ نے اس موقع کے لیے ایک اسپیچ خاص طور پر تیار کی تھی۔ لیکن افسوس ہی کہ اس اسپیچ دینے کا موقع نہیں ملا۔ ہم کو چونکہ اس اسپیچ کا مسودہ مل گیا ہی اسیلے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ خاتون میں اسکو درج کر دیں۔ وہو ہذا۔

محترمہ جناب بیگم صاحبہ۔ اور معزز بہنو۔ آج کا روز سعید ایسا ہی کہ ہم سب کو باہم مبارکباد دینا چاہیے۔ مختلف امصار و دیار کی بیگمات سے ربط و اتحاد بڑھانے طرز و روّیہ دیکھنے۔ مختلف باتوں پر بحث کرنے کا موقع نصیب ہوا ہی۔ ورنہ ہم کہاں اور آپ جیسی ذی لیاقت بیگمات کہاں۔ اس اتفاق کے لیے میں اپنی ہمشیرہ کو شریک کرکے خاص طور پر اپنی مکرم جناب سکرٹری تعلیم نسواں علیگڑھ کا شکریہ ادا کرتی ہوں انھیں کی اولوالعزمی اور ذی حوصلگی نے یہانتک چلنے کے لیے مجھے آمادہ کیا۔ اور آپ نے ہمارے خیر مقدم اور راحت رسانی کا انتظام اس خوبی اور خوش اسلوبی سے کیا کہ سبحان اللہ۔

معزز بہنو۔ آپ سب کی اجازت سے چند کلمے اور بھی عرض کرنا چاہتی ہوں۔ ہماری قوم میں تعلیم نسواں کی حالت بہت ہی گری ہوئی اور نہایت ردّی ہی کہ جس کی شاہد یقیناً آپ سب بہنیں ہونگی۔ تاریخوں سے صاف ظاہر ہی کہ قدیم زمانے میں فرقۂ نسواں کی پڑھائی پورے عروج پر تھی۔ اور ہماری جنس کی تعلیم و تربیت کامل

نصاب کے ساتھ مقدم سمجھی جاتی تھی۔ زمانۂ وسط میں مستورات ایسے تنزل میں تھیں کہ علمی مذاق سے تقریباً بے بہرہ تھیں۔ اسی وجہ سے تعلیم نسواں ایک ایسا اسم رہگیا ہی جسکا مسمیٰ اگر عنقا کہا جائے تو مبالغہ نہوگا۔ جسکا الزام بیشک مردوں پر عائد ہے لیکن وہ اپنے بچاؤ کے لیے اسکے قبول کرنے سے ضرور ہچکچائینگے۔ علم کی روشنی زائل ہونے سے جب ہر امر میں مردوں کو مستورات کی بے سمجھی سے تکلیفیں اُٹھانی پڑیں تب ہمارے روشنخیال بھائیوں کو تعلیم نسواں کا شوق ہوا۔ اور بڑے زور شور سے اپنے زحمتوں کو دور کرنے کے لیے سعی اور تدبیریں کرنے لگے۔ اس طرح تعلیم نسواں کا چرچا ہندوستان کے اکثر اضلاع میں دوبارہ پھیل رہا ہی جسکا عمدہ ترین نتیجہ زنانہ نارمل اسکول علیگڑھ ہی۔ یہ سکول ۱۹۰۶ء سے مختصر پیمانے پر مستقل کامیابی اور روز افزوں ترقیوں کے ساتھ قائم ہوا۔ شکر ہی۔

جناب مس عبداللہ صاحبہ اور سکندر جہاں بیگم صاحبہ یہ معزز بیگمات اس کی نگرانی کرتی ہیں اور یہ نہایت خوشی کا محل ہی کہ لڑکیوں کی تعداد روز بروز بڑھ رہی ہے۔ فی الحال پچپن طالبات تعلیم پاتی ہیں۔ دعا ہی کہ وہ زمانہ عنقریب آئے جبکہ یہ سکول کالج کے درجے پر پہنچ جائے۔ اور ملکوں ملکوں سے تحصیل علم کی غرض سے لڑکیوں کی تعداد میں اور بھی افزائش ہو۔

اس خیال سے بورڈنگ ہوس تعمیر ہونے والا ہی تاکہ دوسرے شہروں سی لڑکیاں آکر بہ آسائش تمام رہ سکیں۔ بہی خواہان قوم اور بے تعصب بزرگوں کی نوازش سے چندہ بھی اچھا خاصا جمع ہو رہا ہی۔

آنریبل عالی جناب شیخ صادق علی صاحب وزیر ریاست خیرپور نے ریاست کی طرف سے سالانہ چھ سو روپیہ کی اعانت کا وعدہ کر کے بہت کچھ حوصلہ افزائی کی جزاک اللہ خیرا۔

روشنخیال مہذب بہنوں نے بھی بڑی امداد دی ہے۔ وہ اس اسکول کی ترقیوں کو اپنی ذاتی ترقیوں کا باعث سمجھتی ہیں۔ اور اپنی بہنوں کی حالت سنوارنے میں بدل کوشاں وسرگرم ہیں

حاضرین بہنو۔ آپ جیسی مہذب زمانے کی ضروریات کو سمجھنے والی۔ دریادل عالی خیال۔ لائق بیگمات سے بکمال امید واری ملتجی ہوں کہ اس زنانہ نارمل سکول کو اپنا ذاتی مدرسہ سمجھیں اور ہر طرح کی مدد فرمائیں۔ اور عندالقوم مشکور وعنداللہ ماجور ہوں۔ اسلیے کہ قوم کی ترقی تعلیم نسواں پر منحصر وموقوف ہے۔

جناب بیگم صاحبہ۔ میری ہمشیرہ اور حاجرہ خاص کرکے آپکے ممنون ہیں کہ آپ نے ہمیں یہ موقع پردہ پارٹی کے ذریعے دیا کہ یہاں کی بیگمات سے ملاقات ہوجائے ورنہ ہم یوں ہی محروم اپنے وطن کو چلے جاتے۔

اخبار کے اڈیٹر ہر نئے سال پر ناظرین کے سامنے تحفتاً کوئی دلچسپ مضمون پیش کرتے ہیں یا اپنے اخبارات اور رسالوں کی ہیئت میں تغیر وتبدل کرکے پہلے نمبر میں کوئی خاص دلچسپی پیدا کرتے ہیں۔ ہم نے بھی اب کی سال چاہا کہ ناظرین کی خدمت میں کوئی تحفہ پیش کریں۔ ہمارے مشن اور حالت کے لحاظ سے ہمکو اس سے بہتر کوئی تحفہ دکھائی نہ دیا۔ جو ہم نے جاپان میں تعلیم نسواں کی تحریک مستعدی اور کوشش کے متعلق ایک مضمون کا ترجمہ شروع رسالے میں چھاپا ہے۔ ناظرین نے یہ مثل ہمیشہ سے سنی ہوگی کہ "زندگی زندہ دلی کا ہے نام" لیکن شاید دس لاکھ میں سے ایک آدمی بھی ایسا نہو گا کہ جسنے کبھی اس مثل کے حقیقی معنی کی طرف توجہ کی ہو۔ اور اس بات پر غور کیا ہو کہ زندہ دلی کسکو کہتے ہیں۔ زندہ دلی صرف ہنسنے کھیلنے قہقہے لگانیکا نام نہیں ہے بلکہ زندہ دلی ایک مستعدی کا نام ہے جو انسان کے ظاہری کاموں سے ثابت ہوتی ہے

جسقدر زندگی کے متعلق سامان اور اشیا بہم پہنچانے کے لیے خواہش پیدا ہوتی ہے وہ ایک زندہ دل ہی شخص میں پیدا ہوسکتی ہے۔ مردہ دل میں کسی خواہش کا پیدا ہونا ممکن نہیں ہے۔ زندہ دل کے بھی مختلف مدارج ہیں۔ کسی دل میں تو صرف اتنی ہی خواہش ہوتی ہے کہ پیٹ بھر کھانے کو روٹی اور تن ڈھکنے کو کپڑا ملجائے۔ لیکن ایک وہ بھی دل ہے جس میں یہ خواہش بھی پیدا ہوتی ہے کہ دنیا میں بڑے سے بڑے اور اعلے سے اعلے کام جن سے سرخروئی۔ عزت۔ شہرت۔ آسائش اور آرام نہ صرف ہمکو بلکہ ہمارے تمام ہمجنسوں کو پہنچے کرنا چاہیے۔

جب ایک قوم کی قوم کے دل میں اس قسم کے خیالات پیدا ہوجائیں تو سمجھنا چاہیے کہ وہ قوم کامل طور پر زندہ دل ہے اور جس کام کی طرف وہ توجہ کرے وہ ہوکر رہیگا۔ دنیا میں روپیہ۔ پیسہ۔ علم۔ صنعت حرفت۔ تجارت یہ سب چیزیں انسان کے پیدا کرنے کی چیزیں ہیں۔ اور جب ایک انسان انکو حاصل کرسکتا ہے تو دوسرا بھی اگر کوشش کرے تو اُسکے رستہ میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ لیکن شرط یہی ہے کہ اپنی جائز اور عمدہ خواہشات کو عملی لباس پہنانے کی خواہش پیدا ہوتی ہے خیال کرنا چاہیے۔ ہم اپنے اس دعوے کی تائید میں جاپان کی زندہ دل قوم کی مثال سے بڑھکر اور کوئی چیز پیش نہیں کرسکتے۔

کراچی میں دسمبر گزشتہ میں جو جلسہ ہوا وہ ایک گونہ ہمارے مشن کے لیے نہایت مبارک ثابت ہوا۔ ہم اپنے دل میں علیگڑہ سے یہ خیال لیکر چلے تھے کہ ہم ایک نہایت ہی تاریک اسلامی صوبے میں جارہے ہیں جہاں پر گو مسلمان تعداد میں قریب اسی فیصدی کے ہیں لیکن تعلیم میں اُنکا شمار ۵ فیصدی بھی نہیں ہے۔ جب مردوں کی تعلیم کی یہ حالت ہے تو تعلیم نسواں کے حامیوں کی صدا وہاں کون سُنے گا۔ بعض لوگوں نے توہم سے یہ بھی کہا تھا کہ وہاں زیادہ گرم جوشی مت دکھانا۔ وہاں کے لوگوں کو علی گڑہ سے بدظنی پیدا ہوگی۔ اور اگر وہ

کالج کی کچھ حمایت کرنے والے ہونگے تو وہ بھی نکر جائیگے۔ لیکن ہم کو اپنی کوشش نہیں بلکہ اپنے
کام کی صداقت پر پورا بھروسہ تھا۔ اور دل میں ایک قسم کی دبی ہوئی امید موجود تھی۔ وہاں پہنچکر
یہ معلوم ہوا کہ جن تصویروں کو ہم خوفناک خیال کرتے تھے وہ نہایت دل آویز و دلکش تھیں۔ جناب
آنریبل شیخ صادق علی صاحب وزیر خیرپور جنکی نسبت کہا گیا تھا کہ وہ تعلیم نسواں کے حامی
نہیں ہیں وہ تعلیم نسواں کے بڑے مربی اور محسن ثابت ہوئے۔ اُن کی سفارش سے جناب
ہزہائینس میر صاحب خیرپور نے مبلغ پچاس روپیے ماہوار یا چھ سو روپیہ سال کا مستقل
عطیہ ریاست سے زنانہ نارمل اسکول علیگڑھ کے لیے مرحمت فرمایا اور شاہزادہ
علی نواز خاں بہادر ولیعہد ریاست خیرپور نے علاوہ اپنی گرانبہا توجہ اور ہمدردی کے جو
اُنھوں نے دوران کانفرنس میں وقتاً فوقتاً ظاہر کی مبلغ ایک ہزار روپیہ زنانہ اسکول
علی گڑھ کی لڑکیوں کے انعام کے واسطے مرحمت فرمانے کا وعدہ کیا۔ اس روپیے کی آمدنی سے
ہرسال اُس لڑکی کو جو اول درجے پر پاس ہوگی طلائی تمغہ یا انعام ملا کریگا۔

حاجی یوسف حاجی بھائی جو بمبئی کے بڑے تجار ہیں اور جو اپنے صرف خاص سے
بمبئی میں ایک زنانہ مدرسہ بہت دنوں سے چلا رہے ہیں اُنھوں نے مہربانی سے
ڈیڑھ سو روپیہ عطا کرنے کا وعدہ کیا۔

حاجی مولدین صاحب نے جو کہ وہ بھی لڑکیوں کا ایک مدرسہ کراچی میں اپنے صرف خاص سے
چلا رہے ہیں۔ پچاس روپیے دینے کا وعدہ کیا۔

جلسۂ تعلیم نسواں کی کارروائی میں ایک ضروری لیکچر مسٹر آرچبولڈ پرنسپل ایم۔ اے۔ او
کالج علی گڑھ کا تھا جس میں اُنھوں نے تعلیم نسواں کے فوائد بیان کیے تھے۔ اور ہندوستانی
مسلمانوں کو نصیحت کی تھی کہ اُن کو اب تعلیم نسواں کے بارے میں خاموش نہ بیٹھنا چاہیے۔
مولوی رحیم بخش صاحب پریسیڈنٹ کونسل ریجنسی ریاست بہاولپور اس جلسہ کے صدر انجمن تھے
اُنھوں نے اپنی افتتاحی تقریر میں تعلیم نسواں کی بڑے زور سے تائید کی۔ اور نہایت

وضاحت سے حاضرین پر ثابت کیا کہ تعلیم نسواں اور مذہب اسلام میں کسی قسم کا اختلاف نہیں ہے۔ مولوی محمد دین صاحب ممبر کونسل ایجنسی بہاولپور نے مطول تقریر فرمائی اور قرآن و حدیث سے تعلیم نسواں کا جواز اور اُس کی ضرورت ثابت کی۔ سکرٹری صیغہ تعلیم نسواں نے اپنی رپورٹ کا ایک حصہ پڑھکر سنایا۔ چونکہ رپورٹ عنقریب علیحدہ رسالہ کی شکل میں چھاپ کر ناظرین کے پاس حسب دستور بھیجی جائیگی۔ اسلیے یہاں پر اس کی تفصیل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

چندے۔ جوکہ بذریعہ ڈپوٹیشنوں کے وصول ہوئے ہیں اُن کے اعلان کی اس نمبر میں گنجائش نہیں ہے۔ آیندہ مہینے میں انشاءاللہ ہم خاتون میں بھی درج کرینگے اور نیز علیحدہ بھی ہرایک چندہ دہندہ کے پاس انگریزی و اُردو میں چھپواکر تقسیم کر دینگے۔ نیز اُن مقامات کے لوکل اخبارات میں بھی شائع کرا دینگے جہاں سے چندے وصول ہوئے ہیں۔ اور آیندہ ہمیشہ ہمارا یہی طریقہ رہیگا۔

ویش کانفرنس۔ ویش کانفرنس کا پندرہواں اجلاس بمقام میرٹھ ۱۲۔۱۳۔۱۴ فروری ۱۹۰۸ء کو منعقد ہوگا۔ اس جلسہ کے ساتھ ایک نمائش بھی ہو گی۔ جس میں ویش صاحبان کی ایجاد کردہ اور بنائی ہوئی چیزوں۔ اور مستورات اور لڑکیوں کے بنائے ہوئے کشیدوں۔ دستکاریوں۔ اور نیز خوشخطی پر انعام اور تمغے دیے جائینگے۔ نمائش میں چیزیں بھیجنے کی آخری تاریخ ۱۴۔جنوری ۱۹۰۸ء تھی۔

یہ نہایت خوشی کی بات ہے کہ ملک کے ہر فرقے میں صنعت و حرفت کی طرف

میلان پایا جاتا ہے۔ اور سمجھدار اور روشنخیال اصحاب اس کی ترقی کے لیے کوشش میں سرگرم ہیں۔ ہندوستان کی حقیقی ترقی یہی ہے کہ یہاں کے مرد اور خاصکر عورتیں کہ جنکا کوئی شغل اب تک سوائے خانہ داری اور چولھے ہنڈیا کے نہیں خیال کیا جاتا تھا صنعت و حرفت میں حصہ لیں اور ملک کے تمام گھر جاپان کی طرح مختلف قسم کی چیزوں کے کارخانے ہو جائیں۔ اس کوشش میں سب سے زیادہ جو چیز مفید ہو سکتی ہے وہ یہی نمائش کا طریقہ ہے۔ جس میں ملکی چیزیں جمع کرکے دیکھنے والوں کو ترغیب اور شوق دلایا جائے کہ اُنکے گھروں میں بھی ایسی چیزیں بنائی جائیں۔

سنٹرل گرلز اسکول۔ خدا کا شکر ہے کہ تعلیم نسواں کا چرچا نہایت تیزی سے پھیل رہا ہے۔ ملک کے ہر حصہ میں تمام قومیں اس کی خوبیوں سے واقف ہو رہی ہیں۔ اور اسکو فوری ترقی دینے میں کوشاں ہیں۔ ملک کے چاروں کونوں سے اس کی آواز برابر آرہی ہے۔

۱۹۔ دسمبر ۱۹۰۸ء کو کپورتھلہ میں ایک سنٹرل گرلز اسکول کپورتھلہ کھولا گیا ہے۔ جس میں لڑکیاں تعلیم پائیں گی۔ ہر ہائنس مہارانی صاحبہ کپورتھلہ تعلیم نسواں کی خاص مربیوں میں سے ہیں۔ جالندھر کے "کنیا مہا دیالہ" کو جو لڑکیوں کا مدرسہ ہے ایک ہزار یکشت عطا فرمایا ہے اور پچاس روپے ماہوار امداد دیتی ہیں۔

مہاراجہ صاحب پٹیالہ نے بھی پانچہزار روپیہ اس تعلیم گاہ کی عمارت کے لیے جو سکھ لڑکیوں کے لیے فیروزپور میں قائم کی گئی ہے منظور فرمایا ہے۔

ہم تعلیم نسواں کی ان تمام جد و جہد کو نہایت اطمینان تسلی اور خوشی کے ساتھ دیکھتے ہیں۔ اور دعا کرتے ہیں کہ مسلمانوں میں بھی اس کی تحریک زور شور کے ساتھ جاری ہو۔ اور مسلمان عورتوں کے لیے بھی بہت سے مدارس قائم کیے جائیں۔

حادثۂ جانکاہ۔ ہم کو یہ واقعہ سنکر کہ ہماری پُرجوش حامی اور ہمارے صیغے کی سچی خیرخواہ بنت نذر الباقر صاحبہ کی والدہ نے انتقال فرمایا نہایت صدمہ ہوا۔ خداوند مرحومہ کو غریقِ رحمت فرمائے۔ اور سوگواروں کو صبر عطا کرے۔

ماں باپ دنیا میں بے بدل نعمت ہیں۔ اور کسی چیز سے اُس محبت اور سچی الفت کی تلافی نہیں ہوسکتی جو ماں باپ صرف ماں باپ ہی کے دم سے ہوتی ہے۔ بے ریا۔ بے نمائش۔ بے غرض۔ اصلی۔ سچی اور حقیقی محبت اگر دنیا میں ملسکتی ہے تو صرف ماں باپ کی محبت ہے۔ مگر دنیا کی کوئی چیز پائدار نہیں ہے۔ ہمیشہ سے یہی ہوتا آیا ہے اور یہی ہوتا رہیگا۔ کسی کے ماں باپ نہ پہلے سدا زندہ رہے ہیں نہ اب رہینگے۔ اسلیے تمام دنیا کی نظیر مدنظر رکھتے ہوئے انسان کو صبر آجاتا ہے۔ ورنہ یہ وہ رنج ہے جس سے جگر چاک چاک ہوجاتا ہے۔ جس سے دل ٹکڑے ٹکڑے ہوجاتا ہے۔ مرنے والے کا تو ایک صدمہ ہوتا ہی ہے لیکن بڑا صدمہ دوسرا اُسکے سوگواروں کا ہوتا ہے جو بعد میں رنج و غم میں مبتلا ہوکر اپنی حالت کو خراب کرلیتے ہیں۔ بنت نذر الباقر صاحبہ کی بیصبری کی بھی ایسی ہی حالت ہے۔ خدا اُن کو صبر عطا کرے۔ اور اس صدمہ کو اُنکے دل سے ہلکا کرے۔

سلسلۂ کتب تعلیم نسواں۔ مسز خاموش صاحبہ اڈیٹر رسالۂ پردہ نشین کی سلسلۂ تعلیم نسواں کی پہلی کتاب پر ریویو ہوچکا ہے جسکو ناظرین خاتون نے پڑھا ہوگا۔ اب ہمارے پاس اسی سلسلہ میں سے دوسری اور تیسری کتاب اور قاعدہ آیا ہے۔ ہم یہ دیکھکر بہت خوش ہوتے ہیں کہ مسز خاموش صاحبہ نے جس کام کی ابتدا کی تھی اُسکے پورا کرنے کی طرف اُنھوں نے کافی توجہ مبذول کررکھی ہے اور محنت کے ساتھ وہ اس سلسلہ کو پورا کررہی ہیں۔

قاعدہ میں خصوصیت کے ساتھ یہ بات قابل ذکر ہی کہ اس میں ہر حرف کے نیچے ایک ایسی چیز کی تصویر جو اُسی حرف سے شروع ہوتی ہے اور بچی اس سے دلچسپی رکھتی ہی دیدی ہے جس سے امید ہی کہ حروف کے یاد کرنے میں لڑکیوں کو دلچسپی ہوگی اور پھر حرفوں کے حرکات اور جوڑ توڑ بتائے گئے ہیں۔

دوسری اور تیسری کتاب کے جستہ جستہ سبقوں پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوا کہ ان میں بچوں کی اخلاقی درستی کا خاص طور پر خیال رکھا گیا ہے۔ لیکن یہ شکایت ہم کو ضرور ہے کہ اس میں معلومات کم ہیں۔ امید ہی کہ مسز خاموش صاحبہ آیندہ ریڈروں میں اس بات کی طرف خصوصیت کے ساتھ توجہ کرینگی کہ لڑکیوں کے لیے ایسے سبق لکھیں جن سے معلومات بھی اُن کی بڑھیں اور خیالات میں روشنی پیدا ہو۔ اخلاقی سبق بھی ہوں۔

بحیثیت مجموعی ہم ان کتابوں کو پسند کرتے ہیں۔ قاعدہ کی قیمت ۱/ دوسری کتاب کی ۲/ تیسری کتاب کی ۳/

ملنے کا پتہ۔ منیجر صاحب عزیزی پریس آگرہ

رجسٹرڈ نمبر ا ے ۲۷۱
خاتون
جلد
بابت ماہ فروری ۱۹۰۸ء
نمبر ۲
اڈیٹر شیخ محمد عبد اللہ بی اے ایل ایل بی سکرٹری تعلیم نسواں سکشن
فہرست مضامین
۱۔ اصلاح رسوم ... ایم بے بیگم صاحبہ ... ۴۹
۲۔ مردوں کا رتبہ ... مسز افتخار صاحبہ ... ۶۵
۳۔ جاپان کی عورتیں ... پ - ا ... ۷۰
۴۔ مراسم ... ف - ا ... ۷۵
۵۔ بچہ کی ڈائری کا ایک ورق .. خدنگ ... ۸۰
۶۔ خیرات ... سکندر جہاں بیگم صاحبہ ... ۸۴
۷۔ اڈیٹوریل ... ۸۹
علی محمد خاں کے اہتمام سے
مطبع فیض عام علی گڑھ میں طبع ہوا

خاتون

۱ - یہ رسالہ ۴۸ صفحے کا علی گڑھ سے ہر ماہ میں شائع ہوتا ہے اور اسکی سالانہ قیمت (عہ) اور ششماہی ۱۲ ہے

۲ - اس رسالے کا صرف ایک مقصد ہے یعنی مستورات میں تعلیم پھیلانا اور پڑھی لکھی مستورات میں علمی مذاق پیدا کرنا۔

۳ - مستورات میں تعلیم پھیلانا کوئی آسان بات نہیں ہے اور جبتک مرد اس طرف متوجہ نہونگے مطلق کامیابی کی اُمید نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ اس خیال اور ضرورت کے لحاظ سے اس رسالے کے ذریعے سے مستورات کی اشد ضرورت اور بے بہا فوائد اور مستورات کی جہالت سے جو نقصانات ہوئے ہیں اُس کی طرف مردوں کو ہمیشہ متوجہ کرتے رہینگے۔

۴ - ہمارا رسالہ اس بات کی بہت کوشش کریگا کہ مستورات کیلیے عمدہ اور اعلےٰ لٹریچر پیدا کیا جاے جس سے ہماری مستورات کے خیالات اور مذاق درست ہوں اور عمدہ تصنیفات کے پڑہنے کی انکو ضرورت محسوس ہو تاکہ وہ اپنی اولاد کو اُس بڑے لطف سے محروم رکھنا جو علم سے انسان کو حاصل ہوتا ہے معیوب تصور کرنے لگیں۔

۵ - ہم بہت کوشش کرینگے کہ علمی مضامین جہانتک ممکن ہو سلیس اور بامحاورہ اُردو زبان میں لکھے جائیں۔

۶ - اس رسالے کی مدد کرنے کے لیے اسکو خریدنا گویا اپنی آپ مدد کرنا ہے اگر اس کی آمدنی سے کچھہ بچیگا تو اُس سے غریب اور یتیم لڑکیونکو وظائف دیکر اُستانیوں کی خدمت کے لیے طیار کیا جائیگا

۷ - تمام خط وکتابت و ترسیل زر بنام اڈیٹر خاتون علی گڑھ ہونی چاہیئے۔

اصلاح رسوم

ہم کو جہاں یہ بات دیکھتے ہوئے نہایت خوشی ہوتی ہے کہ خاتون کے ذریعہ سے ہندوستان کی مخدرات میں ایک علمی تحریک اور لکھنے پڑھنے کا مذاق ترقی کر گیا ہے اور بہت سی بیگمات محض خاتون کو پڑھتے رہنے سے مضمون نگاری اور خیالات کو عمدگی کیساتھ ظاہر کرنے پر قادر ہوگئی ہیں وہاں اس بات سے بھی مسرت ہوتی ہے کہ اُن میں ایک بیداری اور روشنخیالی پیدا ہوگئی ہے۔ اور وہ خلاف شرع اور خلاف عقل رسومات کی بُرائیوں کو اچھی طرح سمجھنے لگی ہیں۔ اور اُس کی اصلاح کی طرف اُن کی طبیعتیں مائل ہوگئی ہیں۔

ایم۔ بے۔ بیگم صاحبہ نے جو اصلاح رسوم کی خاص حامیوں میں سے ہیں اور جنکے "ایک شادی" اور نیز کئی ایک مضامین اسی قسم کے خاتون کے گزشتہ سالونکے نمبروں میں نکل چکے ہیں اور جو ناظرین وناظرات خاتون کی قبولیت و پسندیدگی کا خاص تمغہ حاصل کر چکے ہیں اور جن کی عقل و فہم، روا و ناروا۔ مفید و غیر مفید رسومات کے سمجھنے

میں نہایت صحیح وصائب واقع ہوئی ہے اس مضمون میں رسم سوم کی اصلاح کے متعلق خصوصیت کے ساتھ توجہ کی ہے اور اپنے حسب معمول نہایت متانت اور معقولیت کے ساتھ اُس کی بُرائیوں کو سمجھایا ہے۔ ہم خاتون کی مسلمان بیگمات کو خصوصیت کے ساتھ اس مضمون کی طرف توجہ دلاتے ہیں کہ وہ پڑھیں اور غور کریں۔ اور اس مفید اصلاح کی طرف مائل ہوں۔

اڈیٹر

بہر کارے کہ ہمت بستہ گردد | اگر خارے بود گلدستہ گردد

صغیر فاطمہ (ایک کمرے میں داخل ہوکر) آپا آپ کیا کر رہی ہیں۔؟
مقبول فاطمہ (صغیر فاطمہ کی بہن) بُوا میز پوش کاڑھ رہی ہوں بیٹھو۔
صغیر۔ اسوقت بے اختیار دل چاہا کہ آپ سے کچھ باتیں کروں فوراً چلی آئی۔
مقبول۔ بہن میری بھی اسوقت طبیعت گھبرا رہی ہے شام ہونے والی ہے بنگلہ کی طرف اسوقت بڑے صحن میں کھلی ہوا ہوگی اور کچھ پھولوں کا نظارہ بھی ہوگا جو اسوقت کھل کھل کر اپنی بہار دکھارہے ہونگے وہاں چلکر ہماری تمہاری باتیں ہونگی اور تفریح بھی ہوجائے گی
یہ دونوں اُٹھیں اور چمن کی روش پر ٹہلنے لگیں۔ چھوٹی بہن صغیر فاطمہ نے اپنی باتوں کا اس طرح آغاز کیا۔
صغیر۔ آج گرمی بہت شدت سے تھی اور گیندا نہانے گئی تھی پنکھا بھی نہیں جھلا مجھے اپنے پڑھنے کے خیال میں گرمی کی بھی کچھ خبر نہ ہوئی پڑھتے پڑھتے نگاہ گھڑی پر پڑی دیکھا کہ دو بجے ہیں چونکہ ظہر کی نماز کا وقت تھا اسلیے نماز کو اُٹھی پسینہ کے مارے تمام جسم عرق عرق تھا میں نے کہا کہ کوٹھے پر اسوقت ہوا ہوگی وہاں چلکر نماز پڑھوں۔ کوٹھے پر برآمدے میں واقعی اسوقت ٹھنڈی ہوا تھی۔ مینے وضو کرکے نماز پڑھنی شروع کی اثنا نماز میں ایک شور و غل کی آواز کان میں چلی آتی تھی۔ جب نماز سے فارغ ہوئی تو سوچا کہ یہ غل کیسا ہے

کیا کسی کی شادی ہی۔ پھر خیال آیا آہ ڈپٹی شاکر علی کے پھول ہیں جنکا مکان ہماری اس دیوار کے تا بدان میں سے معلوم ہوتا ہی اور زنانہ مکان بخوبی دکھائی دیتا ہی۔ غل کا باعث دریافت کرنے کے لیے دیکھنا شروع کیا۔ کیا دیکھتی ہوں کہ دیگیں کھانے کی آرہی ہیں اور اُسی کی یہ دہوم دہام تھی۔ اللہ اللہ کرکے دیگیں رکھی گئیں اور دالانوں کے پردے بند ہوگئے سامنے کے دالان میں مرحوم شاکر علی کی بیوی نہایت غمگین معصوم صورت بیٹھی نظر آئیں انکے ارد گرد بیبیاں زرق برق پوشاکیں پہنے بیٹھی تھیں۔ بیٹیاں بھی اپنے شفیق باپ کی دائمی مفارقت کے صدمے سے ازحد مضطرب وبیقرار تھیں۔ آنکھوں سے اشک زار و قطار مثل ابر نوبہار جاری تھے کہ یکایک غمزدہ گھروالی کو غش آگیا۔ کامل ایک گھنٹہ کے بعد ہوش آیا۔ تھوڑی دیر بعد جب ذرا اوسان درست ہوئے تو ایک دانشمند بیگم نے مخاطب ہوکر یوں سمجھانا شروع کیا۔ بیٹیو میں تم سے اور تمہاری ماں سے کچھ کہنا چاہتی ہوں۔

لڑکیاں۔ فرمائیے۔

بیگم۔ اے مری عزیزو جوتم کہو بجا ہی آج تمہاری نظروں میں عالم تاریک ہے کہ تمہارے سچے ہمدرد اور شفیق و مہرباں باپ نے اپنا سایۂ پدری تمہارے سر سے اُٹھالیا اور سفرِ آخرت اختیار کیا۔ تم سب کو خدا کے سپرد کیا۔ اب اگر تم جان سے بھی گزر جاؤ تب بھی کچھ کارگر نہیں تمہارا مہربان باپ ہرگز نصیب نہوگا۔ ان نیکبخت فرشتہ سیرت بیوی کا اسوقت تختِ شاہی اُلٹ گیا اور در و دیوار اُن کی بیکسی اور غم پر آنسو بہاتے ہیں لیکن چارہ چیست۔ مگر دیکھو ہمارا سچا گھر وہی ہی اور دائمی زندگی اسی کا نام ہی دنیا ناپائدار مثل سرا کے ہی اور ہم بجائے خود مسافر ہیں کسی نے سچ کہا ہی۔

سو برس تک جیے تو کیا حاصل	آخر اک روز موت آنی ہے
ملک الموت کے لیے یکساں	پیری و طفلی و جوانی ہے

مری آیا۔ گو انسان نیک نام معدوم ہوجائے مگر اُسکے نام کی حیات بہت دراز ہے جیسے گلستاں کے اول باب میں حضرت سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہی سبحان اللہ خدا سب کو توفیق دے کہ اس قطعہ کے ان چند الفاظ پر جو گوہر نایاب ہیں۔ عقل کی نظر سے غور فرمائے اور عمل کرے۔ قطعہ

زندہ ہست نام فرخ نوشیرواں بعدل گرچہ بسی گذشت کہ نوشیرواں نماند

خیرے کن اے فلاں و غنیمت شمار عمر زاں پیشتر کہ بانگ برآید فلاں نماند

میں یہ نہیں کہہ سکتی کہ میں نے جو لباس کی بابت خیال کیا ہی کہانتک درست ہی یہ تو اکی عالی بہنیں سوچکر کہہ سکتی ہیں مگر مطلب تو یہ ہے کہ بیبیاں جو غمزدہ بہن کی غمخواری کو آتی ہیں کیا مدد کرتی ہیں۔ سوائے اسکے کہ مرحوم کی زیست کی باتیں بیان کرکے غمزدہ بیوی کو اور صدمہ پہنچاتی ہیں۔ میرا یہ خیال ہی کہ ماتم پرسی سے جو فائدہ ہونا چاہیے نہیں ہوتا۔ میں یہ نہیں کہتی کہ کسی کو صدمہ نہیں ہوتا نہیں درجہ بدرجہ سب کو ہوتا ہی۔ اور کوئی عزیز ایسا نہیں کہ اپنے عزیز کی دائمی جدائی کے غم میں آنسو نہ بہائے۔

بہتر ہو کہ ہماری بہنیں اس طرز ماتم پرسی کو بدل دیں اور ایسی محفلوں میں جب غمزدہ کے پاس جائیں تو غمخواری کرنے کے بعد صبر کی حکایات رسول مقبول کا ذکر اور اُن کے صبر اور اجر کا ذکر کرکے غمگین کو تسلّی دیا کریں۔ غمزدہ صاحب خانہ کو اسکے علاوہ یہ مصیبت پر مصیبت ہی کہ کہیں ایسا نہو کہ کسی کے ہاں حصہ یا بلاوہ پھولوں کا (یعنی قل جسے عموماً پھول ہی کہتے ہیں) نہ جائے تو ناحق ناراضی ہو اگر ایسا ہوتا ہی کہ بلاوہ نہ جائے یا بیچاری غمزدہ بھول جائے تو پھر تعزیت کو جانا ضروری نہیں سمجھا جاتا۔ گویا اُسکو بلانا ہی منظور نہیں جو خبر نہ کی لیکن بلانا بھی موقع کا ہوتا ہی البتہ اگر شادی میں کوئی نہ بلائے تو جائے شکوہ ہے لیکن ماتم پرسی کا بلاوا بالکل بے محل اور مہمل ہی۔ اور مجھے اسکا سخت رنج اور افسوس ہوتا ہی اگر میں کسی کا اس بات پر میل ملاپ ترک ہونا سنتی ہوں تو اپنی حالت پر رہ کر رہکر

افسوس ہوتا ہی۔

آپا جو کچھ میں نے اسوقت تک بیان کیا صحیح صحیح اور مبالغہ سے خالی ہی جو حالت میں دیکھتی ہوں بیان کر رہی ہوں اور سب ہی جانتے ہیں۔ ہماری بہنیں اس آنے جانے کو ہمدردی انسانی نہیں بلکہ رسم کی پابندی سمجھتی ہیں۔ لیکن میرے خیال میں تعزیت پابندی رسم نہیں ہی بلکہ قدرتاً ایک دوسری کی تکلیف سے ایک اثر دل پر ہوتا ہی اور ہونا بھی چاہیے اسوقت یہ بھی بیان کرنا مناسب معلوم ہوتا ہی کہ جسکو بلاوا کہا جاتا ہی وہ کیا دستور ہی اور وہ کیونکر قائم ہوا تھا۔ پہلے پہل غالباً اسکا شروع اس طرح ہوا ہوگا کہ جسکا عزیز انتقال کرتا ہوگا اور اُسکے عزیز و اقارب دور آباد ہوتے ہونگے اُن کی اطلاع کے لیے کہلا بھیجا جاتا ہوگا تاکہ اُنھیں خبر ہو جائے۔ لیکن یہ نہیں کہ پس یوار گھر ہی اور بلاوے کا انتظار ہے اب بھی بلاوہ سے مطلب اطلاع ہی ہی لیکن پہلے سے اس میں سختی ہوگئی ہی وہ سختی یہ ہے کہ پہلے تو ایک سے دوسرے کو اطلاع ملی دوسرے سے تیسرے کو اسی طرح سب کو معلوم ہوگیا اور سب شریک غم ہوگئے۔ لیکن اب یہ دستور ہی کہ جب تک غمخوار کا خاص آدمی اطلاع نہ کرے اور خبر ہو بھی جائے تب بھی شرکت غم ضروری متصور نہیں کیجاتی۔

میری دانست میں گو اطلاع کرادینی چاہیے لیکن یہ نہیں کہ اگر کسی کو اطلاع ہوگئی اور خاص آدمی نہیں آیا تو شریک غم نہوں کیونکہ اکثر آدمی اپنی سستی سے یا بھول کر بعض جگہ نہیں پہنچتے تو اسکا الزام غمگین صاحب خانہ پر نہیں آسکتا۔ کیونکہ ایسی حالت میں اکثر اوسان گم ہوجاتے ہیں جس کی وجہ سے آدمی بھیجتے وقت نام یاد نہیں رہتے اسوقت کی بھول کو کیا یہ کہہ سکتے ہیں کہ غمزدہ کو ان عزیزوں سے جنکو اطلاع نہیں بھیج سکی کسی قسم کا تعلق یا محبت نہیں۔

ہم کو لازم ہی کہ ہمیشہ ہمدردی انسانی کا لحاظ بغیر کسی عذر یا بہانہ کے رکھیں۔ اکثر ایسا ہوتا ہی کہ ایک دوسری کی غم میں شریک نہیں ہوتے تو دوسرا بھی اپنا وقت یاد

کرکے اُنکے رنج میں شریک نہیں ہوتا۔ اور ایک بڑا موقع ہاتھ سے کھوتا ہی۔ وہ کیا آپ نے سنا ہوگا ؎ دل بدست آور کہ حج اکبر ست۔ اگر اس خیال پر ہماری دوسری بہنیں ان بہن کی غمخوار ہوتیں تو اسوقت غمزدہ بہن کے دل پر ان کی محبت اور سچی ہمدردی نقش ہوجاتی۔ کیونکہ شادی کے شریک تو سب ہیں۔ لیکن غم کے شریک بہت کم ہوتے ہیں اور اس ہمدردی کا اثر اپنوں پر تو اپنوں پر غیروں پر بھی ایسا ہوتا ہی کہ عزیزوں پر سبقت لیجاتا ہی۔ ہمارا یہ فرض ہونا چاہیے کہ ہمدردی اور محبت کا بیج بوئیں نہ کہ رہی سہی محبت کی بھی بیخ کنی کریں۔ آپا میں نے اکثر سنا ہی کہ انہیں باتوں پر ترک محبت ہوجاتی اور میں کیا سب بہنوں کو تجربہ سے معلوم ہوا ہوگا۔

مقبول۔ ایسے بھی بہت سے خدا کے بندے ہیں جو ان مہمل باتوں سے پاک ہیں۔

صغیر۔ آپا میں بھی یہ نہیں کہتی کہ ایسے لوگ موجود نہیں ہیں ؎ ہر گلے را رنگ و بوے دیگر ست۔ آدمی آدمی انتر۔ کوئی ہیرا کوئی کنکر۔ لیکن ایسی طبیعت کے لوگ شاذونادر پائے جاتے ہیں۔ الشاذ کالمعدوم۔ میں تو کہتی ہوں کہ جس میں یہ صلت نہیں وہ انسان نہیں۔

آپا کیا یہ بات ہمارے لیے قابل حیف اور اپنی حالت پر آپ رُلانے والی نہیں ہے کہ ہم اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں اور اپنی نادانی کے سبب اپنے تئیں اور اپنی آیندہ نسلوں کو ہلاک کیے ڈالتے ہیں۔ کیا شاکر علی کی بیوہ بیوی اور یتیم اولاد پر رسم کی پابندی اور دیگر الفاظ میں ظلم صرف زمانے ہی کی طعنہ وتشنیع کے ڈر سے نہیں ہوا کہ پورا ایک سو روپیہ ایک فاتحہ میں قرض ہوگیا۔ مرحوم کا لڑکا گو لائق ہی بدقسمتی سے سو روپیہ چھوڑ سو کوڑیوں کا بھی ملازم نہیں یہ قرض کیونکر اُتریگا اور ابھی کیا ہی۔

ابتداے عشق ہی روتا ہی کیا آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا

رنج میں غمگین کی دلجوئی کرنی چاہیے برخلاف اسکے خود غمزدہ کو ہر ایک کی رضاجوئی

کرنی پڑتی ہی۔ کیا یہ اپنے صدمہ کی تکلیف سے بڑھکر نہیں ہو کہ جب صدمہ ہوتا ہی تو کسی سے
بات کرنے کو بھی دل نہیں چاہتا۔ کیا پھر اس میں سب کی دلداری اور ہر ایک کی خاطر و
مدارات کرنا ناگوار اور شاق نہیں معلوم ہوتا ہوگا مگر کیا کریں قہر درویش برجان درویش
خیر یہ تو الگ رہا مجھے تو اس بھاری آفت اور تکلیف کی فکر ہی جو سامنے آنے والی ہے
اور جس سے خانہ بربادی ہونے کا خطرہ ضروری ہے۔ بعض تو دنیا کی شرم اور رسم پرستی
کے لیے کرتے ہیں اور بعض اپنے نام کے لیے جان و مال فدا کرنے میں حد سے زیادہ
تجاوز کر جاتے ہیں اور ایک نام کے لیے جو چند منٹ کی بادشاہت سمجھنی چاہیے اس سے
بڑھکر قعر مذلت میں گرفتار ہو جاتے ہیں اور قرض کی بیڑی اور ہتکڑی سے مقید ہو جاتے
ہیں اور اس نام سے بڑھکر رسوائی ہوتی ہی اور وہ اس مثل کے مصداق ہوتے ہیں۔
جیسا کہ کسی نے کسی سے کہا تھا کہ میاں تمہارا گھر جلتا ہی وہ بولے کہ جلتا ہی تو جلنے دو
شیخی تو ہماری بغل میں ہی۔ تو بس ایسے خرچ کرنے والوں کی بغل میں جنکے پاس کچھ
نہیں ہوتا صرف شیخی ہی رہجاتی ہی مگر وہ بھی کے دن کی گھر کے جلنے کا تو اعتراف
ہو ہی چکا ہی اور وہ خود جانتے ہیں۔ لیکن وہ شیخی بھی کچھ دن میں عجیب رنگ دکھاتی
ہی اور ذلیل و خوار بنا دیتی ہی۔

مقبول۔ بہن جو تم کہہ رہی ہو سچ ہی اور قرض کی تو ایسی ہیبت ناک و خونخوار شکل ہے
کہ نام سے بھی خوف آتا ہی گو ظاہر میں کچھ عرصہ کے واسطے عیش و عشرت کی ایک خوبصورت
مورت بنکر آتا ہی مگر تھوڑے ہی دنوں بعد وہ اپنی اصلی اور مہیب شکل سے مجسم ہو کر
سامنے آتا ہی اُسوقت کا خوف و ہراس و یاس کا حال دیکھکر یہی دعا نکلتی ہی کہ یا خدا
اس بلا میں دشمن کو بھی مبتلا نہ کیجیو کہ قرض کا بار گراں پیٹھ پر ہو اور قرض خواہوں کے
تقاضے سے شرمندہ۔ حضرت سعدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہی۔

کہ تقاضائے زشت قصابان
بہ تمنائے گوشت مردن بہ

صغیر۔ میں آپ کی اس تقریر کا شکریہ ادا کرتی ہوں کہ آپ نے مجھ ناچیز کی راے کے موافق یہ الفاظ کہے۔ اور مجھے اپنی راے کے اظہار سے اعزاز بخشا۔

ایسے موقعوں پر دیکھا گیا ہے کہ انواع و اقسام کے کھانے پکتے ہیں حصے بھیجے جاتے ہیں اور مہمانوں کو بھی کھلایا جاتا ہے لیکن محتاجوں کو بہت کم پہنچتا ہے۔ اس سے جو ہمارا اصل مدعا تھا وہ حاصل نہیں ہوا۔ اول یہ کہ مرحوم کو اسکا ثواب پہنچے اور غریبوں کا پیٹ بھرے۔ لیکن نہ وہ محتاجوں کی مدد ہوئی نہ مرحوم ہی کو ثواب نہ دین نہ دنیا۔ ؎

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم　　نہ ادہر کے رہے نہ اُدہر کے رہے

بلکہ قرض کا گناہ ہوا۔ لازم ہے کہ اس مثل کے موافق کرے "جتنی چادر ہو اُتنا ہی پاؤں پھیلائے" اور ہمیشہ اس مثل کو پیش نظر رکھے اور اپنی حیثیت کے مطابق کام کرے تو کل مشکلات حل ہو جائیں۔ یہ ایسی مثل ہے کہ غریب اور امیر ہر ایک کو اپنا مسلک بتاتی ہے۔

اگر غور کیا جائے کہ قرض لیکر فاتحہ کا ثواب کہاں تک ہوتا ہے اور نام کہاں تک تو بہت کچھ اصلاح کی امید ہو۔ نام اور ثواب کا ذکر آگے کروں گی جس سے آپ خود اندازہ کرینگی آپا میرا اس تقریر سے یہ مطلب نہیں کہ اپنے عزیز رنج میں شریک نہوا کریں اس سے یہ مری مراد ہرگز ہرگز نہیں بلکہ یہ کہنا چاہتی ہوں کہ ہم کو ایسے دستور پر چلنا چاہیے کہ جو ہماری بہبودی کا باعث ہو۔ میں پھر اس بارے میں اپنی راے کا اظہار کروں گی۔ آپا میں کیا کہوں مجھے رہ رہکر خیال آتا ہے کہ قرض لیکر رنگا رنگ کے کھانے پکا کر جو لوگ بانٹتے ہیں کیا اسکا ثواب مرحوم کو ملتا ہے۔

مقبول فاطمہ۔ مرے خیال میں تو اُلٹا گناہ ہوتا ہوگا۔

صغیر۔ پھر بھلا آپا کیا یہ قرض ہمارے لیے سم قاتل نہیں ہے۔ کیا یہ ہمارے لیے باعث بربادی نہیں ہے۔ لیکن یہ سب باتیں اور انجام سب لوگ جانتے ہونگے مگر کمبخت نام کی خاطر اور دنیا کی شرم کو جو محض فضول ہے ایسی حالتوں میں گرفتار ہوتے ہیں اپنے اوپر

ہزاروں جفائیں اور مصیبتیں اُٹھانے کے خیال کے باوجود سب کچھ کرتے ہیں تاہم یہ بے انصاف خلق ایسی ہی کہ بُرا کہنے سے نہیں چوکتی "مرغی اپنی جان سے گئی اور کھانے والوں کو سواد نہ آیا"۔ پھر کیا فائدہ (محفل میں سے ایک بیگم دوسری سے) دیکھو بہن بیچاری نے کس ہمت سے کام لیا ہی شاباش صد آفریں (جواب) بہن کیا تو کیا تعجب ہی میاں نے بھیرا چھنا چھن روپیہ لاکر بھی تو دیا جمع پاس ہی آخر ڈپٹی تھے جتنا کریں کم ہی۔ سُنا آپ نے کیا لطیف بات ہی۔ سبحان اللہ وہاں قرض کی گٹھڑی سر پہ ہی اور جان سکھا رہی ہی۔ یہاں یہ گمان ہی خاطر و مدارات اور اپنے اوپر جفا اُٹھانے کا کیا اچھا نتیجہ نکلا اور کیسا صلہ ملا۔ اللہ کے نام جو کھانا تقسیم ہوتا ہی اُس میں اکثر ایسے بھی لوگ ہوتے ہیں جو تندرست اپنے قوت بازو سے کمانے کے قابل ہوتے ہیں مگر مفت مزیدار کھانے کھاکر مگن رہتے ہیں جسکا نتیجہ یہ ہے کہ مرد عورت سب نے عہدۂ فقیری کو سودمند جانکر اختیار کرلیا ہی۔ محنت و مزدوری کو بالائے طاق رکھا۔ اور وہ ایسا کیوں نہ کریں۔ خدا دے کھانے کو تو بلا جائے کمانے کو۔

(اتنے میں مقبول آنکھ اُٹھاکر) آؤ بی مسعود آج کدہر سے چاند نکلا۔

مسعود۔ آپا سلام۔

صغیر۔ اوہو آج کیا مبارک دن تھا جو آپ کا ادہر آنے کو دل چاہا۔

مسعود۔ آج آپ کیا لیکچر دے رہی ہیں۔

صغیر۔ اچھا آپ تشریف رکھیے۔ کیا اچھے موقع پر آپ تشریف لائی ہیں کہ بے اختیار دل خوش ہوا اور اب آپ کی رائے کی منتظر ہوں (صغیر پھر اپنی اُنھیں باتوں میں محو ہو گئی)

اب غور طلب یہ امر ہی کہ اس خیرات نے جو اس طرح ہم کرتے ہیں کیا نتک فائدہ پہنچایا اول تو یہ کہ اُنھوں نے اُلٹا ہمیں ہی محتاج کر دیا اس عہدۂ فقیری کی بدولت۔

ملازمین اور مزدوروں کا جو کال ہوا ہی اور جو جو تکالیف اسوجہ سے پیش آئی ہیں وہ سب پر روشن ہیں۔ لیکن یہ کسکا قصور ہی ہمارا یا انکا نہیں یہ انکا نہیں یہ قصور سراسر ہمارا ہی ہم ایسے لوگوں کو دیتے ہیں جو اسکے مستحق نہیں ہیں اور اس طرح ہم خود ان کو محتاج بنا کر اپنی قوم کو بدنام کرتے ہیں اور اس سے صرف یہی نہیں کہ ہم تندرست اور مضبوط آدمیوں کو بیٹھے بٹھاے کھلا کر مکار اور بیکار بنا دیتے ہیں اور قوم کو رسوا کرتے ہیں بلکہ بیچارے واجب الرحم محتاجوں کی حق تلفی کرکے ایسے لوگوں کو پالتے ہیں جو ہمارے واسطے باعث مضرت اور نقصان ہوتے ہیں اور چرس وبھنگ پی کر ہم کو ثواب کی بجاے عذاب میں ڈالتے ہیں۔ ہمیں لازم ہی کہ جہانتک ممکن ہو حقدار ہی کو پہنچائیں ورنہ دینے کا کیا ثواب جبکہ بیچارے لاچار و محتاج ہی اس سے فائدہ نہ اُٹھائیں اور بھوکے مریں۔ خیرات دینے میں اور بھی بہت سی غلطیاں ہوتی ہیں جن میں اگر اصلاح کیجاے تو محتاجوں کو بہت زیادہ فائدہ ہونے کی امید کیجاسکتی ہی۔

مثلاً بعض لوگ فصل کے آم یا رنگترے وغیرہ لیکر راہ خدا پر دیتے ہیں اس سے کیا حاصل ہی۔ فرض کیجیے ایک رنگترا یا آم آپ نے ایک فاقہ کش کو لیکر کھلا دیا تو بتائیے کیا اُسکا اس سے پیٹ بھر گیا۔ آپ نے پانچ چھ آنے منٹ بھر میں اُسکے پیٹ میں اتار دیے اس سے اُسکو کیا فائدہ پہنچا نہ پیٹ ہی بھرا نہ مزا ہی آیا اسکے بجاے آپ پانچ چھ آنے اگر اُسکو نقد دیدیتیں تو وہ اُسکا آٹا لیکر کئی وقت اپنا گزارہ کرتا اور اُسکو کئی وقت فاقہ کشی سے نجات ملتی۔

اب فرمائیے کہ کونسا کار خیر ہی یہ یا وہ اسکا انصاف آپ خود اپنے دل میں کرینگی بشرطیکہ یہ بھی خیال ہو کہ کوئی چیز خاص صورت میں نہیں پہنچتی بلکہ اُسکا ثواب پہنچتا ہی ہمارا یہ فرض ہی اور ہمپر لازم ہے کہ ہم اپنے قوم کے یتیم بچوں کا خیال کریں یتیم خانوں اور محتاج خانوں میں اور پردہ نشین بیواؤں کی طرف جن پر کئی کئی وقت فاقہ سے گزر جاتے ہیں

نظر رحم سے دیکھیں شادی ہو یا غمی ہمیں ضرور اسکا خیال رکھنا چاہیے۔ میرے اس
کہنے کا یہ مقصد نہیں ہو کہ محتاجوں اور اپنے غریب ہمسایوں کو بھلا دیں اور صرف
محتاج خانوں اور یتیم خانوں ہی میں دیا کریں نہیں بلکہ ہمیں لازم ہو کہ شرع شریف کی پابندی
کریں اور محتاجوں کو جو بالکل اپاہج ہیں اور ہاتھ پاؤں سے بھی لاچار یا آنکھوں سے
نابینا ہیں اُن کی خبرگیری کریں البتہ اگر ایسے محتاج ہوں تو سب خیرات یتیم خانوں
میں دیا کریں۔ اور ایک اور بھی جگہ خیرات دینے کی عمدہ ہو کہ شفاخانوں میں بیماروں
کی تیمارداری کے لیے بھیجدیا کریں۔

آپاجان ہم کو تعزیت کے موقع پر کس طرح سلوک کرنا لازم ہو اور کیا کرنا چاہیے
میرا تو یہ خیال ہو کہ ہمیں فوق البھڑک کپڑے پہنکر ایسے موقعوں پر جانا مناسب نہیں
صرف صاف اور پاکیزہ سادہ لباس پہنکر جایا کریں اور اس بناوٹ کو الگ کردیں۔
یہ قاعدہ تو خدا کا شکر ہو کہ ہم میں موجود ہو کہ ایسے موقع پر تین روز تک رشتہ دار
کو کھانا پکوا کر بھیجتے ہیں۔ مگر اس کی مشکل بھی بیچاری گھر والی پر پڑتی ہو۔ بہتر ہو کہ آنیوالی
بیویاں غمگین صاحب خانہ کو کسی قسم کی تکلیف نہ دیں اور خود اس آئے ہوئے کھانے کو
کھلا پلا دیا کریں اور حصہ کی رسم کو موقوف کریں مناسب تو یہ ہو اور ضرور ہونا چاہیے
کہ اپنے گھر سے کھانا کھا کر ماتم پرسی کو جایا کریں تاکہ غمگین صاحب خانہ زیربار نہو کرے
یہ کام ایسا ہو کہ ایک کے کیے سے نہیں ہوسکتا سب ملکر ایک محفل کریں اور ان قبیح
رسموں کے ہونے سے جن جن دقتوں اور مصیبتوں کا سامنا ہوتا ہو انکو سب کے
سامنے ایک باہمت اور عاقلہ بہن بیان کرکے انکے ترک کرنے کی التجا کریں تو امید ہے
کہ سب بہنیں متفق ہو کر ضرور کچھ نہ کچھ اصلاح کرلیں اور اسی طرح متواتر کوشش
کیجائے تو تمام رسوم کی کماحقہ اصلاح ہو جائے جو فیض عام اور باعث بہبودی
قوم ہو جو لوگ سوم تک برابر رہتے ہیں وہ قریبی رشتہ دار ہوتے ہیں وہ یہاں

کھانا کھالیں تو خیر کچھ مضائقہ نہیں لیکن یہ کہ گھر بھی حصہ بھیجا جاتا ہی یہ بالکل نامناسب ہے۔ تیسرے روز سے جو عزیز تعزیت کو آتے رہتے ہیں اُن کو لازم ہی کہ گھر سے کھانا کھاکر جایا کریں اور کسی قسم کی تکلیف غمگین صاحب خانہ کو نہ دیا کریں۔ بس یہی سب باتیں ہیں جنکا ہمیں اختیار کرنا ہر طرح سودمند ہی اور ایسی ہی ہمدردی ہماری ہمدردی کہی جاسکتی ہی۔ اور جب ہی ہمارا رنج میں شریک ہونا درحقیقت شرکت غم کہلائیگا ورنہ اپنے غمزدہ عزیزوں کو بیفائدہ تکلیف دینے اور زحمت میں ڈالنے سے کیا فائدہ۔ اگر ہم ان رسموں کی اصلاح نہ کرینگے تو ہماری تعزیت "مرتے کو مارین شاہ مدار" کی مثل کے موافق ہوگی۔

آپا میری رائے تو چھوٹا مُنہ بڑی بات ہی اگر ہمارے بزرگ اور نیز بہنیں یکدل ہوکر اس میں عمل کی کوشش کریں تو ضرور اپنی قوم کی بہبودی کا باعث ہوں اور ان منحوس رسموں کو صفحۂ دنیا سے نیست ونابود کر دیں۔ خدا ہر ایک بہن کو توفیق دے کہ وہ ان گزند دہندہ رسموں کو اُٹھا دینے میں بدل سعی فرمائیں۔ آمین۔

مقبول فاطمہ اور مسعود۔ پیاری صغیر۔ ہمیں تمہاری اس تقریر سے بڑی خوشی ہوئی بیشک یہ سب باتیں تمہاری قابل غور ہیں مگر اس سے پہلے کہ اسپر سب کا عمل ہو ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے کنبے میں سب بزرگوں سے مودبانہ عرض کریں اور اپنی بہنوں کو جس طرح ہوسکے اس بات پر آمادہ کریں کہ وہ ہماری شریک حال ہوکر ان رسموں کی اصلاح کی طرف متوجہ ہوں۔ اور نیز میں تمھیں امید دلاتی ہوں کہ سب چھوٹے بڑے تمہاری اس تقریر کو سُنکر خوش ہونگی اور تمہاری مدد بھی کریں گی اور یہ کہ جو بہنیں تمہارے بیان کردہ مصائب میں گرفتار ہیں یا اپنے کسی رشتہ دار کو اس آفت میں مبتلا پاتی ہیں وہ تو ضرور ہی اپنے اپنے خاندان میں اس کی اصلاح کرینگی میری بھی درگاہ ایزدی میں دعا ہی کہ یہ اصلاحیں ہمارے ہاں جلد رواج پاجائیں۔

اسکے بعد مسعود۔ ہاں بہنیں حصے کے بارے میں یہ اور زائد کہنا چاہتی ہوں کہ لوگ اسپر غور کریں کہ اس حصے میں ملتا ہی کیا ہے۔ صرف ایک ایک دو دو رکابیاں آجاتی ہیں مگر بیچاری دینے والی اور خرچ کرنے والی کو قدر عافیت کھلجاتی ہے اور دوسروں کو اس سے کچھ فائدہ بھی نہیں ہوتا اسلیے ہر طرح مناسب و واجب ہے کہ اس رسم کو ایسے موقع پر ضرور اُڑادیں۔

صغیر۔ بہن مسعود میں آپ کی ان تائیدی الفاظ کا شکریہ ادا کرتی ہوں۔

مقبول۔ مری پیاری بہنو۔ میں خیرات کے بارے میں کچھ کہنا چاہتی ہوں وہ یہ ہی کہ خیرات فرمان الٰہی اور احکام شریعت کے مطابق کرنی واجب ہے اور اس آیت کے موافق خیرات کرنی چاہیے ویسئلونک ماذا ینفقون قل العفو۔ یعنی اے پیغمبر تجھ سے لوگ پوچھتے ہیں کہ ہم خدا کی راہ میں کیا خرچ کریں تو اُنسے کہدے کہ جسقدر تمھاری ضرورت سے زائد ہو۔ یہ وہ تعلیم ہے کہ اگر ہماری آنکھیں ہوں تو کبھی دہوکا نہ کھائیں۔ ہمارا یہ عین فرض ہونا چاہیے کہ اس حکم کے موافق خیرات کیا کریں اور خیرات کے وقت درجہ بدرجہ اپنے رشتہ داروں۔ یتیموں مسکینوں اور مسافروں کا خیال رکھا کریں جو خیرات اس حکم کے موافق ہو۔ اور مندرجۂ بالا مراتب کے ساتھ کیجاے تو واقعی خیرات ہے ورنہ اسراف سمجھنا چاہیے جسکے ثواب واجر کی بابت اللہ تعالی فرماتا ہے لایحب المسرفین۔ یعنی میں مسرفوں سے محبت نہیں رکھتا۔

بس نہ خدا یہ فرماتا ہے کہ تم اپنے آپ کو ہلاک کرو نہ عقل کہتی ہے کہ آرام میں پڑکر اسراف کرو اور خدا کو فراموش کردو بس خدا کی یاد ہر حال میں واجب ہے اس سے خوب ظاہر ہی کہ جب اسراف پسند خدا نہیں تو بھلا اس سے ثواب اور اجر کی کیا امید ہے۔ ہم روز دیکھتے ہیں کہ کوئی تحسین وآفریں نہیں کرتا نہ

نعام دیتا ہی الا اُسوقت کہ جب کام اُسکے حکم اور خوشی کے موافق ہو۔ پھر اللہ تعالےٰ
سراف کرنے سے جو اُسکو ناپسند ہی کیونکر خوش ہو سکتا ہی۔

مذکورہ آیت کے مطابق عمل کرنے سے دین و دنیا دونوں کا بھلا ہی کاش کہ
ناکر علی کی زوجہ نے اس آیت شریف کو دیکھا ہوتا اور اسکے معنی پڑھے ہوتے تو
آج نہ موذی قرض کے جال میں ہوتیں نہ فکر کے دریا میں غرق ہوتیں بلکہ ان سب
آفتوں سے علیحدہ رہکر اپنی حیثیت کے موافق خیرات کرکے باقیماندہ روپیہ سے
جو اسراف میں کھویا کچھ دنوں تو اپنی زندگی آرام سے بسر کرتیں کیا عجب تھا کہ
حامد نوکر بھی ہو جاتا۔

متذکرہ بالا آیت کے پڑھنے سے یہ سوال پیدا ہوتا ہی کہ اگر کسی کو اپنے ضروری
خرچ سے کچھ نہ بچے تو بس خیرات بند کر دے اور ثواب سے محروم رہے۔ اسکے
جواب میں یہ ضروری معلوم ہوتا ہی کہ لفظ خیرات کی تعریف و توضیح کیجائے کہ خیرات
کیا چیز ہے۔ خیرات جمع ہی خیر کی اور خیر کے معنی ہیں نیکی لفظ نیکی کا اطلاق صرف
مال و دولت ہی پر نہیں ہوتا جیسا کہ عام خیال ہی۔ بلکہ نیکی قدم درم قلم ہر طرح
ہو سکتی ہی۔ جسکو خدا نے اتنا ہی دیا ہی کہ وہ خود اپنا ہی خرچ چلا سکے وہ اپنی ہمت
سے نیکی کر سکتا ہی اور اجر عظیم پا سکتا ہی۔ مثلاً کسی بیمار کی خدمت کرنا وغیرہ وغیرہ
صاحب دولت اپنے روپیہ سے مدد کر سکتا اور صاحب علم اپنے قلم سے
فائدہ پہنچا سکتا ہے۔

صغیر فاطمہ۔ آپا یہ نیکی کی توضیح تو ہوئی مگر نیکی کی تعریف نہوئی۔
مقبول فاطمہ۔ اچھا صغیر میری سمجھ میں ایک اور تعریف آئی۔
صغیر فاطمہ۔ فرمائیے۔
مقبول فاطمہ۔ لو سنو صفات خدائی کی پیروی کرنے کو نیکی کہتے ہیں۔ اسکا

مطلب یہ ہے کہ کوئی خدمت قدم درم قلم جو بغیر خود غرضی خالصتہً للہ کیجائے نیکی ہے
بس اس سے صاف روشن ہے کہ کسی نہ کسی نوع کی نیکی دنیا میں ہر فرد بشر کرسکتا ہے
اور ہر کم وسعت اور صاحب وسعت کے لیے خیرات کا راستہ کھلا ہے لیکن وہی راستہ
اختیار کرنا چاہیے جو اُسکے حسب حال ہو۔

صغیر فاطمہ۔ آپ کی یہ تعریف نہایت موزوں اور قابل غور ہے۔ میں آپ کی نہایت
ہی مشکور ہوں کہ آپ نے جو خیالات ظاہر فرمائے گو وہ میرے خیالات کی تائید
میں ہیں۔ لیکن درحصل فی نفسہ بڑھکر ہیں اور ایسے ہیں کہ بعد سماعت بے اثر نہیں
رہ سکتے۔ آسیئے آپا جان اب اُدھر چلیں کام پڑا ہوگا۔ بہن مسعود چلیے آپ بھی وہیں
چلیے امی جان بھی آپ کو یاد کر رہی تھیں۔

استنے میں محمد اشرف یعنی (مقبول کا بھائی) آہا آج یہ کیا کمیٹی ہو رہی تھی اوہو
آج تو بی مسعود بھی موجود ہیں۔ ان تینوں بہنوں نے سلام کیا اور بنگلہ سے رخصت ہوئیں
گفتگو بھی ختم ہوئی اور تفریح بھی ہو چکی۔

راقمہ آثمہ

ایم۔ جے بیگم بنت محمد فضل مبین

مردوں کا رتبہ

مردوں کی تابعداری عورتوں کا بہت بڑا فرض ہے۔ اور کسی مذہب وملت میں عورتوں
کو مردوں پر برتری نہیں دیگئی ہے۔ مذہب اسلام میں تو یہانتک کہا گیا ہے کہ "اگر شرک کا خیال
نہوتا تو عورتوں کو حکم دیا جاتا کہ وہ اپنے مردوں کو سجدہ کریں" لیکن اسکے ساتھ ہی عورتوں کے
حقوق بھی مردوں پر اس سے کم نہیں رکھے گئے ہیں قرآن میں ہے " ولھن مثل الذی
علیھن" عورتوںکے حقوق مردوں پر اسقدر ہیں جسقدر مردوں کے عورتوں پر ہیں۔

مگر اسکے ساتھ ہی وہ عظمت جو مرد کو مرد ہونے سے حاصل ہی اور عورت کو اپنے تمام کاروبار میں اسکا محتاج رہنا پڑتا ہی وہ عورت کو اُس کی تابعداری پر مجبور کرتی ہی۔

کاکوروی بیگم صاحبہ نے اسی مضمون کی تفصیل کی ہی۔ لیکن آخر میں وہ کہیں مولوی محمد اختر صاحب کا کوئی مضمون دیکھکر بے پردگی کا نام سنکر بہت گھبرا گئیں ہیں ہم اُنکو یقین دلاتے ہیں کہ تعلیم کے حامیوں کا یہ مقصد نہیں ہی کہ وہ پردے کی رسم موقوف کرائیں۔ اگر ایسے ایک آدہ شخص ہیں تو وہ اُنکا ذاتی خیال ہی۔ پردۂ شرعی مسلمانوں میں ہمیشہ رہا اور ہمیشہ رہیگا۔

حقیقت یہ ہی کہ بعض لوگ غلط فہمی سے تعلیم کے مفہوم میں آزادی یا بے پردگی کو بھی شامل سمجھتے ہیں حالانکہ یہ دونوں باتیں بالکل الگ الگ ہیں۔

کاکوروی بیگم صاحبہ کے خیالات ایک سچی ایشیائی عورت کے خیالات ہیں جو دلچسپی سے پڑہے جانے کے قابل ہیں۔

اڈیٹر

میں نے اپنی فرصت کے اوقات بلکہ تنہائی میں جب میں شب کو خواب شیریں کے انتظار میں پلنگ پر نہایت اطمینان سے لیٹتی ہوں اکثر یہ بات سوچی ہی کہ مردوں کو عورتوں پر اتنا بڑا رتبہ کیوں حاصل ہی۔ عورتوں کو مردوں کے مقابلہ میں ذرّہ برابر بھی آزادی حاصل نہیں۔ حالانکہ اگر عورتیں نہوں تو مردوں کی نشو و نما نہو۔ یا دوسری طرح کہو تو ان کی زندگی تندرستی سب ہمارے بس کی ہی یوں تو زندگی تندرستی مردوں کی ہو یا عورتوں کی سب اللہ کے اختیار میں ہی مگر ظاہر تو یہی دکھلائی دیتا ہی کہ اگر ہم نہ چاہیں تو بچے فاقہ کرکے مرجائیں۔

مرد گو کیسے ہی اچھے ہوں لیکن ہمارے حق میں تو ہر طرح کی کمی کرتے ہیں۔ حالانکہ دیکھو تو ابتدا سے لیکر انتہا تک ہماری خدمتوں سے وہ بے انتہا نفع اُٹھاتے ہیں

ماں کے پیٹ میں نو مہینے رہے ماں کے خون و گوشت سے پرورش پائی۔ اسکے بعد دو برس تک خون جگر پلا کر پرورش کیا۔ رات کو رات نہ جانی طرح طرح کی مصیبتیں جھیلیں۔ اسکے بعد بھی ہر طرح کی نگہداشت کی۔ تعلیم میں لگایا تاکہ آگے چلکر اچھے عادات و اطوار سیکھیں اور بڑے ہو کر بدچلن نہوں۔ جب صاحبزادے بڑے ہوئے تو پھر اُن کی حکومت ہی۔ بچپنے میں اپنی ہجولیوں کے ساتھ کھیلے اگر بگڑ گئے تو ہر طرح کی خوشامد کرکے چھوٹی چھوٹی بہنیں ننھے ہاتھ گلے میں ڈالکر مناتی ہیں۔ بڑے ہوئے جوان ہوکر شادی ہوئی بیوی ملی اُسپر ہر طرح کی حکومت کی۔ بڑھاپے میں بیماری میں تکلیف میں بیچاری شریف بیوی ساتھ دیتی ہے۔ اگر اولاد والا آدمی ہے تو لڑکیاں ہی بوڑھاپے میں اُس کی خدمت کرتی ہیں۔

غور کرنے کا مقام ہے کہ لوگوں کو جس جس سے نفع اور فائدہ ہوتا ہے تو اُس کی لوگ پرستش کرنے لگتے ہیں۔ ہندو گؤ ماتا کو پوجتے ہیں۔ آتش پرست آگ اور سورج کو مگر میں پوچھتی ہوں کہ لوگ ہم کو کیوں نہیں پوجتے۔ مردوں کی ساری بھلائیوں کی ذمہ دار ہمیں ہوتے ہیں۔ کبھی میں نے سنا تھا کہ اگر سچی سچی حالت کسی خاندان کی معلوم کرنا ہو تو اُس کی لڑکیوں اور عورتوں کی حالت دیکھو۔ تو یہ بچپنے کی سنی ہوئی بات اب میری سمجھ میں آئی۔ واقعی سچ تو یہ ہے کہ ہمیں لوگ تو مردوں کو پرورش کرتے ہیں۔ پھر ہماری سب باتیں ان میں ہونی چاہییں۔

میرے خیالات یہیں تک پہنچے تھے کہ یکایک میں نے یہ سوچا کہ سب الزام تو میرے مردوں پر صحیح ہیں مگر خداوند کریم تو بڑا دانا بینا ہے۔ اس نے ہی تو ہم لوگوں کو یہی تعلیم دی ہے کہ جہانتک ہو مردوں کی اطاعت کرو۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ میاں کا کہا قسمت کا لکھا ہوتا ہے۔ کلام خدا میں جہاں عورتوں کی نافرمانی کا ذکر کیا ہے وہاں مردوں کو یہانتک تو اجازت دیدی ہے کہ عورتوں کو مارو۔ اور جہاں مردوں کی نافرمانی کا تذکرہ عورتوں کے

حق میں کیا ہی وہاں صرف یہی کہا کہ آپس میں صلح کر لیں۔ غرضکہ عورتوں کی مٹی پلید ہی۔
پھر میں نے سوچا کہ آفتاب کو جو لوگ پوجتے ہیں اور گائے کو پوجتے ہیں انکو ہم لوگ جاہل سمجھتے ہیں۔ اسی طرح اگر مرد عورتوں کی پوجا پاٹ کرنے لگتے تو یہ جاہل نہ کہلاتے اب میں سمجھی کہ یہ تمام شریعتوں میں جو عورت کا رتبہ مرد سے کم بنایا گیا ہی اور یہ کہا گیا ہے کہ ہم لوگ مردوں کے مقابلہ میں ذلیل ہیں تو اسکا سبب یہی ہی کہ خدا کو یہ خیال ہوا کہ ہم لوگوں کو کہیں شیطان کے بہکاے میں آکر لوگ پوجنے نہ لگیں! تو لوگ مجکو بھول جائیں۔
میں اس زمانہ میں سنتی ہوں اور بعض بعض اخباروں میں بھی پڑھتی ہوں کہ آجکل کے بعض مرد ہماری تعلیم و تربیت کی طرف ہمارے مردوں اور ہماری بہنوں کو توجہ دلا رہے ہیں۔ ایک بیگم نے ایک مضمون دکن ریویو رسالہ میں دیکھا تھا اُس میں تو مضمون نگار نے غضب ہی کیا تھا۔ لکھا تھا کہ عورتوں کو ہر طرح کی آزادی دینا چاہیے۔ فوج میں دفتروں میں کچہری دربار میں ہر جگہ عورتوں کو ویسے ہی آنا چاہیے جیسے اُنکے مرد۔ جب عورتیں قابل ہوتی ہیں اور بعض بعض مردوں سے بھی زیادہ پڑہی لکھی ہوتی ہیں تو اس کی کیا وجہ ہی کہ عورتیں مردوں کی برابری نہ کر سکیں۔ جیسے مرد وکیل بیرسٹر ہوتے ہیں ویسے ہی عورتیں بھی ہوں۔

یہ بیچارے ہماری طرفداری میں خبطی ہو رہے ہیں مگر میں ان کی برائی نہیں کرتی بلکہ میں جانتی ہوں کہ جب تک ایسے بڑے دل نہونگے تب تک ہماری خلاصی نہو گی۔ میں اپنے خدا سے بہت ڈرتی ہوں یہی وجہ ہی کہ میں اپنے میاں کی بہت تابعداری کرتی ہوں میں پھر بھلا اُن لوگوں کو اچھا کیسے سمجھوں جو کہتے ہیں اللہ کے بھیجے ہوئے حکموں کے خلاف عورتیں آزاد ہو جائیں۔ میرا مطلب گلو خلاصی سے یہ ہی کہ پرانے زمانے کے مرد جو یہ کہتے ہیں کہ لڑکیوں کو جاہل رکھو ان کو پڑھاؤ لکھاؤ نہیں یہ بات جاتی رہے۔
میں گلو خلاصی سے بے پردگی کا مطلب نہیں لیتی توبہ! اب ہم لوگ سن گزرنے پر

اگر باہر نکلے بھی تو کیا - ہماری جھجک مٹنے کی نہیں اور حجاب اسقدر رہوگا کہ بس دو قدم چلنا دشوار ہوگا نہ کہ غیر مرد سے بات چیت کرنا یہ تو شریف عورتوں کے لیے مرجانے کی جگہ ہے -

اور یہ بے پردگی اپنی ننھی بچیوں کو تعلیم کرنا تو میں اسکا سواد نہیں سمجھتی - آخر باہر نکلکر وہ کرینگی ہی کیا - صرف مردوں کا دل خوش کرنے کے لیے - ہاں مردوں کی اطاعت عورتوں پر ضروری ہے اور ان کی مرضی کے خلاف کرنا بُرا ہے - مگر اس ایک بُرائی کے بدلے ہزاروں بُرائیاں مول لینا کون اچھی بات ہے - میں جب سنتی ہوں کہ ولایت میں عورتیں مردوں برابر ساتھ پڑھتے لکھتے اور کارخانوں میں کام کرتے ہیں تو میرے رونگٹے کھڑے ہونے ہیں کہ اللہ وہ دن کسی مسلمان کو نصیب نہ کرے - میں نہیں جانتی کہ یہ لڑکیاں کیوں اپنے سر جنجال لیتی ہیں کیا انکے باپ بھائی بے غیرت ہوگئے ہیں -

کوئی تو اُس دن کہتا تھا کہ ہزاروں مرد یورپ میں بیکار بیٹھے رہتے ہیں جنکو روزگار نہیں ملتا - بھلا روزگار ملے تو کیونکر وہاں تو اُن کی جگہ عورتیں بھری ہوئی ہیں - آخر ان عورتوں کو ہوا کیا ہے جو خواہ نخواہ اپنے سر مفت کا سودا مول لیتی ہیں - میاں کی کمائی آخر ہے کس دن کے لیے اور یہ مرد کماتے کس کے لیے ہیں - ہملوگ بھی تو ہیں مزے سے میاں کی کمائی کھاتے ہیں اور مفت نہیں کھاتے انکے گھر بار، بال بچوں کا انتظام کرتے ہیں یہ کیا کچھ تھوڑا کام ہے -

وائے بر حال اُن غریب ماؤں کے جو ننھے بچے کو دودھ پلاتی ہیں اور پھر اس معصوم کو روتا ٹھنکتا چھوڑکر کارخانے میں کام کرنے کو دوڑی جاتی ہیں - ایسے بچے بھی بھلے جیتے ہیں اور اُن کی دکھیا مائیں تو ایک بوکے دوسری کی تمنا بھی نہ کرتی ہوں گی -

مسز افتخار

از کاکوری

جاپان کی عورتیں

جس طرح اور قوموں کی ترقی اور تنزل میں عورتوں کا حصہ ہوتا ہے اُسی طرح جاپان کی اُس حیرت انگیز ترقی میں جو اس ملک نے ۵۰ برس میں کی ہے عورتیں بھی حصہ دار ہیں اسلیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جاپان کی گزشتہ زمانہ اور زمانہ حال کی عورتوں کا کچھ حال لکھدیا جائے۔

ملک جاپان میں بدھ مذہب کے پھیلنے سے پہلے جو ہندوستان سے نکل کر چین کی راہ سے جاپان پہنچا۔ اس ملک کی عورتیں اپنی زندگی نہایت آزادی سے بسر کرتی تھیں۔ انکے حقوق پر مردوں نے کوئی دست اندازی نہیں کی تھی۔ انکا اقتدار نہ صرف گھروں میں ہی تھا بلکہ ملک کے اہم معاملات میں بھی یہ دخیل تھیں۔ پہلے زمانے میں نو عورتیں تخت جاپان پر بیٹھ چکی ہیں۔ ملکی معاملات میں انھوں نے بڑی بڑی عقلمندیوں کا ثبوت دیا ہے اور میدان جنگ میں مردوں پر فوق لیگئی ہیں۔ مگر جب سے ہندوانی اور چینی مذہب نے اس ملک میں قدم رکھا عورتوں کی آزادی میں فرق آگیا اور رفتہ رفتہ یہ بھی اپنی چینی اور ہندوانی بہنوں کی طرح مردوں کی غلام ہوتی گئیں۔ مگر پھر بھی رسی جل گئی مگر بل نہ گئے۔ چنانچہ عہد وسطیٰ میں اس ملک کی عورتوں کے نام تاریخ میں نمایاں ہیں اُنہوں نے میدان علم فن میں مردوں کے دوش بدوش ترقی کی۔ اُن میں نسترنعت عورتوں کی طرح عزت و ناموس کا پاس ہمیشہ رہا ہے۔ خطہ سموروا کی عورتیں تو اپنے بہادر مردوں سے کسی بات میں کم نہ تھیں۔ اگر اس خطہ کے مرد تمام ملک جاپان میں اپنی بہادری کے لیے مشہور و ممتاز ہیں تو عورتیں بھی ان سے کچھ کم شہرہ آفاق نہیں۔ انکی بہادری اور شجاعت کی کہانیاں ابتک ضرب المثل ہیں۔ یہاں کی عورتوں کی یہ اور خصوصیت تھی کہ مردوں کی طرح سپاہیانہ لباس پہنتیں اور ہتیار لگاتیں۔ اپنے مردوں کی عدم موجودگی

میں قلعوں کی حفاظت کرتیں اور وقت پر اپنے بچوں اور خاوندوں کے ساتھ شریک کارزار ہوتیں اور ہتیاروں سے اپنی عزت اور حرمت کو آپ بچاتیں - عزت کا پاس ان عورتوں میں بہت ہی کیونکہ ہمیشہ بہادر اور باحمیت لوگ عزت اور نام پر ہی مرا کرتے ہیں -

جاپان میں یہ ایک عجیب بات ہی کہ ہر عورت کا یہ فرض ہی کہ بچپن اور ناکتخدائی تک تو اپنے والدین کی اطاعت کرے اور جب شادی ہو جائے تو اپنے خاوند اور ساس سسرے کی فرماں بردار رہے اور جب ضعیف ہو بال بچے ہو جائیں تو بیٹے کی تابعداری کرے - خیر خاوند اور والدین کی اطاعت تو ہر ملت میں روا ہی البتہ بیٹے کی اطاعت بالکل نرالی بات ہی - ہم مسلمانوں میں تو ماں کی عزت باپ سے بھی زیادہ ہی - چنانچہ حضرت رسول خدا نے فرمایا ہی کہ الجنت تحت اقدام امھتکم آجکل کی نئی روشنی نے جاپانیوں کی ان مراسم کو بہت کم کر دیا ہی اور آجکل کے لوگ انکے پابند نہیں - اب تو وہاں کی لڑکیاں اپنے ماں باپ کی سعادتمند اور فرماں بردار بیٹیاں اور اپنے خاوند کی سچی مونس و غمخوار ہیں اور بچوں کی معلمہ ہیں -

جاپان کی عورتیں قدرتی طریق پر مضبوط اور مستعد ہوتی ہیں انکے عادات اور خصائل نہایت پسندیدہ ہیں نہ یہ کہ فرنگستان کی عورتوں کی طرح بیباک ہیں اور نہ قدیم زمانے کی فضول مراسم کی پابند ہیں - ملک میں ان کی تعلیم کا ایسا ہی بندوبست ہے جیسے لڑکوں کا - ان کی تعلیم کے لیے صدہا مدارس اور مکاتب ہیں جن میں علم طبیعیات ریاضی - غیر زبان - موسیقی - نقاشی وغیرہ اور امور خانہ داری سکھائے جاتے ہیں ان کی تعلیم کے لیے ملک میں ایک بڑی یونیورسٹی یا دارالعلوم بھی ہی - اور یونیورسٹی میں وہ لڑکیاں تعلیم پاتی ہیں جنکو علم یا ہنر کی کسی خاص شاخ میں اعلیٰ درجہ کی مہارت اور مشق بہم پہنچانی منظور ہوتی ہے اس ملک میں تعلیم نہایت ارزاں ہی اور ہر ماں باپ کا

کا قانوناً یہ فرض ہو گیا ہے کہ اپنے بیٹا بیٹی کو تعلیم کے لیے مدرسۂ سرکاری میں داخل کرے۔ بچوں سے محبت اور مصیبت کے وقت کام آنے کا شوق ان میں ایسا عام ہے کہ گویا یہ جاپانی عورتوں کا ایک قومی فرض ہو گیا ہے۔

اب بھی جو جنگ ۱۹۰۵ء میں روس اور جاپان میں ہوئی تھی تو بڑے بڑے آدمیوں کی بیٹیوں نے میدان جنگ میں اور ہسپتالوں میں آکر بڑی ہمدردی سے زخمی سپاہیوں کی خدمت کی۔ اور لطف یہ ہے کہ ان کی ہمدردی اور غمخواری سے جاپانیوں نے ہی فائدہ نہیں اٹھایا بلکہ وہی بھی جو دوسری قوم اور مذہب کے تھے اور انکے خون کے پیاسے تھے ان فیاض اور باہمت بیویوں کی فیاضی سے محروم نہ رہے۔ اور کسی سے ایک ادھی محنتانے کی نہ لی محض اپنی خوشی سے یہ سب مصیبتیں جھیلیں۔

ان کی ہمدردی کا اس سے بڑھکر اور کیا ثبوت ہو گا کہ ڈاکٹری اور دایہ گری کی جو انجمنیں ہیں اُن کی مستورات ممبروں کی تعداد دس لاکھ ہے جو ان مفید عام انجمنوں کی امداد چندوں سے اپنی خدمتوں سے اور مختلف طریقوں سے کرتی ہیں۔ شہنشاہ بیگم خود ان انجمنوں کی صدر نشین ہیں۔

ان میں شادی کا یہ دستور ہے کہ لڑکی کے ماں باپ لڑکی کے لیے خود بر تلاش کرتے ہیں۔ اور اکثر اوقات تو بیچاری بچی کو اتنا بھی نہیں معلوم ہوتا کہ وہ شخص جو اُس کی آیندہ قسمت کا مالک بننے والا ہے کیسا ہے۔ شام کے وقت شادی ہوتی ہے۔ لڑکی اپنے ماں باپ کے ہاں سے سفید پوش ہو کر جاتی ہے جو جاپان میں سوگ کی علامت ہے مگر دولہا کے گھر جاکر ان کپڑوں کو اُتار دیتی ہے اور لباس عروسی زیب بدن کرتی ہے۔ مذہبی مراسم ادا ہونے کے بعد نکاح ہو جاتا ہے۔ جاپان میں بعض حصے عورت کی عمر میں اور بعض مرد کی عمر میں نحس خیال کیے جاتے ہیں۔ چنانچہ ان ایام میں شادی کے مراسم ادا نہیں ہوتے۔ لڑکی کے لیے اُنیسویں اور تینتیسویں سال شادی کرنا بہت

منحوس خیال کیا جاتا ہی اور لڑکے کے لیے پچیسویں اور بیالیسویں سال میں - چنانچہ سرکاری قانون میں بھی اسکا خیال رکھا گیا ہی - لڑکے کی عمر ۱۷ سال اور لڑکی کی ۱۵ سال کی قابل شادی قرار دی گئی ہی -

پہلے زمانے میں شادی کے موقع پر ایک نہایت دلچسپ رسم ادا ہوا کرتی تھی مگر آجکل کی بیویاں اُس کی پابند نہیں - جتنی عورتیں شادی میں شریک ہوتیں اپنے دانتوں کو سیاہ اور بھوؤں کو منڈوالیا کرتی تھیں - شاید اس سے یہ غرض ہو گی کہ اُن کی کوئی بات دُلہن پر فوقیت نہ لیجائے - یہ رسم اگرچہ نامہذب زمانے کی یادگار تھی اور اب بالکل معدوم ہی مگر اس سے اندازہ ہو سکتا ہی کہ ایثار نفسی اور دوسرے کے نفع کو اپنی خوشی پر ترجیح دینے کا کس درجہ جاپان میں خیال تھا -

پہلے زمانے میں عورتوں پر بڑی سختی ہوتی تھی اور طلاق ایک عام بات تھی - کبھی ساس کی ناراضی دولہا کے لواحقین کی ناخوشی بھی طلاق کا سبب ہوتی تھی - اور مرد کی تو عورت غلام ہی ہوتی تھی - مگر بعض جگہ کی عورتیں بڑی بہادر تھیں اور وہ ابتک اپنے خاوندوں پر بڑی حاوی ہیں - چنانچہ جزیرہ نماے نہوٹو میں ایک قصبہ ہی کہ جہاں لوگوں کی بسراوقات ماہی گیری پر ہی - یہاں کی عورتیں تیراکی میں ایسی مشاق ہیں کہ تمام جاپان میں مشہور ہیں - بعض عورتوں کی نسبت تو یہ کہتے ہیں کہ دو دو دن تک بغیر غذا کھانے کے صرف تھوڑا سا آرام لیکر پانی میں تیرتی رہتی ہیں - یہاں کی عورتیں بڑی قوی اور جری ہوتی ہیں - اور بڑی محنت اور جفاکشی سے روزی کماتی ہیں - انکے خاوند جب کسی ناشائستہ اور خلاف تہذیب فعل کے مرتکب ہوتے ہیں تو یہ عورتیں اُن کو پکڑ کر دریا پر لیجاتی ہیں اور گردن پکڑ کر اتنے غوطے دیتی ہیں کہ وہ ادھ موے ہو کر چیخ اُٹھتے ہیں تب کہیں اُنکو پانی سے نکالتی ہیں -

آجکل ملک جاپان کی عورتیں اپنے مردوں سے کسی بات میں کم نہیں ہیں - سواے

فوج اور جہاز رانی کے ورنہ ملک کے ہر صیغے میں وہ بڑی تیزی سے مقابلہ کرتی ہیں
نوشت و خواند کے لیے معلمہ بکثرت عورتیں ملینگی۔ علم طب میں تو ان کا خاص حصہ
ہے۔ محبت اور غیر تمندی ان کا قومی شعار ہے۔ جنگ روس اور جاپان کے موقع
پر یہ قدیم مسلمان عورتوں کی طرح اپنے بچوں سے کہتی تھیں کہ جاؤ اور ملک کے لیے لڑو
انھوں نے نہ مال سے دریغ کیا نہ جان سے۔ بچے سے زیادہ اور کیا پیاری چیز ہوگی
مگر اُنھوں نے اپنی اولاد کو بھی اپنے ملک کے لیے بکشادہ پیشانی قربان کر دیا۔

جاپان میں دو قسم کے لباس مروج ہیں تعلیم یافتہ عورتیں تو فرنگستان کا لباس
پہنتی ہیں اور ادنیٰ طبقے کی پُرانی وضع کا لباس جو نہایت سادہ ہی پہنتی ہیں۔ مگر
جلسوں اور مجلسوں میں عموماً یورپین لباس زیادہ پسندیدہ ہے۔ اُس میں جاپان کی پُر مذاق
عورتوں نے ترمیم بھی کی ہے۔ جو لوگ زیادہ ثقہ ہیں وہ گھروں پر اپنا پرانا خوش وضع
لباس پہنتے ہیں۔

ایک بات اور قابل ذکر ہے کہ جب جاپانی عورت اپنے ملکی لباس میں ہوگی تو مجالس
وغیرہ میں خاوند کے پیچھے داخل ہوگی۔ اور اگر یورپین پوشاک میں ہوگی تو خاوند کے
آگے آگے داخل ہوگی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جاپانی جو بات کرتے ہیں اُسکو ادھورا
نہیں کرتے۔ یورپ کا یہ طریقہ ہے تو اُس کی پابندی بھی اس لباس میں لازم ہے۔

جاپان میں ایک طبقہ رقاصہ لڑکیوں کا ہے ہر ناچ رنگ دعوت شادی کے موقع
پر انکا ہونا لازمی ہے۔ ان لڑکیوں کو جاپانی زبان میں کیشا۔ کہتے ہیں۔ یہ طرح طرح کی
نقلیں کرتی اور ناچتی ہیں اور عمدہ گانے گا کر حاضرین کو محظوظ کرتی ہیں۔ یہ لڑکیاں
حد درجہ ذہین ہوتی ہیں۔ ان میں نقل اُتارنے کا تو اس بلا کا مادہ ہوتا ہے کہ اگر انکے
سامنے دوسرے ملک کا گانا گاؤ تو یہ بالکل اس کی نقل ایک دفعہ ہی میں اُتار لیتی ہیں
جاپانی عورتوں کو مکانوں کی آرائش باغوں کی سجاوٹ اور پُر مذاق باتوں کا

بڑا شوق ہوتا ہے۔ یہ غیر ملک کی زبانوں کو بڑے شوق سے سیکھتی ہیں۔ اور تاریخ کے مطالعے کی بڑی شائق ہوتی ہیں۔ اور بہادری کی داستانیں پڑھنے کا ان کو بے حد شوق ہوتا ہے۔

پ - ۱

مراسم

جہاں آجکل بہت سے لوگ رسومات میں اصلاح کرنے کے لیے مستعد ہو رہے ہیں۔ وہاں بعض لوگ ایسے ہیں جو ان کی حمایت کے لیے بھی آمادہ ہیں۔ اسی قسم کا یہ مضمون ہم خاتون میں درج کرتے ہیں تاکہ ناظرین خاتون میں سے جو لوگ رسموں کو بالکل غیر ضروری سمجھنے لگے ہیں وہ ان خیالات کو بھی پیش نظر رکھیں۔

رسومات کے متعلق خاتون کی پالیسی یہی ہے کہ جو اس میں تکلیف دہ اور شرع شریف کے خلاف ہوں وہ ترک کردیجائیں۔ اور جو مفید اور ضرورت کے لحاظ سے مناسب معلوم ہوں برقرار رکھی جائیں۔

اڈیٹر

آجکل کے تعلیم یافتہ اور فیشن کے شیدا حضرات نے یہ وطیرہ اختیار کیا ہے کہ اپنے ملک اور خاندان کے مراسم کو بلا وجہ اور بے غور کیے بنظر استحقار دیکھتے ہیں۔ وہ فیشن اور دوسری قوموں کی تقلید کے سبب زمانے کے ہاتھوں کل کی پتلیاں بنے ہوئے ہیں۔ یا الٹے رخ بادشناس ہیں کہ جدہر کی ہوا چلی اُدہر ہی کو مُنہ موڑ لیا۔ اس میں شک نہیں کہ مراسم کی قید میں گرفتار رہکر تمدن اور مذہب کی خلاف ورزی کا مرتکب ہونا عیب ہے کہ جس سے قوم اور ملک میں تہذیب اور شائستگی کے نشو نما میں فرق آئے۔ ملک کے بہی خواہوں کا فرض ہے کہ وہ اُن مراسم کو جو مذہب تمدن یا آئین شائستگی کی

منافی اور ترقی کی راہ میں حائل ہونے والی ہیں ملک سے نکال کر باہر کریں یا ان کی مناسب اصلاح کریں۔ مگر اس بات پر غور کرنا لازمی ہی کہ ہمارے مراسم میں کہانتک جہالت اور ضعیف الاعتقادی کو دخل ہی۔ اور ملک میں انکے پیدا ہونے کے کیا اسباب ہیں۔

وہ رسوم جو اہل ہند میں خلط ملط ہونے سے ہم میں سرایت کر گئی ہیں اور جن کی پابندی ہماری بقای مِلّی کے لیے مضر ہی اُن کو بالکل ترک کر دینا چاہیے۔ لیکن بعض رسمیں ہم میں اسوقت ایسی بھی مروج ہیں جو مسلمانوں میں قدیم الایام سے چلی آتی ہیں۔ مثلاً بسم اللہ کی رسم کہ جب بچہ پانچ برس کا ہو جاتا ہی تو خوشی منائی جاتی ہی میلا دہوتا ہے مٹھائی بٹتی ہی۔ بچہ پہلا سبق قرآن مجید کا پڑھتا ہی۔ اس موقع پر علی قدر حیثیت امیر و غریب سب ہی دہوم دہام کرتے ہیں اور خوشی مناتے ہیں۔ بسم اللہ کی رسم کچھ ہندوستان ہی پر موقوف نہیں۔ دارالسعادت میں بھی بڑے تزک و احتشام سے عمل میں آتی ہی۔ بچہ جس کی بسم اللہ ہوتی ہی دولہا بنایا جاتا ہی اور گھوڑے پر سوار ہو کر بازاروں میں مع اپنے آیندہ مکتب کے طلبار کے جو اُسکے جلوس میں گاتے بجاتے چلتے ہیں مدرسہ میں داخل ہوتا ہی۔ بچے کے ورثا اس موقع پر شیرینی تقسیم کرتے ہیں۔

اسی طرح روزہ رکھنے کی رسم ہی کہ جب بچہ سن تمیز کو پہنچ جاتا ہی اور روزہ نماز فرض ہو جاتا ہی تو اُسکے ماں باپ رمضان شریف میں اسکا پہلا روزہ بڑی دہوم سے رکھواتے ہیں۔ افطاری کے وقت اپنے احباب و اقارب کو مدعو کرتے ہیں اور ایک نہایت ہی پر لطف نظارہ ہوتا ہی۔ عورت مرد سب نہایت شاد نظر آتے ہیں مہمان مبارکباد کا تانتا باندہ دیتے ہیں۔

بھلا فرض کرو اگر ہم ان مبارک مراسم کو اُٹھا دیں جو ہماری ملت میں مدت سے چلی آتی ہیں جو ہماری خوش اعتقادی کی دلیل ہیں۔ اور جنمیں سوائے ایک معصومانہ

خوشی کے اور کوئی غرض نہیں تو ہماری زندگی کیسی بے لطف اور پھیکی ہو جائے۔ سال میں کے دن خوشی کے باقی رہجائیں۔ دوسرے یہ باتیں ہم میں اور دوسری قوموں میں ایک ما بہ الامتیاز بھی ہیں۔ ہماری عورتیں کہ جو تقید کے سبب نہ سیر و تفریح سے محظوظ ہو سکتی ہیں نہ کوئی ایسی تفریح گاہ ہے کہ جہاں سب مل جلکر ہو بیٹھیں اور اپنا دل خوش کریں۔ اب تو یہی باتیں ہیں جو ان کی گزشتہ عظمت اور تاریخ ایشیاء کی کی ایک یاد رہگئی ہیں اور اس میں حصہ لیکر وہ اپنی اُس زندگی کو جو اُنھیں پیدائش سے مرتے دم تک گھر کی چار دیواری میں بسر کرنی ہے مسرت خیز اور دلچسپ بناتی ہیں مگر مردوں کو اسپر بھی صبر نہیں آتا وہ اُن کو اس قسم کے سامان تفریح سے بھی محروم کرنا چاہتے ہیں۔

بیاہ شادیاں تو بڑی بات ہیں چھوٹی چھوٹی تقریبوں پر ان عورتوں کو دیکھ لو کہ کیسی مسرور اور خوش ہوتی ہیں۔ جسکے یہاں تقریب ہوتی ہے۔ بیبیاں ڈولیوں میں چڑھکر مہمان آتی ہیں۔ جھلا جھل کے کپڑے زیب بدن کرتی ہیں۔ بعض شائق بیبیاں بہت پہلے سے لباس کی آراستگی اور ٹھیک ٹھاک کی دھن میں لگجاتی ہیں۔

جب کسی تقریب کا دن ہوتا ہے تو میزبان کے گھر بہت سے عزیز و اقارب اور مہربان بیویوں کے بشاش بشاش چہرے نظر آتے ہیں جو اوروں کی شادی و غمی میں حصہ لینا اپنا فرض جانتی ہیں۔ ایک آتا ہے مبارکباد دیتا ہے دوسرا آتا ہے مبارکباد دیتا ہے غرض مبارکبادیوں کا تانتا بندھا رہتا ہے۔ سارے گھر پر ایک خوشی کا عالم ہوتا ہے صاحب خانہ مسکرا کر جواب دیتی ہیں اور کہتی ہیں کہ ہاں بوا اللہ تم کو بھی مبارک کرے۔ اس قسم کی مجالس اور تقریبوں میں شریک ہونے سے خود غرضی کم ہوتی ہے۔ ہمدردی اور محبت کی ترقی ہوتی ہے۔

شہر دہلی جو غدر ۱۸۵۷ء کے بعد سے ایک چھاونی بنگیا ہے قدیم گھرانے خاندان یا تو

مر کھپ گئے یا فاتحین کی سیاست اور خوف کے مارے نقل مکان کر کے لکھنؤ جا آباد ہوئے یا اور شہروں میں جسکے جدہر سینگ سمائے جا بسا اسلیے دلّی کی وہ خصوصیات جو اس شہرۂ آفاق کے لیے باعث امتیاز تھیں سب مٹ گئیں۔ غدر سے پہلے یہاں کے لوگ اپنے اثاثے لیے بیٹھے تھے۔ اور اپنی زندگی نہایت ہنسی خوشی سے بسر کرتے تھے کسی کو زمانے کے نشیب و فراز کی کچھ پروانہ تھی۔ دن عید تھا تو رات شبرات تھی۔ یہ زمانہ اُن لوگوں کے لیے عہدا من تھا۔ دنیا کی کچھ سُدہ نہ تھی۔ گرم و سرد ہوا نہ لگی تھی۔ سب امن چین سے صبح شام کرتے تھے۔ اسی فارغ البالی کا نتیجہ تھا کہ ان میں بہت سی ایسی مراسم رائج ہوگئیں کہ جو شاید دہلی شہر ہی کے ساتھ مخصوص تھیں۔

ان چند معمر اور واجب التحریم مستورات کی بدولت جنھوں نے غدر سے پہلے دہلی دیکھی ہو اب بھی گاہے ماہے ایسی باتوں کا ظہور ہو جاتا ہی کہ قدیم زمانے کے شاہجہاں آباد کا نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہی۔ ایک رسم دلّی میں ایسی ادا ہوتی کہ جسکا نشان دنیا میں شاذ ہی ملے۔

جب لڑکے کی عمر ۱۴۔ ۱۵۔ برس کی ہو جاتی ہی اور مسیں بھیگنے لگتی ہیں تو اُس کی مونچھوں کا کونڈا ہوتا ہی۔ دودھ اور سیویوں پر حضرت بیوی صاحب کی نیاز ہوتی ہی سب بیبیاں جمع ہو کر اُسے کھاتی ہیں۔ حضرت بیوی صاحبہ کی نیاز کا کھانا کھانے کے بڑے بڑے شرائط ہیں۔ جو اسکے قابل ہوتی ہیں وہ خوشی خوشی دلی اعتقاد سے اسپر آن بیٹھتی ہیں اور جو کسی وجہ سے شامل نہیں ہوتیں وہ مُنہ چھپائے پھرتی ہیں۔ کونڈے کے ختم ہونے پر کوئی بڑی بوڑہی لڑکے کی ماں نانی یا دادی کونڈے کو نہایت دلی اعتقاد اور ارادت سے سر پر اُٹھا کر ایک کونے میں لیجاتی ہیں کہ کہیں بے ادبی نہونے پائے اسکے بعد بیویاں جو محرم ہیں اور چھپتی نہیں ہیں اور لڑکے کے سامنے ہوتی ہیں تبرکاً

چھوٹے ہاتھوں اشرفی یا روپیہ میں صندل لیکر جو چاندی یا سونے کی کٹوری میں دہرا ہوتا ہے
مونچھوں اور ڈاڑہی کے خطوں پر لیپنا شروع کرتی ہیں جو بچے سپید ہوتے ہیں وہ
سعادتمندی سے سر جھکائے کھڑے رہتے ہیں مگر شریر اور مسخرے بیچاری ننھی ننھی
لڑکیوں کو بہت تنگ کرتے ہیں جنکے چھوٹے چھوٹے ہاتھ صغر سنی کی وجہ سے
اپنے لمبے تڑنگے بھائیوں تک پہنچ نہیں سکتے۔ اسکے بعد لڑکے کی ماں یا دادی ایک
چھاج میں کھیلیں بتاشے بھر کر لڑکے کے سر پر سے بکھیرتی ہیں اور دو موٹے موٹے
چھڑے دائیں بائیں چھوڑتی ہیں۔ اس سے یہ مطلب ہوتا ہی کہ لڑکے کی چھاج سی لمبی اور
کھیلوں سے سفید ڈاڑہی اور چھڑوں سے موٹی مونچھیں نکلیں۔ پھر بہنوں اور رشتہ دار
لڑکیوں میں نیگ تقسیم ہوتا ہی۔

افسوس ہی کہ اسی قسم کی مسرت انگیز رسمیں قدیم بیویوں کے ساتھ اُٹھتی جاتی
ہیں۔ اگر کہیں کہیں ہوتی بھی ہیں تو وہ خوشی اور مسرت نہیں ہوتی۔ دو ایک اور ایسی
ہی رسمیں ہیں جو ابتک کہیں کہیں رائج ہیں۔ یورپ والے جو استنے مہذب ہیں وہ بھی
اپنے ملک کی رسم و رواج کے پابند ہیں اور انکو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور
پھر انسے زمانے کی یادگار ہونے کی وجہ سے انکو ایک قسم کی محبت سی ہی کہتے ہیں کہ
انگلستان کے شاہی خاندان میں ایک پُرانے زمانے کا لباس رکھا ہی جو تبرکاً ہر نوزائدہ
بچے کو پہنایا جاتا ہی۔ اسی طرح بعض دلی کی مستورات بھی بزرگوں کے ملبوسات مستعمل
بچوں کو خیر و برکت کے لیے پہناتی ہیں۔

اصل یہ ہی کہ اہل ہند ورطۂ جہالت اور قعر مذلت میں پڑے ہیں اسلیے انھیں
اپنے ملک کی کوئی ادا پسند ہی نہیں آتی۔ ان کا جی چاہتا ہی کہ ان کی سب باتیں ھیئت
کے قالب میں ڈہل جائیں خواہ وہ مذہبی ہوں یا تمدنی اور جو اس قالب میں نہ سما سکیں
وہ قابل ترک ہیں۔ اور یورپ کی بُری باتوں کی بھی تقلید کرنے کو جی چاہتا ہی اور وہ

بھلی معلوم ہوتی ہیں۔ سچ کہا ہے۔

ہرچہ گیرد علتی علت شود کفر گیرد کاملے ملت شود

ف۔ ا۔

بچہ کی ڈائری کا ایک ورق

بچہ اپنی سرگذشت خود لکھتا ہے۔ اپنی ابتدائی زندگی کی دلچسپیاں خود ہی بیان کرتا ہے۔ لیکن ہمارے ناظرین اس بچے کی عمر کا مشکل سے صحیح اندازہ کر سکیں گے۔ بہر صورت بچہ زبان آور اور سمجھدار ہے۔ خدا اسکو عمر نوح عطا فرمائے۔ آمین۔

اڈیٹر

وقت۔ صبح ۵ بجے۔ کچھ نیلے پیلے۔ سرخ۔ سبز گولے آنکھوں کے سامنے پھرنے لگے ہمنے آنکھیں کھولیں۔ ہاتھ پاؤں ہلائے۔ ایک چیخ ماری اور پھر دبک کر پڑ گئے۔

۵½ بجے۔ پنگوڑے سے نکلنے کی کوشش کر رہے تھے کہ ہمارے کچھ دوست نہایت اچھے زرین لباس پہنے ہوئے آ گئے۔ ساتھ کھیلنے لگے۔ گدگدانے لگے۔ بہت کچھ ہنسایا دق کیا۔ جب ہم بگڑے تو ایک ایک کرکے سب کے سب چلدیئے اب ہم اکیلے رہگئے۔ طبیعت گھبرانے لگی۔ پڑے پڑے تھک گئے۔ ایک چیخ جو ماری تو کمرہ گونج اُٹھا۔ مگر کوئی ہماری خبر لینے نہ آیا اور چیخ مارنے ہی کو تھے کہ کہیں سے ٹنا ٹن کی آواز کانوں میں پڑی۔ غور سے سننے لگے۔ چھٹی گھنٹی کے بعد آواز رُک گئی۔ ہم بیچین ہو گئے۔ خوب چلائے چیخے روئے دھوئے۔ بیچاری اماں دوڑی آئیں۔ اب کیا تھا۔ باغ باغ ہو گئے۔ چہرہ چمک اُٹھا۔

وقت ۔ اُنھوں نے ہاتھ بڑھائے اور ہم کھٹ سے اُن کی گود میں جاڈٹے۔ اُنھوں نے ہمیں سینہ سے لگایا۔ پیار کیا اور دودھ پلایا۔

۸ بجے۔ اپنے ننھا پچہ پر پڑے کھیل رہے تھے کہ اتنے میں وہی ہمارے دوست آگئے پھر وہی دھینگا مشتی۔ کھیل کود۔ کبھی میں اُنھیں پکڑتا۔ تو کبھی وہ مجھے پکڑتے۔ کبھی وہ مجھے گدگداتے تو کبھی میں اُنھیں لاتیں مارتا۔ کھیل کود کر پھر وہ رفوچکر ہوگئے اور ہم اکیلے رونے دھونے لگے۔

½ ۸ بجے۔ اماں نے گود میں لٹایا۔ پیار کیا۔ ہم اُن کی چوڑیوں سے کھیلنے لگے۔

۹ بجے۔ ایک زور سے چیخ ماری۔

۱۰ بجے۔ آپا کوٹھے پر لےگئیں اور کبوتروں سے کھیلنے لگے۔

½ ۱۰ بجے۔ آپا کے ہاتھ سے گر پڑے۔ چوٹ نہیں آئی مگر خوب روئے خوب روئے۔

۱۱ بجے۔ لیٹے لیٹے رونا شروع کیا۔ اماں نے لٹاکر چمچے سے دودھ پلایا۔ ہمنے کچھ پیا کچھ گرایا کچھ خراب کیا۔

۱۲ بجے۔ اماں نے اور آپا نے ملکر نہلایا اور ایک کپڑے میں لپیٹ کر پنگوڑے میں لٹادیا غنودگی تو کچھ تھی ہی اُس پر آپا کی لوریوں نے ہمیں بالکل سلا ہی دیا۔

۲ بجے۔ آنکھ کھُلتے ہی رونے لگے۔ تھوڑی دیر میں اماں کی آواز سُنائی دی۔ ہم خوش تو ہوئے مگر روتے ہی رہے کہ مبادا وہ نہ آئیں۔ اماں نے بھی کی اُستادی کہ آپا ہی کو بھیجا۔ ہم نے یہ بھی غنیمت جانا۔ آپا نے اُٹھاکر کپڑے پہنائے اور اماں کے پاس ننھا پچے میں لٹادیا۔ اماں سی رہی تھیں۔ آپا پڑھ رہی تھیں۔ میں انگوٹھا چوس رہا تھا

½ ۲ بجے۔ اماں نے گود میں لٹایا۔ دودھ پلایا اور پھر لٹادیا۔

۳ بجے۔ پھر اپنے یار دوست آگئے۔ ابکے تو اُنھوں نے بہت دق کیا اور بہت ہی ہنسایا مجھے ہنستا دیکھکر آپا اماں سے کہنے لگیں۔ دیکھیے تو ننھا کتنا ہنستا ہے۔ فرشتے اسکے

وقت ساتھ کھیلتے ہیں۔ ہے نا اچھی"۔

اماں پہلے تو مجھے غور سے دیکھتی رہیں۔ پھر مجھپر جھک کر خوب پیار کیا اور پھر رونے لگیں۔ اماں کو روتے دیکھکر آپا بھی رونے لگیں۔ اور جب گرم گرم قطرے ہمپر پڑنے لگے تو ہم بھی خواہ مخواہ سُر میں سُر ملانے لگے۔

۴ بجے۔ اماں کی گود میں بیٹھے ہوئے تھے کہ یکایک کانوں پر نظر پڑی۔ اب کیا تھا۔ ہو گئے آپے سے باہر۔ ایک جھپٹا مار کر کرن پھول پکڑ ہی تو لیا۔ بیچاری اماں چلا اُٹھیں بڑی مشکلوں سے ہاتھ چھٹایا۔ بہت خفا ہوئیں۔ جھنجلائیں۔ اور آپا کی گود میں دیدیا

½۴ بجے۔ آپا مجھے لیکر اِدھر اُدھر پھرنے لگیں۔

۵۴ منٹ ۴ بجے۔ آپا پیار کر رہی تھیں۔ اتنے میں ہمنے ہاتھ بڑھا کر اُنکے بال کھینچے۔ اب وہ ہیں کہ چلا رہی ہیں اور ہم ہیں کہ خوش ہو ہو کر کھینچتے چلے جا رہے ہیں۔ بی اماں دوڑی آئیں ہاتھ چھٹایا اور نہا بچے پر ڈالدیا۔

۵ بجے۔ ہم مگن پڑے ہوئے تھے۔ آپا چھالیا کتر رہی تھیں۔ اور بی اماں ایک بھلی سی کتاب پڑھ رہی تھیں۔ اُس میں کیا الّو بلّو لکھا تھا اور وہ کیا کتاب تھی یہ کچھ معلوم نہیں مگر کچھ ایسی "خاتون" لکیریں تھیں اور اندر کچھ کالی کالی لکیریں تھیں۔ ہمیں جو غصہ آیا ایک ہاتھ مار کتاب کا ورق پھاڑ ہی تو ڈالا۔ اماں بگڑ گئیں۔ آپا نے بُرا بھلا کہا۔ ہم شرمائے ہوئے پڑے رہے۔

½۵ بجے۔ ہم رونے لگے۔ اماں نے گود میں لیا۔ دودھ پلایا۔

۵۴ منٹ ۵ بجے۔ ہم رو رہے تھے کہ اماں ہمیں لیکر ٹہلنے لگیں۔ ہم پھر بھی روتے تھے۔ بیچاری اماں کبھی تو گڑیا دیتیں اور کبھی چمکارتیں۔ تھپکاتیں۔ تھوڑی دیر خاموش ہو جاتے اور پھر رونا شروع کرتے۔ پھر تو اماں کہیں ہوّے کو اور کہیں اس ہوّے[۱] چڑیا کو

---

[۱] بچے کو ڈرانے کے لیے دلّی والیاں اس لفظ کو استعمال کرتی ہیں۔

وقت ۔ بلانے لگیں تو ہم بھی ایسے خاموش ہو گئے کہ نہ زبان سے کوئی آواز نکل سکی نہ ہاتھ پیر ہلائے ۔ چپکے سے اماں کو چمٹ گئے ۔

۶ بجے ۔ اپنے چھوٹے آسمانی دوستوں کے ساتھ کھیلنے لگے ۔

۷ بجے ۔ اندھیرا ہو گیا تھا آپا نے چراغ روشن کیا ۔ آہا یہ دیکھتے ہی ہم تو اچھل پڑے ۔ مچلنے لگے ۔ بیقرار ہو گئے ۔ کود کود کر چراغ کی طرف لپکنے لگے ۔ ہاتھ بڑھا بڑھا کر پکڑنے کی کوشش کرنے لگے ۔ کسی طرح نہ مانتے آپا روکتیں تو ہم غیں غیں کرتے ۔

۷.۳۰ بجے ۔ اماں نے دودھ پلایا ۔

۸ بجے ۔ اپنے دوستوں کی یاد میں بیقرار پڑے ہی تھے کہ وہ آن پہنچے ۔ اور بڑی دیر تک کھیلا کیے ۔ ابکے اُنکے جانے سے پہلے میں نے پوچھا کہ تم آتے ہو اور کیوں چلے جاتے ہو ۔ میرے ساتھ ہمیشہ کیوں نہیں رہتے ۔ اُنھوں نے جواب دیا کہ حضرت ابتو ہم جا کر آتے بھی ہیں مگر تھوڑے دنوں میں آپ ہماری صورت دیکھنے کو ترسا کرینگے ۔ میں بہت بیچین ہو گیا ۔ دل دھڑکنے لگا ۔ طبیعت پریشان ہو گئی ۔ حواس باختہ تھے ۔ آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور بہت ہی منت اور عاجزی سے منانے لگا کہ مجھے یہاں چھوڑ کر چلے نہ جائیں میرے ساتھ رہیں مگر اُنھوں نے ایک نہ مانی اور کہا کہ آپ ایسی جگہ آئے ہیں جہاں ہم قدم رکھنا ذلت سمجھتے ہیں ۔ یہاں بُرائی نفسانفسی ۔ دہوکا ۔ مکر ۔ فریب ۔ شور و فساد وغیرہ کے سوا اور کیا ہے ۔ آپ خود دیکھینگے کہ آپ کو کیسی کیسی دقتیں پیش آتی ہیں ۔ اب آپ کا خدا حافظ ہے ۔ میں رونے لگا ہر ایک کو منایا ۔ اخیر میں ایک بیچارے غریب نے میری بات مان لی اور کہا کہ میں آپکے ساتھ رہونگا اور ساتھ دونگا ۔ مگر اس شرط پر کہ میں آپ کو ہمیشہ ٹوکتا رہونگا اور جتایا کرونگا اور اسپر بھی اگر آپ نہ مانیں تو آپ کی قسمت ۔ میں نے کہا کہ پیارے

وقت - کانشنس تو ہی میرا دوست ہی اور میں تیری بات ضرور مانونگا۔ اتنا کہا ہی تھا کہ وہ شب بخیر کہکر سب غائب ہو گئے۔

۹ بجے۔ اماں نے دودھ پلایا۔ پیار کیا۔ آپا نے بھی پیار کیا۔

۲۰-۹ - اماں نے پنگوڑے میں ڈالدیا۔ اور لوریاں گانے لگیں۔

۲۵-۹- کپڑا اوڑھ لپیٹ کر چپکے سے آنکھیں بند کرلیں اور سو گئے۔

راقم
خدنگ

بسلسلہ سابق

خیرات

نومبر کے خاتون میں ناظرین نے خیرات پر مضمون پڑھا ہوگا۔ اُس مضمون کے اخیر میں میں نے یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ آیندہ کوئی ایسا طریقہ سوچنا چاہیے جس سے اسقدر کثیر رقم خیرات کی جو ہمارے ملک میں ہر سال غیر مستحق لوگوں پر ضائع کیجاتی ہی اُسکو کسی اچھے کام میں لگایا جائے یا ایسے انسانوں کی ضرورتوں کے پورا کرنے میں صرف ہو جو واقعی مستحق ہیں۔ میں اپنی سمجھ کے موافق ناظرین خاتون کے سامنے مفصلہ ذیل طریقہ بیان کرنا چاہتی ہوں

اول۔ خیرات کی اصلی غرض یہ معلوم ہوتی ہی کہ ہم دوسرے ایسے آدمیوں کی ضرورتیں رفع کریں جو اپنی مدد آپ نہیں کرسکتے۔ انسان کی وہ ضرورتیں جو اُسکے زندہ رکھنے کے لیے ضروری ہیں وہ کھانا پینا اچھی ہوا میں رہنا اور سخت موسم کی تکلیفوں سے بچنے کیلئے پہننا ہیں اب ان ضرورتوں میں سے ہوا جو سب سے زیادہ ضروری ہی خدا نے اسقدر افراط سے پیدا کی ہی کہ اُسکے لیے کوئی انسان دوسرے کا محتاج نہیں۔ پانی بھی دنیا میں اتنا زیادہ پایا جاتا ہی کہ امیر و غریب سب کو میسر ہی اب رہا کھانا یہ آدمی کے پیدا کرنے کی چیز ہی اگر ہل نہ چلایا جائے

زمین نہ کھودی جائے پانی نہ دیا جائے بیج نہ بویا جائے تو کھانے کی کوئی چیز پیدا نہیں ہو سکتی
وحشی لوگ جنگلوں میں رہتے ہیں اُن کو بھی شکار کی فکر ہے۔ دن رات محنت کرنی پڑتی ہے
لوگ دریا میں مچھلیاں پکڑتے ہیں وہ بھی بڑی محنت سے پکڑی جاتی ہیں۔ پس کھانے کی چیزیں
زیادہ تر جسمانی محنت مشقت سے بہم پہنچتی ہیں یا کسی کے پاس روپیہ پیسہ ہو تو وہ دوسروں
سے خرید کر کھائے پیئے۔ جو لوگ غریب ہیں جنکے گھر میں روپیہ جمع نہیں ہے وہ سخت
محنت مزدوری کرتے ہیں اور اُس سے اپنے کھانے کی چیزیں خریدتے ہیں۔ پس جو لوگ
محنت مزدوری کرکے کچھ کماتے ہیں جنکے ہاتھ پاؤں چلتے ہیں آنکھیں دیکھتی ہیں وہ کسی
نہ کسی طرح اپنے کھانے کے لائق پیدا کر سکتے ہیں اور اگر کوئی غریب مفلس ہاتھ پاؤں سے
اپاہج ہو آنکھوں سے اندھا ہو یا بڑھاپے یا بیماری کی وجہ سے کام نہ کر سکتا ہو تو وہ اپنی روزی
نہیں پیدا کر سکتا۔ لیکن زندہ رہنے کے لیے اُسکو ضرورت ہے کہ کہیں نہ کہیں سے کھانے کو
کچھ ملے۔ اب ناظرین خود غور کریں کہ محتاج کون ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جس شخص کو خدا نے ہاتھ پاؤں آنکھ کان دل و دماغ عطا کیے ہیں وہ
محتاج نہیں کہلا سکتا۔ اور جب وہ اپنے ہاتھ پاؤں آنکھ کان وغیرہ سے بوجہ بیماری یا ضعف
کے کام نہ لے سکے تو سمجھنا چاہیے کہ محتاج ہے۔ محتاجوں کی فہرست دنیا کوئی آسان کام نہیں ہے
میرے نزدیک اندھے پاگل لولے دائم المریض بہت ضعیف بڈھے چھوٹے چھوٹے یتیم بچے
شریف خاندانوں کی بڈھی بیوائیں۔ ایسی غریب پردہ نشین عورتیں جنکا کوئی والی وارث نہو
اور جو پردہ سے باہر نکلکر محنت مزدوری نہیں کر سکتیں عام طور پر یہ محتاجوں میں شمار ہونگے
علاوہ بریں قحط یا طاعون وغیرہ بیماریوں کے زمانے میں مسافرت میں لوگوں پر جو عارضی اور اتفاقی
آفتیں آجاتی ہیں اور اُنکو محنت مزدوری بھی کہیں میسر نہیں آتی وہ بھی محتاج ہیں۔ لیکن جو لوگ مسافرت
میں اپنے کو محتاج ظاہر کریں اُن کی نسبت یہ امر دریافت کرنا ضروری ہوگا کہ آیا وہ پیشہ ور بھیک مانگنے
والے تو نہیں ہیں اور بھیک مانگنے ہی کی غرض سے تو سفر اختیار نہیں کیا اگر اُسنے ایسا کیا ہے تو

اُسکو محتاج نہیں سمجھنا چاہیے اور ایسے شخص کی کچھ مدد نہیں کرنی چاہیے تاکہ آیندہ اُسکو نصیحت ہو اور بجاے محنت مزدوری کرنے کے شہر بشہر بھیک نہ مانگتا پھرے باقی اور جتنے قسم کے محتاج اوپر بیان ہوئے ہیں اُن سب سے ہمدردی کرنا اور اُن کی مدد کرنا ہر انسان کو اپنا فرض سمجھنا چاہیے۔ بس ہماری خیرات محتاجوں کی مدد میں صرف ہونا چاہیے۔

ہمارے مذہب میں زکوۃ کا نکالنا ہر مسلمان پر فرض ہی اگر ایک شہر کے سب زکوۃ نکالنے والے مسلمان کل زکوۃ کا روپیہ ایک جگہہ جمع کر کے انتظام سے اپنے شہر کے محتاجوں کی مدد کیا کریں تو لنگڑے لولے اندھے اپاہج گلیوں میں بازاروں میں ٹھوکریں کھاتے نظر نہ آویں ایک جگہ بیٹھے بیٹھے ان لوگوں کو بلا حیرانی اور تکلیف کے روزانہ کھانا ملجایا کرے اور نیز سال میں دو مرتبہ اُن کو معمولی سستے سے کپڑے پہننے کو اور جاڑوں میں کمبل اوڑھنے کو ملجایا کریں تو یہ لوگ بہت سی تکلیفوں اور مصیبتوں سے بچ سکتے ہیں۔ ہر ایک شخص اپنے اپنے گھر پر جو الگ الگ خیرات دیتا ہی وہ بھی گو ایک نہایت اچھی بات ہی لیکن اُس میں دو قباحتیں ہیں ایک یہ کہ سواے ہٹے کٹے پیشہ ور گداگروں کے اپاہجوں کا شہر کے سب گھروں تک پہنچنا دشوار ہوتا ہی اسلیے اصلی محتاجوں کو اس خیرات سے بہت کم فائدہ پہنچتا ہی اور دوسرے جو محتاج دوڑ دھوپ کر پہنچ بھی جاتے ہیں تو جب وہ لوگ خیرات کے بہت سے در کھلے ہوئے دیکھتے ہیں تو اُن کو روپیہ جمع کرنے کی سوجھتی ہی۔ ایک خیرات دینے والے کو یہ نہیں معلوم ہو سکتا کہ اس فقیر نے آج صبح سے کتنا پیسہ اور غلہ جمع کیا ہی اگر ایک جگہ پر انتظام ہو محتاجوں کے نام رجسٹر میں لکھے ہوں تو ان لوگوں کو یہ موقع کبھی نہیں ملسکتا کہ وہ دس دس جگہ سے پیسہ جمع کر کر کے دولت چھوڑیں۔ دوسرا مقصد جسپر روپیہ صرف کرنا چاہیے وہ رفاہ عام کے کام ہیں مثلاً قومی تعلیم کے لیے روپیہ صرف کرنا یا جن مقامات پر پانی کم ہو وہاں کوئیں تالاب نہریں بنوائیں یا جہاں کہیں ندی نالوں میں آنے جانے والوں کے لیے جان کا خطرہ ہو وہاں پل وغیرہ بنوانا ان سب کاموں میں سے تعلیم کے لیے اور بالخصوص آجکل

زنانہ تعلیم کے لیے روپیہ سے مدد کرنے کی سخت ضرورت ہی قومی کام جنکے لیے کروڑہا روپیہ
کے صرف کی ضرورت ہوتی ہی وہ ایک یا دو یا دس بیس آدمیوں کے ہوتے کے نہیں ہوتے ہر شخص کو
حسب حیثیت سہارا لگانا چاہیے جو شخص پیسہ صرف کرسکتا ہی اُسے پیسہ صرف کرنا چاہیے جو روپیہ
صرف کرسکتا ہی اُسے روپیہ صرف کرنا چاہیے۔ قومی کاموں میں روپیہ صرف کرنے میں معمولی لوگ
عام طور پر اس خیال کے پائے جاتے ہیں کہ جو کچھ ہم صرف کریں اُس میں یا تو ہمارا دنیا میں نام ہو
یا آخرت میں ہمیں اُسکا اجر ملے اسلیے وہ لوگ اپنے نام کی مسجدیں یا سرائے بنواتے ہیں
کہ بہت دنوں تک ہمارا نام چلے اور یا مولوی فقیروں درویشوں کی نذر بھینٹ میں اپنا بہت سا
مال صرف کرتے ہیں کہ ہماری عاقبت درست ہو۔ لیکن قومی کاموں میں یہ جو روپیہ دیتے ہیں
اُس میں کسی خاص آدمی کا نام نہیں ہوسکتا کیونکہ روپیہ ایک جگہ جمع ہوکر قوم کے نام سے ایک چیز
بنجاتی ہی جیسے مدرسۃ العلوم مسلمانان علی گڑھ یا مدرسہ حمایت الاسلام لاہور یا نارمل اسکول علیگڑھ
وغیرہ وغیرہ۔ میں چاہتی ہوں کہ اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کراؤں کہ قومی کاموں میں
روپیہ صرف کرنے میں گو خاص کسی شخص کا نام تو نہیں ہوتا لیکن قوم کو فائدہ پہنچتا ہی اور قوم کی
عزت بڑھتی ہی اور قومی عزت کے ساتھ اُس قوم کے ہر ایک آدمی کی عزت بڑھتی ہی خدا نکرے
کہ کسی کی قوم ذلیل ہوجائے کیونکہ ایسی حالت میں شخصی عزت بالکل بیکار ہی۔ جیسے کوئی چمار یا
کسی ادنیٰ قوم کا آدمی بڑا دولتمند ہوکر اپنے نام کے کنوئیں۔ اور سرائیں ڈپل بنائے تو لوگ
یہی کہیں گے کہ چمار کا کنواں چمار کی سرائے چمار کا پل نام تو اُسکا مشہور ہوگا مگر وہ رہیگا چمار کا چمار ہی
اور ایک ذلیل قوم کا آدمی ہونے کی وجہ سے وہ ہر ایک کی نگاہ میں ذلیل دکھائی دیگا۔ لیکن
برخلاف اسکے ایک مسلمان خواہ وہ اپنے نام سے پل یا مسجدیں اور سرائے بنائے یا نہ بنائے
پھر بھی وہ اپنی عزت قومی کی وجہ سے سب کی نگاہ میں معزز ہوگا۔ ایسے ہی دیکھو ایک انگریز
گو اپنی ذاتی عادتوں اور خصلتوں کی وجہ سے ادنیٰ درجہ کا ہو لیکن بڑی معزز زبردست اور
شائستہ قوم کا آدمی ہونے کی وجہ سے وہ سب کی نگاہوں میں صاحب بہادر ہی ہر ایک شخص

اُسے جُھک جُھک کر سلام کرتا ہی۔ ان باتوں کا لحاظ کر کے میرے خیال میں ہر ایک شخص کو چاہیے
کہ وہ سب سے پہلے اپنی قومی عزت بڑہانے کی کوشش کرے اور جن باتوں سے قوم کی عزت
بڑھتی ہی اُس میں روپیہ صرف کرے۔ قومی عزت بڑہانے کا سب سے اچھا ذریعہ تعلیم و تربیت ہے
بس قومی تعلیم و تربیت کے لیے روپیہ صرف کرنا اپنے لیے اور نیز قوم کے لیے سب سے
زیادہ مفید ہی۔ بی بیوں نے جنوری کے خاتون میں جاپانی عورتوں کی تعلیم کے متعلق مضمون
پڑہا ہوگا اُس سے اندازہ ہوسکتا ہی کہ جاپانیوں کے اور ہمارے خیالات میں کس قدر فرق ہے
وہاں پر جب اُن کو یقین آگیا کہ قومی ترقی کے لیے تعلیم نسواں ایک ضروری چیز ہی تو دو سال
میں چھ کروڑ روپیہ جمع کر کے اُس سے مدرسے جاری کر دیے گئے ایسا ہی میں نے سنا ہے
کہ انگریزوں کے اور دوسرے ملکوں میں جب قومی کاموں کے لیے درخواست کیجاتی ہی تو روپے
کی بکھیر ہوجاتی ہی۔

برخلاف اسکے ہمارے ملک میں ابتک زبانی جمع خرچ پورا کیا جارہا ہی بہت سے لوگ
تعلیم نسواں کے حامی ہیں لیکن روپیہ دینے اور دلانے کا اُنھیں خیال بھی نہیں آتا نہ معلوم انکا
اس بارے میں کیا خیال ہی آیا یہ سمجھتے ہیں کہ آسمان سے کوئی آکر ہمارا کام پورا کریگا اور اگر ایسا
نہیں سمجھتے اور ایک سمجھدار آدمی کو ایسا نہیں سمجھنا چاہیے تو پھر وہ جسکو اچھا سمجھتے ہیں اُسکو پورا
کرنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے۔ اسوقت میں بیبیوں سے مخاطب ہو کر اپیل کرتی ہوں
کہ نارمل اسکول علی گڑہ میں اسوقت بہت سی لڑکیاں غریب مسلمانوں کی ایسی ہیں کہ اگر اُن کو
بطور وظیفہ کے کچھ ملتا رہے تو وہ بہت روز تک اپنی تعلیم جاری رکھ سکتی ہیں اور اُسکے بعد
لائق اُستانیاں بن سکتی ہیں۔ ہماری بہن مسز نیاز احمد صاحب نے وظائف فنڈ کے لیے چندہ
جمع کیا تھا اور چھ سو سے کچھ اوپر جمع کرنے کے بعد بیوقت اُنکے شوہر کا انتقال ہوگیا جسکی
وجہ سے وہ اس مفید کام کو جاری نہ رکھ سکیں۔ اب میں چاہتی ہوں کہ اُن کی جگہ میں اس
کام کو اپنے ہاتھ میں لوں اور اس سلسلہ کو جاری رکھوں مثل مشہور ہی کہ بُندوں بُندوں تالاب

بھرتا ہی اگر ہماری ناظرین بہنوں میں سے ہر ایک ہر روز یا ہر ہفتہ یا ہر مہینہ یا ہر سال اپنی دریادلی
سے ایک قطرہ بھی ادہر ڈالتی جاویں تو کوئی وجہ نہیں کہ یہ تالاب کچھ دنوں کے بعد نہ بھر جائے
میری رائے یہ ہی کہ ناظرین بہنیں ہر ایک روپیہ میں سے جو وہ اپنے اخراجات کے لیے
بھنائیں۔ ایک ایک پیسہ وظائف فنڈ تعلیم نسواں کے نام سے علیحدہ جمع کرتی جائیں اور
ہر ماہ کے اخیر میں جو رقم جمع ہو وہ سکرٹری صیغہ تعلیم نسواں کے نام بھیجدیا کریں جو بہنیں اس
فنڈ کی امداد منظور کرینگی اور طریقہ مذکورۂ بالا کو اختیار کرینگی اُنکے اسمائے گرامی ایک رجسٹر میں
درج کیے جائینگے اور جو چندے کی رقمیں آیا کرینگی وہ خاتون میں شائع ہوا کرینگے اور ہر سال
کی ایک رپورٹ سب بہنوں کے پاس بھیجدی جایا کریگی۔ اگر کوئی بھائی اس طریقہ میں شامل
ہونا چاہیں وہ شامل ہو سکتے ہیں لیکن میری درخواست خاص اپنی قومی بہنوں سے ہے
مجھے امید ہی کہ میری اس درخواست کو منظور کرینگی اور یادداشت کے لیے تھیلیاں تیار ہیں
جو ہر بہن اپنے خرچ کے صندوقچے میں رکھ سکتی ہیں۔

راقمہ
سکندر جہاں بیگم

اڈیٹوریل

زنانہ نارمل اسکول علیگڑھ - اس اسکول کی ترقی اور کامیابی قومی کامیابی اور ترقی کا سب
بڑا ذریعہ ہی۔ اسی اعتقاد کی بنا پر ہم نے اسکول جاری کرنے کی تحریک اور کوشش کی۔ اور
خدا کا شکر ہی کہ رفتہ رفتہ پبلک کو بھی اس بات کی ضرورت کا احساس ہوا اور اب ہم دیکھتے
ہیں کہ تمام ملک میں اور بالخصوص تعلیم یافتہ گروہ میں تعلیم نسواں کی ضرورت کا احساس
جوش کے ساتھ موجزن ہو رہا ہی۔ یہ اسی احساس کا نتیجہ ہی کہ سنہ ۱۹۰۶ء میں جسکے ابھی دو ماہ
بھی نہیں گزرے کہ ڈیڑھ سو روپیے ماہوار کے عطیات زنانہ نارمل اسکول کے لیے ہم کو

اسلامی ریاستوں سے عطا ہوئے۔ ریاست خیرپور کے عطیہ پچاس روپیہ ماہوار کا اعلان ہم پہلے کر چکے ہیں۔ اب پبلک کو یہ خوشخبری سناتے ہیں کہ ریاست بھاول پور کی کونسل رجنسی نے ہز ہائنس نواب صاحب بھاول پور کی طرف سے پچاس روپیہ ماہوار کی مستقل امداد منظور فرمائی ہے اور عالیجناب ہز ہائنس نواب صاحب ٹونک نے بھی پچاس روپیہ ماہوار کا مستقل عطیہ منظور فرمایا ہے۔

ہز ہائنس نواب صاحب بہادر ٹونک کی روشنخیالی اور قومی ہمدردی کا یہ ایک بڑا ثبوت ہے کہ اول ہی مرتبہ جب کسی قومی کام کے لیے اُنسے کسی امداد کی درخواست کی گئی تو اُنھوں نے نہایت فراخ دلی اور فیاضی سے اسکو منظور فرمایا۔ ہز ہائنس خود بھی علم دوست ہیں اور اپنی قوم کی ترقی تعلیم کا اُنکو بہت خیال ہے۔ انکے ولی عہد بہادر جناب نواب صاحبزادہ عبد الحفیظ خانصاحب ایم اے او کالج کے طالب علم ہیں اور حکمراں نوابوں میں سے ہمارے نواب صاحب والی ٹونک پہلے حکمراں ہیں جنھوں نے اس قومی درسگاہ میں اپنے ولی عہد کو تعلیم دلوائی ہے۔ اس سے ہز ہائنس کی روشنخیالی اور قومی ہمدردی کا پورا اندازہ ہوسکتا ہے۔ امداد کے لیے ہمکو صاحبزادہ عبد الحفیظ خانصاحب اور مولوی محبوب عالم رکن و ممبر ٹونک اور دیگر ممبر صاحبان کا بھی تہ دل سے ممنون ہونا چاہیے کہ صاحبان موصوف نے ہماری گزارش حضور نواب صاحب بہادر کی خدمت میں پہنچائی اور امداد کی سفارش کی۔

بھاول پور سے جو امداد ہم کو ملی ہے اُسکے لیے ممبران کونسل رجنسی اور بالخصوص مولوی رحیم بخش صاحب پریزیڈنٹ کونسل قوم کے شکریہ کے مستحق ہیں۔ اگر مولوی رحیم بخش صاحب جیسے روشنخیال بزرگوں کے ہاتھ میں ہماری دیسی ریاستوں کے انتظامات کی باگ ہو تو پھر کسیکو یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ ریاستوں کے انتظامات ناقص ہوتے ہیں۔ اب ہمارے پاس مستقل ماہانہ آمدنی حسب ذیل ہے۔

عطیہ حضور عالیہ ہر ہائنس بیگم صاحبہ بھوپال ... ... سو روپیہ

عطیہ ہز ہائنس جناب میر صاحب خیر پور سندہ .. .. پچاس روپیہ

" ریاست بھاول پور .. .. "

" عالیجناب ہز ہائنس نواب صاحب بہادر ٹونک .. .. "

کل ملاکر ڈہائی سو روپیہ ماہوار کی آمدنی ہوگئی - اب ہم کو استحقاق حاصل ہوگیا ہے کہ گورنمنٹ سے بھی ہم ڈہائی سو ماہوار لے سکیں - اب مستقل آمدنی زنانہ نارمل اسکول علی گڑھ کی پانچسو روپیہ ماہوار کی ہوگئی - اور اسپر نہ صرف ہم کو بلکہ تمام ہی خواہان قوم کو خوش ہونا چاہیے -

---

اعلان چندہ - سید خورشید علی صاحب جو تعلیم نسواں کے بہت بڑے حامی و مددگار ہیں اور حیدرآباد میں نہایت سرگرمی کے ساتھ کام کر رہے ہیں اور جنکے متعلق اس سے پیشتر ہم چند نوٹ خاتون میں درج کر چکے ہیں کہ وہ مختلف کمپنیوں سے ایک ایک رات کے تماشوں کی آمدنی لیکر نارمل اسکول کے لیے ایک معقول رقم جمع کر رہے ہیں اُنھوں نے حال میں ۳۵۵ روپیے ہمارے پاس بھیجے ہیں اور ہمکو اطلاع دی ہی کہ ڈیڑھ سو یا دو سو کی رقم اور اُنکے پاس جمع ہوچکی ہی ہم اپنے دوست سید خورشید علی صاحب کے تہ دل سے ممنون ہیں اور اپنے قوم کے نوجوانوں کے سامنے ان کو بطور ایک عمدہ مثال کے پیش کرتے ہیں - ناظرین اس بات سے واقف ہونگے کہ مہذب ملکوں میں طلبا اور نوجوانان قوم بہت زیادہ قومی کاموں میں عملی حصہ لیتے ہیں - ہمارے ملک میں ابتک اس قسم کی مثالیں بہت کم ہیں - ایم - اے او کالج کے طالبعلم ضرور اپنے کالج کے لیے کوشش کرتے ہیں اور چندے فراہم کرتے ہیں لیکن اور کالجونکے طلبا کی نسبت عام شکایت ہی کہ وہ عملی کام کچھ نہیں کرتے مگر ملک کے شور و شغب میں شریک ہونے کے لیے آمادہ ہیں - ہماری قوم میں اور بالخصوص ہمارے لیڈروں میں یہ ایک خصوصیت دیکھی گئی ہی کہ وہ صرف نامی اور مشہور ہی آدمیوں کے کاموں کی عزت و وقعت کرتے ہیں اور

اور ہر کام میں یہ چاہتے ہیں کہ نامی گرامی آدمیوں کا نام ہو اور اُنہیں کی معرفت کام انجام پائے۔ یہ ایک نہایت سخت اصولی غلطی ہے۔

جو لوگ قوم میں کسی بات یا کام میں امتیاز حاصل کر چکے ہیں اس میں شبہ نہیں کہ وہ اس کام کو اچھی طرح انجام دے سکتے ہیں۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ ہر کام کرنے کے قابل ہیں۔ ہماری قوم میں ہزار ہا نوجوان ایسے ہیں جو مختلف صیغوں اور شاخوں میں ہم کو مدد دے سکتے ہیں لیکن ہمارے پاس اُنسے مدد حاصل کرنے کا کوئی انتظام اور سلسلہ نہیں ہے بلکہ اگر کوئی ایسا نوجوان کسی کام کو انجام دینے کی کوشش کرتا ہے تو دوسرے لوگ اُس کی ہمت اور حوصلہ کو بٹھا دینا چاہتے ہیں۔ امسال سید خورشید علی صاحب اور محمد الیاس صاحب نے نمائش اور تعلیم نسواں کے متعلق بڑی خوبی اور خوش اسلوبی کے ساتھ اپنا اپنا کام انجام دیا۔ اور لوگوں نے ان دونوں صاحبوں پر بیجا حملے کیے جنسے ہم جانتے ہیں کہ اُنکے جوش سے بھرے ہوئے دلوں میں ملال پیدا ہوا ہوگا لیکن چونکہ وہ اپنے ارادے میں پکّے تھے اسلئے اُنکے استقلال کے پاؤں نہیں ڈگمگائے اور ثابت قدمی سے کام کرتے رہے۔

اعلان چندہ۔ مبلغ ایکسو تیس روپیے جسکا اعلان ہم نے کراچی کی کانفرنس میں سالانہ رپورٹ پڑھتے وقت کیا تھا اور جسکا حساب ہم نے سالانہ رپورٹ میں بھی دکھا دیا ہے یہ جناب مس زہرا فیضی صاحبہ کی معرفت ہم کو وصول ہوا تھا۔ یہ چندے کی رقم لاہور سے مس عمر بخش صاحبہ نے فراہم کر کے مس زہرا فیضی صاحبہ کے پاس بھیجی تھی۔ اس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

بیگم صاحبہ آنریبل ملک محمد عمر حیات خانصاحب .. .. ۵ؔ

مسز معراج الدین صاحبہ .. .. ۵ؔ

مسز فیروز الدین صاحبہ .. .. ”

مسز نعمت اللہ صاحبہ .. .. ۵ؔ

مسز محمد عمر صاحبہ .. ..عہ

مس محمد عمر صاحبہ .. ..عہ

انجمن مفید نسواں۔ ۲۴۔ جنوری ۱۹۰۸ء کو بنگلور میں خاتونان قاضی محلہ کا ایک جلسہ منعقد ہوا جس میں پچاس سے زائد معزز بیویاں جمع ہوئیں۔ اور ایک انجمن مفید نسواں کی بنیاد ڈالی جسکے مقاصد حسب ذیل ہیں۔

۱۔ عمدہ عمدہ کتب واخبارات و رسالے جو مستورات کے لیے مفید ہوں انجمن میں فراہم کیے جائیں۔

۲۔ جو امور قابل بحث ہیں اُن پر مضامین لکھے جائیں اور ماہ بماہ انجمن میں کے جلسوں میں اس قسم کے مضامین پڑھے جایا کریں۔ تاکہ تبادلہ خیالات کی وجہ سے دماغ میں روشنی پیدا ہو اور معلومات بڑھیں

۳۔ وہ عنوانات جن پر خواتین مضامین لکھیں۔ معاملات خانہ داری۔ معاشرت۔ اصلاح رسوم اخلاق۔ انسداد اسراف اور شادی غمی وغیرہ ہیں۔

۴۔ ہر سہ ماہی جلسہ میں ہر ایک بہن کو صنعت و دستکاری کا کوئی عمدہ نمونہ یا اُس میں کوئی نئی بات نئی ایجاد دکھانی چاہیے۔ جو سالانہ زنانہ نمائش کانفرنس میں بھیجا جایا کریگا۔

اس اجلاس میں عبد الحکیم صاحب بی۔ اے تحصیلدار کی محترم والدہ صاحبہ صدر انجمن منتخب ہوئیں۔ اور مسز منشی عبد القادر صاحب سکرٹری قرار پائیں۔ پہلے مقاصد انجمن سنائے گئے۔ اسکے بعد مسز محمد ظہیر الدین صاحب کی بی۔ اے سپرنٹنڈنٹ پولیس نے حسب ذیل تائیدی تقریر کی۔

للہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر میخواست　　　آخر آمد زپس پردۂ تقدیر پدید

صدر انجمن و معزز بہنو!

آج کا روز روز عید کا سا بے مثل اور ہزار ہا خوشی کے روزوں سے افضل ہی - ہم شادی بیاہ کے اکثر جلسوں میں ملتے ہیں جہاں سوائے بیکار اور بیجا دفع الوقتی کے کوئی شغل نہیں ہتا نہ کوئی کسی کے حال کی اصلاح کرتا ہی اور نہ کوئی اپنے عمدہ خیالات کو کسی پر ظاہر کرسکتا ہی - الحمدللہ آج کا ہمارا جلسہ وہ مبارک جلسہ ہی کہ اس میں ہر ایک بی بی اپنے انمول خیال کو دوسروں پر ظاہر کرینگی اور دوسری بیبیاں اس خیال کے ہر پہلو پر نظر ڈالکر اگر واقعی وہ خیال عمدہ ہی تو اُس کی تائید کرینگی - اسی طرح نیک خیالات کا ایک ذخیرہ جمع ہوتا جائیگا - اور کوئی ایک بی بی اپنی روشن دماغی سے ہمارے کسی بُرے طریقہ پر نکتہ چینی فرمائینگی تو دوسری بیبیاں اس کی بُرائی سے واقف ہوکر اتفاق سے اس بُرائی کو دفع کرنے کی کوشش فرمائینگی - اسی طرح ہمارے بُرے طریقے ناپید ہوتے جائینگے اگرچہ اکثر مرد ہمارے بہت سے طریقوں اور رسم کی خرابیوں سے واقف ہیں مگر وہ بسبب خاص ہماری ذات سے علاقہ رکھنے کی وجہ سے اُن بیچاروں کو اسکے اصلاح کرنے کا موقع ہاتھ نہیں آتا اگر کوئی صاحب اپنے گھر والوں کی کسی ایک طریقہ کی بُرائی جتا کر اُس سے باز رہنیکی کوشش کرتے ہیں تو اُس سے رسم نہیں رک سکتی کیونکہ وہی رسم دوسرے گھروں میں جاری رہنے سے پھر بھی جاری ہو جاتی ہی - بخلاف اسکے اگر سب بیبیاں کسی رسم و رواج کی بُرائی سے واقف ہوکر اُسکے روکنے کے لیے سعی کرینگی تو کیا مجال ہی کہ ماں نانی رواج پا سکے ایسے کاموں کا مبارک وجود بغیر انجمن کے صورت پذیر ہونا محالات سے ہے پس ہم اپنے روشن خیال دوراندیش جناب ... بیگم سکرٹری صاحبہ کا شکریہ دلسے ادا کریں جنہوں نے ایک ایسے مبارک کام کی بنا ڈالی جس کے ذریعہ سے بہت سی خوبیاں ظاہر ہونیکی امید کیجا سکتی ہی پس میں بدل اس کام سے راضی ہوں اور اس کے قائم رہنے کی کوشش کروں گی اور انجمن کی تائید کروں گی" اسکے بعد بنت حکیم محمد علی صاحب نے ایک دعائیہ نظم سنائی جو دلچسپی کے ساتھ سنی گئی صدر انجمن نے یکجہتی اور یکدلی پر تقریر کرتے ہوئے انجمن کے قیام کیلئے پُراثر الفاظ میں دعا کی چالیس ممبروں نے اسی وقت اپنا نام رجسٹر میں درج کرایا اراکین

جلسہ کی طرف سے سکریٹری صاحبہ نے صدر انجمن صاحبہ کا شکریہ ادا کیا۔ اسکے بعد ٹی پارٹی ہوئی پھر پھول پان تقسیم ہوے۔ اور جلسہ برخاست ہوا۔

ہم مسلمان خواتین میں اس قسم کی یکدلی اور اتحاد کے دیکھنے سے بہت خوش ہوتے ہیں ہماری دلی تمنا ہے کہ گھر میں بیٹھنے والی بیبیوں کی زندگی میں دلچسپی بڑہانے کی کوشش کی جاے اور جہاں بھی چار گھر مسلمانوں کے ہوں وہاں کم سے کم مہینہ میں ایک دن اتنا موقع ان کو دینا چاہیئے جسمیں وہ آپس میں ملیں اور تبادلہ خیالات کریں۔ امید ہے کہ ہر جگہ اور ہر شہر میں اس قسم کی انجمنیں قائم ہونگی۔

ڈیپوٹیشن۔ گذشتہ پرچہ میں ہم نے وعدہ کیا تھا کہ آیندہ پرچہ میں ڈیپوٹیشن کی فہرست شائع کی جاے گی۔ اس پرچہ میں ہم اس ڈیپوٹیشن کے چندے کی فہرست شائع کرتے ہیں جو جے پور اور ٹونک گیا تھا۔ اس ڈیپوٹیشن کو جو رقمیں وصول ہوئیں وہ ذیل میں درج کیجاتی ہیں۔ انکی مجموعی تعداد [illegible] ہوتی ہے لیکن اسمیں بعض رقمیں جیپور اور ٹونک کے سکہ کی ہیں جیسا کہ تفصیل میں مندرج ہیں۔ انگریزی سکہ کے حساب سے ان پر بٹہ لگتا ہے اس لئے کلدار سکہ کے حساب سے یہ رقم برابر [illegible] کے ہوئی اور یہ سب رقم ہمارے پاس پہونچ گئی ہے آئندہ مہینے میں امید ہے کہ ہم اس ڈپوٹیشن کے چندہ دہندگان کی تفصیل شائع کرسکینگے جو بمبئی بڑودہ۔ سورت اور احمد آباد گیا ہوا تھا۔

فہرست حضرات چندہ دہندگان

نمبر شمار	نام چندہ دہندہ	زر چندہ	سکہ	نمبر شمار	نام چندہ دہندہ	زر چندہ	سکہ
۱	سیٹھ بالمکندجی صاحب کٹیر دار جیپور	[illegible]	جیپور	۳	راوت بجی سنگ جی ٹھاکر دہولا صاحب	[illegible]	جیپور
۲	سیٹھ دیوچندجی کشن جی مہتمم فیلخانہ "	[illegible]	"	۴	پنڈت رام پرتاب جی صاحب	[illegible]	"

نمبر شمار	نام چندہ دہندہ	زرچندہ	سکہ	نمبر شمار	نام چندہ دہندہ	زرچندہ	سکہ
۵	سیٹھ ہردے چند صاحب کوٹھاری	لعہ	جیپور	۲۷	مولوی اشفاق رسول صاحب وکیل	عہ	کلدار
۶	دیا بائی دا، وغدرام پرتاب صاحب	وعہ	کلدار	۲۸	فضل حسین امرائو مرزا صاحب وکیل	سے/	"
۷	ناظر خوش نظر ناظر ڈیوڑھی	عہ	"	۲۹	مولوی سعید اللہ صاحب رجسٹرار	صہ/	جیپور
۸	سیٹھ چو دہر دیا چند صاحب	وعہ	جیپور	۳۰	سید محمد منیر صاحب	صہ/	کلدار
۹	سیٹھ کنھیا لال گوکل چند	لعہ	کلدار	۳۱	مولوی حبیب الشفیع صاحب وکیل ٹونک	عما/	"
۱۰	پنڈت درگا شنکر جی پانڈے	لعہ	"	۳۲	منشی مکھن لال جی صاحب	سے/	جیپور
۱۱	ٹھاکر صاحب گوالا	عہ	جیپور	۳۳	کرنل سرسونٹن جیکب صاحب بہادر انجنیئر	وعہ	کلدار
۱۲	حکیم احمد الدین صاحب داروغہ آبکاری	صہ/	کلدار	۳۴	کپتان چنی لال جی صاحب	محہ/	"
۱۳	محمد سلیم الدین پسر حکیم احمد الدین صاحب	صہ/	"	۳۵	پنڈت درگا پرشاد صاحب وکیل	صہ/	"
۱۴	کرنل پنک صاحب سول سرجن	عہ	"	۳۶	مولوی حشمت علی صاحب وکیل	عما/	"
۱۵	منشی جمنا لال جی نائب بخشی فوج	لعہ ۱۱/	"	۳۷	بابو واسر رام صاحب انسپکٹر صیغہ عمارت	وعہ	"
۱۶	منشی احمد حسین صاحب وکیل عدالت	صہ/	"	۳۸	مولوی سراج الدین صاحب نائب فوجدار	صہ/	جیپور
۱۷	مولوی احسان الحق صاحب وکیل	سے/	"	۳۹	سیٹھ رتن لال صاحب جوہری	صہ/	"
۱۸	سیٹھ بختاور سہائے جی وکیل	صہ/	"	۴۰	سیٹھ پھول چند مانک چند	صہ/	"
۱۹	رائے بہادر نرنگ رائے صاحب سپرنٹنڈنٹ جیل	صہ/	"	۴۱	رائے بھولا ناتھ جی صاحب	صہ/	"
۲۰	منشی لدھا رام صاحب وکیل عدالت	محہ/	جیپور	۴۲	الٰہ بخش صاحب داگر	سے/	کلدار
۲۱	عبد العزیز خان صاحب وکیل میرٹھ	صہ/	"	۴۳	منشی عبد الکریم صاحب نائب کوتوال	سے/	جیپور
۲۲	ریاض الدین صاحب میر منشی رزیڈنسی جیپور	عما/	کلدار	۴۴	سیٹھ پنچی لال صاحب	لعہ	کلدار
۲۳	لالہ بھگوانداس صاحب منصف	صہ/	جیپور	۴۵	پنڈت جی صاحب ملازم ریاست جیپور	عہ	"
۲۴	منشی عوض علی صاحب وکیل	صہ/	کلدار	۴۶	مرزا برہان بیگ صاحب	صہ/	"
۲۵	منشی احترام الدین صاحب نائب ناظم	صہ/	"	۴۷	سیٹھ بھاگچند جوہری	صہ/	جیپور
۲۶	منشی رتن لال جی صاحب	للعہ/	جیپور	۴۸	سیٹھ بھورا مل جی	صہ/	"

نمبر شمار	نام چندہ دہندگان	زر چندہ	سکہ
۴۹	پنچی لال صاحب جوہری	رعـہ	کلدار
۵۰	کریم بخش صاحب داروغہ	صہ/	"
۵۱	لالہ بدری پرشاد صاحب مختار عدالت	عـعہ/	جیپور
۵۲	سیٹھ بہاری لال جی صاحب گوریپے والے	دعـہ	کلدار
۵۳	پنڈت مادہو سنگہ جی صاحب	للعہ/	"
۵۴	مولوی محی الدین صاحب وکیل بھرتپور	عـعہ/	"
۵۵	مولوی خورشید علی صاحب داروغہ	عـعہ/	"
۵۶	مولوی مبین الحق صاحب اہلکار محکمہ کونسل	سـہ/	"
۵۷	منشی محبوب عالم صاحب ہاسپٹل اسسٹنٹ جیپور	عـعہ/	"
۵۸	سیٹھ پھول چند صاحب	عـعہ/	جیپور
۵۹	مولوی محمد حنیف صاحب رفعت جنگ	عـہ	ٹونک
۶۰	منشی محبوب عالم صاحب	رعـہ	کلدار
۶۱	اہلکاران نظامت صدر ٹونک	عـہ	ٹونک
۶۲	مولوی عبد المجید صاحب بی اے ٹونک	صہ/	کلدار
۶۳	صاحبزادہ حاجی احسان اللہ خانصاحب	عـہ	ٹونک
۶۴	مولوی عبد الغفار خانصاحب	صہ/	"
۶۵	مولوی سید عثمان صاحب سردر جنگ	دعـہ	"
۶۶	مولوی عبد الرحمن خانصاحب	صہ/	"
۶۷	کرنل ہدایت اللہ خانصاحب	صہ/	"
۶۸	منشی مسعود خانصاحب	دعـہ	"
۶۹	رائے بہادر سیٹھ مل جی خزانچی	دعـہ	کلدار
۷۰	سیٹھ میگنی رام سہوت سنگہ ایلام والے	رعـہ	"
۷۱	مولوی عطا محمد صاحب انجینیر	صہ/	"
۷۲	منشی عبد الغنی صاحب سکرٹری	صہ/	"
۷۳	صاحبزادہ محمود خانصاحب	عـہ	ٹونک
۷۴	مولوی عبد الرحمن خانصاحب پرائیوٹ سکرٹری	سـعہ/	کلدار
۷۵	منشی فضل حق صاحب	صہ	جیپور
۷۶	مولوی عبد الرحمن خاں صاحب	عـعہ/	"
۷۷	خانبہادر میرزا محمد علیخاں صاحب	دعـہ	کلدار
۷۸	ڈاکٹر ڈبلیو۔ ایم۔ ایس۔ ڈرائی صاحب	صہ	"
۷۹	سید حسن محمود صاحب محلہ قافلہ لالک	للعہ	ٹونک
۸۰	صاحبزادہ حمید خانصاحب	دعـہ	"
۸۱	صاحبزادہ صدیق خانصاحب دلیر جنگ	صہ/	"
۸۲	سید محمد حیدر صاحب وکیل	صہ/	"
۸۳	صاحبزادہ محمود خانصاحب افسر اعلیٰ	عـہ	"
۸۴	حافظ عبد الرحیم صاحب افسر توشہ خانہ	عـہ	"
۸۵	محمد یعقوب صاحب داروغہ	للعہ/	"
۸۶	صاحبزادہ عبد الرحیم خانصاحب مظفر جنگ	للعہ/	"
۸۷	محمد مسعود خانصاحب ہیڈ کلرک	دعـہ	"

جہاں آرا بیگم

شاہجہان بادشاہ جسنے شہر دہلی بسایا اُسکی لائق

وفائقہ بیٹی جہاں آرا کی سوانح عمری جس میں اُسکے تمام

زندگی کے حالات نہایت خوبی کے ساتھ جمع کیے گئے ہیں

اور اُس کی تصنیف اور شعرگوئی. علمی- اخلاقی- مذہبی

ہر قسم کی کیفیت نہایت سلیس اُردو میں بڑی محنت اور تحقیق

کے ساتھ لکھی گئی ہی

اسکی لکھائی چھپائی اعلیٰ درجہ کی کاغذ ولائتی چمکدار ہی قیمت ۸؍

ملنے کا پتہ دفتر خاتون علی گڑہ

رجسٹرڈ نمبر اے ۲۷۱

خاتون

جلد ۵ | بابت ماہ مارچ سنہ ۱۹۰۸ء | نمبر ۳

اڈیٹر شیخ محمد عبداللہ بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ سکرٹری تعلیم نسواں سکشن

فہرست مضامین

قدسیہ بیگم ... ... محبوب الرحمن صاحب کلیم بی اے ... ۹۷
(۱) عورتوں کے لیے سب سے اچھی ورزش ... ڈپٹی لال نگم صاحب بی اے ۱۰۷
(۲) مدینۂ زہرا ... ... سید خورشید علی صاحب ... ۱۱۳
(۳) کارنامہ خواتین ... ... ابوالکمال صاحب ڈیسنوی ... ۱۱۷
(۴) خیرات ... ... مسز ایس ایچ صاحبہ ... ۱۲۰
(۵) ہماری تعلیم ... ... مسز ظہور الحق صاحب ... ۱۲۵
(۶) تہذیب نسواں ... ... جواد علیخاں صاحب متعلم ندوہ ... ۱۲۸
(۷) اڈیٹوریل ۱۳۳

علی محمد خاں کے اہتمام سے
مطبع فیض عام علی گڑھ میں طبع ہوا

خاتون

۱۔ یہ رسالہ ۳۲ صفحے کا علیگڑھ سے ہر ماہ میں شائع ہوتا ہے اور اُسکی سالانہ قیمت (عہ) اور ششماہی ہے

۲۔ اس رسالہ کا صرف ایک مقصد ہے یعنی مستورات میں تعلیم پھیلانا اور پڑھی لکھی مستورات میں علمی مذاق پیدا کرنا۔

۳۔ مستورات میں تعلیم پھیلانا کوئی آسان بات نہیں ہے اور جبتک مرد اسطرف متوجہ ہونگے مطلق کامیابی کی امید نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ اس خیال اور ضرورت کے لحاظ سے اس رسالے کے ذریعہ سے مستورات کی تعلیم کی اشد ضرورت اور بے بہا فوائد اور مستورات کی جہالت سے جو نقصانات ہو رہے ہیں اسکی طرف ہمیشہ مردوں کو متوجہ کرتے رہینگے۔

۴۔ ہمارا رسالہ اس بات کی بہت کوشش کریگا کہ مستورات کے لیے عمدہ اور اعلیٰ لٹریچر پیدا کیا جائے جس سے ہماری مستورات کے خیالات اور مذاق درست ہوں اور عمدہ تصنیفات کے پڑھنے کی اُنکو ضرورت محسوس ہو تاکہ وہ اپنی اولاد کو اُس بڑے لطف سے محروم رکھنا جو علم سے انسان کو حاصل ہوتا ہے معیوب تصور کرنے لگیں۔

۵۔ ہم بہت کوشش کرینگے کہ علمی مضامین جہانتک ممکن ہو سلیس اور بامحاورہ اُردو زبان میں لکھے جائیں۔

۶۔ اس رسالہ کی مدد کے لیے اسکو خریدنا گویا آپ اپنی مدد کرنا ہے اگر اسکی آمدنی سے کچھ بچیگا تو اس سے غریب اور یتیم لڑکیوں کو وظائف دیکر استانیوں کی خدمت کے لیے تیار کیا جائیگا۔

۷۔ تمام خط و کتابت و ترسیل زر بنام اڈیٹر خاتون علیگڑھ ہونی چاہیے۔

قدسیہ بیگم

مولوی محبوب الرحمٰن صاحب بی۔اے کے نام سے ہمارے ناظرین بخوبی واقف ہونگے کیونکہ سال گزشتہ میں خاتون کے صفحات اُنکے رشحات قلم سے فیضیاب ہوتے رہے ہیں۔ "روشن آرا۔ زیب النسا،" وغیرہ کئی ایک مورخانہ مضامین انکے ناظرین نے پڑھے ہوں گے۔ جہاں آرا کی بے نظیر سوانح عمری انہیں کے زور قلم کا نتیجہ ہے۔ وہ ہندوستان اور خاصکر خاندان مغلیہ اور شاہان اودھ کی تاریخ کے متعلق نہایت وسیع معلومات رکھتے ہیں۔ اب مندرجۂ ذیل مضمون اُنھوں نے ہمکو عنایت کیا ہے۔

اس مضمون کو ہم محض تاریخی دلچسپیوں کی غرض سے درج خاتون کرتے ہیں لیکن بعض باتوں سے عمدہ سبق بھی حاصل ہوتے ہیں۔ ایک تو بڑا سبق جو پُرانے زمانہ کے ایشیائی بادشاہوں کی تاریخ سے حاصل ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ جہاں انسان محض تن پروری اور عیش و آرام کا دلدادہ ہوجائیگا وہاں لازمی طور پر انتظامی امور میں ابتری واقع ہوگی۔ دوسرے یہ کہ جیسے مرد بلحاظ اپنی دماغی قوتوں اور عقل سلیم کے

جب ترقی کا موقع ملتا ہی تو ادنے درجے سے اعلیٰ درجہ پر پہنچ جاتا ہے اسی طرح اگر عورتوں کو بھی موقع ملے تو وہ ادنیٰ درجہ سے اعلیٰ درجہ تک پہنچ سکتی ہیں۔ گو یہ ذریعہ ترقی کا جو کہ قدسیہ بیگم وغیرہ کو حاصل ہوا کوئی قابل تعریف ذریعہ نہیں ہی لیکن اور ذرائع مثلاً تعلیم و تربیت۔ ہنرمندی صناعی نہایت قابل تعریف ہیں اور یورپ اور امریکا کی عورتیں انھیں ذرائع سے نہایت ادنیٰ ادنیٰ حالتوں سے بڑے بڑے درجوں پر پہنچ جاتی ہیں۔

اڈیٹر

نصیر الدین حیدر بادشاہ اودہ کا عہد دولت وعیش وعشرت کے لیے ضرب المثل ہے۔ اسکے زمانے میں ادنیٰ سے اعلیٰ طبقے کے لوگ مرفہ الحال تھے۔ اس کی وجہ یہ ہی کہ علاوہ محاصل سلطنت کے چودہ کروڑ روپیہ نواب سعادت علی خاں کا ترکہ خزانے میں جمع تھا۔ علاوہ بریں ملک اُس زمانے میں قحط وغیرہ سے پاک تھا۔ اسی دولت اور مرفہ الحالی کی وجہ سے لکھنؤ اہل کمال اور متلاشیان روزگار کا مرکز بنا ہوا تھا۔ اُسوقت اکثر اہل یورپ اور شاہزادگان دہلی لکھنؤ آتے تھے۔ اور بادشاہ کی فیاضی سے فائز المرام ہوتے تھے۔ اسوقت لکھنؤ میں جو بڑے بڑے عالیشان محل ہیں وہ اسی عہد کے تعمیر کردہ ہیں۔ اگر تحقیق کرو کہ اُسکے بانی کون تھے تو معلوم ہوگا کہ وہ ادنیٰ درجہ کے لوگ تھے اور اُن کی تنخواہیں اتنی قلیل تھیں کہ مشکل سے آجکل دو تین آدمی اُس میں زندگی بسر کرسکتے ہیں۔ نصیر الدین حیدر کی فیاضی نے کچھ دنوں کے لیے اودھ میں غربت کو لفظ بے معنی بنا دیا تھا۔ اور اُسکے دریائے جود سے سب چھوٹے بڑے سیراب تھے۔

بادشاہ نصیر الدین حیدر کی بیویوں کی تعداد تو کئی سو تک تھی۔ لیکن وہ اپنی دو بیگموں سے بہت زیادہ محبت رکھتا تھا۔ چنانچہ اُن دونوں نے لکھنؤ کی تاریخ میں نمایاں حصہ لیا۔ اور اس زمانے کے پالٹکس کی کشتی انھیں دونوں کے اشاروں پر چلتی تھی۔ اس میں شک نہیں کہ ان دونوں بیگمات کا نام تاریخ اودھ میں قیامت تک باقی رہیگا۔ ان دونوں کے نام یہ ہیں اول نواب

ملکہ زمانیہ بیگم۔ دوسری نواب قدسیہ محل۔

نواب ملکہ زمانیہ کا عروج ابتداے سلطنت نصیرالدین حیدر میں زیادہ تھا۔ جنرل سلیمن ریزیڈنٹ لکھنؤ اپنی کتاب میں (جو حقیقتہً باعث انتزاع اودھ ہوئی) اس بیگم کو اصلی فرماں رواے اودھ قرار دیتے ہیں۔ اُنھوں نے لکھا ہے کہ یہ بیگم اصل میں ایک کُرمی کی لڑکی تھی۔ ایک شخص فتح مراد نے اسکو اپنے قرضہ کی عوض میں اُسکے باپ سے لے لیا تھا۔ فتح مراد کی بہن کرامت النسا نے اُسکو اپنی بیٹی بناکر پرورش کی۔ جب دولاری (ملکہ زمانیہ کا پہلے یہی نام تھا) سن شباب کو پہنچی تو اُس کی رستم خاں نامی ایک شخص سے شادی کر دی۔ ان دونوں نے اخر میں رستم نگر میں بود و باش اختیار کی۔ کیونکہ رستم خاں اُسکا شوہر نواب مجیب خاں کے یہاں جو اسوقت ایک افسر فوج تھے ملازم تھا۔ اُسی زمانے میں دولاری کے دو اولاد ہوئیں۔ ایک بیٹا تھا جسکا نام محمد علی رکھا گیا اور دوسری بیٹی جسکا نام زینت النسا تھا۔

دولاری کی اُس زمانے میں نہایت عسرت کے ساتھ بسر ہوتی تھی۔ آخر اُسکے نصیب نے کروٹ بدلی اور نصیرالدین کے مشکوی معلی میں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ یہ لڑکا وہی منا جان تھا جس کی تخت نشینی پر سیکڑوں جانیں ضائع ہوئیں۔ اور وہ مدت العمر چنار گڈھ کے قلعے میں بادشاہ بیگم کے ساتھ اسیر رہا۔ کچھ لوگ دایہ کی تلاش میں نکلے۔ خوش نصیبی نے اُن کو دولاری کے گھر پہنچایا۔ جب دولاری محلسراے شاہی میں داخل ہوئی بادشاہ بیگم نے اُسکو پسند کیا۔ اور اطبا نے بھی اُسکے دودھ کو مفید بتایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دولاری ملازم ہوئی۔ کچھ دنوں کے بعد اُس کی قدرتی خوبیوں نے بادشاہ کو بھی اپنا گرویدہ بنالیا۔ جسنے بادشاہ بیگم سے اجازت لیکر اُس سے نکاح کرلیا۔ اور نواب ملکہ زمانیہ کے خطاب سے سربلند کیا۔

یہ بیگم بڑی عاقلہ اور دوراندیش تھی۔ کچھ دنوں تک لکھنؤ کی قسمت اسکے ہاتھوں میں تھی۔ ہرڈہ پرواکا کل علاقہ اُسکو جاگیر میں ملا جس کی تحصیل چھ لاکھ روپیے کی تھی۔ اسکے علاوہ

بادشاہ کے انعام وعطا کی کوئی انتہا نہ تھی۔ اُسکا بیٹا محمد علی کیواں جاہ کے خطاب سے سرفراز ہوا۔ اور بادشاہ نے اُسکے ولیعہد بنانے کی حتی الامکان بہت کوشش کی لیکن گورنمنٹ نے منظور نہیں کیا۔ اُس کی بیٹی زینت النساء کی شادی نواب ممتاز الدولہ سے ہوئی جسمیں تیس لاکھ روپیے صرف ہوئے تھے۔

ایک مرتبہ بادشاہ نے حکم دیا کہ سب عزیز و اقربا بیگم کی خدمت میں حاضر ہو کر نذریں دیں سبنے طوعاً و کرہاً حکم شاہی کی تعمیل کی۔ لیکن نواب نصیر الدولہ (یعنی محمد علی شاہ) کی دونوں آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ اور بادشاہ کا یہ حکم وہ بجا نہ لاسکے۔ جب نصیر الدولہ تخت نشین ہوئے بیگم بقید حیات تھی۔ اسکو اپنی سمدھن قرار دیا۔ اور بہت مرتبہ اپنے یہاں بلایا لیکن اُسنے عذر علالت کرکے ہمیشہ بہانہ کر دیا۔

حاصل یہ کہ اس بیگم کا انتہا درجہ عروج ہوا۔ یہ قدرتاً بہت فیاض تھی۔ سیکڑوں ہزاروں آدمی کی اسکے ذریعہ سے پرورش ہوتی تھی۔ اس کی سخاوت اور سیر چشمی لکھنؤ میں ضرب المثل ہوگئی زندگی بھر وہ بادشاہ سے متمنی اولاد رہی۔ اسلیے ہر نوچندی کو درگاہ حضرت عباس جاتی تھی اور وہاں دس ہزار روپیے صرف دسترخوان و نذر نیاز میں صرف کرتی تھی۔ اس بیگم نے ۲۲۔ دسمبر ۱۸۴۳ء میں انتقال کیا۔ لکھنؤ میں اسکا عالیشان امام باڑہ و مسجد ابتک موجود ہے۔

ملکہ زمانیہ کا یہ عروج بہت تھوڑے دنوں تک رہا۔ کیونکہ نواب قدسیہ بیگم کے آفتاب اقبال نے اُسکے نصیب کی چمک کو ماند کر دیا۔ یہ بیگم بھی کوئی اعلیٰ خاندان سے نہ تھی۔ یہ نواب ملکہ زمانیہ کے یہاں اول اول بطور کنیز کے ملازم ہوئی تھی۔ اور فرائض پرستاری ادا کرتی تھی لیکن اُسوقت ملکہ زمانیہ کو کیا معلوم تھا کہ یہ ایک دن بادشاہ کی خوشی و مسرت کی روح رواں بنجائیگی اور عزت کی اسقدر بلندی پر پہنچے گی کہ وہاں سے میرا مرتبہ بھی بہت چھوٹا نظر آئیگا۔

بادشاہ نصیر الدین حیدر سے اسکے تعلق کا دیباچہ یہ ہے کہ وہ ایک روز نواب ملکہ زمانیہ کے محل میں آئے۔ گرمی کا موسم تھا۔ کچھ پیاس محسوس ہوئی اور آب حیات طلب کیا۔ اُسوقت

قدسیہ محل موجود تھی فوراً زریں گلاس میں آب سرد حاضر کیا۔ بادشاہ نے پانی پیکر چند قطرے قدسیہ پر ڈالدیئے۔ قدسیہ نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ بادشاہ کو اس بیباکانہ حرکت پر غصہ آگیا اور کہا کہ ہیں!! بادشاہ وقت سے یہ گستاخی؟ اُسنے فوراً جواب دیا کہ کھیل میں بادشاہی اور غریبی کا ذکر کیا؟ بادشاہ اس جواب معقول سے ساکت ہوگئے اور اُس کی شوخی اور حاضر جوابی سے بہت خوش ہوئے۔ اسکے بعد سے جب اُس محل میں جانے کا اتفاق ہوتا۔ اُس سے ضرور دو باتیں کرلیتے تھے۔ آخر کچھ زمانے کے بعد اُس سے شادی کرلی۔

قدسیہ محل انتہا درجہ حسین اور بہت بڑی سخی تھی۔ بادشاہ نے بیس لاکھ روپیہ صرف اسکے زیورات وغیرہ کے لیے عطا کیے تھے۔ چھ لاکھ روپیہ کی جاگیر تھی۔ اُسکو پڑھنے لکھنے سے بھی بہت شوق تھا۔ ایک مغلانی بیگم اس کی اتالیق تھی جو بہت لیاقت رکھتی تھی۔ اور علمی تعلیم کے ساتھ اُسکو امور خانہ داری۔ اور کفایت شعاری وغیرہ کا بھی سبق دیتی تھی حاصل یہ کہ یہ بیگم بڑی تعلیم یافتہ تھی۔ قدرت نے فہم و فراست بھی اسکو بہت زیادہ ودیعت کی تھی۔ اسی وجہ سے وہ پالٹکس میں بھی بہت زیادہ دخل دیتی تھی۔ وزرا اور اعلیٰ عہدہ داروں کا عزل اور نصب وغیرہ اسی کے ہاتھوں میں تھا۔ سلطنت کے اہم امور میں اس کی رائے بہت زیادہ اثر رکھتی تھی۔ بادشاہ اس بیگم سے خاص محبت رکھتا تھا۔ شادی کے بعد اُس نے ایک روز بادشاہ سے کہا کہ میں نے تین لاکھ روپیہ نہیں دیکھے ہیں۔ اُسنے فوراً حکم دیا کہ مبلغ مذکور خزانۂ عامرہ سے لایا جائے۔ آخر اس حکم کی تعمیل ہوئی اور تین لاکھ روپیہ کا ایک چبوترہ بنایا گیا۔ اُسپر بیگم نے جلوس کیا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ یہ روپیہ غربا میں خیرات کردیا جائے۔

اس بیگم کے مصارف بہت زیادہ تھے کیونکہ شاہانہ ساز و سامان سے بسر کرتی تھی اور ہزاروں لاکھوں روپیہ ادنیٰ ادنیٰ باتوں میں خرچ کردیتی تھی۔ نواب ظفرالدولہ اکثر کہا کرتے

تھے کہ اگر وزیر اعظم معتمد الدولہ اور نواب قدسیہ بیگم کچھ اور جیتے تو سلطنت اودھ انکی فضول خرچیوں سے بک جاتی۔

قدسیہ بیگم بہت تند مزاج اور غصیل عورت تھی۔ اگرچہ بادشاہ اور اُس میں انتہا درجے کی محبت تھی مگر کبھی کبھی لڑائی بھی ہو پڑتی تھی۔ آخر اُسکا یہی غصہ وغضب باعث ہلاکت ہوا اس اجمال کی تفصیل یہ ہی کہ بادشاہ اور قدسیہ محل بعد انقضاے ایام چہلم تفریح طبع کی غرض سے کوٹھی دلکشا میں گئے ہوئے تھے۔ ایک روز بادشاہ بارہ دری میں بیٹھے ہوئے تھے دیکھا کہ کچھ بندر درختوں پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ اندر سے بندوق طلب کی۔ راجہ بختاور سنگھ بھی موجود تھا۔ اُسنے بادشاہ کو اس حرکت سے منع کیا کہ بیوجہ کسی جاندار کو مارنا موجب نزول بلاے آسمانی ہوتا ہی۔ بادشاہ نے ہنسکر دوچار بندر شکار کیے۔ اور محلسرا ے میں چلے گئے۔ وہاں جاتے ہی قدسیہ بیگم سے لڑائی ہو گئی اور بیگم نے کہا کہ "انشاء اللہ یہ صورت صفحہ ہستی سے مٹ جائیگی" بادشاہ نے غصہ میں جواب دیا کہ قول وفعل مختلف چیزیں ہیں۔ بیگم نہایت درجہ غیور اور تند مزاج تھی۔ پسی ہوئی سنکھیا ہیکل میں رکھی ہوئی تھی فوراً نوشجان کیا۔ اُسپر آب شورۂ لیموں پی لیا۔ اور چند دانے بھوتے ہوئے بھٹے کے بھی کھا لیے۔ تھوڑی دیر بعد خونی استفراغ ہوا جس میں چند لخت جگر بھی نکل آے اسی کے ساتھ محل میں قیامت برپا ہو گئی۔ بادشاہ بھی دوڑے ہوئے محل میں آئے اور اشک حسرت ویاس برسانے لگے اور کہا کہ اے بانوے باوفا آخر تونے اپنا کام تمام کیا۔ اُسنے جواب دیا کہ ہاں جو کچھ کہا اُسے کر دکھایا۔ بادشاہ شدت غم سے وہاں دیر تک نہ ٹھہر سکے چکر والی کوٹھی میں جو لکھنؤ سے کچھ فاصلہ پر واقع ہی چلے گئے۔

فوراً اطباے حاذق جمع ہوئے اور علاج میں حتی الامکان بہت کوشش کی گئی۔ لیکن کچھ فائدہ نہ ہوا آخر بیگم نے چوبیس سال کی عمر میں ۱۵ ربیع الثانی ۱۲۵۰ھ میں انتقال کیا۔ اس خبر کے ساتھ شہر میں ہرتال پڑگئی۔ چالیس روز تک بادشاہ سے لیکر فقیر تک

سیاہ پوش رہے۔ ارکان دولت۔ اقربائے شاہی سب خاک بسر تھے۔ بہشت لکھنو ماتم سرا ہو گئی۔ رات کے وقت جنازہ نہایت تزک و احتشام کے ساتھ اٹھا۔ اور کربلائے نو تعمیر مدفن بنایا گیا۔

بادشاہ بیگم کو بھی حد درجہ افسوس ہوا۔ اور بوجہ جوشش محبت مادری بغیر سیاہ لباس کے بادشاہ کے پاس چلی آئیں۔ اور بہت تسکین و تشفی دی اور کہا کہ خدا تجھ دولہ کو سلامت رکھے ایسی سو بیگم تجکو ملجائینگی۔ اس سے بادشاہ کے غصہ کی آگ بھڑک اٹھی اور کہا کہ اگر آپ کو کچھ غم ہوتا تو سیاہ پوش ہوتیں۔ بیگم نے جواب دیا کہ میں لباس سیاہ فقط عزاداری جناب سید الشہدا علیہ السلام کو پہنتی ہوں اور یہ کہکر چلی گئیں۔

بادشاہ کے اب تمام ماتمی جذبات غصہ سے مبدل ہو گئے۔ اور بیگم کو حکم دیا کہ وہ فوراً محلسرا کو چھوڑ کر الماس باغ میں قیام کریں۔ انھوں نے جواب دیا کہ یہ عطیہ میرے شوہر کا ہے میں خالی نہیں کر سکتی۔ آخر نوبت یہاں تک پہنچی کہ سپاہ بادشاہ پہنچی اور بیلداروں کے ذریعہ سے محل کا کھدوانا شروع ہو گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ طرفین سے گولیاں چلنے لگیں اور دیر تک یہ طوفان بے تمیزی رہا۔ بیگم کی طرف کی حبشنیں اور لونڈیاں ماری گئیں۔ اور شاہی فوج میں بھی متعدد جانیں ضائع ہوئیں۔ اس خانہ جنگی نے بہت طول کھینچا۔ اس کی داستان بہت طویل ہے جس کی تفصیل ہم یہاں غیر مناسب سمجھتے ہیں۔ اس سے صرف یہ دکھانا تھا کہ بیگم کے انتقال کا کس قدر صدمہ تھا کہ ذرا سی بات میں اپنی مادر محترمہ سے لڑ پڑے۔ اور ان کو کیا کیا اذیتیں دیں۔

جنرل سلیمن اور سید محمد میر نے اس لڑائی کا جو مخبر بہ ہلاکت بیگم ہوئی سبب لکھا ہے لیکن ہم کو اسکے یقین کرنے میں تامل ہے اسوجہ سے اس کی بحث یہاں قلم انداز کرتے ہیں حاصل یہ کہ اس سانحہ سے بادشاہ کو بہت صدمہ پہنچا۔ وہ اکثر بیگم کے مدفن پر جایا کرتے تھے اور اسپر قطرۂ اشک کے پھول چڑھاتے تھے کبھی کبھی ریزیڈنٹ صاحب بھی ساتھ ہوتے

لیکن وہ قبر سے دور کھڑے ہوتے تھے۔ کئی مہینے تک بادشاہ کا یہی حال رہا اور امور سیاست کی مشین تو بالکل بند ہو گئی۔

اقربائے شاہی بادشاہ کی یہ حالت دیکھکر بہت غمگین ہوئے اور سمجھے کہ جب تک اُسی بیگم کی صورت اور سیرت میں مشابہ عورت نہ ملیگی۔ بادشاہ کی حالت درست نہو گی۔ آخر صلاح یہ ٹھہری کہ اُس کی بہن سے جو نواب دولہ کی بیوی تھی طلاق دلواکر بادشاہ کی شادی کر دیجائے اگر وہ عورت بھی نورجہاں کی طرح بہت باوفا ثابت ہوئی اور اُسنے اپنے شوہر کی مفارقت قبول نہ کی۔ میر سید علی اس مہم عظیم پر بیڑہ اُٹھاکر روانہ کانپور ہوئے۔ آخر بہزار جد وجہد نواب دولہ سے طلاق دلواکر اُسکو لکھنؤ لائے۔ لیکن جب بھی وہ راضی نہ ہوئی۔ پھر اُسکے بعد اُسے قید کیا۔ لیکن با اینہمہ تکلیفات جسمانی و ترغیبات مالی اُس کی وفا میں ذرا بھی تزلزل واقع نہ ہوا اور وہ زندان سے بھاگ کر کانپور اپنے شوہر سے جا ملی (آفریں)

آخر بہزار کوشش بادشاہ کی نسبت شادی پختہ ہوئی اور رجب ۱۲۵۰ھ میں تاریخ عقد معین ہوئی۔ رسم حنابندی ادا کی گئی۔ اسکے بعد محفل شاہانہ آراستہ ہوئی۔ تمام ارکان دولت و جنرل صاحب اور متعدد خواتین انگلشیہ شریک محفل ہوئیں۔ بزم کے گراں بہا ساز و سامان سے آنکھیں خیرہ ہوتی تھیں۔ روپیے کے مصارف کی کوئی انتہا نہ تھی۔ جنرل لو نے بادشاہ کے فرق مبارک پر سونے کا سہرا باندہا۔ بادشاہ نے ایک گلوری پان مغرق پلیٹ میں رکھکر پیشکش کی اس شادی میں جو کچھ خرچ ہوا وہ بڑی بڑی ریاستوں کے محاصل کے برابر تھا۔ جن بیگمات کے متعلق روپیے کی تقسیم تھی اُنکے ہاتھ کی سرخی حنا سیاہی سے بدل گئی تھی۔ ٹھاٹھر بندی کی روشنی نے رات کو دن سے زیادہ روشن بنا دیا تھا۔ تکلف نقارخانہ قابل دید تھا۔ بعد رسم شادی بادشاہ مع عروس داخل دولت خانہ قدیم ہوئے۔ اور سلامی کی توپ چلی۔ عروس کو خطاب نواب بادشاہ جہاں ممتاز الدہر عنایت ہوا۔

اس شادی کے بعد بھی بادشاہ کی کچھ حالت متغیر ہوئی۔ کیونکہ ممتاز الدہر نو عروس سے بھی

اُن کو نفرت ہو گئی۔ اس کی وجہ مورخین نے یہ لکھی ہو کہ بادشاہ نے کئی لاکھ روپے اور پینتالیس بدریاں دوشالے ورومال وجامہ دار اور تھانہاے لباس گرما۔ بیگم کو عنایت کیا کہ وہ اپنے متوسلین وغیرہ میں تقسیم کردے۔ بیگم تو دلہن تھی یہ کام اُس کی ماں کا تھا۔ لیکن اُسنے اُس میں دریغ کیا۔ بادشاہ نے ایک روز جو اسکے متعلق پوچھا تو بیگم نے جواب دیا کہ حضور ہم آپ کا گھر بنانے کو آئے ہیں نہ بگاڑنے کو۔ اسپر بادشاہ کو بہت طیش آیا اور یہ کہکر کہ تو کنگلی ہو کسی کو کیا دیگی اُٹھ کھڑے ہوئے۔ بیگم نے دامن پکڑا لیکن نہیں مانے اور باہر آکر راجہ غالب جنگ سے کہا کہ ہم نے اس محل کو خطاب کنگلا محل کا دیا۔ چنانچہ آجتک وہ اس نام سے مشہور ہے یہ تھیں شاہان اودھ کی فیاضیاں جس کی یہ ادنیٰ مثال ہو۔

اسکے بعد پھر بادشاہ نے نواب تاج محل سے شادی کی۔ اس کی جاگیر بہت بڑی تھی۔ اسی کے ساتھ چھ ہزار ماہوار بھی جیب خرچ کو ملتے تھے۔

ان بیگمات کا حال مسز پارک ایک سیاح لیڈی نے لکھا ہی جسکو بادشاہ کی سالگرہ کے موقع پر محلسرا میں جانے کا شرف حاصل ہو گیا تھا۔ وہ اس طرح لکھتی ہی۔

"موجودہ بادشاہ کی بیگمات نہایت بیش بہا ملبوس پہنے ہوئے تھیں اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ الف لیلہ کی پریاں ہیں۔ بے شبہ اُن میں سے ایک (تاج محل) اسقدر خوبصورت تھی کہ اپنے عروسی ملبوس میں وہ مجھے لالہ رخ کو یاد دلاتی تھی۔ میں نے ہندوستان اور یورپ میں کوئی ایسی خوبصورت عورت نہیں دیکھی۔ اسکے اعضا مناسب تھے۔ اور ایسی آنکھیں اور پلکیں تو میںنے دیکھی ہی نہیں۔ یہ بادشاہ کی بڑی چاہتی بیگم ہی اس کی شادی ہوئے ابھی ایک ماہ ہوا ہی۔ عمر بھی اس کی صرف چودہ سال کی ہی۔ یہ چھوٹی مخلوق ہاتھ پاؤں بھی چھوٹے چھوٹے رکھتی ہی اور بہت زیادہ محجوب اور شرمیلی ہے اس کی صورت اسقدر موہنی ہی کہ تم دیکھتے ہی اُسپر فریفتہ ہو جاؤ گے۔ اسکا لباس بالکل زریں اور قرمزی زربفت کا تھا۔ اور اُسکے بال بیش قیمت موتیوں سے گندھے ہوئے تھے

جس کی لڑیں اُسکے دوش پر لٹک رہی تھیں اور اُنکے اخیر میں ایک گوہر شاہوار ہوتا تھا۔ اور چارلس دوم کی طرح اُسکے بال گھونگروالے تھے۔ اُس کی چمکتی ہوئی پیشانی پر ایک سونے کا زیور تھا جو لٹکتا بھی تھا اور اس میں بڑے بڑے موتی اور گرانبہا جواہرات مثل زمرد وغیرہ کے جڑے ہوئے تھے۔ اُسکے اوپر ایک بہشتی طرہ لگا ہوا تھا جس میں سے موتیوں کی لڑیں نکلکر سر کو مزین کرتی تھیں۔ اُسکے کانوں میں بھاری بھاری سونے کے بالے پڑے ہوئے تھے جس میں بڑے بڑے موتی اور بیش قیمت جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ ناک میں بھی اُسکے ایک نتھ تھی۔ جس میں جواہرات اور ایک گول اور بڑا گوہر شاہوار پڑا ہوا تھا۔ اور خوبصورت جسم پر ہار وغیرہ کی قسم سے اس قدر زیورات تھے کہ وہ شمار میں نہیں آسکتے۔ اُسکے کپڑے کی آستینیں بہت بڑی بڑی تھیں لیکن کہنیوں کے پاس کھلی ہوئی تھیں۔ اُسکا لباس ایک بہت بڑا سایہ تھا جو گلے تک جاکے ختم ہوتا تھا اور نہایت چست تھا جب وہ چلتی تھی تو کئی عورتیں اُسکے پائجامے کے پائنچے اُٹھاتی چلتی تھیں۔ اور کئی لونڈیاں اُسکے پیچھے اس غرض سے کھڑی رہتی تھیں کہ اُن موتیوں کی لڑیوں کو درست کرتی رہیں جو حرکت کے وقت اُسکے زربفت اور تاش بادلہ کے ڈوپٹے میں اُلجھ جاتی ہیں۔ اس خاتون سے تمام بیگمات حسد کرتی ہیں۔ ہم نے بادشاہ کی دوسری بیگم مخدرہ علیا کو بھی دیکھا۔ لیکن وہ تاج محل سے زیادہ حسین نہ تھی لیکن ہندوستانی عورتیں اسی کو زیادہ خوبصورت سمجھتی ہیں۔ اسکے سر پر ایک ہیرے کا تاج تھا جس میں جواہرات کی ایک کلغی لگی ہوئی تھی یہ ایک یورپین سوداگر کی لڑکی تھی۔ جو بادشاہ کو انگریزی پڑھاتے تھے۔ انگریزی فارسی۔ اور ہندوستانی میں اسکو پوری مہارت حاصل تھی۔ ہم نے اُس سے پوچھا کہ کیا تم پردے کے ساتھ زنانے میں رہنا پسند کرتی ہو۔ اُسنے سر ہلایا۔ لیکن بہت مغموم معلوم ہوتی تھی۔ شاید یہ غم سوتوں کا تھا۔ ہم اسکے بعد ملکہ زمانیہ سے بھی ملنے گئے۔ اس بیگم کا سلطنت میں بہت پولیٹکل اثر ہے۔ کیونکہ وہ ولیعہد کی ماں ہے۔ اور کہتے ہیں کہ بادشاہ پر

اسکا ایسا رعب داب ہی کہ وہ کبھی کبھی اُسکو گوشمالی بھی دیتی ہے "

محبوب الرحمن کلیم

عورتوں کے لیے سب سے اچھی ورزش

اکثر یہ دیکھا جاتا ہی کہ تمام ہندوستان کی عورتیں عموماً اور پردہ نشین مخدرات خصوصاً نہایت ہی کمزور اور ناتواں ہوتی ہیں۔ باہر پھرنے چلنے والی قوم کی عورتوں کی نسبت تو یہ کہا جا سکتا ہی کہ وہ اچھی خاصی جسیم اور طاقتور ہوتی ہیں لیکن ہمارے خیال میں وہ عورتیں بھی تندرست کہلانے کی مستحق نہیں اور اس کی خاص وجہ یہ ہی کہ اگرچہ وہ بظاہر فربہ اندام ہوتی ہیں لیکن خوش وضعی (Symmetry) جو تندرستی کی عین علامت خیال کیجاتی ہی اور جسکو دوسرے الفاظ میں تناسب اعضا بھی کہتے ہیں وہ اُن عورتوں میں نہیں پائی جاتی اُن کا ایک عضو نشو ونما میں فوقیت رکھتا ہے تو دوسرا عضو اکثر بہت ہی کمزور ہوتا ہے۔ اس حالت میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ باہر کی چلنے پھرنے والی عورتیں تندرست ہوتی ہیں۔ بلکہ باعتبار واقعات وہ بھی کمزور اور ناقص الصحت سمجھی جائیں تو بالکل بجا ہی۔

اب رہیں پردہ نشین خاتونیں اُن کا تو اللہ ہی بیلی ہی۔ بعض گھروں کی عورتیں تو ہلکر پانی تک بھی نہیں پی سکتیں۔ اگر وہ غریب ہوتی ہیں تو بھی اتنا ضرور کرتی ہیں کہ ایک ماما یا کہاری گھر کی جھاڑو دینے اور کھانے پینے کے برتن بھانڈوں کو صاف کرنے کے لیے ملازم رکھ لیں۔ خواہ پیٹ کو روٹی اور تن کو کپڑا نہ جُڑے لیکن اتنا ضرور ہوگا کہ بی بی کے آگے آگے کام دہندا کرنے کے لیے ایک خادمہ او رہو۔ یہ نہیں سمجھتیں کہ گھر کا کام جو بظاہر ایسا سخت نہیں لیکن جسم کو پوری حرکت دینے کے لیے کافی ہوتا ہی عورتوں کے لیے بیحد فائدہ بخش ہی۔ کیونکہ جسم کی حرکت جسکو ورزش کہتے ہیں ہر نوع ہر بشر کے لیے

فائدہ مند شے ہے۔

قطع نظر ان غریب پردہ نشین عورتوں کے ہمارے امیر گھرانے کی مخدرات کی تو کچھ نہ پوچھیے انکے تو آس پاس چاروں طرف ہر وقت ماماؤں کا ڈھیر لگا رہتا ہے۔ اور اسوجہ سے اُن کو ذرا بھی ہاتھ ہلانا نہیں پڑتا۔

شاید ناظرین یہ خیال کریں کہ ہم ماماؤں اور خدمتگار عورتوں کو ملازم رکھنے کے خلاف ہیں۔ نہیں یہ بات ہرگز نہیں ہے بلکہ ہمارا ذاتی خیال یہ ہے کہ امیر خاتونیں مناسب تعداد میں خدمتگار عورتیں اپنے آرام و آسائش کے لیے مقرر کریں لیکن ساتھ ہی ہم اس بات کے سخت خلاف ہیں کہ وہ اپنی زندگی کو بالکل ماماؤں پر منحصر کر دیں۔ اور خانگی امور میں ذرا بھی ہاتھ ہلانے کی تکلیف گوارا نہ فرمائیں۔ کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ اس آلسی پن اور کاہل الوجود ہونے کی وجہ سے کوئی امیر گھرانہ ایسا نہیں جس کی عورتیں کم و بیش کسی نہ کسی مرض کا شکار نہ بنی ہوئی ہوں۔ اور یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ جیسی ماں ہوتی ہے ویسی ہی اُس کی اولاد ہوتی ہے۔ کوئی وجہ نہیں کہ ماں تو ہو کمزور بیمار اور اولاد ہو طاقتور اور تندرست بادی النظر میں یہ بات سراسر خلاف قانون قدرت معلوم ہوتی ہے۔ بیمار ماں کی اولاد بھی بہرحال بیمار ہی ہوگی پس اے سستی اور کاہلی کی مریدنی بیبیو ہوش میں آؤ اور دیکھو کہ تم کیسی غلطی کر رہی ہو۔ اور دانستہ اپنے پاؤں پر کلہاڑی مار رہی ہو۔ کیوں نہیں روزمرہ تھوڑا سا کام خود کرنے کے لیے مقرر کرتیں۔ جس سے تمہارے جسم کو حرکت ہو اور تم تندرست بنجاؤ۔ اور تمہارے اعضائے بدن میں مناسبت پیدا ہو جائے۔ شاید بعض نیک بیبیاں ہماری ان چند سطور کو پڑھکر برہم ہو جائیں اور ہماری اس تحریک پر کہ ہم اُن کو گھر کا معمولی کام خود کرنے کی جانب راغب کرتے ہیں ہم کو گستاخ سمجھیں تو ہم انکو خوشخبری سُناتے ہیں کہ ہم نے امریکہ کے ایک رسالے میں عورتوں کے لیے سانس کے ذریعے ورزشوں کا ذکر پڑھا ہے۔ کوئی وجہ نہیں کہ وہ ورزشیں ہمارے ملک کی

عورتوں کے مناسب حال نہ ہوں۔ امریکہ کی عورتیں سانس کے ذریعہ ورزشوں کو بڑے شوق سے کر رہی ہیں اور ہمیں امید ہی کہ یہ سہل ورزشیں یہاں کی پردہ نشین اور غیر پردہ نشین عورتیں دونوں نہایت مفید اور فیض بخش پائینگی۔

مثل مشہور ہی کہ "جب تک سانس تب تک آس" جسم کی تندرستی اُسوقت تک ہی برقرار رہ سکتی ہی جب تک سانس کی دھونکنی برابر باقاعدہ طور پر چلتی رہے۔ سانس کے بے قاعدہ ہوجانے کا نام ہی بیماری ہے۔ جسمانی صحت کے قائم رکھنے اور زندگانی کے بڑھانے اور قوت جاذبہ اور خوبصورتی کے پیدا کرنے کے لیے یہ ضروری امر ہے کہ تازہ ہوا کی مناسب مقدار جسم کے اندر داخل ہوا بس اسی لیے یہ کہا جاتا ہی کہ سانس ہی مایۂ زندگی ہی اور سانس ہی سرمایۂ زیست۔ ہندوٗں کے اعتقاد کے موافق سانس کو بڑی قدرت حاصل ہی۔ چنانچہ اُنکے نزدیک مذہبی فرائض میں سانس کے ذریعہ ورزش کا طریقہ بھی شامل ہی۔ اس طریقہ کا نام پرانایام (حبس دم) ہی۔ پرانایام کی وساطت سے وہ صرف جسمانی اور دماغی صحت ہی حاصل نہیں کر چکے ہیں بلکہ وہ وہ روحانی مدارج طے کیے ہیں جن پر عبور کرنے سے انسان جوگی کا درجہ پاتا ہی۔ اقصاے غرب (امریکہ وغیرہ) کے باشندوں کے دلوں میں جہاں مشرقی علوم کی تحصیل کا شوق پیدا ہوا وہاں یہ بھی خواہش ہوئی کہ یہاں کی مذہبی اور روحانی اصولوں کا بھی مطالعہ کریں چنانچہ اُن کی رائے ہی کہ ہماری جسمانی اور دماغی صحت کا دارومدار بیشتر سانس لینے کی صحیح عادت پر ہی۔

انسان قدرتاً ایسا پیدا کیا گیا ہی کہ اگر وہ قانون قدرت کے موافق اپنی زندگی گزارنا پسند کرے تو پھر اس بات کی ضرورت نہیں کہ اُسکو سانس لینے کے طریقہ کی تعلیم دیجائے۔ کیونکہ قدرت نے خود اُسکو بتا دیا ہی کہ کس طرح سانس لے جس سے اُس کی صحت میں خرابی پیدا نہ ہو۔ مثلاً بچے ہی کو دیکھو کہ وہ کیسی آزادی کے ساتھ سانس لیتا ہے

اور یہی حال حیوانات کا ہی۔ لیکن جیسے جیسے ملکی تہذیب (جو اکثر حالتوں میں تہذیب کہلانے کی مستحق نہیں) انسان کے جسم میں سرایت کرتی جاتی ہی وہ سانس لینے کے درست طریقہ کو بھولتا جاتا ہی۔ ملکی رسم و رواج اور تہذیب میں اب خصوصاً یہ داخل ہوگیا ہی کہ لباس ایسا پہنا جائے جو جسم کو جکڑ لے۔ اور اس طرح سے افسوس کہ پھیپھڑہ کی آزادانہ حرکت کو روک دیا جاتا ہی۔ اگر ہندوؤں میں یہ رواج ہی اور شاید مسلمانوں میں بھی یہ رسم ہو کہ بہو بیٹیاں کنبے کے بزرگوں کے سامنے دبی دبائی بیٹھی رہتی ہیں اور سینہ کو گھٹنوں پر ایسی بُری طرح جھکا دیتی ہیں کہ پورا پھیپھڑہ ہوا سے نہیں پھولنے پاتا۔ اس طریقہ سے بیٹھنے کو گھر گھر تہذیب پر محمول کیا جاتا ہی۔ اور اس طرح سے تہذیب بیچاری کی مٹی پلید کیجاتی ہی۔ نتیجہ یہ ہوتا ہی کہ بیچاری نوعمر عورتیں ہوش سنبھالتے ہی موذی امراض میں مبتلا ہو جاتی ہیں۔ تپ دق اور سل کی بیماریاں خاص اسی وجہ سے ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیلی ہوئی ہیں اور ہم نہیں جانتے کہ جب تک عورتیں اور مرد دونوں ہی اپنے لباس اور رہائش کے طریقوں کو نہ بدلیں کبھی بھی ان بیماریوں سے مفر ہو۔ یہ امر اشد ضروری ہی بلکہ لازمی ہی کہ بہو بیٹیوں کو بیٹھنے اُٹھنے کے آداب ایسے سکھائے جائیں جنسے سینہ نہ دبنے پائے اور کسی طرح بھی پھیپھڑے کی قدرتی حرکت میں ہرج واقع نہ ہو۔

ممکن ہی کہ بعض عورتیں اپنے دل میں یہ خیال کریں کہ ہمیں سانس لینے کے درست طریقہ کو سیکھنے کی کیا ضرورت ہی۔ ہم حسب فطرت اُسی طرح سانس لیتے ہیں جس طرح دنیا کا ہر شخص سانس لیتا ہی اور ہمیں یقین ہی کہ تمام کائنات میں سانس لینے کا کوئی اور طریقہ نہیں ہو سکتا اسپر بحث کرنا بالکل بیہودہ ہی۔ بیشک ہم اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ وہ اُسی طرح سانس لیتی ہیں جیسے دنیا کے تمام لوگ سانس لیتے ہیں۔ لیکن ہم یہ پوچھتے ہیں کہ کیا تمام دنیا کے لوگ ایک فحش غلطی کے مرتکب نہیں ہو سکتے؟ یہ ممکن ہی کہ سب کے سب

جانتے ہوں کہ سانس لینے کا درست طریقہ کونسا ہے۔ لہذا یہ بات ضروری ہے کہ سانس لینے کا صحیح طریقہ سیکھا جائے اور سانس کے ذریعہ ہی سے ایسی ورزش کیجائے کہ بیماری پاس نہ پھٹکے اور جسم توانا اور طاقتور ہوتا چلا جائے۔

جب کبھی تم کسی لڑکے کے چہرے کو زرد دیکھو جس سے قلت خون کے آثار ظاہر ہوں تو سمجھ لو کہ وہ سانس لینے کے صحیح طریقہ سے واقف نہیں۔ اکثر لوگ اس طرح سانس لیتے ہیں کہ پھیپھڑے کا صرف بالائی حصہ پھولنے پاتا ہے۔ چنانچہ جان بخش آکسیجن تمام پھیپھڑے میں کامل طور سے نہ پھیلنے کی وجہ سے خون کو صاف نہیں کرتا اور آخر نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان کے جسم میں خون صالح نہیں پیدا ہوتا اور وہ انواع و اقسام کے امراض میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ پس ہر فرد بشر کا فرض ہے کہ (اس میں خواہ مرد ہو یا عورت لڑکی ہو یا بوڑھی) اس طریقہ سے گہرا سانس لے کہ جس سے تمام پھیپھڑا پھول سکے۔ گہرا سانس لینے میں تمام پسلیاں اوپر اور نیچے کی پھیلیں گی اور اوپر کو اٹھینگی اور اسی طرح پھیپھڑے کے پھولنے سے سینہ بھی اُبھریگا۔ پھر پھیپھڑے میں بھری ہوئی ہوا کے باہر نکالنے سے پسلیاں بھی اندر کو دب جائینگی۔ اور چھاتی بھی آہستہ آہستہ نیچے کو دھستی ہوئی معلوم ہو گی۔ یہی طریقہ ہے جسکو سانس لینے کا درست قاعدہ کہہ سکتے ہیں۔ اگر چھاتی اور پسلیوں کی یہ حرکت بڑی آزادی سے ہو گی تو یوں سمجھنا چاہیے کہ ہم باقاعدہ طور پر سانس لے رہے ہیں۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ کونسی باتیں سینہ اور پسلی کی اس آزادانہ حرکت میں مخل ہوتی ہیں۔ عورتوں کی حالت میں تو اُنکا لباس محرم اور جاکٹ ایسا ہے کہ اُنکے تمام سینہ اور پسلیوں کو جکڑ لیتا ہے اور اسی وجہ سے سینہ اور پسلیاں پورے طور سے پھیلنے نہیں پاتیں پس اے غریب خاتونو! اپنی جان کی دشمن نہ بنو۔ محرم کو خیرباد کہو اور جاکٹیں ڈھیلی ڈھالی سلوا کر پہنو۔ ورنہ خوب سمجھ لو کہ یہ تمہاری شوقینی تمہارے جسم اور دماغ کو تباہ کر دیگی۔ اگر

تمہیں صحت عزیز ہی تو کسا ہوا لباس ہرگز نہ زیب تن کرو۔

جب گہرا سانس لینے کی عادت پختہ ہوجائے تو پھر اُن طریقوں پر بھی عمل کرنا چاہیے جنکا جوگی رام چرک نے اپنے علم دم کشی میں ذکر کیا ہی۔ جوگی رام چرک کی سانس لینے کے متعلق ورزشوں پر عملد رامد کرنے سے لوگوں کو بیحد فائدہ ہوا ہے۔ وہ بڑا ہی اچھا دن ہوگا جس روز ہمارے ملک کی عورتیں بھی ان ورزشوں کے فوائد کو تسلیم کرلینگی۔ اسکے معنی یہ ہونگے کہ بطور خود وہی تندرست نہیں ہوگیئں بلکہ آیندہ نسل کی صحت کی نسبت بھی بہت کچھ امیدیں کیجا سکتی ہیں۔

پہلی ورزش۔ جب صبح کو اُٹھو تو رات کا لباس پہنے ہوئے دیوار سے پیٹھ لگاکر اسطرح کھڑی ہوجاؤ کہ سر کا پچھلا حصہ دیوار کو چھوتا رہے۔ پھر ناک کے نتھنوں کے ذریعہ سانس کو خوب زور سے اندر کی جانب کھینچو۔ اور آہستہ آہستہ پھیپھڑے کو ہوا سے ایسا بھرلو کہ اس میں اور گنجائش نہ رہے۔ تم دیکھو گی اس طرح کرنے سے سینہ اوپر کو اُبھریگا۔ پھیپھڑے میں ہوا بھرے ہوئے ایسی حالت میں ایک۔ دو۔ تین تک آہستہ آہستہ گنو۔ تین تک گننے کے بعد ہوا کو ناک کے راستے پوری طاقت سے باہر نکالو۔ اسی طرح دس مرتبہ اس ورزش کو کرنا چاہیے سانس کو بہت دیر تک روکنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے اور نہ تین تک گنتی بہت آہستہ آہستہ گننی چاہیے۔ اگر تم پھیپھڑے میں ہوا روکنے سے یہ محسوس کرو کہ دم گھٹتا ہی تو فوراً لیکن آہستہ آہستہ ہوا کو باہر نکال دو۔

دوسری ورزش۔ صبح کے وقت پہلے کی طرح کھڑے ہوکر ایک اور ورزش بھی کرسکتی ہیں وہ اس طرح سے کہ اپنا ایک ہاتھ ایک پہلو کی جانب نیچے کی پسلیوں پر رکھو اور دوسرا ہاتھ پیٹھ کے ملائم حصے پر دہرو۔ پھر خوب زور سے گہرا سانس لو۔ تمھیں معلوم ہوگا کہ گہرا سانس لینے میں ہاتھوں اور پیٹھ کو حرکت ہو رہی ہی۔ اس طریقہ سے پھیپھڑے کے نیچے حصہ کو ورزش ہوجاتی ہی۔ پہلے کی طرح اب بھی سانس کو روکے ہوئے تین تک گنو اور

اور پھر آہستہ آہستہ ہوا باہر نکالو۔اس ورزش کو ہر صبح سات مرتبہ کرو۔

اتنی احتیاط رکھنی چاہیے کہ ہمیشہ یہ ورزش ہوادار کمرے میں کیجائے۔اور اگر مناسب ہو تو کمرے کی تمام کھڑکیاں کھول لینی چاہییں۔اگر جی چاہے تو رات کو بستر پر لیٹنے سے پہلے پھر اس ورزش کو کر لینا چاہیے۔

ممکن ہو کہ بعض خاتونوں کو ورزش کرنے کے باوجود بہت عرصہ تک کوئی بدیہی فائدہ محسوس نہ ہو۔گو باعتبار تجربہ یہ بات ممکن نہیں لیکن اگر ایسا ہو بھی تو یہ لازم نہیں کہ مایوس ہو کر ورزش کرنا چھوڑ دی جائے۔بلکہ عرصہ تک استقلال سے ان ورزشوں کی مداومت کرنی چاہیے۔پھر یہ امر ضروری ہو کہ عینی فائدہ محسوس ہو۔یہ ورزشیں سب سے زیادہ قابل تعریف اس وجہ سے ہیں کہ انکے عامل کو تپ دق۔سل۔قلت خون جیسے مہلک امراض میں مبتلا ہونیکا احتمال نہیں رہتا۔یوں تو یہ ورزشیں مردوں کے لئے بھی مفید لیکن عورتوں کے لئے بالخصوص نفع بخش ہیں کیونکہ مرد تو باہر جا کر کرکٹ (گیند بلا) لان ٹینس۔فٹ بال وغیرہ بھی کھیل لیتے ہیں اور انواع واقسام کی ورزشیں بھی کر سکتے ہیں مگر ہمارے ملک کی عورتیں پردہ نشین ہونے کی وجہ سے گھر کی چار دیواری میں ہی رہتی ہیں اور کسی قسم کی بھی ورزش نہ کرنے کی وجہ سے اکثر بیمار رہتی ہیں۔امید ہو کہ وہ ان سہل ورزشوں کو شوق سے کرینگی۔

راقم ڈپٹی لال نگم۔بی۔اے

مدینۃ زہرا

آج ہم خاتون کی خواتین ناظرات کو اُس زمانہ کے ایک نہایت خوبصورت اور سیر حاصل شہر کی سیر کرانی چاہتے ہیں جبکہ اسلام کی ترقی کا آفتاب نصف النہار پر تھا۔عرب کے بادیہ نشین توحید کے نعرے بلند کرتے ہوئے اطراف عالم میں پھیل گئے تھے اور یورپ وافریقہ میں شہرت واولوالعزمی کے جھنڈے گاڑ چکے تھے۔ہسپانیہ میں اُن کی بیرقیں اُڑ رہی تھیں اور

بلاد مغرب میں ہی اسلامی سلطنت قائم ہو چکی تھی۔ اگرچہ زمانہ ناہنجار نے اس شہر کے ساتھ جسکا نام زیب عنوان ہے وہی سلوک کیا جو اسنے بابل و نینوا کے ساتھ کیا اور نہایت دلفریب و فرحت بخش خوبصورت شہر پر چرخ ستمگار نے خوب جی بھر کر اپنے مظالم اور زیادتیوں کی مشق کی ہے لیکن اسکا نام صفحہ ہستی سے اسکے مٹائے نہ مٹ سکا۔ اگرچہ مدینۂ زہرا کی وہ پہلی چہل پہل وہ شان و شوکت باقی نہیں رہی اور یہانتک کہ اسکا وجود بھی صفحہ دنیا سے ناپید ہو گیا ہے لیکن اسکا پیارا اور دلکش نام ہنوز اُسی عظمت اور اُسی آب و تاب کے ساتھ صفحاتِ تاریخ پر منقوش ہے اور صرف صفحات تاریخ پر ہی نہیں بلکہ ہر تاریخ داں شخص کے دل پر نہایت جلی حروف میں اسکی تیاری اور پھر اسکی بربادی کی داستان اور اسکی عظمت و شان کندہ ہے۔

سلاطین بنی اُمیہ کے ایک نہایت ممتاز بادشاہ ناصر نے جسے فن تعمیر سے خاص شغف تھا اپنی ایک نہایت عزیز کنیز زہرا کی خواہش و درخواست پر اس شہر کو آباد کیا اور اپنا دار الخلافہ قرار دیا تھا۔ ابن خلکان نے اس شہر کا طول شرقاً غرباً دو ہزار سات سو گز اور عرض شمالاً جنوباً ایک ہزار پانسو گز بیان کیا ہے۔ یہ شہر قرطبہ سے اسقدر متصل تھا کہ ابن سعید نے شقندی کا بیان اس بارے میں یوں لکھا ہے کہ:-

> قرطبہ اور زہرا کی آبادی اس طرح سے ملی ہوئی تھی کہ
> انھیں مقامات کے لیمپ کی روشنی کے ذریعہ سے
> بارہ میل تک آدمی چلا جا سکتا ہے۔

ابن حیان۔ ابن وجون فقیہ اور مسلمہ بن عبد اللہ ہندسہ دان ماہر وغیرہ نے بیان کیا ہے۔

> شہر زہرا کی آبادی میں ہر روز ایک ہزار چار سو
> خچر اور چار سو اونٹ خاص کام کرتے تھے۔ کرایہ
> کے ایک ہزار خچر آتے تھے۔ اور ہر تیسرے دن

گیارہ سو اونٹ لو چر پر اینٹیں اور چونہ آتا تھا

اس شہر کی تعمیر کامل چالیس برس تک جاری رہی اور اسکے مصارف کا تخمینہ ۳ لاکھ اشرفیاں فی سال کیا گیا ہے۔ اس شہر میں تین سو سنگ سفید کے ستون اور ۱۵ ہزار سے زیادہ لوہا اور تانبا چڑھے ہوئے بڑے بڑے عالیشان پھاٹک تھے۔ سنگ رخام وغیرہ اعلی درجے کے پتھر منگوانے کے لیے بڑے بڑے کامل الفن انجنیر اطراف عالم میں بھیجے گئے اور دنیا کے مختلف حصوں سے نادر الوجود پتھر اور عقل انسانی کو دنگ کرنیوالے عجائبات مہیا کیے گئے تھے چنانچہ شام اور قسطنطنیہ سے دو عجیب غریب حوض منگوائے گئے تھے جنکی قیمت کا اندازہ تک ناممکن تھا۔ انہیں کا ایک حوض ناصر کے استراحت کے محل میں جسکا نام مونس تھا نصب کیا گیا تھا۔ دار الصناعۃ قرطبہ کے کمال نے اسکے ساتھ سونے پر سہاگہ کا کام کیا تھا اسکے کناروں پر بارہ سونے کی بنی ہوئی مورتیں شیر۔ ہرن۔ مگرمچھ۔ اژدہا۔ عقاب۔ ہاتھی۔ کبوتر باز۔ مرغ۔ مرغی۔ چیل اور گدھ کی نہایت عمدہ ترتیب سے نصب تھیں اور ہر ایک کے مونھ سے ہمیشہ پانی جاری رہتا تھا۔

اس شہر میں ایک بہت بڑی نہر بنوائی گئی تھی جو اپنی خوبصورتی اور دلاویزی میں اپنا ثانی نہیں رکھتی تھی۔ اسمیں مختلف اقسام کی مچھلیاں چھوڑوائی گئی تھیں جنکے لیے ہر روز بارہ ہزار روٹیاں پکتی تھیں۔ غرض اس شہر کے تمامی عجائبات۔ صنائع۔ نقش و نگار بے نظیر مسجد اور عالیشان محلوں۔ قصروں وغیرہ کا مفصل ذکر نہایت دشوار امر ہے اسلیے ہم اس شہر کے قصر زہرا کے مجمل بیان پر اکتفا کرتے ہیں جو مدینۂ زہرا میں اسیقدر ممتاز اور نادر الوجود تھا جتنا خود مدینۂ زہرا صفحۂ عالم پر۔ اس قصر کے کمروں کی زمین سنگ سفید کی اور چھتیں خالص سونے کے پتروں سے جڑی ہوئی تھیں۔ اسکے ستون بالکل ایک سانچے میں ڈھلے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔ قصر زہرا کے تمام کمروں اور ہال میں قصر دار الخلافہ نامی ایک نہایت اعلی درجہ کا ہال خاص طور پر ممتاز تھا۔ مقریزی اسکے بارے میں لکھتا ہے کہ

"چھت تو خالص سونے سنگ رخام اور براق مختلف اللون"
"کی تھی۔ دیواریں بھی سنگ رخام کی تھیں۔ وسط میں ایک گوہر"
"یتیم آویزاں تھا۔ اس ہال کی تعمیر میں سونے اور چاندی"
"کی اینٹیں صرف ہوئی تھیں"۔

اس ہال کے چاروں طرف آٹھ دروازے ہاتھی دانت اور آبنوس کے تھے جنکی چوکھٹ سونے کی تھی۔ جسپر بیش بہا جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ یہ دروازے نہایت صاف وشفاف بلور اور رنگین سنگ رخام کے ستونوں پر قائم تھے۔ وسط ہال میں ایک نہایت خوبصورت حوض تھا جس میں پارہ بھرا ہوا تھا۔ جب آفتاب کی شعاعیں اس ہال میں پڑتیں تو جواہرات اور بلور وغیرہ کی جگمگاہٹ سے ایک عجیب نظارہ پیدا ہوجاتا یا جب کبھی حوض میں پارہ ہلنے لگتا تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بجلی کوندگئی۔ غرض دنیا بھر کے عجائبات قصر زہرا، اور مدینۂ زہرا میں جمع کئے گئے تھے اور دور دور سے لوگ ان کے حسن وجمال کے مشتاق ہوکر آتے اور ان دلفریب نظاروں سے حیرت میں پڑجاتے تھے۔ لیکن جب زمانے نے پلٹا کھایا۔ ہسپانیہ سے اسلامی حکومت نے اپنا بوریا بدھنا اُٹھایا تو اس شہر کی شان وشوکت نے بھی خیرباد کہا اور سلطنت اسلامی کے ساتھ ہی رخصت ہوگئی۔ نئی حکومت نے یہ سمجھکر کہ یہ عمارتیں اپنے ناموربانیوں کے عظیم الشان کارناموں کو ہمیشہ زبان حال سے بیان کرتی رہینگی ان کو نیست ونابود کردینا مناسب جانا اور جب کوئی جنگ کے لئے نہ مل سکا تو اس حکومت نے انھی عمارتوں پر تیغ آزمائی شروع کردی اور خوب ہی داد شجاعت دی۔ سچ ہے تعصب آدمی کو اندھا کردیتا ہے۔ ان لوگوں کو اتنا خیال بھی نہوا کہ ان عمارتوں اور لاثانی قصروں کی بدولت ہمارے ملک کی کس قدر زیب و زینت ہوگی۔ افسوس۔ انکے حالات کتب تواریخ میں پڑھنے سے ہماری آنکھیں ان کے دیکھنے کو ترستی ہیں لیکن ہم کسیطرح اس آرزو کو پوری نہیں کرسکتے۔ فقط

سید خورشید علی حیدرآباد۔ دکن

کارنامۂ خواتین

واشنگٹن اور اُس کی ماں کے عنوان سے جو مضمون خاتون میں شائع ہوا ہی اس سے اس نتیجہ پر پہنچنے کے لئے کہ عورت جو صنف نازک ہی انسانی ترقی میں بہت کچھ حصہ لینے کی حیثیت رکھتی ہی کچھ پس وپیش کرنے کی گنجائش نہیں ہی۔ واشنگٹن کی ایک مثال کافی نہیں ہوتی اگر آج ترقی یافتہ دنیا میں سینکڑوں واشنگٹن یہ کہنے کو موجود نہ ہوتے کہ "یہ ہماری ماں تھی جس نے ہمکو اس مرتبہ پر پہونچایا عرب کا آفتاب جب بام ترقی پر تھا تب وہاں بھی لوگ یہ کہنے میں کچھ مضائقہ و عار نہ رکھتے تھے کہ ہم میں سپاہیانہ اخلاق عورتوں کی بدولت آئے بلکہ آج جو قوم مقولہ بالا کی دعویدار ہی اُس کو بھی عربوں ہی کا ممنون احسان ہونا چاہیئے کیونکہ اُن ہی کا پرتو ابتداءً اس پر پڑا تھا۔ لیکن ہاں اسکا باور آنا اُس قوم کے لوگوں کو مشکل ہی جو اپنی جہالت اور ادبار کے ہاتھوں اپنے اسلاف کے حالات سے ناواقف ہیں اور جن کی عورتوں میں جہالت یہاں تک اثر کر گئی ہی کہ جو اُستاد پر خفگی کا اظہار ان رکیک لفظوں میں کیا جاتا ہی کہ "بلا سے میرا بچہ نہ پڑھیگا بچیگا تو چار ٹکے کی مزدوری کرکے کھالیگا" کاش اُنکو کوئی یہ سمجھا دے کہ ایسی ذلیل زندگی سے موت بہتر ہی۔ زیادہ افسوس تو اسی کا ہے کہ وہ صنف نازک جس کے ہاتھوں میں ہماری آیندہ زندگی کے بارآور ہونیکا پورا چارج ہی تعلیم یافتہ ہونا تو درکنار یہ سمجھ بھی اسمیں باقی نہیں ہی کہ جہالت بُری چیز ہی تعلیمگاہیں مسلمان طلبا سے کیوں خالی نظر آتی ہیں۔ نتائج امتحان میں مسلمان طلبا کے معدودے چند نام کیوں رہتے ہیں؟ اس کا بڑا سبب یہی ہی کہ اُن کی مائیں اُن کو اپنی نظر سے اوجھل ہونے دینا نہیں چاہتی ہیں اور جو چاہتی ہیں وہ تعلیم کے خرچ کو ضروری نہیں سمجھتی ہیں یا سمجھتی بھی ہیں تو متحمل اسلئے نہیں ہوسکتی ہیں کہ اُن کا سرمایہ اخراجات کو کافی نہیں ہوسکتا۔ ایک تعلیم دوسرا بیاہ اور بیاہ کے خرچ کا حوصلہ ہمیشہ تعلیم کے خرچ کے حوصلے پر غالب رہتا ہی اس لئے

کہ پہلا حوصلہ نام و نمود کا تاج سر پر رکھدیتا ہی اور دوسرے حوصلے کی قدر و قیمت سے وہ نا آشنا ہیں پھر کیونکر ممکن ہی کہ اولاد کو جہالت کا روز بد دیکھنا نصیب نہو۔

اب میں اپنے خواتین ناظرات خاتون کے لیے چند ایسی مثالیں اُنکے اسلاف خواتین کی اُنکے سامنے پیش کرتا ہوں جس سے ظاہر ہوگا کہ وہ اپنی اولاد کو خود تعلیم دیکر اپنی دانشمندی سے اُن کو تعلیم یافتہ بنا سکتی ہیں اور نیکنام اولاد کی ماں ہونیکا فخر حاصل کر سکتی ہیں۔

ملہ امام ابن جوزی تین برس کے تھے کہ اُنکے والد کا انتقال ہوگیا۔ یتیم بچہ کی کفیل پھوپی ہوئیں۔ اُن کی پھوپی چھوٹی عمر ہی سے اُنکو لیکر علما کے درس میں جایا کرتی تھیں تاکہ بچپن ہی سے اُنکے کان علمی باتوں سے آشنا ہو جائیں۔ اس حفظ اوقات کا یہ نتیجہ ہوا کہ ابن جوزی دس برس کی عمر میں وعظ فرمانے لگے اور بڑے ہوکر دنیا کے ایک جلیل القدر امام ہوگئے۔

ملہ امام بخاری کے سر سے جب اُنکے پدر بزرگوار کا سایہ اُٹھگیا تو اُنھوں نے اپنی والدہ اور خواہر کی نگرانی میں وہ رتبہ حاصل کیا کہ فن حدیث کے مسلم الثبوت امام کا لقب ملا۔

ملہ شرح چغمنی ریاضیات میں بہت بڑے پایہ کی کتاب ہی۔ اسکے شارح کی مدد اگر اُن کی خواہر نہ کرتیں تو آج دنیا اس کتاب کے فیض سے محروم رہتی قاضی زادہ روم جب اساتذۂ عجم کے کمال کا شہرہ سُنکر سامان سفر کرنے لگے تو اُنکی بہن نے اُنکے جدا ہونے پر آنسو بہانے کے عوض اپنا بہت سازیور بھائی کے سامان سفر میں چھپا چھپا کر رکھدیا۔ تاکہ مسافرت میں خرچ کی تکلیف سے تحصیل علم میں خلل نہ پڑے۔ سبحان اللہ علمی ذوق و شوق اسکا نام ہی اور قدردانی علم اسکو کہتے ہیں۔

ملکہ امام ربیعۃ الرائے (استاد امام مالک وحسن بصری) جب اپنی والدہ کے بطن ہی میں تھے تو اُنکے والد کو خلیفہ دمشق کے ایک لشکر کا نگراں ہوکر خراسان جانا ہوا۔ ستائیس برس کے بعد وہ اسوقت لوٹے جبکہ وہ بچہ جو بطن مادر میں تھا بڑا ہوکر امام وقت بن چکا تھا وہ چلتے وقت اپنی بی بی کو تیس ہزار اشرفیاں دے گئے تھے واپس آنے پر اُنکے بارے میں استفسار

کیا تو زیرک بیوی نے کہا گھبرائیے نہیں حفاظت سے رکھے ہیں۔ جب وہ مسجد میں نماز پڑھنے کو گئے تو ایسا حلقۂ درس دیکھا جس میں امام مالک اور خواجہ حسن بصری جیسے اعیان شامل تھے اور یہ معلوم کرکے کہ اس حلقہ درس میں جو استاد متمکن ہے وہ میرا ہی بیٹا ربیعہ ہے انکو مسرت بے اندازہ حاصل ہوئی۔ خوش خوش گھر آکر بیوی سے سارا ماجرا بیان کیا۔ بی بی نے سوال کیا کہ آپکو کیا زیادہ پسند ہے بیٹے کی یہ شان یا تیس ہزار اشرفیاں۔ شوہر نے کہا واللہ میں اس شان کو زیادہ پسند کرتا ہوں۔ بی بی نے کہا۔ میں نے وہ اشرفیاں ربیعہ کی تعلیم میں صرف کر دیں۔ زندہ دل شوہر نے جواب دیا قسم رب کی تم نے وہ مال ضائع نکیا۔ مائیں تو ایسی ہو۔ ہمارے زمانہ کی کوئی عورت ہوتی تو اسکا یہ خیال ہوتا کہ ختنہ وعقیقہ میں اتنا صرف کیا باقی بیاہ کے لیے اٹھا رکھا ہوا ہے۔ تعلیم میں کچھ بھی خرچ نہ کیا۔ کیا تو چار آنہ مہینہ ایک میانجی کو دیتے تھے۔ نگوڑے نے ایک دن بچہ کو وہ مار ماری کہ پڑھنا ہی چھوڑوا دیا۔ میں انہیں چند مثالو پر اکتفا کرتا ہوں۔ اختصار کو واقعات کی کمی پر محمول نہیں کرنا چاہیے۔ اگرچہ ہمارے مورخین نے ہماری عورتوں کے خیالات جمع کرنے میں پہلو تہی کی ہے تاہم اگر تجسس وتلاش کی زحمت اُٹھائی جاے تو ایک معتد بہ مثالوں کی فہرست تیار ہو سکتی ہے لیکن جس قوم میں عورتوں کی قدر ومنزلت ہی باقی نہ رہی اُسکے افراد کو کیا غرض پڑی ہے کہ اس بار گراں کو اپنے سر لیں۔ ہاں جو خفیف بیداری کے آثار جو نمایاں ہو چلے ہیں اگر بڑھتے گئے تو امید ہے کہ ہماری گزشتہ نامآور ماؤنکے نام زندہ ہو کر اپنا اثر دکھلائینگے اور ایک دن پھر ایسی مائیں پیدا ہو جائینگی جنکے آغوش طفولیت عاطفت سے پل پل کر بڑے بڑے ہیرو نکلینگے۔

میری پیاری بہنو میں نے یہ چند مثالیں تمہارے سامنے اسلیے پیش کی ہیں کہ تم ان سے نصیحت پکڑو اور مردوں کی کمائی جو تمہارے ہاتھوں پڑتی ہے اسکا بہترین مصرف اولاد کی تعلیم ہی کو سمجھو۔ شادی بیاہ میں بیجا صرف کرکے جو تم نام حاصل کرتی ہو اسکو ذرہ برابر بھی پائداری نہیں

لہ یہ کل واقعات علمائے سلف مولفہ مولوی حبیب الرحمن خانصاحب شروانی سے اخذ کیے گئے ہیں ۱۲

اولاد کو جاہل رکھکر جھوٹی نام و نمود حاصل کرنا سراسر ذلت و خواری ہو تم سے یہ کیونکر سُنا جاتا ہو کہ تمہارا بیٹا محض جاہل اور نکما ہو۔ اس آواز کے کان میں پڑنے کی قبل تم کو زہر کھا لینا چاہیے تاکہ تم اُسکے سُننے کے لئے زندہ نہ رہو کیا تمکو یہ خبر نہیں ہو کہ مردوں سے جب سوال کیا جاتا ہے تو وہ سارا الزام تمہارے ہی سر ڈال دیتے ہیں اور تمہیں کو ہدف ملامت ٹہراتے ہیں۔ تم ایسی فاش غلطی میں مبتلا ہو کہ تمہاری طرف سے غیر تعلیم یافتہ ہونیکا عذر بھی عذر لنگ سمجھا جائے گا۔ اب بھی ہوشیار ہو جاؤ اور فطرتی قوت کو کام میں لاؤ۔ خود بھی پروان چڑھو اور اپنی اولاد کو بھی پروان چڑھاؤ۔ فقط

ابوالکمال دلیسوی

خیرات

بہت سی ناظرات خاتون ایسی ہیں جن کے دل میں خاتون کے پڑہتے رہنے سے بہت سے خیالات موجزن ہوتے ہیں۔ اور بہت سی مفید باتیں انکو دماغ میں آتی ہیں لیکن چونکہ انہوں نے کبھی کوئی مضمون نہیں لکھا ہو اسلئے اُن خیالات کو خاتون میں لکھتے ہوئے ہچکچاتی ہیں کہ شاید لوگ انکو پسند کریں یا نہ کریں۔ لیکن جو تھوڑی سی ہمت کر کے ایک دو بار مضمون لکھ لیتی ہیں پھر رفتہ رفتہ ان کو اپنے خیالات کے اظہار پر قدرت ہو جاتی ہو اور اُن کی صحت یا غلطی پر اعتماد کے ساتھ وہ رائے زنی کر سکتی ہیں۔ مسز ایس لے ایچ بھی اسی قسم کی بیگمات میں سے ہیں اور یہ مضمون ان کا پہلا مضمون ہے جن کو بہت ہی ڈرتے ڈرتے اُنہوں نے خاتون میں بھیجا ہے۔ ہم اس قسم کی بیگمات سے خصوصیت کے ساتھ چاہتے ہیں کہ وہ اپنے تمام ان خیالات کو جن کو وہ اپنی بہنوں کے لئے مفید خیال کریں ضرور خاتون میں لکھا کریں اس سے ایک تو یہ بڑا فائدہ ہوگا کہ خاتون کی کثیر التعداد پڑہنے والی بیگمات کو مختلف قسم کے خیالات کے اندازہ کرنیکا موقعہ ملیگا اور دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ لکھنے والی بیگمات کو اپنے

خیالات کے ادا کرنے پر قدرت ہوگی۔ "اڈیٹر"

بہن سکندر جہاں بیگم صاحبہ کا خیرات پر مضمون جو ۹ر دسمبر ۱۹۰۸ء کے رسالہ خاتون میں نکلا تھا۔ میری نظر سے گذرا اس کے پڑہنے سے مجھے بھی خیرات پر مضمون لکھنے کا شوق پیدا ہوا۔ یہ بالکل صحیح بات ہی کہ اس طرح روزمرہ کے نفقیروں کو آٹا یا کپڑا وغیرہ دینے سے کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا۔ دن میں سیر دو سیر آٹا دوچار ہی فقیروں کی نظر کر دیا جاتا ہی۔ نہ تو نفقیروں کے ہی کچھ خیال تلے آتا ہی نہ ہی دینے والوں کو کچھ معلوم دیتا ہی۔ اور پھر انہیں فقیر بھی ایسے کہ بعض تو اُن میں سے تہوڑی بہت محنت مزدوری کرکے بھی اپنا پیٹ پال سکتے ہیں اور بعض افیوں یا چرس مدک وغیرہ کے عادی ہوتے ہیں سو ایسے آدمیوں کو تو خیرات وغیرہ دینا بجائے فائدہ پہنچانے کے اُن کو سست بنانا ہی۔ ہمارے گھر کے پاس ہی سامنے والے مکان میں ایک بڑہیا رہتی تھی۔

جو کہ افیوں کے نشہ میں ہر وقت غافل رہتی۔ جب کبھی اسکو دیکھو حقہ مُنہ میں ڈٹا رہتا تھا اور رات کے دو دو بجے تک بازار میں آتے جاتے لوگوں سے پیسے مانگا کرتی تھی کئی دفعہ تو مینے بچشم خود اس کی کمر میں تیس تیس چالیس چالیس روپے بندہے دیکھے۔

وہ بڑہیا تھوڑے ہی دنوں ہمارے محلے میں رہی۔ پھر اُس نے ہمارے مکان سے بہت ہی فاصلہ پر ایک اور مکان کرایہ پر لے لیا اس کو نئے مکان میں رہتے ہوے چند ہی ماہ گزرے ہوں گے کہ ایک دن دوپہر کو وہ ہمارے ہاں خیرات مانگنے آئی تو بہت دُبلی ہو رہی تھی اور چہرہ بھی مرجھایا ہوا تھا۔ مینے اسکے لاغر ہونیکا سبب دریافت کیا تو وہ رو رو کر اپنا حال اس طرح سنانے لگی۔ کہ بی بی میں اپنا حال کیا بیان کروں پرسونکے دن میں سویرے کوٹھری کے باہر والے برامدے میں سو رہی تھی۔ کہ میری واسکوٹ کی پاکٹ میں سے بیس روپے کسی نے نکال لئے مجھے یہ بھی نہ معلوم ہوا کہ وہ شخص تھا کون جب دن کے گیارہ بارہ بجے سو کر اُٹھی مُنہ ہاتھ دہو کر افیوں کی ڈبیا جیب سے نکالی تو معلوم

ہوا کہ روپوں کا بٹوا ندارد۔ واسکوٹ کی تمام جیبیں ٹٹول ماریں تمام گھر ڈھونڈا روپوں کا کہیں پتا نہ لگا۔

ایک اور ضعیفہ کا اسیطرح کا حال ہے کہ اس نے چند بہنوں کے ہاں ملازمت کرکے کچھ روپیہ کمایا۔ وہ روپیہ ۵۰ کے قریب ہوگا وہ ضعیفہ اس روپوں کو اس طرح رکھتی کہ شاید کوئی شخص شیر یا چیتے کے ڈر سے اس طرح سے اپنی جان کو بھی چھپا کر نہ رکھیگا۔ پہلے تو ان کو ایک خوب مضبوط کپڑے میں لپیٹ کر سیتی پھر اس پر اور تین چار تہ کپڑے کی دیکر سیتی یعنی وہ ان پر اپنے کپڑے سے مڑہتی اور ان روپوں کو ہو بہو ایک چھوٹے سے گیند کی شکل میں بناتی اور خود بھی جاڑے کے دنوں میں بہت موٹے کپڑے پہنکر اس گیند میں ایک موٹا دھاگا یا رسی وغیرہ پرو کر اپنے گلے میں ڈال لیتی اور کپڑے کے اندر چھپا کر رکہتی۔ ایک دفعہ اس نے ایک بہن کو جن پر اسکا کچھ اعتبار جم گیا تھا وہ روپے رکھنے کو دیئے اسکے دوسرے روز صبح اٹھتے ہی ان بہن کے گھر جا کر کہنے لگی کہ بی پہلے میرا روپیہ نکالکر ذرا مجھے دکھادیں پھر آپ اپنا کام کریں غرض کہ ان بہن نے اسی وقت روپیہ نکال کر بڑھیا کے آگے رکھدیا اور کہنے لگیں کہ تم اپنا روپیہ اپنے گھر لے جاؤ مجھسے تو ہر صبح یہ بکھیڑا نہ ہوسکیگا۔ جب کہ وہ روپیہ انہوں نے بھی نہ رکھا تو پھر وہ بدستور اپنے گلے میں پہننے لگی۔ چند ہی دنوں بعد وہ کچھ بیمار سی ہوگئی۔ ایک بی بی جو کہ بڑھیا کے پاس ہی رہتی تہیں۔ ترس کھاکر اپنے گھر لے گئیں اور لگیں اس بڑھیا کی خدمت کرنے مذکورہ بالا بی بی ظاہر میں تو بڑی رحمدل خدا ترس آدمی معلوم ہوتی تہیں مگر باطن میں بڑی دغا باز و مکار تہیں۔ اس بڑھیا کو بھی وہ اسی غرض سے اپنے گھر لے گئی تہیں کہ بعد اس بڑھیا کے مرنے کے جو کچھ اسکے پاس روپیہ پیسہ ہے خود اسکی مالک ہوجاؤں مگر وہ ضعیفہ ماہ ڈیڑہ ماہ بیمار رہکر تندرست ہوگئی۔ ضعیفہ کی بے ہوشی ہی میں اس مکار عورت نے روپیہ تو سب کس کا ہی لیا تھا۔

جب اس ضعیفہ نے اپنے پاس روپیہ نہ دیکھا تو سخت گھبرائی اور سیدہی کوتوالی کو روتی پیٹتی ہوئی بھاگی گئی۔ وہاں جاکر اس نے تمام حال بیان کیا۔ پولیس کے چند سپاہی

اسکے ہمراہ اس عورت کے گھر گئے بس سپاہیوں نے اس عورت کو ذرا دہمکا کر روپے تو خود لے لئے اور اس بڑہیا کو نکالدیا لیکن اس بیچاری بڑہیا کو اتنے روپے جانیکا کب صبر آتا تہا۔ دو چار روز ٹہر کر پہر کوتوالی میں گئی اور ڈپٹی صاحب سے اپنی مصیبت کہ سنائی۔ مگر وہاں ڈپٹی صاحب نے بھی اس بیچاری سے وہی سلوک کیا جو کہ سپاہیوں نے اس غریب سے کیا تہا اور کہا کہ اس بڑہیا کو دروازہ پر مت آنے دو۔ ان دونوں بڑہیوں کے حال تو مینے بچشم خود دیکھے ہیں مجھے کئی مرتبہ ایسے بڑہیوں کو دیکھ کر فقیروں کی بابت کچھ لکھنے کا خیال آیا مگر دو چار ہی روز یہ خیال رہکر میرے ذہن سے اُتر گیا۔ مگر اب بہن سکندر جہاں بیگم صاحبہ نے رسالہ خاتون میں لکھکر پہر یاد دلادیا۔ میں بھی ان کی راے کے مطابق اپنی ناقص راے ظاہر کرنا چاہتی ہوں۔ اصلیت تو یہ ہی کہ ہم لوگوں کو خیرات کا صرف کرنا نہیں آتا۔ پیشہ ور فقیر تو سیکڑوں روپیہ کما لیتے ہیں۔ اور غریب یتیم بچے اور بیوہ عورتیں جو کہ خیرات کی مستحق ہیں۔ محروم رہجاتی ہیں۔ اس لئے ہمیں ایسا طریقہ اختیار کرنا چاہیے جس سے ہمارا خیرات وغیرہ کا روپیہ ٹہیک جگہ پر خرچ ہوئے گو یتیم خانہ اسکول جو ایسے روپیہ کے خرچ کے لئے نہایت مناسب ہیں پہلے ہی سے کھلے ہوے ہیں لیکن عام بہنوں کا خیال اسطرف بہت کم مائل ہوتا ہے۔ سب بہنوں کو اسطرف توجہ دلانا نہایت ضروری امر ہے۔ چونکہ ہماری قوم میں بہتیری بہنیں غریب ہیں اور نقد روپیہ خیرات نہیں کرسکتیں

علاوہ ازیں غریب کیا اور امیر کیا سب عورتوں کو خیرات میں آٹا دینے کی عام عادت پڑگئی ہی۔ اس لئے میری ناقص راے میں یہ ہی ہر ایک بہن اپنے گھر میں تہوڑا تہوڑا آٹا تقریباً پاؤ پاؤ بہر لیکر ایک علحدہ برتن میں خیرات کی مد میں جمع کرلی رہیں۔ اور جب آٹا اکٹھا کرتے ہوے ایک ماہ گزرجائے تو اس آٹے کو ترازو سے تولیں اور اسکا تخمینہ لگائیں ایک ماہ میں پاؤ بہر کے حساب سے ساڑہے سات سیر آٹا جمع ہوسکتا ہی۔ اور جبکہ آجکل بازار میں سات سیر یا ساڑھے سات سیر کا آٹا بکتا ہے تو گویا ہر ایک بہن نے ماہواری ایک روپیہ خیرات کیا۔ جمع

شدہ آٹے کو تو بہنیں اپنے گھر میں خرچ کریں - اور اس روپیہ کو خیرات کی مد میں جمع کردیں - سو اس طرح ماہوار روپیہ جمع کرنے سے سال میں بارہ روپیہ جمع ہو سکتے ہیں - اور ہر ایک امیر و غریب بہن اس آسان طریقے سے روپیہ جمع کرکے محتاجوں کو فائدہ پہنچا سکتی ہیں - رہا اس جمع شدہ روپیہ کا استعمال سو میری رائے تو یہ ہی کہ سب بہنیں کسی یتیم خانہ میں بھیج دیا کریں - جہاں غریب لڑکے لڑکیوں کی پرورش ہی نہیں ہوتی بلکہ ان کی آئندہ زندگی بھی سنورتی ہی - ہاں اگر کسی بہن کے پاس پڑوس میں کوئی ایسا محتاج ہی جو یتیم خانہ بھیجا نہیں جا سکتا - تو اس کی پرورش بھی ضروری ہی - اور یہ جو ہر روز کے فقیر ہیں ان میں بعض در اصل فقیر بھی ہوتے ہیں - جو کہ کسی طرح بھی اپنی معاش کا ذریعہ پیدا نہیں کر سکتے - جب وہ بہنوں کے ہاں کچھ مانگنے آئیں تو ان کو اگر بہنیں مناسب خیال کریں تو اسی جمع شدہ آٹے کے روپے میں سے دیدیں اور انکے لئے کچھ ایسا انتظام کردیا جاوے کہ وہ پھر آئندہ گداگری چھوڑ دیں - انکو یا تو کسی غریب خانہ میں بھیجدیا جاوے - اور ٹکٹ اپنے پاس سے لے دیں - یا کوئی اور حسب حال تدبیر کردینی چاہیے وہاں جاکر وہ بیشک فائدہ اُٹھا سکتے ہیں کیونکہ وہاں پر ان لوگوں کی پرورش بہت اچھی طرح سے ہو سکتی ہی - اور انسے کام بھی لیا جا سکتا ہی - دوسرے یہ کہ جب کوئی سائل اپنے دروازے پر آکر سوال کرے تو بجائے اسکو آٹا یا پیسہ وغیرہ دینے کے اور جتنا کہ اسکو دینا چاہتی ہو اسیقدر اس جمع شدہ روپے میں رکھدو کیونکہ اس طرح کے کرنے سے نہ تو اس اصلی فقیر کی بد دعا وغیرہ ہم پر اثر کر سکتی ہی نہ خدا تعالےٰ ہی کی خلاف مرضی ہو سکتا ہی اور آئے ہوئے فقیر کو نرمی سے سمجھا کر ٹالدیا جاوے - اگر کوئی اڑیل گھوڑے کی طرح ٹلے ہی نا - تو اس کی دوسری طرح خبر لینی چاہیے -

اور سب بہنوں کو بھی مناسب ہی کہ جہاں تک ممکن ہوسکے اپنی قومی ہمدردی کو اپنا ضروری فرض متصور کریں - اور اپنے تمام کاموں پر اسے مقدم سمجھیں اور غریب و یتیم بچوں کو خیرات کا روپیہ جمع کرکے فائدہ پہنچائیں - اور ان کی پرورش و تعلیم وغیرہ میں مدد کریں - میرے

خیال میں ایک اور بات آئی جس سے تجارت پیشہ لوگ بھی فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔ بیوہ عورتیں بھی اپنا گذارا کر سکتی ہیں اور یتیم بچوں کی بھی پرورش ہو سکتی ہی۔ وہ اس طرح کہ صاحب حیثیت آدمی آٹا دال کی دوکانیں ہر شہر میں کھولدیں اور اسمیں آٹا پیسنے دال صاف کرنے وغیرہ کے کام میں غریب بیوہ عورتیں لگائی جاویں۔ یہ تو مانی بات ہی کہ چکی کے آٹے کی مشین وغیرہ کا آٹا نہیں پہونچتا اور پھر جبکہ لوگوں کو یہ معلوم ہوگا کہ فلاں دوکان سے خریدنے میں غریب عورتوں کو بھی فائدہ ہوگا تو ضرور ہی کہ زن و مرد اس طرف توجہ کریں گے۔ چونکہ گھروں کے خرید و فروخت کا انتظام زیادہ تر عورتوں کے ہی ہاتھ میں رہتا ہی۔ اسلئے وہ اپنی غریب بہنوں کی مدد کرنے میں ہرگز دریغ نہ کرینگی اور اگر اسی دکان کو بڑے شکل پر چلانا منظور ہو۔ یا یوں کہو کہ شریف غریب عورتوں کی مدد کرنی بھی منظور ہو۔ یعنی ان عورتوں کی جو چکی وغیرہ پیسنا عار سمجھتی ہوں تو اسکے ساتھ ہی اور ایسے مناسب حال کام بھی شروع کر دئے جا سکتے ہیں۔ جنسے کئی غریب شریف عورتوں کو فائدہ پہنچ سکتا ہی کہ اگر کوئی تجارت پیشہ اپنے سرمایہ سے ایسی دوکان نہ کھولے۔ تو خیرات فنڈ کے روپیہ سے ایسی دوکانیں جا بجا کھولدی جاویں۔ گو یہ ایک معمولی کام نہیں مگر ہمت سے بفضلہ تعالیٰ سب کچھ ہو سکتا ہی۔ خیرات کے روپیہ کا کسی خاص جگہ جمع ہونا۔ پھر دوکانوں کا کھولنا اور اسکا چلانا بھی ایسی باتیں ہیں جن پر غور کرنا اور اسکو عملی صورت میں لانا مردوں کا کام ہی۔ میں انشاءاللہ اسلامی دکان کی ضرورت پر علٰحدہ مضمون لکھونگی۔

راقمہ - مسز ایس اے ایچ۔

ہماری تعلیم

یہ درحقیقت نہایت درست اور بہت ٹھیک مقولہ ہی کہ جب کسی شخص یا کسی قوم یا کسی ملک کی تباہی کا زمانہ قریب آتا ہی اور اُسکے بُرے دن نزدیک ہوتے ہیں تو اللہ تعالےٰ پہلے اُس سے

عقل سلیم سلب کرلیتا ہے۔ کیونکہ اگر ایسا نہو تو ہمیشہ وہی شخص وہی قوم یا وہی ملک ترقی پزیر رہے! اور دوسرے ہمیشہ اُسکے پیچھے رہیں۔ یہی حال ہماری قوم کا ہے کہ کبھی اتنی ترقی کی کہ ساری دُنیا میں شہرت ہوئی بلکہ علم وہُنر کے لیئے ضرب المثل قرار پائے اور اب دُنیا میں ساری قوموں سے پیچھے اور تنزل کے لیئے مشہور ہوئے ہیں۔

معمولی سی بات یہ ہے کہ جب انگریزی کی تعلیم کے لیئے دنیا چلا رہی تھی، ہر قوم اُس کی طرف اس طرح چلی جارہی تھی جیسے پیاسا پانی کی طرف مگر ہماری قوم تھی کہ اُسس پانی کو زہر ہلاہل سمجھے ہوئے تھی۔ اب بعد اتنی کوششوں کے جب عقل درست ہوئی اور تاریکی سے نکلے تو دیکھا کہ دوسرے منزلوں لگے ہیں اور ہم ابھی اسس میدان میں بھولے بھٹکتے ہو ان سے کچھ کم نہیں ہیں، مگر شکر ہے کہ راستے پر لگے ہیں۔ یہ بخوبی معلوم ہے کہ کسی قوم کی ترقی اُسوقت تک کمل نہیں ہوتی جب تک عورتیں بھی ویسی ہی تعلیم یافتہ نہوں جیسے کہ مرد۔

کیا وجہ ہے کہ مردوں کی تعلیم میں روپے صرف ہوں، کوششیں کیجائیں۔ جلسے منعقد ہوں مگر عورتیں اُس سے بالکل بے بہرہ رکھی جائیں۔ آخر کس قصور کی پاداش میں ایسا کیا جاے؟ انکو تعلیم نہ دینے کی کیا وجہ ہے؟ اگر وہ اس سے علٰحدہ رکھی جاتی ہیں تو پھر اُنسے وہ امیدیں جس کے مرد ہمیشہ خواستگار رہتے ہیں نہ رکھنی چاہئیں۔ ایک طرف تو یہ آرزو ہے کہ عورت باسلیقہ ہو، خوش تمیز ہو، پرہیز گار ہو اور منتظم ہو، دوسری طرف یہ نظر آتا ہے کہ پڑھانا بہت بُرا ہے اور اس کے نزدیک عورتیں ہرگز نہ جائیں۔ بھلا یہ دو متضاد چیزیں کہاں سے اور کیسے اکٹھی ہوں۔ غالباً ہر شخص کو بچپن ہی میں یہ مصرعہ پڑھنا پڑا ہوگا کہ ع "بے علم نتواں خدا را شناخت" لیکن اگر پڑھکر عمل بھی کرلیا تو پھر بات ہی کیا رہی، اگر ایسا ہو تو آج تمام مسلمان ویسے ہی ہو جائیں جیسے کسی زمانہ میں تھے اور جس کے لیئے آج رو رہے ہیں خیال کرنا چاہیئے کہ عرب کی عورتیں نہ صرف پڑھی لکھی ہوا کرتی تھیں بلکہ شاعرہ بھی ہوتی تھیں جن کے اکثر قصیدے کتابوں میں دیکھے جاتے ہیں۔

جب ہم تاریخ کے صفحوں پر نظر ڈالتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ جب مسلمان اسپین میں تھے ان کی

عورتیں نہ صرف پڑھی لکھی ہوا کرتی تھیں بلکہ اعلیٰ تعلیم یافتہ اور عالم تھیں۔ کیونکہ جب عیسائیوں نے اُنسے اُن کا دین چھوڑنے کو کہا تو سب سے پہلے جو جواب اُنہوں نے دیا وہ یہی تھا کہ پہلے بحث کرلو اگر ہم جواب دینے میں قاصر رہیں تو البستہ جو کہو مان لینے کو تیار ہیں، میں تو سمجھتی ہوں کہ اس زمانہ میں بڑے بڑے مولوی بھی اس کام کو نہیں کرسکتے، مناظرہ کے لئے چند خاص لوگ ہیں اور وہاں یہ بات گویا ایک معمولی کام تھا۔

بڑا فائدہ یہ ہو کہ اگر عورتیں تعلیم یافتہ ہوں تو کسی نہ کسی روز وہ کسی کی ماں ہونگی اور بچہ کا زیادہ حصہ ماں کی گود اور ماں کی صحبت میں صرف ہوتا ہو اگر ماں تعلیم یافتہ ہی تو بچہ اُسوقت تک جب تک کسی مدرسہ میں داخل کیا جائے یا کسی معلم کے زیر نگرانی ہو بہت سی باتوں سے آگاہ ہو جائیگا، اور علم کا شوق اُسے خواہ مخواہ ہو جائیگا کیونکہ صحبت کا اثر ضرور ہوتا ہی، اُسکو نہ صرف چند باتوں کی آگاہی ہو جائے گی یا شوق پیدا ہو جائیگا بلکہ بہت سے مسئلوں سے بہت سے تاریخی واقعات سے، اخباری دنیا سے، بھلے بُرے کاموں سے اور تہذیب شائستگی سے کماحقہ واقفیت ہوجائے گی کیونکہ ماں کی نصیحت ماں کا سبق اُسے گودی سے ملتا رہیگا، اور وہ سبق ایسا ہوگا کہ کھیل کا کھیل اور سبق کا سبق اور جب یہ حالت ہوگی تو ظاہر ہی کہ جب لڑکے کی ترقی کا زمانہ شروع ہوجائے گا تو وہ کیسی کچھ ترقی نہ کریگا۔

عورتوں کی کیفیت جہاں بدلی نتیجہ یہ ہوا کہ بُرے رسوم رفتہ رفتہ الگ ہوئے جس سے نہ صرف ہمیں تکلیف ہی بلکہ اکثر اوقات باعث افلاس ہیں، اگر عورتیں ویسی ہی ہیں جیسی کہ وہ پہلے سے پیدا ہوئی تھیں تو بعد شادی کے اگر شوہر نے اُسکے کسی کام میں دست اندازی کرنی چاہیے مثلاً کسی رسم کو اُٹھانا چاہا جس کے ہونے سے ہونا نہ صرف بہتر بلکہ افضل واشرف ہی تو پھر قیامت برپا ہی کیونکہ اُن کا یہ خیال جما ہوا ہی کہ پھر ہو کیسے سکتا ہی کیونکہ ہمارے یہاں تو یہ بات ہمیشہ سے ہوتی آئی ہی، چھوڑنے میں بڑا نقصان اور خسارہ ہوگا اسی طرح کسی شادی کے مسئلہ میں دین مہر کی رسم یا اور شادی کی خرافات رسموں میں وہ اس طرح پابند ہیں جیسے کوئی شرعی احکام

کی تعمیل کو فرض سمجھتا ہی اگر مسلمانوں نے تعلیم نسواں کی طرف جلد خیال کیا تو گویا وہ چال جس سے
انہوں نے ابتدا کی اُس میں فرق آجائیگا! اور اگر وضعداری میں فرق آیا تو بات ہی کیا رہی
اگر مسلمان فی الواقع ترقی کرنا چاہتے ہیں تو چاہیے کہ اپنی خاص توجہ اس طرف مبذول
فرمائیں اور اپنا زیادہ وقت اسمیں صرف کریں کیونکہ اگر اُس میں کامیابی ہوئی تو وہ کامیابی
جسکے لیے وہ اسقدر پریشان ہیں اسی کے نتیجہ میں ظاہر ہوگی اگر ہر شخص اپنے گھر کی حالت سنبھالنے میں
تھوڑا سا خیال کرے تو یہ بات نہایت آسان ہی اور اسوقت تک جب تک کہ عورتیں تعلیم یافتہ
نہونگی۔ میں یہ بات نہایت آزادی سے کہونگی کہ جس بات کے لئے وہ اسقدر کوشش کر رہے ہیں
اُس میں بے نیل مرام رہینگے بے تعلیم نسواں اگر وہ اعلیٰ ترقی کے امید وار ہیں تو اُن کو جاننا چاہیے
کہ۔ "ایں خیال است و محال است و جنوں"

مسز۔ ظہور الحق

تہذیب نسواں

لے اڑی طرز فغاں بلبل نالاں ہم سے
گل نے سیکھی روش چاک گریباں ہم سے

آج کل جو سوالات مغربی ترقی کو دیکھکر مسلمانوں کے سامنے جواب دینے کے لئے خود بخود
پیش ہو جاتے ہیں، یا سوالیہ صورت میں جو جواب طلب مفہوم یورپ کا دلاویز پیکر ترقی
دیکھکر منتزع ہوتا ہی، وہ تعلیم کے ترقی اور تہذیب نسواں کا مفہوم ہی۔
ہم جو اپنی قومیت، اپنی حقیقت، اور اپنی تاریخ سے بالکل کورے ہیں یورپ کی اس
(تہذیب نسواں) کو دیکھکر جو خیال قائم کرتے ہیں وہ تقلید جامد خیال ہوتا ہی، جو قطعاً نادانی
اور ہمارے اخلاقی کمزوری کی دلیل ہی۔ ہم اس خیال پر اسوجہ سے معترض نہیں
کہ مسلمان بجائے اس کے کہ اپنا پرانا طرز عمل دریافت کرتے یورپ کی چال چلنا چاہتے

ہیں، بلکہ ہمارے اعتراض کا مبنی یہ ہی کہ یورپ میں اس انداز رفتار سے آئے دن جو وقیع اخلاقی نقصان پیدا ہوتے جاتے ہیں ہم اُن پر بھی تحسین بے محل کرنے کو طیار ہیں، اور تقلید کے ساتھ اصلاح کا شائبہ بھی جائز نہیں رکھتے۔

یورپ کے مسئلہ نسواں پر روشنی ڈالتے وقت ہم اپنے نئی مدعیان ریفارم کو یورپ کے اُن نیکدل[1] مصنفین کی تصانیف کی طرف متوجہ کردینا کافی سمجھتے ہیں جنھوں نے یورپ کے عورات کے اخلاق پر بحث کرتے ہوے عدالت و ثقاہت سے اس فرض کو ادا کیا ہی، اور اپنے احباب وطن کی منتظر نگاہوں کو نہایت سرد مہری سے واپس کی جو عموماً استدعا ء لب پوشی کرکے کامیاب پھرا کرتی تھیں۔ درحقیقت ان نقصانات کی بنا دہیں سے پڑتی ہی جہاں سے اسلامی تعلیم اور یوروپین طرز عمل میں دوراہہ پیدا ہوتا ہی،

تمدن اسلام کی اولیت اور تاریخ کی شہادت ثابت کررہی ہی کہ وہ رخ روشن جسپر آج یورپ نے بے اعتدالی کا غازہ ملدیا ہی گلستان اسلام کا ایک گل تر تھا۔ اور وہ آواز جو یورپ کے طبقہ نسواں سے ترقی، ترقی کی آرہی ہی۔ وہ قدیم اسلامی ترقی کی آواز بازگشت ہی ایسی بات ہی جس سے کہنا پڑتا ہی ؎

لے اڑی طرز فغاں بلبل نالاں ہم سے
گل نے سیکھی روش چاک گریباں ہم سے

(۱) یورپ نے جسقدر اعتنا طبقہ عورات کیساتھ کی اُسکا سنگ بنیاد حقیقۃً اُس جلسہ نے رکھا تھا جو وہاں سنہ ۵۸۶ء میں اس مسئلہ پر غور کرنے کے لیے منعقد ہوا تھا کہ عورت[2] کوئی ذی روح شے ہی یا غیر ذی

---

[1] اس سے اشارہ ہی مسٹر بزانت وی کورٹ آف لندن وغیرہ جسکو ریناالڈ نے لکھکر یورپ کے طبقہ نسواں کے اخلاق کا اصلی مرقعہ اہل نظر کے سامنے پیش کیا، اور اُس جرم میں ہمیشہ کے لئے اُسے اپنے وطن اور ارباب وطن کو خیرباد کہنا پڑا۔

[2] رومن لا کا اصول تھا کہ عورت شادی کے بعد شوہر کی زرخرید جائداد ہو جاتی اُسکا تمام مال و متاع خود بخود شوہر کی ملک ہو جاتا تھا وہ کوئی عہدہ نہیں پاسکتی تھی، کوئی معاہدہ نہیں کرسکتی تھی، حتی کہ وصیت کی مجاز نہ تھی،

روح خدا فدا اگرچہ جلسہ نے یہ تسلیم کیا کہ عورت کے روح ضرور ہی لیکن اس کی شانِ صرف مرد کی خدمت گذاری ہی۔ یہ بات قابل لحاظ ہی کہ یہ دفعات اُس دستور ناطق کی تھیں جو رومن ( ) کے نام سے موسوم ہی اور یورپ کے خیال میں جس پر ایک نقطہ کا اضافہ نہیں ہوسکتا بجز اُن وقتی اصطلاحات کے جن سے اقتضائے زمانہ نے کسی خدائی قانون کو بھی بے نیاز نہیں کیا،

اس کے بعد اسلام کے اصُول کو دیکھئے، اور بتلایے اعجاز نہیں تو کیا ہی وہ عورت کے شانِ نزول کے معمہ کو یوں حل کرتا ہی۔

وخلق لکم من انفسکم ازواجاً لتسکنوا الیها وجعل بینکم مودة ورحمة	اور تمہارے لئے خود تمہارے جنس سے جوڑے پیدا کئے تاکہ تم انکے پاس آرام پاؤ اور تم دونوں میں سلسلہ پیار و محبت بھی قائم کیا۔

اس آیۂ کریمہ میں لفظ سکن کا خاص محاورہ کلام عرب میں قابل لحاظ ہی سکن الیہ اُس خاص موقعہ پر بولا جاتا ہی، جب کسی شخص کو کوئی سخت اضطراب کی صورت درپیش ہوئی ہو اور عین اسی حالت اضطراب میں کسی چیز نے اسکو خاطرجمعی کی صورت دکھلائی ہو تو یہ چیز اُس مضطرب کے لیے سکن ہوگی، انبیاء کے کسی سخت آزمائش کے بعد جب خدائے پاک کا دستِ طمانیت شامل حال ہوا تو اُسکو قرآن پاک میں سکینة من اللہ سے بتعبیر کیا گیا ہی، کلام عرب میں اس کی صدہا نظیر ہیں، اُردو خواں ناظرین کی اختلاف مذاق کی وجہ سے ہم اُن سے قطع نظر کرتے ہیں۔

الغرض جب سکن کا لفظ اسقدر معنی خیز ٹھہرا تو آیت میں تسکنوا کا مفہوم نہایت بلند اور وسیع ہوگیا جس نے خواتین کی اُن تمام معتدل ترقیوں کا حکم جواز دیدیا جو حُسن معاشرت اور مقاصدِ ازدواج کے لیے ضروری ہیں۔

اگرچہ لفظوں کے پھیر میں ہی چھپا معانی کا راز اکبر ؔ مگر معانی ہیں ایسے روشن کہ نور کیطرح چھن رہے ہیں

(۲) ہمارے یہاں عُرف میں تدبیرِ منزل میں عورت کا معیار بتلاتے وقت عموماً یہ مثل استعمال کی جاتی ہی کہ "عورت مرد کی ناک ہی" اور یہ بولکر عمومیت کے مرتبہ میں اسکا مفہوم مراد

لیا جاتا ہے لیکن کیا کیا جاتا ہے۔ یہی کہ عورت مرد کے لیے باعث تضحیک اور نمونہ بد سلیقگی ہو۔ کیونکہ وہ تمام ابواب ترقی اُن بیچاریوں پر مسدود ہوتے ہیں جن سے نکلکر وہ اپنے فرائض کا مطالعہ کرسکتی ہیں۔

خیر! یہ ہمارا طرز عمل ہے، اور وہ قول اور قول و فعل میں بُعد المشرقین ہو مذہب کوئی دوسری بات نہیں کہتا۔

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ - عورتیں تمہارا لباس ہیں اور تم اُن کا۔

یہی وہ آیت ہے جس سے مستورات کے لیے اُن تمام واقفیتوں کے بہم پہونچانے کی ضرورت ثابت کی جاسکتی ہے جو معاشرت کے دلفریب اور خوشگوار بنانے کے مقدمات ہیں، جو بیوی میاں میں لطف و اتحاد کا بیج بوتے ہیں، اور جو عورتوں کو مردوں کا انیس و ہمدم بنا سکتے ہیں، جس سے ہماری اُس مُردہ زندگی میں تازہ جان آسکتی ہے جو عورتوں کے ساتھ ہم بسر کرتے ہیں۔

عورت جو دنیا کی ہزار نعمتوں کی ایک نعمت ہے اور "بقول بعض مفسرین کے فی الدنیا حسنۃ میں حسنۃ سے مراد وہ بیوی ہے جو محاسن سے آراستہ اور معائب سے بری ہو" الغرض اُس روح پرور اور دماغ دل معطر کردینے والی شے کو اگر ہم بے احتیاطیوں سے ناقص کرڈالیں اور پھر اُسکا وہی مصرف تجویز کریں جو اُسوقت تھا جبکہ اُسمیں جو ہر روح پروری موجود تھا تو ہم سے بڑھکر نعمت کا ناقدرشناس کون ہوگا، اور کیونکر یہ امید کیجاسکتی ہے کہ ہم اُس سے وہی کام لیکر کامیابی کی صورت دیکھ سکیں گے - عیاں را چہ بیاں۔

لہذا اگر میری رائے غلطی نہیں کرتی تو مجھے یہ کہدینے میں بالکل باک نہیں کہ مسلمان اس معاملہ میں اگر مذہب کے پیروی کرنا چاہتے ہیں تو جب تک عورتیں تعلیم یافتہ نہ ہوجائیں

ملہ سے کیونکہ اگر آج ہم اپنی عورتوں سے اُن کے مذاق کے موافق کوئی بات چیت کرنا چاہیں تو وہ چولھے ہانڈی کی باتیں ہونگی۔

اور مردوں کی سچی رفیق اور مشیر بننے کی صلاحیت نہ پیدا کریں مردوں کو یک قلم اُنسے شادی بیاہ ملتوی کر دینا چاہیے۔

یہ تو وہ باتیں تیں جنہیں عورتیں قابلِ اصلاح پائی گئیں اور اُن کو دہمکی دیگئی لیکن یہ خیال مساوات مردوں کو بہی اپنا قدم دائرۂ اعتدال سے نہ ہٹانا چاہیے اسکے معنی یہ نہیں کہ وہ اپنا معیار ترقی وتعلیم محدود رکھیں بلکہ سوسائٹی کا رنگ ایسا معتدل رکھیں کہ تعلیم کے تمام فوائد حاصل ہوسکیں۔ اگر عورت مرد کے قابل بنے اور بنکر اپنے اصلی فرائض ادا کرلے تو مرد کا فرض ہے کہ عورت کے حق ادا کرنے میں اپنی طرف سے کوتاہی نہ کرے۔

ولہنّ مثل الذی علیہن بالمعروف و۔ عورتوں پر مردونکے جو حقوق ہیں اوسی قسم کے انکے مردوں پر
عاشروھن بالمعروف۔ معاشرت کرو۔ عورتوں کے ساتھ بہ طرز معقول۔

اِس خاص مسٔلہ مساوات کے متعلق جب ہم یورپ کے خیالات کی جانچ کرتے ہیں تو ہمکو فرانس کے ایک فاضل کا یہ مشہور مقولہ یاد پڑتا ہو کہ خدا کی مرضی عورت کی مرضی ہے "

اس موقعہ پر کسی کوتاہ بیں کو یہ کہنے کی جرأت ہوسکتی ہو کہ اسلام نے بہی مرد کا درجہ فائق رکھا ہو اور ثبوت میں یہ آیت پڑھ سکتا ہو۔ الرجال قوامون علی النساء۔ لیکن یہ کہا جا سکتا ہو کہ مرد کا یہ درجہ ایسا ہو جس کی مقتضی خود فطرت ہے کیونکہ مردوں کے قویٰ بہ نسبت عورتوں کے زبردست ہوتے ہیں جسکا احساس ہر ذی حیات شئے سے ہوسکتا ہو۔ مرد کے قویٰ زبردست ہونے کی وجہ سے عورت کی حفاظت اُس کی کفالت مرد کا فرض ہو اور اس احسان کی وجہ سے اُن کا درجہ بلند ہونا کوئی تعجب خیز امر نہیں۔ بلکہ عین مصلحت ہو اسی مضمون پر قرآن ناطق ہو۔

وبما انفقوا من اموالھم۔ یعنی مردونکو حق حکومت اسوجہ سے ہو کہ وہ انکے نان و نفقہ کے ذمہ دار ہیں

الغرض یورپ کی وہ مثل ہو ۵

گہی برطارم اعلیٰ نشینم　　　گہی بر پشت پائے خود نہ بینم

یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ باوجود اس اعتنا رکلی کے یورپ نے تمام افتخارات بیوی کے نام سے مخصوص کر دیئے ہیں۔ لیکن اسلام نے ماں کی بھی اصل عزت مانی ہی چنانچہ قرآن میں مکرر سہ کرر اُسکے احسانات جتلائے گئے ہیں اور توقیر کا حکم دیا گیا ہی۔

وبالوالدین احسانا	ماں باپ سے نیکی کرنا۔
واخفض لهما جناح الذل	اُنکے آگے پیار سے عاجزی کے کندھے جھکا
حملته امه کرها و وضعته کرها	ماں نے اُسکو تکلیف کیساتھ پیٹ میں رکھا اور تکلیف سے جنا۔

پہلی دو آیتوں سے یہ بھی پتہ چلتا ہی کہ قرابت میں جو مدارج ہیں اُن میں مرد و عورت ایک درجہ پر ہیں۔

قصہ مختصر اسلام نے عورت کو اتنا پڑھایا ہی جتنا چاہیے اس کی ہر ہر بات میں تم کو اس کا شائبہ نظر آئے گا۔

قرآن میں سورۂ فاتحہ افضل ہے اُسکا نام اُم القرآن رکھا گیا۔ مکہ معظمہ تمام دنیا کے مقامات پر ترجیح و شرف رکھتا ہے، اُسکا نام اُمّ القریٰ ہے۔ حرم محترم کا احترام بھی محتاج بیان نہیں عورتوں کو بھی حرم کا لقب دیا گیا۔ فقط

جواد علیخاں متعلم ندوہ

اڈیٹوریل

ٹرکی میں تعلیم نسواں۔ ہندوستان میں جو لوگ تعلیم نسواں کی مخالفت کرتے ہیں۔ اور اپنے تئیں مسلمان کہتے ہیں اُن کو ٹرکی میں تعلیم نسواں کی ترقی دیکھکر جو اسوقت مسلمانوں کی سب سے بڑی سلطنت ہی اپنے غلط دعوے سے باز آنا چاہیے۔

ترکی اخبار "امید" وہاں کی تعلیم نسواں کی حالت لکھتا ہوا کہتا ہے کہ ملک میں بلند طبقہ سے
لیکر عام زمینداروں اور پیشہ وروں تک کے گھروں میں پڑھی لکھی عورتیں کثرت سے موجود
ہیں - گورنمنٹ ترکی کی طرف سے تعلیم نسواں کی طرف خصوصیت کے ساتھ توجہ کی جاتی ہے -
ہر علم و فن میں بہت سی مسلمان خاتونیں کمال رکھتی ہیں - ڈاکٹری تو ہزاروں لاکھوں
عورتیں نہایت اعلیٰ درجہ کی جانتی ہیں - اُن مدارس کا شمار مشکل ہے جو عورتوں کی تعلیم
کے لیے قائم کئے گئے ہیں - بہت سے کالج بھی ہیں جنہیں عورتوں کو اعلیٰ تعلیم دیجاتی ہے - اور
بہت سی مسلمان خاتونیں معلمہ اور اُستانیاں ہیں - فنون لطیفہ یعنی ڈرائنگ - نقاشی
کشیدہ کاری اور زردوزی وغیرہ سے ترکی عورتوں کو بہت دلچسپی ہے - بہت سی عورتیں
اسپیکر ہیں اور اکثر نہایت عمدہ شعر کہہ لیتی ہیں - اگر ترکی گورنمنٹ کی یہی توجہ رہی اور
انشاءاللہ رہیگی تو وہ زمانہ عنقریب ہے کہ تمام ترکی سلطنت میں کوئی عورت جاہل نہ رہیگی -

---

روس میں جدوجہد تعلیم نسواں قومی ترقی کا راز ہے - اس اصول کو تمام دنیا سمجھ گئی ہے -
خدا کا شکر ہے کہ مسلمان جا بجا اس کی طرف متوجہ ہو گئے ہیں -
غالبا ناظرات "خاتون" میں سے بہت ہی کم بیگمات کو یہ معلوم ہوگا کہ روس جو یورپ میں
ایک عیسائی سلطنت ہے اسمیں مسلمانوں کی تعداد کم سے کم ۳۰ ملین یعنی تین کروڑ ہے - خیوا
اور بخارا مسلمانوں کی کئی بڑی بڑی ریاستیں بھی وہاں ہیں جو بہت اچھی حالت میں ہیں
روس کے مسلمان اپنی علمی قابلیت تجارت - دولت مندی اور بہادری کے لحاظ سے خاص
طور پر مشہور ہیں - دنیا میں کہیں کے مسلمان ان کی علمی ترقی اور دماغی قابلیت کا مقابلہ
نہیں کر سکتے - تعلیم نسواں تو انمیں بہت عرصہ سے جاری ہے - جنہیں مذہب اسلام اور
دیگر ضروری اور کارآمد علوم و فنون کی تعلیم دیجاتی ہے - حال میں جو انقلاب روس میں
ہوا ہے - اور وہاں کے مسلمانوں نے اولوالعزمی کے ساتھ سلطنت روس سے بہت سے

حقوق حاصل کرلیے ہیں۔" اور ڈیوما" یعنی روس کی پارلیمنٹ میں مسلمان ممبر شریک ہوگئے اس کی وجہ سے تعلیمی کوشش بہت زیادہ بڑھگئی ہے۔ اور مسلمانوں نے سرگرمی کے ساتھ اس کی طرف توجہ کی ہے۔ باکو۔ اور قوقاز وغیرہ مقامات میں جو مسلمانوں کے خاص مرکز ہیں تعلیم نسواں کا چرچا بہت بڑھگیا ہے۔ اور جابجا مدارس کثرت کے ساتھ کھل رہے ہیں جنمیں عورتوں کو روسی اور ترکی دونوں زبانوں میں تعلیم دیجاتی ہے۔ حال میں وہاں کی روشن ضمیر بیگمات نے ایک خاص اپنی انجمن قائم کی ہے جو ترقی تعلیم نسواں کے ذرائع سوچ کر ان پر عملدرآمد کی فکر کریگی۔ اس کی صدر مریم خانم ایک نہایت معزز مسلمان بیگم ہیں جو روس کے ایک مشہور دولت مند حاجی تیمور مرحوم کی بیوی ہیں اور سکرٹری" ماہ پروا خانم" ہیں جو جنرل علی خندروف کی بیوی ہیں اور بہت سی معزز بیگمات اسمیں شریک ہیں جس سے امید کی جاتی ہے کہ روس میں تعلیم نسواں اب بہت سرعت کے ساتھ ترقی کریگی۔ اور روس کے مسلمان اپنے دوسرے مسلمان بھائیوں کے لیئے ایک عمدہ نمونہ ہونگے۔

مصر میں تعلیم نسواں مصری مسلمان جو اپنی تعلیم و ترقی کے لحاظ سے تمام دنیا کے مسلمانوں سے بہت آگے بڑھگئے ہیں تعلیم نسواں کی ضرورت کو بہت عرصہ سے محسوس کرچکے ہیں۔ اور بہت سے مدارس اس کے لیے عرصہ سے کھلے ہوے ہیں جہاں لڑکیاں تعلیم پاتی ہیں متعدد اخبارات خود وہاں کے تعلیم یافتہ بیبیاں نکالتی ہیں۔ جنمیں سے السیدات والبنات۔ الحرمہ الامہات وغیرہ رسالے نہایت عمدہ نکلتے ہیں جن سے وہاں کی عورتوں کی تعلیمی ترقی کا کافی طور پر اندازہ ہوتا ہے۔

مصر میں عام طور پر عورتوں میں تعلیمی تحریک ہے۔ اور نہ صرف تعلیمی تحریک بلکہ قومی اور ملکی تحریک بھی پیدا ہوگئی ہے۔ وہ ان ضروریات کا احساس کرنے لگی ہیں جو ملک اور قوم کے لیے مفید ہیں ۱۰ ار فروری ۱۹۰۸ء کو جب تمام دنیا کے مسلمانوں کے سب سے بڑے لیڈر اور سب سے

لائق نوجوان مصطفیٰ کامل پاشا کا انتقال ہوا ہے جس کی عمر صرف ۳۴ سال کی تھی تو وہاں کی عورتوں نے جابجا مجلسیں کر کے تعزیت کے تار دیئے - اور یہ خیال ظاہر کیا کہ مصطفیٰ کامل کا بُت بنا کر اسکندریہ اور قاہرہ میں کھڑا کیا جاے - اور اسکے لیے صرف ہم ہی یعنی عورتیں ہی چندہ جمع کریں گی چنانچہ اُنہوں نے بہت سا چندہ جمع کر لیا ہے

اور حال ہی میں انہوں نے بھی اپنی روسی بہنوں کی طرح ایک انجمن علمی قائم کی ہے جو تعلیم نسواں کی ترقی کے وسائل مہیا کریگی اس انجمن کی سکرٹری فاطمہ راشدہ بیگم ہیں جو مصر کے مشہور اور لائق فلسفی علامہ فرید وجدی کی بیوی ہیں -

---

چین میں تعلیم چین میں جو دنیا کی سب سے بڑی سلطنت ہے - اور جو تمام عالم میں سب سے زرخیز ملک ہے تعلیم کا شوق کچھ عرصہ سے بہت زیادہ بڑھ گیا - وہاں کے ہزاروں بلکہ لاکھوں طلبا جاپان میں پڑھنے کے لیے جاتے ہیں - اور خود چین میں ۱۸۹۵ء سے جب سے کہ وہاں جنگ ہوئی ہے اور جب سے چینیوں کی آنکھ کھلی ہے ہزاروں اسکول اور سیکڑوں کالج جابجا قائم کیے گئے ہیں جن میں جدید اصُول پر تعلیم دیجاتی ہے - چین کے ملک میں قریب قریب مسلمانوں کی تعداد اسیقدر ہے جسقدر ہندوستان میں ہے اور وہاں کے مسلمان نہایت کارکن دولت مند اور بہادر ہیں - بڑے بڑے عہدوں پر ملازم ہیں - اور بڑی بڑی ریاستیں ان کے پاس ہیں - ایک خوبی انمیں یہ ہے کہ چین کے تمام لوگ افیوں کھاتے ہیں لیکن وہاں کے مسلمان اس مہلک چیز سے بوجہ اپنے پاک مذہب کی تعلیم کے بچے ہوے ہیں اسلیئے انکے قوے مضبوط ہیں اور ان کا دماغ صحیح ہے - اور وہ نہایت سرگرمی کے ساتھ تعلیمی ترقی میں مشغول ہیں - روس کے بعض مسلمانوں نے بھی جن کی چین میں کوٹھیاں ہیں اور جو وہاں تجارت کرتے ہیں ان کی تعلیم میں امداد کرنی شروع کی ہے - چنانچہ محمد اسماعیل ایک روسی تاجر نے پیکن چین کے دارالسلطنت کے قریب ایک حمیدیہ کالج سلطان

عبدالحمید خلد اللہ ملکہ کے نام پر بنایا ہی جس میں مسلمان جدید علوم و فنون کی تعلیم پائینگے۔ اب یہ کوشش ہو رہی ہی کہ عورتوں کے لیے بھی ایک درسگاہ کھولنی چاہیے۔

ایک روسی مسلمان عورت کی وصیت

کازان (روس) کا نامور ترکی اخبار "یلدز" لکھتا ہی کہ ہمارے شہر میں ایک دولتمند شریف مسلمان عورت کا انتقال ہوا ہی۔ اُسکا نام کاملہ خانم تھا۔ اُسنے موت سے پہلے وصیت کی تھی کہ اُس کی جائداد میں سے ایک تہائی روپیہ مندرجہ ذیل کاموں میں صرف کیا جائے۔ چار ہزار روبل اس محلے کی مسجد کو دیے جائیں۔ جس میں مرحومہ رہا کرتی تھی۔ چھ ہزار روبل سے دو ابتدائی مدرسے غریب مسلمان بچوں کی تعلیم کے لیے قائم کیے جائیں۔ ایک ہزار روبل محلہ مذکورہ کے مدرسہ کو دیے جائیں؛ تاکہ مفید کتابیں اس روپیے سے خریدی جائیں اور مدرسے میں رکھی جائیں۔ دو ہزار روبل سے دو کنوئیں تیار کرائے جائیں، ایک ہزار روبل شہر کی اسلامی انجمن کو دیئے جائیں۔ چھ سو روبل اُس شخص کو دیئے جائیں، جو بجائے مرحومہ کے سال آیندہ میں حج کو جائے اور اُسکا ثواب مرحومہ کی روح کو بخشے، پانسو روبل دفن کے وقت مفلس اور محتاج مسلمانوں کو تقسیم کیے جائیں۔ اگر وصیت کی رقم میں سے کچھ باقی رہے، تو اُس سے ایک جدید مسجد کی بنیاد ڈالی جائے۔ مرحومہ کے شوہر قاسم خاں مرزا نے نہایت خوشی سے اس وصیت کو پورا کرنے کا وعدہ کیا ہی (روبل دو روپیہ چھ آنہ کا ہوتا ہی)

حیدرآباد کا زنانہ اسکول نامپلی

مس ڈوڈسن بی۔ اے۔ ہیڈ مسٹرس سینٹ جارج گرامر گرلز اسکول نے ۱۶۔ دسمبر ۱۹۰۸ء کو اس مدرسے کی لڑکیوں کا امتحان لیا۔ پری مٹرک۔ پری مڈل، اور تھرڈ کلاس کی لڑکیوں کو تحریری سوالات دیئے گئے۔ اور فسٹ۔ سکنڈ جماعتوں کا زبانی

امتحان لیا گیا۔ مس ڈیوڈسن لکھتی ہیں کہ مینے اس سال مدرسے میں ہر لحاظ سے ترقی دیکھی۔ سوزن کاری کا کام بہت اچھا تھا۔ بعض بڑی عمر کی لڑکیوں نے فینسی کام نہایت عمدہ کیا تھا۔ کمسن بچیوں کی جماعت اگرچہ بہت بڑی ہی لیکن اُن کو جس خوبی سے پڑھایا گیا ہی وہ نہایت ہی قابل تعریف ہے۔ مس ایوانس نے اس سال یہ بہت اچھا کام کیا ہی کہ بڑی جماعتوں کو ڈرائنگ سکھانا شروع کیا ہی۔ مدرسہ کی حالت قابل اطمینان ہی۔ لیکن مکان کی وسعت ناکافی ہی۔ اور فرنیچر بھی کم ہی۔

مسز شجاعت علی صاحب نے سن گزشتہ میں اسکا معائنہ کرکے جو رپوٹ لکھی اُسکا خلاصہ حسب ذیل ہی۔

اس زنانہ مدرسے کا میں گزشتہ چند سال سے برابر امتحان لیتی چلی آرہی ہوں۔ اس مدرسہ کی لڑکیوں نے اچھی ترقی کی ہی۔ جس سے میں بہت ہی خوش ہوں۔ چھوٹی لڑکیوں کا خط اور عبارت پڑھنے کا طرز اچھا ہی۔ بڑی لڑکیوں نے بھی خاطر خواہ طرز تحریر اور سوالات کے جواب دینے میں ترقی کی ہی بحیثیت مجموعی مدرسہ ہذا نے اس سال جو ترقی کی ہی وہ قابل تعریف ہی۔

ہمعصر مشیر دکن اپنے نامہ نگار کے حوالہ سے اس مدرسہ کی لڑکیوں کی تعداد ۶۰ بتلاتا ہی۔ جو حیدرآباد کی آبادی کی مناسبت اور زنانہ مدارس کی کمی تعداد کے لحاظ سے بلاشبہ بہت کم ہی اور اس تعداد کو مدنظر رکھکر افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہی کہ ملک کے لوگوں کا رجحان تعلیم نسواں کی جانب جیسا ہونا چاہیے تھا نہیں ہی۔

ملک میں تعلیم نسواں کا شوق اور رغبت پیدا کرنے کی غرض سے ضرورت اس بات کی ہی کہ زنانہ مدارس میں تعلیم پانے والی لڑکیوں کے لیے غیر معمولی فیاضی کیساتھ وظائف منظور اور جاری کیے جائیں اور اسکے ساتھ ہی زنانہ نارمل اسکول قائم کرنیکی

جانب بھی توجہ مبذول کیجاے تاکہ اسوقت انگریزی اُستانیوں سے بڑھکر جو عربی اور فارسی پڑھانے والی اُستانیوں کی قلت محسوس کیجارہی ہے وہ دور ہوسکے اور شرفا کی جو بچیاں اپنے گھروں میں فارسی اور عربی کی اعلی تعلیم حاصل کرنا چاہیں اُنکو آسانی کے ساتھ اُستانیاں بہم پہنچ سکیں۔

ایک ہندوستانی عورت کی فیاضی۔ جناب معلی القاب رکن الدولہ نصرت جنگ حافظ الملک مخلص الدولہ نواب حاجی محمد بہاول خانصاحب جانشین خامس کی جدہ مکرم فلک احتجاب عصمت مآب خلدہا اللہ تعالی اُنے اپنی شاہانہ اور بے مثل فیاضی سے مبلغ پچاس ہزار روپیہ ندوۃ العلماء کے دار العلوم کی تعمیر کے لیے اپنی جیب خاص سے عطا فرمائے۔ جسکے لیے وہ نہ صرف کارکنان ندوہ کی جانب سے شکرگزاری کی مستحق ہیں بلکہ تمام ہندوستان کے مسلمانوں کو اُنکا شکریہ ادا کرنا چاہیے۔

دنیا میں فیاضی کے بہت سے موقعے ہوتے ہیں لیکن عقل صحیح اس فیاضی کو تمام فیاضیوں پر ترجیح دیتی ہے جو علمی ترقی کے لیے ہو۔ کیونکہ دنیا کی اور چیزیں فنا ہوجانے والی ہیں لیکن علم پائدار چیز ہے۔

خاتم ملک سلیمان ست علم   جملہ عالم صورت و جانست علم

نظام الملک نے بغداد کی نظامیہ یونیورسٹی کی جب بنیاد ڈالی تو بعض لوگوں نے ملک شاہ سے شکایت کی کہ وزیر صاحب جسقدر روپیہ اس مدرسہ پہ صرف کررہے ہیں اس سے ایک جرار فوج تیار ہوسکتی ہے جو بہت سے ملکوں کو فتح کرسکے۔ ملک شاہ نے نظام الملک کو بلاکے دریافت کیا۔ اُنھوں نے جواب دیا کہ آپ نوجوان ہیں آپ کو خبر نہیں آپ جو فوج تیار کرینگے اُسکا تیر زیادہ سے زیادہ سو گز پر توڑ کریگا لیکن میں ایک ایسی قوم تیار کررہا ہوں جسکا تیر دعا عرش تک پہونچیگا۔

علمی قدر دانی مسلمان رؤسا کا ہمیشہ سے شیوہ رہا ہی اور الحمد للہ کہ اب تک یہ جوہر ان میں باقی ہی۔ بیگم صاحبہ کی یہ فیاضی اس قابل ہی کہ اسپر مسلمانوں کو فخر کرنا چاہیے اور ہم نہایت خوش ہیں کہ ہماری قوم میں ابھی علم کی قدر دان مخدرات موجود ہیں۔

تعداد بیوگاں بسنہ ۱۹۰۱ء کی مردم شماری کے مطابق ہندوستان میں بیوہ عورتوں کی تعداد بقید عمر حسب ذیل ہے۔

عمر	کل تعداد	ہندو
ایک سال	۱۰۶۴	۸۵۹
۲ 〃	۱۲۱۷	۱۰۳۹
۳ 〃	۲۳۷۱	۱۸۸۶
۴ 〃	۴۵۱۳	۳۷۳۰
۵ 〃	۱۹۴۸۷	۱۵۶۹۶
۵ سے ۱۰ سال تک	۹۵۷۹۸	۷۸۴۰۷
۱۰ سے ۱۵ 〃 〃	۹۷۵۸۶۲	۲۱۷۳۶۷
۱۵ سے ۲۰ 〃 〃	۵۲۴۸۶۷	۴۱۱۰۳۹
۲۰ سے ۲۵ 〃 〃	۹۳۸۷۹۵	۷۲۲۴۳۴۵
۲۵ سے ۳۰ 〃 〃	۱۴۳۲۶۰۸	۱۱۱۴۹۳۱
۳۰ سے ۴۰ 〃 〃	۴۳۳۵۸۵۲	۳۳۷۱۳۶۱
۵۰ سے ۶۰ 〃 〃	۵۶۲۴۷۸۶	۴۲۸۱۷۱۵
۶۰ سے اوپر	۶۵۹۶۷۳۹	۴۸۶۴۳۱۷
جنکی عمر معلوم نہیں ہوسکی	۵۳۷۹	۴۱۲۲

ہندوستان میں عورتوں کی کل تعداد (۱۶۷۴۶۹۵۲۲۳) ہے گویا اس حساب سے ہر پانچ عورتوں میں ایک بیوہ ہے۔ اور زیادہ افسوس یہ ہی کہ اس تعداد میں ایک سال تک کی بچیاں بھی شامل ہیں۔ شکر ہی کہ مسلمان اس مصیبت میں کم مبتلا ہیں۔

خاتونان ہمدرد اس نام کی ایک انجمن لاہور میں قائم ہوئی ہی جسکی آنریری سکرٹری مولوی سید ممتاز علی صاحب مالک مطبع رفاہ عام لاہور کی بیگم صاحبہ اور صدر انجمن نواب محمد ذوالفقار علیخاں صاحب کی بیگم صاحبہ، اور اسسٹنٹ سکرٹری مسز محمد عمر صاحبہ اور خزانچی مسز عزیز اللہ صاحبہ ہیں آنریری ممبروں میں لیڈی ایٹسن صاحبہ، لیڈی واکر صاحبہ، شہزادی دلیپ سنگھ، مسز پارکر صاحبہ، واٹر مس سٹینلی، مسز انگلس، مس برس، مس ہیلی اور مسز سراج الدین صاحبہ شامل ہیں۔ انتظامی کمیٹی کی ممبر صدر انجمن، سکرٹری اور خزانچی کے علاوہ مسز پارکر، مسز انگلس، مس برس، مسز تھائر، مسز فیروز الدین صاحبہ مسز اسلم حیات محمد خانصاحب، مسز محمد عمر اور والدہ صاحبہ مسز ذوالفقار علی خاں ہیں۔ علاوہ آنریری ممبروں کے چالیس معزز خاتونیں اور ہیں جو اس انجمن کی ممبر ہو چکی ہیں، اس انجمن کی ممبری کی شرط یہ ہی کہ جو خاتون اسکی ممبر بننا چاہیں، وہ چار آنہ ماہوار جمع کرتی رہیں اور تین روپیے کی سالانہ رقم انجمن کو بھیجدیا کریں۔ چار سو خاتونوں کے ممبر ہو جانے پر اس کی مستقل آمدنی سو روپیے ماہوار کی ہو جائے گی، اس آمدنی سے ایک محتاج خانہ کھولا جائے گا۔ اسکے علاوہ جو چندہ جمع ہوگا، وہ انجمن کے مستقل سرمایہ میں جمع کیا جائیگا۔

اعلان چندہ۔ ہم نے گزشتہ پرچوں میں یہ وعدہ کیا تھا کہ گزشتہ اکتوبر کے دونوں ڈپوٹیشنوں کی رقوم کا اعلان کرینگے منجملہ اُنکے راجپوتانہ ڈپوٹیشن کی رقموں کا

اعلان ہوگیا ہی۔ لیکن بمبئی ڈپوٹیشن کا ہنوز نہیں ہوا۔ اور اس مہینے میں بھی
ہم اعلان نہیں کرسکتے کیونکہ سکرٹری صاحب ڈپوٹیشن اپنے گھر جاکر بیٹھ رہے اور
نہ معلوم کیوں وہ اسوقت تک غفلت کررہے ہیں کہ نہ حساب پیش کیا ہی اور نہ ہمارے
خطوں کا جواب دیا ہی۔ ہمارے پاس جو مجموعی رقم اس ڈپوٹیشن کے ذریعہ سے پہنچی
ہی اسکا تو ہم نے اعلان کردیا ہی لیکن تفصیلوار چندہ کا اعلان اسوقت تک نہیں ہوسکتا
جبتک کہ سکرٹری صاحب ہمکو مفصل حساب نہ دیں۔

اعلان چندہ نمبر ۲۔ ناظرین خاتون کو معلوم ہی کہ امسال ہماری تین اسلامی ریاستوں نے
ہمکو مستقل ماہواری عطیات دیے ہیں۔ منجملہ اُنکے دو ریاستوں یعنی خیرپور اور ٹونک نے
شروع سال سے اپنی ماہوار امداد جاری کردی ہی۔ اور ہمارے پاس سو روپیہ بابت
جنوری و فروری ۱۹۰۸ء ریاست ٹونک سے اور چھ سو روپیہ بابت سال تمام ۱۹۰۸ء
خیرپور سے پہنچ گئے۔ ہم ان والیان ریاست کی فیاضی کے ہمیشہ سے ممنون ہیں
اور اب بھی خاص طور پر شکریہ ادا کرتے ہیں۔

اعلان چندہ نمبر ۳۔ ہمارے دوست سید خورشید علی صاحب نے حیدرآباد سے مبلغ
لعہ روپیہ اور ہمارے پاس بھیجے ہیں۔ ہم اپنے نوجوان دوست کی کوششوں کے
دل سے ممنون ہیں آجکل وہ حسب وعدہ مدراس کے علاقہ میں دورہ کررہے ہیں اور ہم کو
امید ہی کہ ہماری قوم کے بزرگ ایسے جوشیلے اور ہمدرد نوجوان کی ہمت افزائی کرینگے۔

رسوم دہلی۔ یہ کتاب جیسا کہ اسکے نام سے ظاہر ہی دہلی کے مسلمان گھرانوں کی رسموں
کے حالات میں لکھی گئی ہی۔ اسکے مصنف دہلی کے بلند پایہ اُردو نگار مولانا سید احمد صاحب
مصنف فرہنگ آصفیہ ہیں۔ اس میں بچہ کے پیدا ہونے سے مرنے کے بعد تک کے

تمام رسوم اور انکے علاوہ بعض خاص رسمیں جو سالانہ خاص خاص موقعوں پر ادا کی جاتی ہیں بالتفصیل لکھی گئی ہیں جو غیر ملک اور غیر زبان کے لوگوں کے لیے خصوصیت کے ساتھ دلچسپ اور دلکش ثابت ہونگی۔ کیونکہ یورپین ہندوستانیوں کی اس قسم کی رسموں کو جستجو کر کے اپنی کتابوں میں لکھتے ہیں اور وہ یورپ میں نہایت دلچسپی سے پڑھی جاتی ہیں۔

اس کتاب کو مصنف نے تاریخی معلومات کی غرض سے لکھا ہے۔ مگر ہم یہ توقع رکھتے تھے کہ مولانا سید احمد صاحب جیسے بزرگ ہر ایک رسم کی برائی بھلائی اور اسکا حسن و قبح بھی ساتھ ہی ساتھ دکھلاتے مگر اس لحاظ سے مصنف نے ہمکو مایوس کیا۔ پڑھنے والا صرف رسموں کو جان لیگا اسکو یہ نہیں معلوم ہو سکیگا کہ کونسی رسم مفید ہے اور کونسی غیر مفید ہے۔ مصنف نے دیباچے میں ایک عام ریمارک رسموں کے متعلق حسب ذیل الفاظ میں کیا ہے۔

اہل ہند کی تمام رسموں اور اکثر عقائد نے مسلمانوں میں اپنا سکہ بٹھا دیا۔ اگرچہ علمائے مذہب نے ان رسموں کے اٹھانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا مگر چونکہ گھر کے اندر کی بلا اور گھٹ میں بیٹھی ہوئی وہ اپنا اثر کیے بغیر نہیں رہتی کچھ پیش رفت نہ گئی۔ گو خاص خاص لوگوں میں کسیقدر کمی ہو گئی۔ اور یہ خاص خاص صاحبان ان رسموں یعنی گھر کے اندرونی بھیدوں کو پابند شرع ہو کر بخوف خجالت اسقدر چھپانے لگے کہ گویا یہ باتیں بالکل بے اصول اور لغو ہیں مگر ہم نے اس امر کی کچھ پرواہ نہ کی جو کچھ اپنی آنکھ سے دیکھا۔ کانوں سے سنا اور خود برتا ہے اسے صاف صاف ظاہر کر دیا اس میں کوئی مانے یا نہ مانے ہمیں اس سے کچھ غرض نہیں۔

مصنف کی اس عبارت سے کچھ ٹھیک سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ ان رسموں کے مخالف ہیں یا موافق۔ پہلے وہ یہ لکھتے ہیں کہ یہ سب ہندؤں کی رسمیں ہیں۔ پھر اخیر جملے پر ماننے اور نہ ماننے کا جھگڑا پیش کرتے ہیں۔ ساتھ ہی بعض بعض خاص رسموں کی حمایت بھی کی ہے جس سے ہمکو تعجب ہوتا ہے، بہر صورت کتاب اچھی ہے مستورات کیلئے خصوصیت کے ساتھ عمدہ ہے، زبان بہت پیاری اور سلیس ہے۔ قیمت فی جلد ۱۲ر ملنے کا پتہ منیجر مخزن پریس دہلی ہے۔

اصلاح سخن۔ یہ ایک ماہوار رسالہ ہے جسکو سال بھر سے حافظ سلطان احمد صاحب منیجر دار الکتب لاہور سے شائع کرتے ہیں۔ اسکی سالانہ قیمت عہ ہے۔ اسوقت ہمارے سامنے سال دوم کا تیسرا نمبر رکھا ہوا ہے، چھوٹی تقطیع پر چار جزو میں ہے۔ چھپائی لکھائی وغیرہ کے لحاظ سے قیمت نامناسب نہیں ہے۔

اس رسالہ کا مقصد لٹریچر کو ترقی دینا ہے۔ اسکے مضامین دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ خاص اُردو زبان کی نظم و نثر کی اصلاح الفاظ کی درستی اور تحقیق عمدہ طریقہ سے کیجاتی ہے۔ نصف حصہ میں مضامین ہیں اور نصف حصہ میں طرحی غزلیں ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ رسالہ نظم قدیم کا حامی ہے۔

زبان کے ترقی دینے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ اسمیں غیر زبانوں کے علوم اور خیالات منتقل کیے جائیں انسے زبان کو وسعت دیجائے۔ اور ہر قسم کی باتیں اور مسائل زبان میں آجائیں دوسرے یہ کہ خود زبان کی اصلاح کیجائے اسمیں جو غلطیاں اور سقم ہیں اُنکو درست کیا جائے۔ الفاظ کے استعمال کا صحیح طریقہ بتایا جائے۔ اس رسالہ نے موخر الذکر طریقہ اختیار کیا ہے۔ اگر کوشش کے ساتھ یہ رسالہ اپنے مقاصد کی تکمیل کرتا رہا تو ممکن ہے کہ اسکے ذریعہ سے اُردو کی اصلاح میں معتدبہ فائدہ پہنچے۔

اسکے اڈیٹر سید وجاہت حسین جھنجھانوی ہیں جنکی کتاب اختلاف اللسان دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اُردو زبان کے متعلق وسیع معلومات اور مہارت ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ یہ رسالہ صحیح طریقہ سے اُردو علم ادب کی خدمت کریگا۔

غنچہ جاوید۔ یہ رسالہ بھی وسط تقطیع پر چالیس صفحوں کا ماہوار ایک سال سے بمبئی سے نکلتا ہے اسکی بھی سالانہ قیمت عہ ہے۔ اس رسالہ کے اڈیٹر سید کاظم حسین صاحب ہدف لکھنوی ہیں۔ اسکی حالت۔ اسکا مقصد۔ اس کی روش بعینہ وہی ہے جو مذکورہ بالا رسالہ کی ہے۔ بمبئی میں اُردو کے ترقی دینے کے لیے ہم اس رسالہ کی ترقی کی دل سے دعا کرتے ہیں۔

تاریخ القرآن

کون مسلمان ایسا ہی جو قرآن کی تلاوت نہیں کرتا. قرآن کو اللہ نے اتنی بڑی مقبولیت عطا فرمائی ہی جس کی کچھ انتہا نہیں. لاکھوں، کروروں مسلمان صبح ہی صبح اُٹھکر اسکی تلاوت کرتے ہیں. علما، اور عربی جاننے والے لوگ اسکے مطلب و معنی کو سمجھتے ہیں اور اس سے روحانی خوشی. حکمت نصیحت اور دین کی باتیں سیکھتے ہیں۔ سچ تو یہ ہی کہ دنیا میں بہت سی کتابوں کے متعلق دعویٰ کیا جاتا ہی کہ وہ آسمانی ہیں لیکن قرآن کی خوبیوں کا دسواں حصہ بھی اُن میں نہیں پایا جاتا. لاکھوں آدمی اسکو ازبر رکھتے ہیں اور چلتے پھرتے. اُٹھتے بیٹھتے تلاوت کرتے رہتے ہیں. مگر افسوس یہ ہی کہ بہت ہی کم لوگ اسکی حالت سے واقف ہیں۔

مولوی حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری نے جنکے متعدد مضامین ناظرین خاتون نے پڑھے ہونگے حال میں ایک کتاب اسی عنوان پر لکھی ہی جسکا نام تاریخ القرآن ہی. اسمیں قرآن کے ابتدائے نزول سے لیکر آجتک کے تمام تاریخی حالات. دلچسپ اور مفید معلومات اور لطیف علمی مباحث نہایت تحقیق اور اختصار کیساتھ مختلف زبانوں کی کتابوں سے اخذ کرکے لکھے گئے ہیں. یہ حالات ایسے ہیں کہ انکو پڑھکر قرآن کی عظمت اور بزرگی اور اسکے سچے حالات معلوم ہوتے ہیں۔

یہ کتاب ایک نہایت علمی کتاب ہی جو بہت ہی تحقیق کیساتھ لکھی گئی ہی. مگر ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ بوجہ علمی ہونیکے اسکی زبان کسیقدر مشکل ہوگئی ہی۔ اور بیگمات اسکے چند بابوں سوا تمام کتاب سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتیں مگر جو لوگ علمی تحقیقات کے شائق ہیں۔ انکو قرآن کی تاریخ کے متعلق اسقدر محقق مجموعہ کہیں کسی زبان میں ملنا محال ہی. ۔ وہ اسکو ضرور پڑھیں

اسکی چھپائی. لکھائی اور کاغذ بالکل خاتون جیسا ہی۔ قیمت فی جلد عمہ

ملنے کا پتہ ۔ مولوی حافظ محمد اسلم جیراجپوری. علیگڑھ کالج

رجسٹرڈ نمبر اے ۱۲۷

خاتون

جلد ۴ | بابت ماہ اپریل ۱۹۰۸ء | نمبر ۴

یٹر شیخ محمد عبداللہ بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی سکرٹری تعلیم نسواں سکشن

فہرست مضامین

(۱) سسز خواتین انگریزی ... ... آزاد۔ از لندن ۹۷
(۲) زنانہ یونیورسٹی جاپانی ... ... سید خورشید علی صاحب ...
(۳) تعلیم نسواں کے موانع اور اسکا علاج ... شمس العلما مولوی ذکاء اللہ صاحب ۱۱۷
(۴) شاہ لیر ... ... اڈیٹر ۱۱۹
(۵) حیدرآباد زنانہ ایسوسی ایشن کا ایک خاص جلسہ ... مسیز شیخ یاور علی صاحب ۱۲۶
(۶) حساب ... ... دختر عبدالحمید خانصاحب ۱۲۹
(۷) ورزش اور پرہیز ... ... ابوالکمال ڈیسنوی ۱۳۱
(۸) اڈیٹوریل ۱۳۴

علی محمد خاں کے اہتمام سے

مطبع فیض عام علی گڑھ میں طبع ہوا

خاتون

۱۔ یہ رسالہ ۴۸ صفحے کا علیگڑھ سے ہر ماہ میں شائع ہوتا ہی اور اسکی سالانہ قیمت (عہ/) اور ششماہی (عمر) ہے

۲۔ اس رسالہ کا صرف ایک مقصد ہی یعنی مستورات میں تعلیم پھیلانا اور پڑہی لکھی مستورات میں علمی مذاق پیدا کرنا۔

۳۔ مستورات میں تعلیم پھیلانا کوئی آسان بات نہیں ہی اور جبتک مرد اس طرف متوجہ نہونگے مطلق کامیابی کی امید نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ اس خیال اور ضرورت کے لحاظ سے اس رسالہ کے ذریعہ سے مستورات کی تعلیم کی اشد ضرورت اور بے بہا فوائد اور مستورات کی جہالت سے جو نقصانات ہورہے ہیں اُسکی طرف ہمیشہ مردوں کو متوجہ کرتے رہینگے۔

۴۔ ہمارا رسالہ اس بات کی بہت کوشش کریگا کہ مستورات کے لیے عمدہ اور اعلیٰ لٹریچر پیدا کیا جائے جس سے ہماری مستورات کے خیالات اور مذاق درست ہوں اور عمدہ تصنیفات کے پڑہنے کی اُنکو ضرورت محسوس ہو تاکہ وہ اپنی اولاد کو اُس بڑے لطف سے محروم رکھنا جو علم سے انسان کو حاصل ہوتا ہی معیوب تصور کرنے لگیں۔

۵۔ ہم بہت کوشش کرینگے کہ علمی مضامین جہانتک ممکن ہو سلیس اور بامحاورہ اُردو زبان میں لکھے جائیں۔

۶۔ اس رسالہ کی مدد کرنیکے لیے اسکو خریدنا گویا اپنی آپ مدد کرنا ہی اگر اسکی آمدنی سے کچھ بچیگا تو اُس سے غریب اور یتیم لڑکیوں کو وظائف دیکر اُستانیوں کی خدمت کے لیے تیار کیا جائیگا۔

۷۔ تمام خط و کتابت و ترسیل زر بنام اڈیٹر خاتون علیگڈہ ہونی چاہیے۔

سلسلہ خواتین انگریزی

۲

اچھی ملکہ ماڈ

خاتون میں مختلف سلسلے شروع کئے گئے ہیں - ایک سلسلہ عربی عورتوں کا ہی جنمیں حضرت خدیجۃ الکبریٰ حضرت عائشہؓ ۔ حضرت فاطمہؓ ۔ خنسار ۔ زبیدہ خاتون اور رابعہ بصریہ کے حالات ابتک نکل چکے ہیں۔ دوسرا سلسلہ خواتین ہند کا ہی جنمیں سے روشن آرا بیگم ۔ زیب النسا بیگم ۔ قدسیہ محل ملکہ جودھ بائی وغیرہ کے حالات شائع ہو چکے ہیں ۔ تیسرا سلسلہ ہندوستان کی رانیونکا ہی جنمیں سے افسوس ہی کہ ابتک صرف درد پدی اور ایک آدہ آخری زمانہ کی رانیونکے حالات ہم دیکھے ہیں ۔ اس سلسلہ کی طرف خصوصیت کے ساتھ ہم اپنے اہل قلم ہندو دوستوں کو متوجہ کرتے ہیں کہ وہ ہندوستانی رانیونکے حالات بہم پہونچاکر خاتون کے اس سلسلہ کی ناگوارکمی کو پورا کریں ۔ ہمارے دوست آزاد نے انگریزی خواتین کا سلسلہ شروع کیا ہی جسکا دوسرا نمبر یہ ناظرین ہی ۔ ہم اپنے دوست آزاد کی اس خاص توجہ کے ممنون ہیں ۔

اڈیٹر

اچھی ملکہ ماڈ محبت آمیز اور صدق و صفا پر جان نثار کرنے والی خاتونوں میں سے تھی۔ اسی نام سے وہ اپنے ہمعصروں میں بھی مشہور تھی۔ اُس سے سارے انگلستان کو بہت الفت تھی۔ اور اب تک قصے اور کہانیوں کے پیرایہ میں بچوں کے دلوں پر اس نیک ملکہ کا نفع بخش اثر ڈالنے کی کوشش کیجاتی ہے۔ اسوقت تک ہمارے ناظرین کو صرف اس نیک خاتون کا نام ہی معلوم ہوا ہے جس سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جس نیک بیگم کا ہم ذکر کرنیوالے ہیں وہ درحقیقت اسم بامسمےٰ ہو گی۔ کیونکہ جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ یہ نایاب خطاب اُسکو اُس کی رعایا نے دیا اور وہ بھی اُس کی زندگی میں تو ہمارے تیقن میں اضافہ ہوتا ہی اور ہم شیخ سعدیؒ کے قول ؎ تا نباشد چیزکے مردم نگویند چیز ہا

پر اکتفا کرکے اُسکے بیش قیمت اور اچھی زندگی کا گراں قدر ہدیہ ناظرین کو پیشکش کرتے ہیں۔

اچھی ملکہ ماڈ کا سال ولادت ۱۰۸۰ء تھا۔ اسکا پیدائشی نام ایڈتھ تھا مگر بتقریب شادی اسکا نام تبدیل کیا گیا اور اسکے خاوند "ہنیری" اول کی والدہ میٹلڈا یا ماڈ کا نام نامی بغرض تعظیم رکھا گیا۔ اسکی شادی کا ذکر اسلیئے کرنا پڑا کہ ہمیں فقط اسکے اصلی نام کی تبدیل ہونے کی وجہ بتلانی منظور تھی۔ مگر اب ہم باقاعدہ طور پر اس کی زندگی کے حالات ابتدا سے لیکر انتہاے عمر تک مفصل بیان کرینگے۔

ملکہ ماڈ نہایت ہی اعلیٰ حسب و نسب رکھتی تھی۔ اسکے والدہ ماجدہ کا نام "مارگریٹ" تھا جس کی نسبت مورخین نے بہت ہی عمدہ راے دی ہے۔ اور اُسکے والد کا نام "مالکم" تھا۔ ساتھ ساتھ ہم یہ بھی بتلانا ضروری سمجھتے ہیں کہ یہ وہی مالکم ہے جسکا ذکر شیکسپیر نے اپنے ایک خاص تماشے "میکبتھ" میں نہایت ہی زوردار الفاظ میں کیا ہے اور تاریخ بھی اسکا ثبوت دیتی ہے کہ یہ ایک ایسا زبردست آدمی تھا جس کی نسبت یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس کی رعایا اس کی گرویدہ تھی اور اُنہیں فخر تھا کہ اُن کا بادشاہ ایک رحم دل اور شجاع حاکم ہے پھر کیوں نہ ایسے باپ کی بیٹی بھی اپنے رعایا کی نظروں میں عزیز ہو۔

اسکا زمانۂ طفولیت بلحاظ صحت بہت ہی آرام سے گذرا۔ مگر کم سنی میں والدین کے
انتقال کی وجہ سے اپنے چچا چی کے ہاتھوں بہت تکلیف اُٹھانی پڑی۔ جب اس کی عمر قریب
نو یا دس سال کے تھی تب اپنی ہمشیرہ "میری" کے ہمراہ ایک خانقاہ میں بھیجی گئی تھی جسکی
منتظم اسکی چچی "کرستینا" تھی۔ کرستینا نے اپنے مذہبی عقاید کے مطابق اسے پرہیز گار بنانا شروع کیا
یعنی اس کم عمری میں وہاں کے سخت قواعد کی پابندی اُس سے کرائی گئی۔ ایک روز خوش
قسمتی سے اُسکا باپ وہاں پہونچا۔ اور جب اُس نے دیکھا کہ چھوٹی ایڈتھ پر ظلم ہو رہا ہے تو کرستینا
سے یہ کہکر کہ میری خوبصورت لڑکی ہرگز کنواری زاہدہ نہیں بنائی جاسکتی کیونکہ اس کی شادی
"کاؤنٹ ایلن" کے ساتھ کیجائے گی۔ اُسوقت ایڈتھ کے جسم پر وہ کفنی تھی جو ننین پہنا کرتی ہیں
مالکم نے اُسے پھاڑ کے پھینکدیا۔ اور کرستینا سے خفا ہو کر اپنی دونوں پیاری لڑکیوں کو ساتھ لیگیا۔
اس واقعہ سے پہلے مالکم انگلستان پر کئی حملے کر چکا تھا مگر ہر دفعہ ناکامیاب رہا۔ تاہم
اس خیال سے کبھی غافل نہوا۔ اسکاٹ لینڈ واپس آکر ایڈتھ اور میری کو اُن کی ماں کے
سپرد کر دیا اور انتظام جنگ میں مصروف ہوا۔ اب کی دفعہ اپنے ارادے کی تکمیل کرنے کی غرض
سے بہت فوج اکٹھی کی اور اس کو دو حصوں میں منقسم کر کے ایک حصہ کا سپہ سالار خود ہوا۔
اور دوسرا اپنے بڑے بیٹے ایڈورڈ کے ماتحت کر دیا۔ موقع پاتے ہی لڑائی شروع کر دی
اور وہ بھی اس زور و شور سے کہ انگلستان والوں کے حوصلے پست کر دئے۔

جا کو راکھے سائیاں وا کو چاکھے کون

مالکم جری تھا بہادر تھا مگر قسمت کے آگے مجبور تھا دم بھر میں بنا بنایا کھیل بگڑ گیا فتح کی
امید اپنا دل خوش کن چہرہ دکھلا کر غائب ہو گئی۔ مالکم کے لشکر کا قدم اُکھڑنا شروع ہو گیا
تھوڑی دیر میں میدان جنگ انگلستان کے شاندار جھنڈے سے مزین ہوا اور قدرت کے
عالمگیر میزبان نے شیر دل مالکم اور سعادت مند ایڈورڈ کو اپنا ہمیشہ کے لیئے مہمان بنالیا۔
"ایڈگر" مالکم کا چھوٹا لڑکا بھی اس جنگ میں شامل تھا اس دردانگیز نتیجہ کے بعد وہ

اس جگر پاش خبر کو لیکر لوٹا۔ گھر پہونچتے ہی ایک تازہ مصیبت کا سامنا ہوا۔ یعنی اسکی ماں
جو ایک عرصہ سے سخت بیمار تھی اب اُس نازک وقت میں مبتلا تھی جب انسان دنیا سے سفر
کرنیکا اعلان دیتا ہی جوں ہی ایڈگر سامنے آیا محبت مادری میں ایک جوش پیدا ہوا اور
اُس نزع کی حالت میں بھی اپنے سر کے تاج اور دل کے ٹکڑے کی نسبت دریافت کیے بغیر
نرہا گیا ایڈگر جھجکا اور جواب میں تامل کیا۔ اسکی خموشی بے معنی نہ تھی تھوڑی دیر تک یہ مجسم
غم کی تصویر بنا ہوا کھڑا تھا۔" مارگریٹ" اس کی مضمحل حالت دیکھکر اور بیتاب ہوئی اور
یک لخت چلاّکے کہا کہ میں جانتی ہوں کہ تم بہت ہی منحوس خبر لے آے ہو۔ کہو بس جلد کہو
للہ کہو۔ ایڈگر اس آخری جملہ کو سُنکر ضبط نہ کرسکا اور یکبارگی چیخ کر کہا کہ تمہارا کشورستان
شوہر اور پیارا بیٹا لقمۂ اجل ہوگئے یہ دلخراش پیام سنکر مارگریٹ نے اپنے ننہی ننہی بیٹیوں
کو ایڈگر کے سپرد کرکے رحلت کرگئی۔ اور اپنے سیدوں سے جاملی۔

کچھ دنوں تک ایڈگر نے اپنی بہنوں کو اپنے پاس رکھا مگر جب اُن کی تعلیم و تربیت کا خیال
آیا تو مناسب سمجھکر اُنہیں اُسی خانقاہ میں بھجوا دیا۔ اب پھر اُنپر عذاب ٹوٹنا شروع ہوا۔ بیچاری
کیا کرسکتیں مجبور تھیں۔ جوں توں اپنا وقت گذار دیتیں اور تحصیل علم کی طرف خاص توجہ رکھتی
تھیں۔ کرسٹینا انہیں بہت ستایا کرتی تھیں۔ اکثر آپسمیں شکر رنجیاں ہوتی تھیں کیونکہ کرسٹینا
اُن عورتوں میں سے تھی جو چھوٹے بچوں سے اپنی طرح کام کرنے کی اُمید رکھتی ہیں اور اُنکی
تربیت میں فرط محبت کی وجہ سے زیادتی کر بیٹھتے ہیں۔

ان ایام میں انگلستان کے سفینۂ حکومت کا ناخدا ولیم روفس تھا ایک روز وہ جنگل
میں شکار کھیلنیکی غرض سے گیا اور وقت مقررہ پر واپس نہ آیا۔ اس غیر معمولی تاخیر نے اُس
کے مصاحبوں اور ملازموں کو پریشان کردیا۔ یک لخت خبر آئی کہ بادشاہ سلامت دارِ
فانی سے کوچ کرگئے اور کسی قاتل نے ایک ہی تیر میں اُن کا کام تمام کردیا۔ مگر اُس کا کہیں
پتہ نہ چلا یہ خبر سارے ملک میں پہونچ گئی چونکہ یہ بڑا ہی ظالم بادشاہ تھا۔ اس کی رعایا

کو اسکے بے وقت انتقال پر مطلق رنج نہ ہوا۔

"ہنری" ولیم کا چھوٹا بہائی اُسوقت وہاں موجود تہا یہ موقع پاتے ہی اُس نے خواہش ظاہر کی کہ بادشاہ بنایا جایئے۔ اسکے بڑے بہائی رابرٹ اور ولیم میں یہ معاہدہ تہا کہ اگر ہم دونوںکے اولاد نہو تو ہمارے بعد یا ہماری غیر حاضری میں تخت وتاج کا مستحق وہ ہوگا جو رشتہ میں سبسے قریب ہو۔ عوام الناس کو اس معاہدہ کا خیال آیا اور "رابرٹ" کو موجود نہ پایا تو ہنری کو اپنا حاکم تسلیم کرلیا چند دنوں کے بعد تاج پوشی کا جشن بہت ہی کروفر کے ساتہہ ادا کیا گیا اور لوگ ہنسی خوشی اپنے گہروں میں جاکر امن وامان سے رہنے لگے۔

"ہنری" معمولی عقل وفہم کا آدمی نہ تہا بلکہ امورات سیاسی کو بخوبی سمجہتا تہا۔ زمام سلطنت ہاتہہ میں لینے کے بعد مصلحت سمجہکر "ماڈ" سے شادی کرنے کی خواہش ظاہر کی رعایا کو یہ سنکر بے انتہا مسرت ہوئی۔ مگر کرستینا ہنری کی طرفسے اسقدر بدظن تہی کہ ماڈ کو اسکے ساتہہ بیاہنے سے انکار کیا۔ چند دنوں تک عوام پر اس غیر متوقع جواب سے مایوسی چہائی رہی۔ مگر آخرکار "ہنری" کی تمنا برآئی یعنی ماڈ کے بہائی ایڈگر کی اجازتسے سنہ ۱۱۰۰ء میں ان کی شادی کردی گئی اس موقع پر بلا لحاظ امارت وغربت عام طور سے سبہوں نے خوشیاں منائیں جابجا ناچ رنگ کے جلسے ہوئے اور اُس مبارک دن سے "ماڈ" انگلستان کی ملکہ کہلانے لگی۔

اسکو اب سے ہم بہی ملکہ ماڈ کہینگے اور جیسا کہ ہم بیان کرچکے ہیں اُس کی طبیعت میں خلوص بہت تہا اور خصوصاً غریبوں پر بہت ہی عنایت کیا کرتی تہی۔ اُس زمانہ کے رُسومات کے مطابق یہ اپنی رعایا کے سب غریب افراد کے ہاں جاکر اُن کی خدمت کیا کرتی یہاں تک کہ گہر لوٹنے سے پہلے اُنکے پیر دہویا کرتی۔

یہ ملکہ غیر معمولی دل وجگر رکہتی تہی اسکو مردانہ وار قواعد سے بیحد دلچسپی تہی مثلاً شکار اور شہسواری کا بہت شوق تہا

ایک روز کا ذکر ہے کہ اپنی چند سہیلیوں کے ہمراہ سیر کی غرض سے شہر سے کچھ دور نکل گئی سب کی سب گھوڑوں پہ سوار تھیں راستے میں ایک نالہ حائل ہوا جسکو پار کیے بغیر پرلی طرف نہیں جاسکتی تھیں کچھ دیر تک یہاں ٹھہر کر ملکہ سوچتی رہی کہ کیونکر پار ہو۔ مگر جب قرب وجوار کے لوگوں کی زبانی یہ سُنا کہ پانی بہت گہرا نہیں ہے تو ہمت بڑہی اس کی پیروی اُس کی سہیلیوں نے بھی کی۔ نالہ کوئی نصف پار کرچکی تھی کہ دفعتاً پانیکا ایک زور سے ریلا آیا قریب تھا کہ یہ سب کے سب بہجائیں مگر امداد غیبی نے ان کو اس آفت سے بچایا۔ بہ تمام خیریت مکان واپس آتے ہی فوراً حکم نافذ کردیا کہ اُس نالہ پر ایک نہایت عمدہ اور مضبوط پل بنادیا جائے۔

اس سے پہلے انگلستان میں کوئی ایسا پل نہیں بنا تھا جو کسی دریا کو بغیر ستون کے پار کرتا۔ علاوہ ازیں اس کی دورہ حکومت میں کئی پکی سڑکیں بنائی گئیں۔ مساکین وغربا کے لیے کارخانے اور مریضوں اور بیماروں کے لیے شفاخانے بھی بہت ہی انتظام کے ساتھ بنائے گیے۔

انسان بھی کسقدر ہوا وہوس کا کیڑا ہے کہ اگر ایک اُمید برآئی تو فوراً دوسری آرزو اُس کی قائم مقام ہوجاتی ہے اور انتظار شروع ہوتا ہے کہ کب یہ پوری ہوگی زندگی کیا ہے امیدوں کا تانتا ہے۔ شعر

اگر امید نہ ہمسایہ ہو تو خانۂ یاس
بہشت ہے ہمیں آرام جاوداں کے لیے

سلطنت ملی شادی ہوگئی مگر اب بھی ایک اور آرزو رہ گئی وہ کا یکی فرزند کی خیر اس ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ قاروں کا خزانہ یا سکندر کی حکومت بھی اس کے معاوضہ میں کم ہے کوئی خوشی اس سے بڑھکر نہیں ہے کہ انسان صاحب اولاد ہوا اور اس سے بڑھکر کوئی رنج نہیں ہے کہ دولت عزت حشمت سب کچھ ہو اور ایک یہ نہو۔ سچ ہے اندھیرے گھر کا دیا

بھی ہے اور خدا جانے کیا جادو اپنے ساتھ لے آتا ہے کہ بجائے زحمت کے رحمت ہو جاتا ہے۔

چند دنوں تک مایوسی رہی آخر دو سال کے بعد خدا نے اپنے فضل و کرم سے ایک فرزند عطا کیا۔ چاروں طرف سے مبارک مبارک کی صدائیں بلند ہوئیں اور ساری رعایا نے خوشی کی ایک جشن شاہی کا انتظام ہوا جہاں خاص و عام نے اسکی خوشی منائی دوسرے دن رسم بپتسمہ ادا کی ولیم نام رکھا جو اس بچے کے دادا کا نام تھا اور جس کی حکومت سے انگلستان کی تاریخی بنیاد قایم ہوئی۔

اسی زمانہ میں "رابرٹ" ہینری کا بڑا بھائی جو بیت المقدس میں لڑنے کے لیے گیا تھا واپس آیا۔ جب اُسے یہ معلوم ہوا کہ انگلستان کے تخت و تاج کا مالک ہینری ہے تو بہت جھنجلایا اور خفا ہوا مگر کیا کر سکتا تھا مجبوراً وہاں سے لوٹا اور نارمنڈی میں جا کر قیام کیا۔ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ رابرٹ نارمنڈی کا نواب بڑا ہی مسرف تھا۔ اسوجہ سے وہاں کے باشندے اس سے ناراض تھے اور اپنی ناراضی کا اظہار اس طرح سے کیا کہ ہینری کے ہاتھوں اسے گرفتار کرایا اور نارمنڈی پر ہینری کا قبضہ ہو گیا جب ہینری انگلستان چھوڑ کر لڑنے کے لیے نارمنڈی گیا تھا۔ ان ایام میں عنان سلطنت ملکہ ماڈ کے سپرد کر گیا تھا۔ ملکہ نے رعایا کو اسقدر آرام پہنچایا کہ وہ سب اس کی گرویدہ ہو گئی اور اس مہم اور نازک ذمہ سے اسقدر خوبی اور قابلیت کے ساتھ سبکدوش ہوئی کہ شاہ کو اپنی واپسی پر حیرت میں ڈالدیا۔

ہم اسوقت ایک ایسی بات بیان کرنے والے ہیں کہ ناظرین ضرور ہنسینگے اور اس کی بھی تصدیق ہو جائے گی کہ جو الزام ہندوستان پر لگایا جاتا تھا۔ اسمیں اور قومیں بھی شریک تھیں۔ اگر آپ سے کوئی شخص یہ کہے کہ ایک پینتالیس سالہ بوڑھا پانچ سال کی لڑکی کے ساتھ شادی کرنیکا خواہشمند تھا تو آپ یقین کرینگے۔ ہرگز نہیں۔ لیکن مانیئے یا نہ مانیئے تاریخ میں اسکا ثبوت ملتا ہے کہ ہینری کی بیٹی مٹلڈا جسکی عمر پانچ سال کی تھی جرمن کے

سال خوردہ بادشاہ کیساتھ بیاہی گئی مگر اسمیں ایک مصلحت ضرور تھی - یعنی ہینری چاہتا تھا کہ جرمنی اور انگلستان میں صلح ہو اور دونوں ملکوں کے باشندوں میں خلا ملا ہو - اس خیال سے اپنی ملکہ کے ناراض ہونے پر بھی اس نے یہ رشتہ داری منظور کی بڑا ہی لطف ہوا - کیونکہ چھوٹی دُلہن کو جلوس کے موقع پر اُٹھا کے لیجانا پڑا - اسلیئے کہ وہ سمجھتی نہ تھی - مٹلڈا بارہ سال کی عمر تک اپنی ماں کے پاس رہی اور تیرہویں سال اس کی رخصتی ہوئی - کوئی تعجب نہیں کہ اسموقع پر ہنسی ہوئی ہو - ۵

شادی جو ہوئی غم کے بھی پہلو نکل آئے   جب کوئی ہنسا ساتھ ہی آنسو نکل آئے

اس اثنا میں نارمنڈی میں ایک بغاوت ہوئی - اسکو رفع دفع کرنے کی غرض سے ہینری ملکہ کو تنہا چھوڑ کر مع شہزادہ ولیم کے وہاں پہنچا - ان دنوں ملکہ کی صحت بہت ہی خراب تھی ہینری کرسمس کے وقت ملکہ سے ملنے کی غرض سے انگلستان واپس آیا مگر اسے بہت جلد لوٹ کے جانا پڑا - ملکہ ماڈ کی طبیعت بہت ہی مضمحل رہتی تھی - حالانکہ آرام و آسائش کے تمام اسباب موجود تھے - اپنے خاوند اور دو بچوں کی علیحدگی کی وجہ سے اسکو اپنے آخری دن بہت آزردگی میں کاٹنے پڑے - اور مئی ۱۱۱۸ء میں دار فانی سے کوچ کر گئی - اس خوش نصیب کو دو منحوس خبروں کے سننے سے موت نے نجات دلائی - یعنی اسکے لڑکے ولیم کا جہاز ڈوبنے کی وجہ سے غرق ہو جانا اور اسکی لڑکی مٹلڈا کا اکیس سال کی عمر میں بیوہ ہو جانا -

انقلاب دُنیا کا شیوہ ہے - آج ہنسا کر کل رُلاتی ہے - واہ رے قدرت خوشی کے ساتھ رنج بھی بھلا دیتی ہے ورنہ جینا محال ہو جاتا - نسیان تریاق کا کام کرتا ہے حافظہ زہر ہو جاتا ہے -

آزاد - از لندن

زنانہ یونیورسٹی جاپان

بیوی شوہر کا نصف ہے۔ بیوی بہترین دوست ہے بیوی دنیاوی زندگی کے تینوں مدارج کی جڑ ہے۔ بیوی نجات کی بیج و بُن ہے۔

(مہابھارت)

مبارک ہے وہ ملک جہاں نظام معاشرت میں عورتوں کا اعلیٰ درجہ اور حقیقی قدرو منزلت تسلیم کی جاتی ہے اور جہیں عورتوں کی تعلیم و تربیت اور ترقی کے لیے مردوں کی طرح جوش و خروش اور شوق و سرگرمی سے کوشش کی جاتی ہے۔ ہندوستان ایک زمانہ میں اس اعلیٰ اصُول پر کاربند تھا اور اس کی مشہور و معروف شایستگی اسی کا نتیجہ تھی۔ ہندوستان میں عورتوں کا تنزل عہد پوران میں ہوا۔ اور اسی وقت سے اسکی روشن تہذیب کا خورشید درخشاں غروب ہونا شروع ہوا۔ اس کے مسلسل تنزل سے ہندوستانی عورتوں کی شان اور منزلت کا بھی سلسلہ وار انحطاط ہوا۔ ہم اب تک اپنی گزشتہ نادانی کا ثمرہ بھگت رہے ہیں۔ جب تک ہم اپنی عورتوں کو انکے جائز حقوق نہ دینگے ان کی تعلیم و تربیت کا کافی سامان نہ مہیا کرینگے اور انہیں اپنے فرائض جو ہماری قومی زندگی میں جان ڈالنے والے ہیں بہ وجوہ احسن ادا کرنے کے واسطے بلاپس و پیش انکے لیئے کافی مواقع بہم پہونچانے کا انتظام کرکے ان کو انکے اصلی درجہ پر نہ پہونچائیں گے ہندوستان بمشکل مہذب ممالک سے ہمسری کرنے کے قابل ہوسکتا ہے۔ خدا کرے مادر ہند کے بچے اب بھی بروقت بیدار ہوجائیں۔

ہم جاپان کی ان ناموریوں اور اس کے عجیب و غریب عظیم الشان کارناموں پر جو گزشتہ پچاس سال میں اس نے کیے ہیں اس کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان ہیں لیکن ہم آسانی سے اس کا اندازہ نہیں کرسکتے کہ ان قوتوں کو جو اسے بزرگی و ناموری

کے اس قدر اعلیٰ بلندی پر پہونچانے کے باعث ہوے ہیں عالم وجود میں لانے کے لیے اسے کس قدر ان تھک کوشش کرنی پڑی ہے۔ یہ بات اچھی طرح اہل جاپان کے دلنشین ہوگئی تھی کہ عورت سے مرد کی تکمیل ہوتی ہے اور قومی عظمت جس طرح مرد کی تعلیم وتربیت پر منحصر ہے اسی طرح عورتوں کی تعلیم وتربیت پر اس کا انحصار ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ زیادہ تر عورتوں ہی کی تعلیم وتربیت پر موقوف ہے۔ لہذا تعلیم نسواں ایک قومی سوال ہوگیا۔ جاپان کے مردوں کی تعریف کرنی چاہیے کہ وہ اس سوال کی اہمیت کو اچھی طرح سمجھ گئے اور عورتوں کو مردوں کے ساتھ جو مختلف ومتعدد تعلقات ہیں ان میں اپنے فرائض نہایت عمدگی سے ادا کرنے کے قابل بنانے کے لیے ان کو تعلیم وتربیت کے زیور سے آراستہ کرنے کے وسائل اختیار کرنے شروع کیے۔ لڑکیوں کے لیے مدرسے قایم ہوئے اور اعلیٰ تعلیم کے شیریں پھل سے بھی وہ محروم نہ کی گئیں۔ جاپان کی عورتوں کے لیے ایک خاص یونیورسٹی قایم کرنے کا خیال اسی قومی بیداری کا نتیجہ تھا۔ ہم چاہتے ہیں کہ حتی المقدور نہایت اختصار سے ایک مجمل تاریخی خلاصہ "جاپان کی زنانہ یونیورسٹی" کی ابتدا اور اس کے کاموں کا بیان کریں۔

یونیورسٹی کی ابتدا جاپان کی زنانہ یونیورسٹی اپریل ۱۹۰۱ء میں قایم ہوئی۔ ۱۸۹۵ء میں مسٹر جنزو نیزیوسس نے جو اب یونیورسٹی کے پریسیڈنٹ ہیں عورتوں کے لیے ایک یونیورسٹی قایم کرنے کے اپنے قدیمی دلی منصوبہ کو ظاہر کیا۔ اس اہم کام نے تمام قوم کو اپنا ہمدرد بنالیا اور خاصکر ملک کے سمجھدار اور ذی فہم لوگوں نے اس کی اعانت کی۔ اس کام کے ابتدائی حامیوں میں مسٹر شوزا بوروڈ وگورا اور مسز اسک ہیرد کا۔ اوساکا کے مالدار باشندے تھے۔ پھر مارکوئیس ایٹو۔ مارکوئیس سایجی۔ کونٹ اوکوما۔ بیرن اشومی اور بیرن کتا بانگ جیسے عالی منزلت لوگوں نے اس تحریک کے ساتھ اپنی گہری ہمدردی ظاہر کی اور اسکو بیحد قوت دی۔ حامیوں کی تعداد سلسلہ وار بڑھنے لگی اور بہت جلد وہ تک نوبت

پہونچ گئی جبکہ مجلس حامیان یونیورسٹی بنائی گئی۔

مجلس کا پہلا جلسہ ۲۴ راپریل سنہ ۱۸۹۶ء کو خاص ٹوکیو میں منعقد ہوا۔ اس جلسہ میں ایک انتظامی مجلس منتخب کی گئی جس کے میر مجلس کونٹ اوکوما بنائے گئے اور ایک مجلس مشاورۃ بنائی گئی جسمیں مرحوم پرنس کونیو۔ مارکوئیس بیاچی سرکا اوریہ بیرن اوٹاسوکی جیسے باثر اشخاص شامل تھے۔ دوسرا کام جو کیا گیا یہ تھا کہ سرمایہ کے لیے پبلک سے اپیل کی گئی اور استدعائیہ خطوط بہ کثرت شایع کیے گئے۔ اب ہمدرد احباب کی تعداد سات سو سے زیادہ ہو گئی تھی۔

سنہ ۱۸۹۹ء کے سپٹمبر میں حامیوں کا ایک اور جلسہ منعقد ہوا جس میں یونیورسٹی کی عمارت کی ایک کمیٹی تعمیرات مقرر ہوئی۔ یہ امر خاص طور پر قابل ذکر ہے جس سے جاپانیوں کے ایثار نفس کا جوش ظاہر ہوتا ہے کہ مسٹر ناساپچی کورو محکمہ تعلیمات کے میر عمارت نے بلا کسی معاوضہ کے عمارات کے نقشہ بنانے اور تا اختتام تعمیر اس کی نگرانی کرنے کے لیے اپنی خدمات پیش کیں۔ اس طرح سنہ ۱۹۰۱ء کے اپریل میں اس حصہ زمین پر جو خاندان مٹسوئی نے مرحمت کی تھی ایک لکچر ہال۔ ایک لیبوریٹری (معمل یعنی علم کیمیا کے امتحان کا مکان) پروفیسروں کے رہنے کے تین مکان اور دو بڑے بڑے بورڈنگ کی عمارتیں تعمیر ہوئیں۔ ابھی تعمیر ختم نہ ہونے پائی تھی اور طلبا کے شریک کرنے کا اعلان نہ کیا گیا تھا کہ کثرت سے شرکت کی درخواستیں آنی شروع ہوئیں اور بہت جلد اسقدر تعداد بڑھ گئی کہ سیکڑوں شرکت کی درخواستیں نامنظور کرنی پڑیں۔ ۲۰ راپریل سنہ ۱۹۰۰ء کو یونیورسٹی کے صیغہ میں تین سو طلبا اور ہائر گرلس اسکول متعلقہ یونیورسٹی میں پانچ سو طلبا کے ساتھ یونیورسٹی کا افتتاح ہوا۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ یونیورسٹی قایم کرنے میں مسٹر نیرکوس یونیورسٹی کے پریسیڈنٹ اور مسٹر شوزوالیسو جو اب یونیورسٹی کے ڈین (افسر اعلیٰ) ہیں بیحد کوشاں رہے مسٹر شوزوالیسو نے سنہ ۱۹۰۴ء میں خاص اسی

غرض کے لیے کہ ممالک غیر میں عورتوں کی تعلیم و تربیت کی موجودہ ترقیات و تحریکات کی تحقیقات و دریافت کریں امریکہ اور یورپ کا سفر کیا۔

یونیورسٹی کی افتتاح کے ساتھ ہی جاپان کی شاہنشاہ بیگم نے دو ہزار ین (تین ہزار روپیہ) کا گرانقدر عطیہ مرحمت فرمایا۔ یہ پہلا چندہ تھا جو شاہنشاہ بیگم نے جاپان میں ایک غیر سرکاری تعلیمی مجلس کو عنایت کیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جاپان کی بزرگ ترین خاتون نے قومی ترقی کے اس کام کی اہمیت اور منزلت کو جس کے لیے یونیورسٹی قایم کی گئی کتنی قدر کی نگاہوں سے دیکھا اور کسقدر پسند کیا۔

گریجویٹ بنانے کی رسم پہلی دفعہ ۹/ اپریل ۱۹۰۳ء کو عمل میں آئی گریجوئیٹس کی تعداد ایک سو نبیس تھی جسمیں یونیورسٹی کے تینوں شاخوں سے طلبا شریک تھے۔

یونیورسٹی کے اغراض و مقاصد اسٹاف۔ اور نصاب تعلیم

جاپانی قوم کی ساخت میں جاپان کی عورتوں کے اہم اور قابل لحاظ حصہ سے حامیان یونیورسٹی اچھی طرح واقف تھے۔ جاہل و ناخواندہ عورتوں کے مردہ وجود سے قومی ترقی سراسر ناممکن ہے۔ جاپانیوں نے اس امر کے معلوم کرنے میں دیر نہیں کی کہ قوم کی مردہ قوتیں اور اعلیٰ نمونہ عورتوں ہی میں پنہاں ہوتے ہیں۔ لہذا جاپان کی زنانہ یونیورسٹی جاپان کی بیٹیوں کو اعلیٰ تعلیم دینے کی غرض سے قایم ہوئی جس سے یہ منشا رتھا کہ خواتین جاپان بحیثیت عورتوں۔ بیویوں اور ماؤں کے اپنے فرائض قابل اطمینان طریقہ سے ادا کریں اور قوم کے اور دنیا کی ترقی کے خیالات اور معلومات سے کامل طور پر آراستہ رہیں۔ اس بارے میں ہندوستان کتنا بدنصیب ہے وہ دن کب آئیگا جب ہندوستان کی عورتیں نہایت توجہ اور غور و پرداخت کے ساتھ باقاعدہ تعلیم سے مستفید کیجائیں گی۔ تاکہ وہ قوم کی ترقی اور اس کے نئے جنم لینے کے کام میں اپنے اصلی اور بہت اہم درجہ پر متمکن رہیں۔

سودیشی کا جوش جو آجکل ہمارے ہندوستانی محبان وطن کے دلوں میں موج

زن ہی ہرگز اسقدر شاندار ی سے نہیں چمک سکتا جب تک ہندوستان کی عورتیں اسکی روشنی کو نہ بڑہائیں۔ لیکن وہ کس طرح یہ کام بہ کامیابی انجام دے سکتی ہیں اگر وہ قومی و دنیاوی ترقی کے خیالات و معلومات سے آراستہ نہ ہوں۔ کاش ہمارے ہموطن اب بھی بیدار ہو جائیں اور ایک ہندوستانی عورتوں کی یونیورسٹی کسی عمدہ مقام پر قایم کریں۔ لیکن ہندوستان کی ضرورتیں ہرگز پوری نہیں ہو سکتیں جب تک کہ تمام ملک میں نصف درجن یونیورسٹیاں نہ قائم ہو جائیں۔

جاپان کی زنانہ یونیورسٹی ایک نہایت عمدہ اور اعلیٰ انتظام کی تعلیم گاہ ہے جسمیں ایک میر مجلس۔ ایک ڈین (افسر اعلیٰ) ایک چھ ممبروں کی انجمن مشاورۃ۔ دو خزانچی اور ایک اسٹاف ہے۔ اسٹاف میں اُنتالیس پروفیسر۔ نو معلم۔ ایک آنریری لیڈی پروفیسر۔ نو لکچرار۔ اور تین طبی معائنہ کرنے والے ہیں۔ ہندوستان میں کتنے ایک کالج جسمیں ہزار طالب علم اور انتالیس اسپیشلسٹ (ماہران فن) پروفیسروں کے اسٹاف کا فخر رکھتے ہیں۔ کتنے کالجوں میں رزیڈنشل سسٹم کے ساتھ بھی ماہوار یاب یا آنریری بہ وصف موصوف طبی معائنہ کرنے والے متعین ہیں۔ ان معمولی باتوں میں بھی ہم اپنے طلوع آفتاب کے ملک میں رہنے والے بھائیوں سے بہت پیچھے ہیں۔ پس یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ کیوں ہماری کوششوں کے نتائج اسقدر قلیل و ہیچ ہیں۔ اسٹاف میں نو عورتیں ہیں جنمیں سے تین ممالک غیر کی اور چھ جاپان کی ہیں۔ ان تین میں دو انگریزی علم ادب کی اور ایک پیانو کی پروفیسر ہے۔ چھ جاپانی عورتوں میں ایک مسیز ٹاسومریک جاپانی علم ادب کی پروفیسر ہے۔ ایک مسیز ماسکومیوا داچینی و جاپانی کلاسکس کی پروفیسر ہے۔ دو رباب کی تعلیم دیتی ہیں۔ ایک کوٹو اور ایک البرڈ سکھاتی ہے۔

یونیورسٹی میں تین نصاب ہیں یعنی ابتدائی نصاب۔ یونیورسٹی کا نصاب اور

مابعد گریجویٹ کا نصاب۔خاص یونیورسٹی حسب ذیل صیغوں میں منقسم ہے۔

(۱) علوم تدبیر منزل۔

(۲) جاپانی علم ادب۔

(۳) انگریزی علم ادب۔

کچھ عرصہ میں اُمید ہے کہ ذیل کے صیغوں کا بھی بندوبست ہو جائیگا۔

(۱) معلمی۔

(۲) موسیقی۔

(۳) آرٹ۔

(۴) سائنس۔ اور

(۵) زنانہ ورزش

ہر صیغہ کے دو نصاب ہیں ایک ضروری و لازمی اور ایک انتخابی و اختیاری۔ ان تمام نصابوں کی تفصیل یہ ہے۔

۱۔ علوم تدبیر منزل:-

ا۔ لازمی نصاب۔

علم اخلاق نظری و عملی۔علم روح۔معلمی۔
اصول و قواعد حفظان صحت۔فنون عملی (علم طبیعی۔
علم کیمیا اور نیچرل سائنس) علوم تدبیر منزل و فنون۔
اصول قوانین سیاست و مجموعہ قوانین دیوانی۔
تاریخ فنون لطیفہ۔تربیت جسمانی۔

۲۔ اختیاری نصاب۔

جاپانی علم ادب۔چینی کلاسکس۔انگریزی۔

فرانسیسی - تاریخ - فلسفہ - تاریخ فلسفہ -
طریقہ تعلیمی - موسیقی - نقاشی و مصوری -

ب - جاپانی علم ادب -

۱ - نصاب لازمی :-

علم الاخلاق نظری و عملی - علم روح انسانی -
معلمی - جاپانی علم ادب - تاریخ علم ادب جاپان -
علم الفصاحت - چینی کلاسکس - تاریخ فنون -
لطیفہ - فلسفہ - تاریخ فلسفہ - تاریخ -
تربیت جسمانی -

۲ - نصاب اختیاری :-

علم ترکیب اجسام حیوانات - اصول و قوانین حفظان
صحت - فنون عملی - علوم تدبیر منزل و فنون -
علم سیاست مدن - اصول قوانین سیاست و مجموعہ قوانین دیوانی
موسیقی - نقاشی و مصوری -

ج - انگریزی علم ادب :-

۱ - نصاب لازمی :-

علم الاخلاق نظری و عملی - علم روح انسانی -
معلمی - انگریزی - انگریزی علم ادب - جاپانی
کلاسکس - تاریخ فنون لطیفہ - فلسفہ -
تاریخ فلسفہ - تاریخ - تربیت جسمانی -

۲ - نصاب اختیاری -

فرانسیسی۔ علم ترکیب اجسام حیوانات۔

اصول و قواعد حفظان صحت۔ چینی کلاسکس۔

فنون عملی۔ علوم تدبیر منزل و فنون۔

اصول قوانین سیاست و مجموعہ قوانین دیوانی۔

معلمی۔ موسیقی۔ نقاشی و مصوری۔

ہر صیغہ میں دونوں لازمی اور اختیاری نصاب تین سال میں ختم کرائے جاتے ہیں۔ پہلے سال کے مضامین ان کی اہمیت کے مطابق دوسرے سالوں میں جاری رکھے جاتے ہیں یا ان کے عوض دوسرے مضامین شروع کرائے جاتے ہیں۔

تعلیمی سررشتہ کا سال داخلہ اور ترقی۔

سررشتہ تعلیمات کا سال پہلی اپریل کو شروع ہوتا اور دوسرے سال کی ۳۱ مارچ کو ختم ہوتا ہے۔ سال تین دوروں یعنی ٹرمس پر منقسم ہے۔ طلبار ہر تعلیمی سال کے شروع میں شریک کیے جاتے ہیں۔ بعض خاص صورتوں میں اس کے درمیان بھی شرکت کی اجازت مل جاتی ہے۔ وہ طلبا رجن کی صحت قومی اور جن کا چال چلن اچھا ہو اور جو سترہ سال سے زیادہ عمر کے ہوں صیغہ یونیورسٹی کے پہلے سال کے درجہ میں شریک کیے جاتے ہیں۔ لیکن انہیں ذیل کی کوئی نہ کوئی خصوصیت رکھنی ضروری ہے۔

(۱) یونیورسٹی کے جنرل اور انگریزی ابتدائی نصاب کو ختم کر چکے ہوں۔

(۲) یونیورسٹی سے متعلقہ ہائر گرلس اسکول کے گریجویٹ ہوں۔

(۳) کسی پبلک یا پرائوٹ ہائر گرلس اسکول کے پنج سالہ نصاب کی تعلیم پاکر گریجویٹ ہوئے ہوں۔

(۴) نارمل اسکول کے گریجویٹ ہوں۔

(۵) کسی ہائر گرلس اسکول کے چار سالہ نصاب تعلیم پاکر گریجویٹ ہونے کے بعد ایک سال سے زیادہ تک نصاب تکملہ تعلیم پورا کیا ہو۔

اس ضمن میں یہ بات بھی قابل ذکر ہی کہ ہر طالب علم کو ایک تحریری اقرار اپنے کفیل و ضامن کا پیش کرنا پڑتا ہی جو زمانہ تعلیم میں اس کا ذمہ دار ہو۔

طلبار کو صرف ان آرائے کے موافق ترقی دیجاتی ہی جو اُن کے روزانہ کام پر فیاکلٹی (مجلس) دیتی ہی۔ آیا طلبار کو گریجویٹ بننے کی اجازت دیجائے یا نہ اس کا انفصال فیاکلٹی کی رائے پر منحصر ہے جو طلبار کے روزانہ کام اور ان کے مضامین پر وہ قایم کرتی ہی۔ اسی طرح کے طلبار کو ڈگری کی اجازت ملتی ہی۔

یونیورسٹی کی تعلیم یہیں ختم نہیں ہو جاتی۔ عورتوں میں بہ کثرت تعلیم پھیلانے کی غرض سے اختیاری طلبار کے لیے بھی بندوبست کیا گیا ہی۔ اگر کوئی لڑکی باقاعدہ طالب علم نہ بنے اور صیغہ یونیورسٹی کے صرف کسی ایک یا زیادہ نصابوں سے مستفید ہونا چاہے تو اُسے درخواست کرنے پر بہ آسانی اگر اس کی سترہ سال کی عمر ہو اور وہ اپنے مجوزہ مضمون کی تعلیم کی اہل ثابت ہو تو سال تعلیمی کے آغاز میں شرکت کی اجازت ملجاتی ہی اس سے ہندوستان کو جو قابل تقلید سبق لینا چاہیئے یہ ہی کہ یونیورسٹی صرف گریجویٹ پیدا کر دینے پر قانع نہیں ہی اور صرف اسی کو اپنا فرض نہیں تصور کرتی۔ پوسٹ گریجویٹ کی تعلیم کی اہمیت بھی اچھی طرح تسلیم کی گئی ہی۔ اُن خواتین کے فائدہ کے لیے جو صرف ان مضامین میں جن میں وہ گریجویٹ ہوے ہیں اپنی تعلیم آئندہ اور جاری رکھنا چاہتے ہیں صیغہ یونیورسٹی میں ایک نصاب قایم کیا گیا ہی جو جملہ نصاب لازمی و اختیاری ختم کردہ یعنی ہر دو طرح کے گریجویٹس کے لیے ازبس مفید ہی۔ یہ نصاب تقریباً تین سال میں ختم ہوتا ہی جس کے بعد یونیورسٹی کا پریسیڈنٹ ایک سند دیتا ہی۔ ان لڑکیوں کے فائدہ کی غرض سے جو یونیورسٹی کے درجوں میں شرکت کی پوری قابلیت نہیں رکھتی ہیں یونیورسٹی سے متعلق ابتدائی نصاب مقرر ہیں جن کا نام ابتدائی نصاب عامہ (جنرل پریپیریٹری کورس) اور ابتدائی نصاب انگریزی (انگلش پری پیرٹری کورس)

ہے۔ اور جو ایک سال و دو سال میں علی الترتیب ختم ہوتے ہیں۔ یونیورسٹی کی باقاعدہ تعلیم کے تکملہ کے طور پر اسپیشل لکچر کورس بھی قایم ہیں۔ یہ خاص لکچر کم سے کم ہر ماہ میں ایک بار کسی مناسب تاریخ پر ہوتے ہیں۔ مقررہ لکچراروں کے علاوہ جو خاص خاص مضامین میں بڑے جید عالم اور فاضل ہوتے ہیں وقتاً فوقتاً مشاہیر خواہ جاپانی ہوں یا اور ملک کے ان سے طلبا کے مفید مطلب مضامین پر لکچر دلائے جاتے ہیں۔ یہ خاص لکچر صرف یونیورسٹی کے طلبا کے لیے مخصوص نہیں ہیں۔ لکچروں کے نصاب کی مناسبت سے ایک مختصر سی فیس بھی لیجاتی ہے یونیورسٹی میں شرکت کی فیس دو ین (تین روپیہ) کے علاوہ سالانہ تعلیمی فیس ۲۷ ین + پچاس سن (اکتالیس روپیہ چار آنہ) تین اقساط میں وصول کی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ پانچ ین پچاس (آٹھ روپیہ چار آنہ) سالانہ ہر طالب علم سے اخراجات اسکول کے نام سے لیے جاتے ہیں۔

یونیورسٹی میں ایک عظیم الشان کتب خانہ اور ایک اعلیٰ درجہ کا ریڈنگ روم (دار المطالعہ) بھی ہے جس کی کوئی فیس نہیں۔ یہ بات البتہ قابل ذکر ہے کہ کتب خانہ صبح کے ۸ بجے سے شام کے ۹ بجے تک کھلا رہتا ہے اور طلبا، محافظ کتب خانہ کی مہربانی و ترحم کے محتاج نہیں ہیں بلکہ خود بہ آزادی تمام کتابوں کو نکالتے اور رکھتے ہیں۔ یہ حقیقت میں ہندوستان کے مروجہ طریقہ کی ایک اعلیٰ شکل ہے۔ ڈارمٹری کے قواعد سے جو کہ جاپان کی یونیورسٹی نسواں کے ساتھ قایم ہوا ہے ظاہر ہوتا ہے کہ جاپانیوں نے کتنی غور و خوض کے بعد منصوبے قایم کیے ہیں اور کتنے اعلیٰ آئڈیل ان کے پیش نظر ہیں۔ ڈارمٹری ہماری بورڈنگوں کے مشابہ ہیں جو کالجوں سے متعلق ہوتے ہیں لیکن اغراض و مقاصد اور انتظام میں اُنسے بدرجہا بہتر و اعلیٰ ہیں۔ ڈارمٹری کے طلبا کو نہایت توجہ سے اسکے ضوابط و اصول کی پابندی کرنی پڑتی ہے۔ انہیں ہمیشہ اپنے اتالیقوں اور اُستادوں کو رضامند۔ خوش اپنا گرویدہ بنا رکھنے اور انکی فرمان برداری کرنے کو اپنا فریضہ تصور کرنا پڑتا ہے اور باہم مدد و اعانت کرنی اور بہنوں کی طرح

باہمی محبت و الفت سے بسر کرنا ضروری ہے۔ اسی کے ساتھ انہیں اپنی آپ مدد کرنے اور خود ترقی کرنے کی قوت پیدا کرنی پڑتی ہے۔ وہ مساوات اور اتفاق و اعانت کی روح اپنے میں پھونکنے اور ڈارمٹری کو اپنا گھر (ہوم) بنانے کی کوشش کرتی ہیں۔ انسے توقع کیجاتی ہے کہ وہ اپنی چال چلن میں بہت باقاعدہ ہوں اور ہمیشہ اپنے قول و فعل میں مستعد و چالاک رہیں اور ہر بات کو نہایت خوش اسلوبی اور پھرتیلے پن سے بجالانے کی کوشش کریں اور اسے اپنی زندگی کا ایک ضروری و لازمی قاعدہ بنالیں۔ انہیں دماغی و روحانی ترقی کے حصول میں اولوالعزمی و عالی حوصلگی سکھائی جاتی ہے لیکن ان سب امُور میں حفظان صحت کا خیال ضرور پیش نظر رہتا ہے۔

جو لڑکیاں مغربی طرز بود و باش اور مغربی معاشرت سیکھنے کی خواہشمند ہوتی ہیں انہیں ڈارمٹری کی عمارت کے خاص حصہ میں جو اسی طرز کا ہوتا ہے ایک غیر جاپانی پروفیسر کی نگرانی میں رکھا جاتا ہے۔ بڑی کلاسوں کے طلبا ر باری باری سے منتظم کے درجہ پر متعین کیے جاتے ہیں جسے "شو فو" کہتے ہیں اور انہیں یوں انتظام خانہ داری سکھایا جاتا ہے اور یونیورسٹی کی جانب سے ایک بڑی بوڑھی عورت ان پر نگراں مقرر کیجاتی ہے۔ ڈارمٹری کے طلبا ر خواہ بچے ہوں یا بڑے سب کو خانہ داری کے مختلف فرائض اپنی اپنی قابلیت کی مناسبت سے انجام دینے پڑتے ہیں۔ ڈارمٹری کی مہتمہ وقتاً فوقتاً طلبا ر کو ساتھ لیکر ملک کی مشہور و معروف خواتین کے پاس جاتی ہے اور اکثر اوقات ایسی معزز و ممتاز عورتیں خود ڈارمٹری میں بلائی جاتی ہیں تاکہ طلبا ر کو ان کے دانشمندانہ پند و نصائح اور تجربوں سے واقفیت پیدا کرنیکا موقع ملے۔

طلبا ر ڈارمٹری کی صحت و تندرستی کی نگرانی کے لیے یونیورسٹی کی طرف سے ڈاکٹر متعین ہیں اور بیمار طلبا ر کا علاج معالجہ کرتے ہیں۔ ان کی ماہانہ فیس ڈارمٹری کے لیے ایک ین (ڈیرہ روپیہ) اور بورڈ کے لیے چھ ین (نو روپیہ) ہے۔

مذکورۂ بالا بیان سے صاف ظاہر ہے کہ جاپانی اپنی عورتوں کی باقاعدہ "نسوانی تعلیم کے کسقدر حامی ہیں اور نمایشی یا رسم و رواج اور آرایش و زیبایش کی باتوں پر کسقدر کم زور دیتے ہیں۔ ناظرین نے اگر مذکورۂ بالا بیان کو بغور ملاحظہ فرمایا ہوگا تو ضرور یہ راے قایم کی ہوگی کہ ہماری عورتوں کی باقاعدہ اور با اصول تعلیم کے لیے اسی طرح کے کوشش کی ہندوستان میں بھی ضرورت ہے۔ جبتک ہماری عورتوں کی تعلیم و تربیت نہ ہوگی جو سوسائٹی میں ان کے اصلی پوزیشن پر پہونچنے کے لئے ضروری ہے قومی ترقی سراسر ناممکن ہے اب ہم جاپان کی زنانہ یونیورسٹی کی نئی ترقی کا مجملاً ذکر کرنے کے بعد جس ترقی کی ۱۹۰۵ء سے شروع ہوتی ہے اپنے مضمون کو ختم کرتے ہیں۔

۱۵ اردسمبر ۱۹۰۴ء کو جاپان کی زنانہ یونیورسٹی نے ایک بہت موثر طریقہ پر اپنے ترقی کے نئے زینہ پر پہونچنے کی خوشی منائی۔ خوش قسمتی سے اس کے پچھلے دو ہفتوں میں تقریباً ایک لاکھ تینتیس ہزار ین (ایک لاکھ اسی ہزار روپیہ) کا عطیہ جمع ہوجانے پر یونیورسٹی کے ٹرسٹیوں نے اسے ایک مکمل قانونی رتبہ پر پہونچانا اور "زیداں" (وقف شدہ انسٹی ٹیوشن) بنانا طے کیا۔ اسی کے ساتھ انہوں نے سرگرم میر مجلس مسٹر جنسر و نیریوس کی تجویز کو بھی منظور کرلیا جو موجودہ ہائی اسکول اور یونیورسٹی کے نصاب تعلیم میں ایک کنڈرگارٹن ایک ابتدائی اسکول اور ایک مدرسہ تعلیم المعلمات کے زیادہ کرنے سے انسٹیٹیوشن کے اغراض و مقاصد کو وسیع کرنے پر مبنی تھی۔ اس طرح یونیورسٹی نے اپنے فائدہ رسانی کے حدود کو وسیع کرلیا ہے اور اب اس اعلیٰ اصول پر قایم شدہ تعلیم گاہ کے تمام ضروری حصوں سے بیحد و بیشمار فائدہ پہونچ رہا ہے۔ کیا ہندوستان بھی کسی ایسے اعلیٰ تعلیم گاہ پر فخر کرسکتا ہے۔ اب یہ دیکھنا باقی ہے کہ مادر ہند کے بچے کس طرح اس کمی کو پورا کرتے ہیں!

(ترجمہ از ہندوستان ریویو)

سید خورشید علی

تعلیم نسواں کے موانع اور اسکا علاج

تعلیم نسواں کے موانع بہت سے بیان کیے جاتے ہیں جنمیں سب سے بڑا مانع تعلیم بالاتفاق یہ کہا جاتا ہی کہ ان کی شادیاں چھوٹی عمر میں ہو جاتی ہیں میں اس مضمون میں فقط اسی ایک سبب پر بحث کرونگا باقی کو فروگذاشت کرونگا۔

دنیا میں زن و شوہر کی رشتہ مندی بہ نسبت اور رشتہ مندیوں کے زیادہ نازک اور معظم و مکرم ہے مگر وہ یہاں ایسی بے پروائی اور نادانی سے کی جاتی ہی کہ شاید دنیا کے پردہ پر کہیں اور کیجاتی ہو گی ہندوں کے ہاں اسکے لیے پنڈتوں سے لڑکوں لڑکیوں کے جنم پتر بنوائے جاتے ہیں آسمان کے نکشتروں کے گنت کیے جاتے ہیں تو بیاہ کی لگن ٹھہرتی ہی۔ مسلمانوں کے ہاں ملانوں اور بزرگوں فال گویوں رمالوں سے نکاح کے سعد و نحس کے استفسار ہوتے ہیں وہ قرآن شریف کی ورق گردانی کرکے فالیں نکالتے ہیں استخارے دیکھتے ہیں یا پانسوں کو پھینک کر کچھ بتاتے ہیں تو نکاح ٹھہرتا ہی۔ کہاں یہ رشتہ مندی کہاں یہ آسمانی ستاروں اور قرآن کی آیتوں کے حساب ان میں کوئی رشتہ قدرتی نہیں۔ غرض یہ بیاہ شادی بڑے اندھے پنے سے کیے جاتے ہیں وہ بالکل سائنس کے خلاف ہوتے ہیں۔ یہ انسان ہی کی عقل پر پردے پڑے ہیں کہ وہ اپنے بچوں کے بیاہ نابالغی میں کرتے ہیں جو حیوان بھی نہیں کرتا جب یہ دولہا دلہن اپنے گھر جاتے ہیں تو پھولوں کی طرح یہ سارے گھڑے ہوے سعد و نحس باس ہو کر اوبس جاتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ چھوٹی عمروں میں بیاہ کرنے کی برابر کوئی دانشمندی اور فرزانگی نہیں کوئی تدبیر اس سے زیادہ بدکاری کی روکنے والی نہیں جن قوموں میں اسکا رواج ہی انمیں سب سے کم بدکاری ہی۔ اور ان کے ہاں زن و شوہر میں بہت ہی کم نااتفاقی ہوتی ہی لڑکی چھوٹی سی عمر میں سسرال چلی جاتی ہی جسمیں اسکو ساری عمر رہنا ہی وہ اکو اپنے خاوند کے

ـس عمر میں رہتی ہے محبت ایسی پیدا ہوتی ہی کہ وہ مرتے دم تک نہیں جاتی۔ خاو
اروں کے ساتھ رہنے کے سبب سے اپنے رشتہ داروں کی برابر الفت کرتی ہے
ی بیاہ ماں باپوں کی مرضی سے ہوتے ہیں جنکو دنیا کا تجربہ ہوتا ہی وہ اس میں
لاد کے لیے سب طرح سے بہتری دیکھ لیتے ہیں تو بیاہ کرتے ہیں۔ میکس ملر صاحب
ستان میں مشرقی زبانوں کے بڑے عالم ہیں یہ ارشاد کرتے ہیں کہ ہندوؤں کے
بیاہ دیہاتی ہیں پسند نہیں کی جاتیں۔ پسند تو فقط ایک جذبہ کے سبب سے ہوتی ہیں
سالوں کے بعد نہیں رہتا پھر پسند کی جگہ ناپسندی کا آغاز ہوجاتا ہی۔ گو یہ راے
ایک فاضل اجل کی ہو مگر عموماً جو آسمان کے نیچے مہذب قومیں ہیں وہ اسکو مذموم
بالتی ہیں۔ ایک اسکا برا نتیجہ تو یہ موجود ہے کہ ان کی تعلیم اچھی طرح نہیں ہونے پاتی
ـس ملک میں کم عمری کی شادیوں میں اس قانون قدرت پر بھی خیال کرنا چاہیئے
ں لڑکیاں بارہ برس کی عمر میں اور پندرہ سولہ برس کی عمر میں بالغ ہوجاتی ہیں۔
کا حال انگلینڈ کا سا نہیں ہی کہ لڑکی اٹھارہ برس کی عمر میں اور لڑکا بائیس برس کی عمر میں
ہو وہاں غریب آدمی لڑکے کی بلوغ کے بعد ہی شادی کردیتے ہیں مگر آسودہ حالوں میں لڑکی
ادی بیس بائیس برس کی عمر میں اور لڑکے کی تیس برس کی عمر میں ہونیکا رواج ہے
لڑکے لڑکیوں کی طبیعتیں مینڈکیوں کی سی نہیں ہی کم عمری میں بالغ ہونا متقاضی ہوتا ہی
م عمری ہی میں شادی ہو بلوغ کے بعد لڑکی لڑکے کو کنوارا رکھنا معیوب ہوتا ہی لڑکی کی
دی بلوغ کے بعد نہ کی جاے تو اسکا حال ایسا ہوتا ہی جیسا کہ بط کا بغیر پانی کے لڑکے کا
غ کے بعد بیاہ نہ کرنا اسکو والدین کا اجازت دینا ہی کہ جو چاہے وہ کرے۔
غرض اسلیے مناسب ہی کہ لڑکی کی شادی بارہ تیرہ برس کی عمر میں کردیجاے یہ بیاہ
نع تعلیم نہیں ہوگا اگر نورمل اسکول کا ایسا انتظام کیا جاے کہ اسمیں اُستانیوں کو طریقہ تعلیم
سکھایا جاے کہ جسکے سبب سے وہ آٹھ برس کی لڑکی کو اُردو کا لکھنا پڑھنا اور تھوڑا سا حساب

سکھادیں اور پھر اسکے آگے گیارہ بارہ برس کی لڑکی کو نوشت و خواند اور حساب میں اچھی مہارت پیدا کرادیں۔ علم اخلاق وہ سکھادیں جس سے انکے دل میں یقین ہوجاوے کہ گناہ کرنا جہنم میں جانا ہے۔ اسکے بعد اگر انکی شادی ہوگی اور ان کی طبیعت علم کی شائق ہوگی تو وہ اپنی علمی استعداد کو جسقدر چاہینگی بغیر اُستاد کے اپنی اُستانی آپ بننے کی کوشش کرینگی غرض کم عمری میں شادی ہونی یہاں قانون قدرت کا مقتضا ہے مگر اس کا علاج اُستانیوں کا نورمل اسکول میں اک طریقۂ تعلیم سکھانا ہے۔ میں نے دو تین اُستانیاں نورمل اسکول کی پڑھی ہوئی ایسی دیکھی ہیں کہ جنہوں نے اپنے طریقۂ تعلیم سے اوپر کا کام کرکے دکھایا ہے۔ مجھے [illegible] کہ علیگڑھ [illegible] اُستانیاں [illegible] طریقۂ تعلیم سیکھیں گی [illegible] سے کم عمری کی شادیوں کے [illegible] تعلیم کا علاج خاطرخواہ ہوجائیگا فقط

ذکاءاللہ

شاہ لیر

یہ سیکسپیر کے مشہور ڈراما کا اقتباس ہے جو ہم ناظرین خاتون کی دلچسپی کے لیے۔ آئندہ کئی نمبروں میں درج کرینگے۔ اصل ڈرامے کا لفظی ترجمہ علاوہ دشوار ہونیکے بہت بے لطف معلوم ہوتا اسلیئے صرف مفہوم اور مطلب لیکر اُن کو اُردو الفاظ میں ظاہر کیا گیا ہے شروع کا حصہ غالباً زیادہ دلچسپ معلوم نہو لیکن مجموعی طور پر یہ ڈراما بہت پُرلطف ہے۔ امید کہ ناظرین اس سے حظ اُٹھائیں گے۔

پورا نام	اختصار
شاہ لیر پادشاہ انگلستان	لیر
شاہ فرانس	فرانس
شاہزادہ برگنڈی	برگنڈی

پورا نام	اختصار
شاہزادہ کارنوال شوہر ریگن	کارنوال
شاہزادہ البنی شوہر گانرل	البنی
نواب کینٹ	کنٹ
نواب گلاسٹر	گلاسٹر
ایڈگر پسر گلاسٹر	ایڈگر
ایڈمنڈ پسر ثانی گلاسٹر	ایڈمنڈ
دیوانہ بکار خود ہوشیار	دیوانہ
گانرل دختر اول شاہ لیر	گانرل
ریگن دختر ثانی شاہ لیر	ریگن
کارڈیلیا دختر ثالث شاہ لیر	کارڈیلیا

درباری و ملازم وغیرہ۔

ایکٹ اوّل سین اوّل۔ شاہ لیر کا محل

شاہ لیر۔ کارنوال البنی گانرل ریگن کارڈیلیا اور ملازمان کا داخل ہونا۔

لیر۔ گلاسٹر۔ گلاسٹر۔ دیکھو فرانس اور برگنڈی آرہے ہیں جاکر اُن کا خیر مقدم کرو

گلاسٹر۔ ابھی جاتا ہوں۔

لیر۔ اب ہم اپنا دلی منشا ظاہر کرتا ہے۔ ذرا میری سلطنت کا نقشہ تو اُٹھا دو ہمنے اپنی سلطنت کے تین حصے کر دیے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اپنی زندگی میں ہی اپنی تینوں لڑکیوں کو سلطنت بانٹ دیں اور اس بڑے بوجھ سے ہلکے ہو کر اپنی باقی زندگی کے دن آرام سے کاٹیں۔ بیٹے کارنوال اور بیٹے البنی ہمنے مصمم ارادہ کر لیا ہے کہ اسیوقت اپنی

بیٹیوں کے حصے مقرر کردیں تاکہ آیندہ کوئی جھگڑا باقی نرہے۔ شاہ فرانس اور شاہزادہ
برگنڈی جو ایک عرصے سے ہمارے دربار میں ٹھہرے ہیں اور ہماری چھوٹی بیٹی کارڈیلیا
سے شادی کرنے کی خواہشمند ہیں آج اسکا بھی فیصلہ ہوگا کہ کارڈیلیا سے کس کی شادی
ہو۔ اب میری پیاری بیٹیو جبکہ ہم اپنی حکومت اور سلطنت سب تمہارے سُپرد کرنے
والے ہیں تم بتاؤ کہ تم میں سے کونسی سب سے زیادہ ہمسے محبت کرتی ہی تاکہ ہم اُسکو سب سے
بڑا حصہ سلطنت کا عطا کریں۔ گانرل بیٹی تم سب سے بڑی ہو پہلے تم ہی کہو۔

گانرل۔ حضور آپ کو اسقدر چاہتی ہوں کہ میرے الفاظ میں اس بات کی بالکل
گنجائش نہیں کہ میں اپنی محبت ظاہر کرسکوں۔ آپ مجھکو اپنی آنکھوں جیسی پیاری چیز سے
بھی زیادہ پیارے ہیں۔ اور دُنیا میں جسقدر قیمتی اور پیاری چیزیں موجود ہیں۔ ان
سب سے بڑھکر آپ سے پیار کرتی ہوں۔ ایک آدمی جو خوبصورت اور معزز ہو وہ جسقدر
اپنی زندگی کی قدر کرسکتا ہی اُس سے بھی زیادہ میں آپ سے محبت کرتی ہوں۔ میں آپ سے
اتنی محبت کرتی ہوں کہ نہ کسی اولاد نے کبھی اپنے باپ سے کی ہوا ور نہ باپ نے اولاد کو
اسقدر محبت کرتے دیکھا ہو۔ میری محبت! جو میرے دل میں ہی اُسکے ظاہر کرنے سے
الفاظ اور زبان دونوں عاجز ہیں۔

کارڈیلیا۔ (آپ ہی آپ) اپ کارڈیلیا کو کیا کرنا چاہیے! سوا اسکے اور کچھ نہیں
کرسکتی کہ اپنے باپ کی محبت اپنے دل میں پوشیدہ رکھے۔

لیر۔ ہم اِس بڑے اور زرخیز حصہ ملک کی تمکو ملکہ بناتے ہیں اور تجکو اور البینی کی
اولاد کو یہ دائمی جاگیر عطا کرتے ہیں۔ اب ریگن ہماری منجھلی بیٹی تم کہو تم کیا کہتی ہو۔

ریگن۔ اے میرے بزرگ والد میرے دل میں بھی وہی جوش محبت موجزن ہی
جو میری بڑی بہن کے دل میں ہی۔ صرف میری بہن کی اور میری محبت میں اتنا فرق
ہی کہ وہ میرے برابر آپ سے محبت نہیں کرسکتی۔ تمام دنیا کی خوشیاں مجپر حرام ہیں

میں صرف آپ کی محبت کی وجہ سے جیتی ہوں۔

کارڈیلیا۔(آپ ہی آپ) غریب کارڈیلیا اب کیا کیگی! لیکن کیا کہہ سکتی ہو تیری زبان تیری محبت کے بوجھ کو برداشت نہیں کریگی۔

لیر۔ ریگن میں ملک کی ایک تہائی تمکو عطا کرتا ہوں جو دائی طور پر تمہارے اور تمہاری اولاد کے پاس رہیگا۔ اب کارڈیلیا تم جسپر میری اصلی خوشی منحصر ہے کہو تم کیا کہتی ہو تاکہ تم کو ہم تمہاری بہنوں سے زیادہ زرخیز اور قیمتی حصہ عطا کریں کہو۔

کارڈیلیا۔ حضور کچھ نہیں۔

لیر۔ کچھ نہیں!

کارڈیلیا۔ کچھ نہیں۔

لیر۔ لیکن اس کچھ نہیں کے بدلے کچھ بھی نہیں ملیگا۔ پھر کہو۔

کارڈیلیا۔ یہ میری بدقسمتی ہی کہ میں دل کی بات اپنی زبان سے ظاہر نہیں کرسکتی مجھے حضور سے اُسیقدر محبت ہی جتنی کہ بیٹی کو اپنے باپ سے ہونی چاہیے اُس سے کم یا زیادہ نہیں۔

لیر۔ کارڈیلیا تم اپنے الفاظ کی صحت کرو ورنہ تمہیں خاک بھی نہیں ملیگا۔

کارڈیلیا۔ میرے اچھے باپ میں آپ کی بیٹی ہوں آپنے مجھے پالا ہی آپ مجھ سے محبت کرتے ہیں میں بھی مناسب طریقہ سے اپنے فرائض کو ادا کرتی ہوں آپ کی فرمانبرداری کرتی ہوں آپ سے محبت کرتی ہوں سب سے زیادہ آپ کی عزت کرتی ہوں لیکن میری بہنیں جو کہتی ہیں کہ سوا آپکے وہ کسی سے محبت نہیں کرتیں تو اُنسے پوچھئے کہ اُنہوں نے شادیاں کیوں کیں گویا وہ خاوندوں سے محبت ہی نہیں کرتیں لیکن میں یہ کیسے کہدوں کہ جس شخص سے میری شادی ہوگی میں اپنی بہنوں کی طرح اُس سے محبت نہیں کروں گی میرا خاوند میری آدہی محبت کا مالک ہوگا اور میرا فرض ہوگا کہ میں اُس سے محبت کروں

پھر میں جھوٹ کیسے کہوں کہ سوائے آپکے اور میں کسی سے محبت نہیں کرتی۔

لیر۔ کیا یہ تمہارے دلکی بات ہی۔

کارڈیلیا۔ ہاں حضور۔

لیر۔ تم اتنی چھوٹی عمر ہی میں ایسی سخت دل ہو۔

کارڈیلیا۔ حضور میں اسی عمر میں راست بازی کو پسند کرتی ہوں۔

لیر۔ اچھا تمہاری بات ہی سہی اب تمہارا سچ ہی تمکو جہیز میں ملیگا۔ مجھے اپنے پیدا کرنے والے اور زمین اور آسمان اور چاند اور سورج سب کی قسم ہی کہ آج کے بعد میں تم کو اپنی بیٹی سمجھوں میں تم سے کل محبت اور رشتہ قطع کرتا ہوں۔

کینٹ۔ حضور یہ کیا!

لیر۔ کینٹ خاموش! تم خشمناک اژدہے کے منہ میں مت کود و۔ میں کارڈیلیا سے سب سے زیادہ محبت کرتا تھا اور خیال کرتا تھا کہ اُسکو اپنے بڑھاپے کی ٹیک بناؤنگا۔ لیکن سب اُمیدیں خاک میں مل گئیں۔ اس سے کہدو کہ میری آنکھوں کے سامنے سے غائب ہو جائے کوئی جا کر شاہ فرانس اور شاہزادہ برگنڈی کو بلا لاؤ۔ کارنوال اور رالبنی تم اس تیسرے حصہ سلطنت کے بھی مالک ہوے۔

میں نے اپنے تمام اختیارات اور شاہی حقوق تمہارے سپرد کیے تم میری سلطنت کے نصفا نصف کے مالک ہوئے۔ صرف میں اپنے لیے خطاب شاہی باقی رکھتا ہوں اور ایک سو سردار خاص اپنی مصاحبت کے لیے رکھونگا اور باری باری ایک ایک مہینہ تم دونوں کے ہاں رہا کرونگا۔ اس سب سے چھوٹی ناشکر گزار بیٹی سے کہدو کہ اُسکی صاف گوئی کے سوا اُسکو جہیز میں اور کچھ نہ ملیگا۔

کینٹ۔ حضور انور۔ میں نے ہمیشہ سے بڑی وفاداری سے آپکی خدمت کی ہی اور آپکا نہایت وفادار رہوں ہمیشہ آپکے جاہ و اقبال کے لیے دعائیں مانگی ہیں رنج و راحت

میں آپکا ساتھ دیا ہی۔

لیر (بات کاٹکر) اسوقت کمان چلّے چڑھی ہوئی ہے اور تیر چھوٹنے ہی والا ہی تمہیں اگر اپنی جان پیاری ہی تو سامنے سے ہٹ جاؤ۔

کینٹ۔ میں آپکے تیر کا شکار ہونا بہتر سمجھتا ہوں بہ نسبت اسکے کہ خاموش رہوں جبکہ لیر دیوانہ ہوگیا ہی تو کینٹ کو گستاخ ہونا پڑتا ہی۔ اے بڈھے تو کسقدر دیوانہ پن کی بات کر رہا ہی۔ اپنے ہوش میں آ۔ کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ جبکہ بادشاہ خوشامدیوں کی چاپلوسی میں آگیا تو کینٹ سچی بات کہنے سے اور اپنا فرض ادا کرنیسے رُک جائیگا اپنی سلطنت بچاؤ اور پھر غور کرو اور اس قدر جلد بازی سے کام مت لو۔ اگر میری بات جھوٹی نکلے تو میں اپنی جان دینے کو تیار ہوں۔ اور میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ تمہاری چھوٹی بیٹی کسی سے کم تم سے محبت نہیں کرتی ہی یہ مت خیال کرو کہ کم گو آدمی کا دل محبت سے خالی ہی۔

لیر۔ کینٹ تمکو اگر اپنی جاں پیاری ہی تو زیادہ مت بولو۔

کینٹ۔ میری زندگی ہمیشہ آپکے دشمنوں سے مقابلہ کرنے کے لیے قایم رہی ہی مجھے اپنی زندگی کے کھونے کا کوئی اندیشہ نہیں ہے۔ مجھے صرف تمہاری حفاظت مطلوب ہے

لیر۔ چلو میرے آنکھ کے سامنے سے دور ہو جاؤ۔

کینٹ۔ لیر اپنی آنکھ سے کام لو اور زیادہ غور سے دیکھو اور مجھکو اپنے سے دور مت کرو۔

لیر۔ اب خدا کی قسم ہے۔

کینٹ (بات کاٹکر) واللہ آپ اسوقت بالکل فضول قسمیں کھا رہے ہیں۔

لیر۔ او غلام۔ نالائق (اپنی تلوار کے قبضہ پر ہاتھ رکھکر)

ایلبنی۔ حضور معاف کیجیے۔

کینٹ ۔ نہیں کچھ مضائقہ نہیں کرنے دو جو کچھ یہ کرتے ہیں آپ خوشی سے اپنے طبیب کو قتل کیجیے اور اپنے مرض کو بڑہائیے ۔ اپنے عطیہ کو واپس لیجئے ورنہ جب تک مجھ میں آواز باقی ہے میں یہی چلاے جاؤنگا کہ آپ سخت غلطی کر رہے ہیں ۔

لیر ۔ او نالائق سُن ۔ تم نے ہمکو اپنی قسم توڑنے پر آمادہ کرنا چاہا ۔ جو ہمنے آجتک کبھی نہیں کیا اور پھر بڑے غرور سے ہمارے حکم کے خلاف چلنا چاہتے ہو جسکو ہماری طبیعت اور ہمارا مرتبہ دو نوں کسیطرح گوارا نہیں کر سکتے ۔ اب ہم اپنا اختیار کام میں لاتے ہیں تو تمکو اسکی سزا دیتے ہیں ۔ پانچ دن کی تمکو مہلت دیتے ہیں کہ تم اپنے لیے سامان مہیا کر لو اور چھٹے روز تم اپنی مکروہ صورت ہماری سلطنت سے پوشیدہ کر لو ۔ اگر اُسکے دس دن بعد تمہارا جلا وطن شدہ جسم ہماری سلطنت میں کہیں نظر آیا تو وہی لمحہ تمہاری موت کا ہوگا ۔ چلو چلد و یہاں سے ۔

کینٹ ۔ خدا حافظ بادشاہ سلامت ۔ اگر آپ کی یہی مرضی ہی تو مجھکو جلا وطنی منظور ہی کارڈیلیا کی طرف مخاطب ہو کر (پیاری لڑکی خدا تمکو اپنے سایۂ حمایت میں رکھے کیونکہ تم بہت منصف مزاج ہو اور تم نے ٹہیک بات کہدی ہی ریگین اور گانرل کیطرف مخاطب ہو کر (خدا کرے تمہارے کاموں سے تمہاری چرب زبانی کی صداقت ہو ۔ اور جو محبت کے الفاظ تمہاری زبان سے نکلے ہیں ۔ اُن کے اچھے نتیجے ظاہر ہوں ۔ اے شاہزادیو اسطور پر تم سبکو کینٹ الوداع کہتا ہی ۔ اب اُسکو نئے سِرے سے کسی غیر ملک میں اپنی اوقات بسری کے سامان بہم پہونچانے ہونگے ۔

(باقی آئندہ)

حیدرآباد زنانہ ایسوسیشن کا ایک خاص جلسہ

یہ ایسوسیشن کوئی گیارہ سال سے حیدرآباد میں قایم ہی اس کی ابتدا مکل نواب عماد الملک وبحل ڈاکٹر صفدر علی مرزا کے ہاتھوں سے ہوئی تھی۔ کچھ دنوں تک اس کے جلسے بڑی سرگرمی سے ہوا کرتے تھے۔ لیکن اُن دنوں مذکورہ بایوں کی بے وقت موت کے باعث اسکا وجود صرف برائے نام رہگیا تھا۔ اب پانچ چار سال سے مسز واکر کی سعی اور دلچسپی نے دوبارہ اس مردہ انجمن میں جان ڈال دی۔ چنانچہ اسوقت مسز خدیو جنگ (صاحبزادے نواب عماد الملک) اس کی آنریری سکرٹری اور مسز واکر اسکے پریسیڈنٹ ہیں اور ممبروں کی تعداد بھی خدا کے فضل سے قریب سو کے ہو گی جسمیں بیگماتیں ہندو پارسی ویوروپین لیڈیز شامل ہیں۔ اس ایسوسیشن کے جلسے ماہوار ہوا کرتے ہیں اور ابھی تک سوائے تفریح و ملاقات کے اس کی کوئی خاص غرض نہیں ہی۔ اس مختصر مگر ضروری تمہید کے بعد میں اپنے ایسوسیشن کے اک خاص جلسہ کی روداد بیان کرنا چاہتی ہوں۔ جسمیں مسز ہمایوں مرزا (دختر ڈاکٹر صفدر علی مرزا) کو اک طلائی تمغہ اُن کی تصنیف مشیر نسوان و اعلیٰ قابلیت کے صلہ میں دیا گیا۔ سنا جاتا ہی کہ یہ تمغہ لائق مصنفہ کو اکابر قوم کی جانب سے عطا ہوا ہے۔ جسکے محرک مولوی عزیز مرزا صاحب بی۔ اے ہوم سکرٹری سرکار نظام ہیں۔ اور چندہ دہندوں میں امرا و اعلیٰ عہدہ داران وپبلک بھی شامل ہیں اس خاص جلسہ ایٹ ہوم کے خوشنما کارڈ مسز واکر کی جانب سے کئی دن پیشتر ممبروں اور مہمانوں میں تقسیم کیے گیے تھے۔ چنانچہ بتاریخ ۹ ر صفر روز جمعہ جو اس مٹنگ کے لیے مقرر کیا گیا تھا تمام دعوتی و ممبران مسز واکر کے بنگلہ واقع صیف آباد میں جمع ہوے۔ غالباً اس ایٹ ہوم میں سو سے زیادہ بیگماتیں وہندو پارسی ویوروپین لیڈیز ہوں گی جنمیں سے بعض کے نام جو مجھے یاد ہیں لکھنا بیجا نہو گا۔

(۱) محل نواب سربلند جنگ بہادر
(۲) محل نواب سرور الملک بہادر
(۳) محل نواب وزیر یار الدولہ بہادر
(۴) محل نواب عثمان نواز جنگ بہادر
(۵) محل نواب شہ زور جنگ بہادر
(۶) محل نواب وقار نواز جنگ بہادر
(۷) محل نواب ممتاز یار الدولہ بہادر
(۸) محل نواب سراج الدین خاں بہادر
(۹) محل نواب خدیو جنگ بہادر۔
(۱۰) مسز حیدری
(۱۱) مسز فاضل موراج ۔
(۱۲) مسز محمد حسن
(۱۳) مسز شیخ سعادت علی
(۱۴) مسس بدرالدین
(۱۵) مس حامد علی
(۱۶) مسز سید محمد
(۱۷) مسز سردار پریم سنگھ
(۱۸) مسز نند لال سیل
(۱۹) مسز نائیڈو
(۲۰) مسز عنایت علی خاں ۔
(۲۱) مسز محمد احمد مرزا
(۲۲) مسز افضل حسین
(۲۳) مسز حسین
(۲۴) مسز سید سراج الحسن
(۲۵) مسز مرزا مہدی خاں ۔
(۲۶) مسز سہراب جی
(۲۷) مسز شجاعت علی
(۲۸) مسز ہمایوں مرزا
(۲۹) مسز شیخ یاور علی
(۳۰) مسز کیخسرو۔

یوروپین لیڈیز میں ہماری میزبان
(۳۱) مسز واکر اور اُن کی صاحبزادی
(۳۲) مس واکر
(۳۳) مس فیلوز (۳۴) مسز گاف (۳۵) مسز مین

ختم ایٹ ہوم پر مسز واکر نے انگریزی میں ایک نہایت دلچسپ تقریر کے بعد طلائی تمغہ مسز ہمایوں مرزا کو دیا اس تقریر کا اُردو ترجمہ مس واکر نے حاضرین کو سنایا پھر مسز خدیو جنگ آنریری سکرٹری زنانہ ایسوسیشن نے اُردو میں تقریر کی۔ نکے بعد مسز ہمایوں مرزا نے سب کا شکریہ ادا کیا۔ افسوس کہ مجھے ہر ایک کی تقریر دستیاب نہو سکی

اسلئے صرف مسز ہمایوں مرزا کی اسپیچ نذر ناظرین کی جاتی ہے۔

"مسز واکر اور دیگر حاضرین جلسہ"

آپ حضرات سے مجھے پوری امید ہے کہ میری طرز بیان یا خیالات میں اگر کوئی غلطی یا سقم ہو تو نظرانداز کرینگے کیونکہ یہ پہلا موقع ہے کہ میں ایک مختصر سی اسپیچ دینے کھڑی ہوئی ہوں مجھے کافی اور موزوں الفاظ اسوقت نہیں ملتے ہیں کہ میں اپنے جذبات اور خیالات کو ظاہر کرسکوں۔ فی الحقیقت میں اور میری تصنیف ہرگز اس لائق نہ تھی جسکی اک ممتاز پبلک یہ قدر و منزلت کرے اور تمغہ طلائی مرحمت فرمائے۔ مجھے ہمیشہ سے یہ تمنا اور آرزو ہے کہ مثل اور مہذب قوموں کے میری ملکی بہنیں بھی شائستہ اور مہذب بنیں۔ کیونکہ جب عورتیں مہذب ہونگی تو قوم خودبخود درست ہوجائیگی اور پھر ہمارا ملک ترقی کریگا۔ اس خیال سے کتاب مشیر نسواں میں نے لکھکر پبلک کے سامنے پیش کی یہ بہت بڑی میری خوش نصیبی ہے کہ امید سے زیادہ پبلک نے اس کی قدر کی تقریباً ہر گوشۂ ہند کے اخباروں نے نہایت عمدہ الفاظ میں اسپر ریویو کے علاوہ ازیں حیدرآباد کے اکابر قوم و نامی گرامی حضرات نے چندہ عطا فرمایا۔ خصوصاً مولوی محمد عزیز مرزا صاحب جو محرک اس تحریک کے ہیں جنہوں نے اپنا عزیز وقت اسمیں صرف کیا مسز واکر کی بھی میں مشکور ہوں جنہوں نے زحمت گوارا کرکے یہ جلسہ منعقد کیا اس مقام پر یہ کہنا بیجا نہو گا کہ حیدرآباد کی تمام عورتوں کو مسز واکر کا ممنوں ہونا چاہیئے کہ انہوں نے بہانکے عورتوں کی ترقی کے خیال میں اپنے تئیں وقف کردیا ہے۔

میں امید کرتی ہوں کہ مسز واکر تھوڑی سی اور تکلیف گوارا کرکے جناب مولوی عزیز مرزا صاحب کی خدمت میں اور انکے ذریعے سے اُن جملہ حضرات کی خدمت میں جنہوں نے چندہ عنایت کیا ہے میرا شکریہ پہونچاوینگی۔

میری جو کچھ قدر دانی پبلک نے کی ہے مجھے امید ہے کہ اُس سے میری اور

تعلیم نسواں کے حق میں ترغیب ہوگی یہ تو میرے لیے ہمیشہ مایہ فخر رہیگا۔

سب کے آخر میں مسیز سی نائڈو (جنکی تصنیف و تالیف و شاعری کے حالات انشا اللہ آیندہ ہدیۂ ناظرین ہونگے) جو پہلے سے تیار نہ تھیں تقریر کے لیے اُنھیں ان کی لیاقت و قابلیت کا اندازہ اس ہی سے ہوسکتا ہی کہ انھوں نے زبان انگریزی میں بغیر کسی تحریری امداد کے تقریباً ۴۵ منٹ اسپیچ دی۔ میرے خیال میں سوائے یوروپین لیڈیز کے شاید ہی کوئی اور انکے کلام کو سمجھا ہو۔

اس عالمہ کے متعدد انگریزی نظم ہیں جو صرف ہندوستان ہی میں نظر قدر سے نہیں دیکھی جاتی ہیں بلکہ یورپ کے بڑے بڑے اور نامور شاعر یا انگی کلام و نشست الفاظ پر رشک کرتے ہیں۔

اب میں مسیز ہمایوں مرزا کو مبارک باد دیتے ہوئے اپنے مضمون کو ختم کرتی ہوں

مسیز شیخ یاور علی

الاوہ تیمان حیدرآباد دکن

۱۸ اپریل ۱۹۰۸ء

حساب

گو آجکل لڑکیوں کی تعلیم کا بہت چرچا ہی اور تھوڑے دنوں سے پڑھنے لکھنے پر زور دیا گیا ہی مگر بعد قرآن شریف کے گلستان بوستان وغیرہ جہاں پڑھ لی بس اسیقدر ان کی تعلیم کے لیے کافی خیال کیا جاتا ہی۔

حساب کتاب کا بالکل خیال نہیں کیا جاتا اور عورتوں کے لیے غیر ضروری سمجھا جاتا ہے اندر گھر کی خرید و فروخت زبان کی نوک پر ہوتی ہی اور زبان ہی پر حساب رہتا ہی نتیجہ اسکا یہ ہوتا ہی کہ روز کی ماماؤں نوکروں سے لڑائی اور پیسہ پیسہ پر جھگڑا رہتا ہی

جو کچھ بھی روپیہ ہاتھ میں آیا وہ اُٹھ گیا مہینہ شروع نہیں ہوا اور پچھلے مہینہ کے قرضدار آن کھڑے ہوئے اِدہر تنخواہ آئی نہیں اور اُدہر قرض میں گئی نہیں اُدہر پھر باقی مہینہ ہی اور قرض جب بزاز کا روپیہ دیدیا تب سُنار کی فکر پڑی ایک اڑتھیا ہو تو کہا جایے سُنار بزاز بقال بنیا سب سے لین دین اور پھر حساب نہ اردایک سر ریسے پتہ نہیں ایک کوڑی کا بھی نہیں۔ کسی مہینہ میں زیور بنا لیا کسی میں کپڑے میں کسی میں شادی بیاہ میں کھانے پہننے پر اور جس سلسلہ میں روپیہ اُٹھ گیا بس اُٹھ گیا پھر دوسرے مہینہ میں اُسکے فکر نہیں شادی بیاہ میں زیور بیچکر خرچ کیا اُسوقت خوب دہوم دھڑکا ہو گیا بعد کو جو ہے قلابازیاں کھاتے ہیں بند بند قرض میں بندھگیا اور چھٹنا غیر ممکن ہو گیا اگر جائداد وغیرہ ہی تو بس وہ لگ گئی قرضہ میں اگر یہ نہیں مکان وغیرہ سہی اس فضول خرچے سے آخر کو کھانے پہننے کی تنگی پڑ جاتی ہے غرض اس زبانی حساب پر گھر کا کاروبار رکھنا ایک اندھا دہند کارخانہ ہی۔ روپیہ نہ آتا معلوم ہو نہ جاتا معلوم ہو۔

میرے خیال میں جہاں گلستان بوستان پڑہائی جاتی ہی وہاں اگر سادہ سادہ حساب بھی لڑکیوں کو چھوٹی عمر سے سکھایا جائے صرف جمع تفریق اور ضرب تقسیم ہی اگر آجائے تو بہت کچھ گھر کا کام چلے۔

حساب کا قاعدہ ہے کہ اگر ہاتھ سے نکلتا رہتا ہی تو یاد رہتا ہی اور جہاں بے پروائی کی دل سے اُتر جاتا ہی۔ ایک مناسب طریقہ یہ ہی کہ جب تک بہنوں کا اپنا گھر نہ ہو اس عمر میں اپنی ماں کا ہاتھ بٹائیں اور گھر کا حساب روزانہ لکھیں اس سے بہت کچھ ربط رہیگا اور عادت پڑیگی اور بعد کو اس سے بہت فائدہ کی امید ہے گھر کے انتظام کے حساب کا جاننا ضروری ہے۔ جب تک ہمکو معلوم ہی نہ ہوگا کہ ہمارا پیسہ کس کس مد میں کس کس مقدار سے اُٹھتا ہی اُسوقت تک گھر کا کاروبار کیسے چلسکتا ہے۔ بے سمجھے بوجھے گھر کا کارخانہ چلانا اندھوں کی طرح نہایت ہی نقصان دینے والا طریقہ ہی۔ جس شخص کو

حساب نہیں آتا اسکو روپیہ کی قدر نہیں اور جسکو روپیہ کی قدر نہیں وہ آرام دنیا میں نہیں پا سکتا۔ ماہواری خرچ سے جو روپیہ بچ جاے وہ روپیہ سمجھئے اپکا ہی۔

راقمہ

دختر عبدالحمید خانصاحب

ورزش اور پرہیز

الف لیلہ کی کہانیوں میں سے ایک کہانی ہی کہ ایک بادشاہ عرصہ دراز تک ایک بُری عادت میں مبتلا رہنے کی وجہ سے نہایت ہی ضعیف و ناتواں ہوگیا تھا۔ اور اُسکو ہزاروں اقسام کی دواؤں کے استعمال سے بھی کچھ فائدہ مترتب نہوا۔ آخرش ایک حکیم نے اپنی حسن تدبیر سے اسکو اچھا کیا۔ اُس حکیم نے لکڑی کا ایک کھوکھلا گیند بنوا کر اسمیں چند دوائیاں بھریں اور اُس نے ایسی کاریگری سے اسکو بند کیا کہ باہر سے کوئی چیز اس سے نمایاں نہ تھی اور اسی طرح سے ایک بلّے کے دستہ اور اس حصہ کو جس سے گیند پر ضرب لگائی جاتی کھوکھلا کرکے دواؤں سے بھر کر بند کر دیا اور اپنے مریض بادشاہ کو ہدایت کی کہ "صبح سویرے اُٹھکر اس گیند بلے کو کھیلا کیجیے یہانتک کہ پسینہ آجاے" دوران ورزش میں جیسا کہ قصہ میں بیان ہی، ان مرکب ادویہ کی قوت موثرہ نے لکڑی کے سامات سے باہر نکلکر سلطان کے مزاج پر ایسا اچھا اثر ڈالا کہ وہ تھوڑے ہی عرصہ میں صحیح و تندرست ہوگیا۔ اور اسکا وہ عارضہ جس کا ازالہ کل مصلحات اندرونی سے نہو سکا تھا ہمیشہ کے لیے جاتا رہا۔ یہ مشرقی تمثیلی قصہ بہت خوبی سے اس بات کو ثابت کرنے کے لیے ترتیب دیا گیا ہی کہ جسمانی محنت تندرستی کے لیے کیسی مفید شے ہی اور وہ بیماری کا نہایت ہی موثر علاج ہی۔ میں اپنے ایک مضمون میں دکھلا چکا ہوں کہ سلامتی صحت کے لیے انسانی جسم کی عام ساخت و ترکیب کے اعتبار سے ورزش کیسی ضروری تدبیر ہے۔ میں اس مضمون میں تندرستی کے قیام اور محافظت کے لیے

ایک دوسری تدبیر کی تحریک کرونگا جو بہت سی حالتوں میں ورزش ہی کی سی نتیجہ خیز ہے اور بعض حد تک اس کی قایم مقامی کرسکتی ہی وہ تدبیر جس کی تعریف میں کر رہا ہوں پرہیز ہی یہ ایک ایسی تدبیر ہی جو تندرستی کے اور دیگر تدابیر کی بہ نسبت فوقیت رکھتی ہی۔ اس پر ہر درجہ اور ہر حالت کے لوگ ہر موسم اور ہر جگہ میں عامل ہوسکتے ہیں۔

اگر ورزش کل فضلات باہر نکال دیتی ہی تو پرہیز اُن کو ہونے ہی سے روکتا ہی ورزش جن اعضاء کو صاف کرتی ہی پرہیز اُن کو مخلوط و پُر ہی نہیں ہونے دیتا ہی۔ اگر ورزش طبیعتوں میں خوشی پیدا کرتی اور دوران خون کو بڑہاتی ہی تو پرہیز طبیعت کو پورا اختیار دیتا ہی اور اس کی پوری طاقت سے کوشش کرنیکی قابلیت قائم رکھتا ہی۔ اگر ورزش ایک بڑہتی ہوئی بدمزاجی کو فنا کر دیتی ہی تو پرہیز اسکو مغلوب رکھتا ہی۔

معالجہ کوئی حقیقی چیز نہیں ہی بلکہ ورزش و پرہیز کا قایم مقام ہی۔ دوائیاں امراض حادہ کے لیے تو بیشک و فی الحقیقت بالکل ضروری ہیں کیونکہ وہ ان دو بڑے آلوں کے سست فعل کا انتظار نہیں کرسکتے ہیں۔ لیکن اگر لوگ ورزش اور پرہیز کے معتاد ہوکر ان کا سلسلہ نہ توڑیں تو بیماریوں کو گھر دیکھنے ہی کا موقع نہ ملے۔ ثبوت کے لیے یہ مشاہدہ بہت کافی ہی کہ ہم دنیا کے اس حصہ کو زیادہ تندرست پاتے ہیں جہاں محنت و مزدوری کاشتکاری و شکار ذریعہ زیست ہی اُس زمانہ پر جب ہم نظر ڈالتے ہیں جبکہ لوگ شکار میں مشغول رہتے تھے اور اُن کے پاس شکار کے علاوہ بہت ہی تھوڑی کھانے کی چیز رہتی تھی تو اُسوقت کے لوگوں کی عمریں طویل نظر آتی ہیں سینگی فصد کسی کی بہی اسوقت ضرورت نہیں تھی مگر ہاں اُن کے لیے جو کاہل اور بدپرہیز ہیں۔

بہت زمانہ کی بات ہی کہ ایک فیلسوف معروف بہ سقراط تھا۔ ایک مرتبہ ایک نوجوان شخص جو کسی دعوت میں جارہا تھا اُس کو گلی میں ملا۔ وہ اسکو اپنی باتوں میں پہنسا کر اپنے گھر اپنے دوستوں کے پاس لے آیا۔ گویا اُسنے اسکو ایک خطرہ میں پڑہنے سے روکا۔ وہ

فیلسوف اگر ایک جدید پر تکلف دعوت کی بسیار خوری کا تماشہ دیکھتا تو کہتا کہ یہ سارے کھانے والے لوگ پاگل ہوگئے ہیں اگر وہ ان کو مرغیاں مچھلیاں اور گوشت کھاتے ہوئے روغن اور سرکہ اور مسالہ نگلتے ہوئے بیسیوں قسم کی سبزیوں طرح طرح کے آچار، سیکڑوں اجزا کی چٹنیاں، لاتعداد مزے اور مٹھاس کی شیرینیاں اور میوے حلق سے فرو کرتے ہوئے دیکھتا۔ جاے غور ہے کہ ایسی بد پرہیزی کی خلط ملط جسم میں کیسی غیر نظرتی حرکتیں اور غیر مناسب خمیر پیدا کرکے رہیگی۔ میں اپنا خیال ظاہر کرتا ہوں کہ جب میں ایک دعوت کا دستر خوان پُر تکلف کھانوں سے سجا ہوا دیکھتا ہوں تو مجھے وہم ہوتا ہی کہ رکابیوں کے درمیان نقرس استسقا بخار، مرض النوم اور دوسری دوسری بیماریاں چھپی ہوئی اپنے شکار کی گھات میں لگی ہوئی ہیں۔

آجکل عورتوں کی ورزش کا مسئلہ زیر بحث نظر آتا ہے۔ اسی لحاظ سے یہ مضمون ہدیہ خاتون ہے شاید دلدادگان معاشرت فرنگ کی یہ خواہش ہو کہ عورتیں بھی مردوں کی طرح گھروں سے نکلکر میدانوں میں اُچھل کود کیا کریں۔ مگر میرا ایمان تو عورتوں کے گھر سے باہر قدم نکال دینے کو کسی ضرورت سے روا نہیں رکھتا ہی۔ اس لیے میری التجا اپنی باحیا اور غیور بہنوں سے یہ ہی کہ وہ گھر کے کام کاج میں مصروف رہکر اپنی جسمانی ورزش کی ضرورت پورا کیا کریں اور ہر قسم کی احتیاط و پرہیز سے زیادہ ورزش کی ضرورت کو پیدا ہی ہونے نہ دیں شاید کوئی گھر کے کام کاج انجام دینے کو خلاف شان اور موجب ذلت سمجھتا ہو۔ لیکن انبیا و اولیا نے ایسا کیا ہے جن کے رتبے کے آگے ہمارا رتبہ ہیچ ہی اور ہر عاقل کے نزدیک اپنا کام اپنے ہاتھ سے کرنا موجب عزت و شرافت ہی۔

ابو الکمال دسنوی

اڈیٹوریل

روس میں تعلیم نسواں روس کے مسلمانوں میں صرف ۲۵ سال سے ترقی کے آثار نمایاں ہوئے ہیں۔ مگر وہ لوگ نہایت صاحب ہمت اور بلند حوصلہ ہیں انہوں نے اس ۲۵ سال میں جو جو ترقیاں کر لی ہیں ہندوستان کے مسلمانوں نے باوجودیکہ ایک مہذب ترین گورنمنٹ انپر سو برس سے زیادہ سے حاکم ہے اب تک اسکا عشر عشیر بھی نہیں کیا۔ انہوں نے اس عرصہ میں مسلمانوں کے لیے ایک ہزار سے زائد اسکول جا بجا قایم کیے ہیں حالانکہ مسلمانان ہند میں ایسے اسکولوں کی تعداد ابھی سو تک بھی نہیں پہونچ سکی۔ انمیں ہزاروں مسلمان یورپ سے ڈاکٹری۔ انجنیری۔ صنعت اور حرفت کی تعلیم حاصل کر کے آگیے ہیں بخلاف اسکے ہمارے یہاں ایسے لوگونکی تعداد انگلیوں پر گنی جا سکتی ہے۔ ہاں بیرسٹر جسقدر ہمارے یہاں ہیں یقیناً انکے یہاں نہونگے لیکن سو بیرسٹر ملک اور قوم کے لیے اسقدر مفید نہیں ہو سکتے جسقدر ایک انجنیر یا ایک ڈاکٹر ہو سکتا ہے۔

انہوں نے پانچ سو کتابیں مختلف علوم و فنون جدیدہ کی ترکی زبان میں منتقل کر لی ہیں بحالیکہ اب تک اردو میں ایسی کتابوں کے ترجمہ کی طرف لوگ متوجہ ہی نہیں ہیں

تعلیم نسواں جسکے متعلق اب تک ہمارے یہاں یہ بحث ہو رہی ہے کہ آیا کوئی اسکول اسکے لیے قایم کیا جاے یا نہ کیا جاے وہاں دہوم دہام سے رائج ہو گئی ہے چنانچہ جسقدر لڑکے تعلیم پا رہے ہیں اس کی ایک تہاوے سے زیادہ مسلمان لڑکیوں کی تعداد ہی جو تعلیم پاتی ہیں۔ صرف یہی نہیں کہ قرآن شریف اور دو ایک معمولی کتابیں پڑہا کر کورس ختم کر دیا جاتا ہے بلکہ بہت سی لڑکیاں یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کرتی ہیں امسال

۴ لڑکیاں سینٹ پیٹرسبرگ روس کے دارالسلطنت میں ڈاکٹری کی تعلیم پارہی ہیں سالگذشتہ میں دو لڑکیوں نے اسی کالج سے ڈاکٹری کی ڈگری حاصل کی ہو اور وہ بہت کامیابی کے ساتھ پرکٹیس کررہی ہیں۔ ان دونوں میں سے سیدہ رضیہ کو اس کالج میں شاکر پاشا مرحوم سفیر ٹرکی نے داخل کرادیا تھا اصل یہ ہو کہ روس کے مسلمان نہایت بیدار مغز ہیں۔ جب انہوں نے ضرورت کو محسوس کیا تو صرف زبان ہی سے اسکا راگ نہیں گایا بلکہ عقلمندوں نے اپنی عقل سے دولتمندوں نے اپنی دولت سے لیڈروں نے اپنی کوشش سے غرض ہر ایک شخص جسطرح اس سے ہوسکتا تھا ترقی کی فکر میں لگا اور وہ زمانہ عنقریب آنے والا ہو کہ روسی مسلمان نہایت تعلیم یافتہ اور ترقی کے اعلیٰ مدارج پر دیکھے جائیں گے۔ اس موقع پر وہانکے دولتمندوں میں سے حاجی زین العابدین تاغیف کا تذکرہ بیجا نہ ہوگا جو باکو کے جلیل القدر رئیس ہیں۔ انہوں نے تقریباً سو اسکول جدید طرز کے قایم کیے۔ مسلمانان روس کو بیدار اور ملک کے حقوق کی حفاظت کے لیے خود متعدد اخبارات نکالے۔

خود روس اور نیز دیگر یوروپین یونیورسٹیوں میں ہزاروں طلبہ تعلیم کے لیے بھیجے جنکے جزی و کلی ہر قسم کے اخراجات خود برداشت کیے اور کم سے کم اس کام میں انہوں نے ۷۵ لاکھ روپیے صرف کیے۔ آج روس میں جسقدر ڈاکٹر۔ انجنیر۔ قانون پیشہ اور لائق مسلمان ہیں۔ انمیں سے زیادہ حصہ اسی شخص کا بنایا ہوا ہو۔

اس حاتم وقت نے صرف مردوں ہی تک اپنے احسانات محدود نہیں رکھے۔ بلکہ عورتوں کی طرف بھی اس نے اپنی فیاضی کا ہاتھ بڑہایا۔ اور انکے لیے باکو میں ایک عظیم الشان مدرسہ بنا دیا۔ جسکی عمارت میں تین لاکھ روپیے صرف ہوئے اسکے ساتھ ہی اس مدرسہ کے لیے ایک بہت بڑی جائداد وقف کردی جسکی سالانہ آمدنی سات لاکھ روپیہ کے قریب ہو۔ امید ہے کہ عنقریب یہ مدرسہ زنانہ یونیورسٹی ہوجائیگا

یہ جلیل القدر علم دوست بزرگ ایران کے غریب مسلمان بہائیوں کو بھی نہیں
ا۔ اور وہاں کے لوگوں کی تیس لاکھ روپیے سے امداد کی۔ ہماری تہہ دل سے دعا
اللہ اس شخص کو اس فیاض شخص کو اس مربی علم شخص کو تمام زمانہ کی آفتوں سے
ظ رکھے۔ اور روسی مسلمانوں پر اسکا سایہ عرصہ دراز تک قائم رکھے۔

اس شخص نے ہر طریقہ سے مسلمانوں کی امداد کی ہے۔ ایک کارخانہ پارچہ بافی کا
م کیا ہے جسمیں چار ہزار آدمی کام کرتے ہیں اور سب کے سب مسلمان ہیں۔ ہم دعا کرتے
کہ اللہ تعالیٰ ہندوستان میں بھی چند حاجی زین العابدین تاغیف پیدا کر دے۔

اسی طرح کے اور سیکڑوں روسی امراء ہیں جنہوں نے مسلمانوں کی تعلیمی ترقی
بڑی دولت صرف کی ہے اور کر رہے ہیں۔ روس کے عام مسلمان بھی قابل
ریف ہیں کہ جو نہایت شوق سے جان سے دل سے تعلیم کی طرف مائل ہو گئے ہیں۔
سلمانوں کی عورتیں خود اپنی تعلیم کی ضرورت کو سمجھ گئی ہیں۔ چنانچہ کازان میں حال
ں روسی مسلمان بیگمات نے ایک انجمن قائم کی ہے کہ وہاں عورتوں کے لیے مدرسہ قائم
رنے کی کوشش کی جاوے۔ اسکے لیے ایک نیکدل خاتون نے اسوقت ۵۰ ہزار
روپیہ کا عطیہ دیا۔

امیر عبدالرحمن خاں مرحوم والی افغانستان اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ "افغانستان
بھی پوری اور کامل ترقی نہیں حاصل کر سکتا جب تک کہ اُس کی مستورات بھی
تعلیم نہ پائیں۔ بچے اپنا پہلا سبق ماں سے حاصل کرتے ہیں اور جو خیالات کہ ایام
طفولیت میں ذہن نشین ہو جاتے ہیں انکا اثر ان بچوں کے اطوار و عادات پر تمام عمر
قایم رہتا ہے اور انکے دلوں کی جڑوں پر جسقدر مضبوط قبضہ ان خیالات کا ہوتا ہے
ویسا کسی بعد کی تعلیم کا نہیں ہوتا۔ یہ اسی عاقلانہ پالسی کا نتیجہ تھا کہ ہمارے مقدس

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حکم فرمایا کہ کسی حالت میں بلا اجازت ورضامندی اپنے شوہروں کے مکان سے عورتیں باہر نہیں جا سکتیں مگر صرف اس ایک کام یعنی حصول علم کے لیے جا سکتی ہیں۔

اگر عالم لوگ اور اُنکی بیبیاں تعلیم یافتہ ہوں اور عموماً مستورات پڑھی لکھی ہوں تو جو مدبرین کہ رعایا میں سے مقرر کیے جائیں یا رعایا اُن کو منتخب کرے وہ یقیناً بہتر انصاف کرنے والے زیادہ واقف اور باخبر ہوں۔ اور انتظام حکومت بہتر طریقے سے انجام دیکیں

---

۲۲ راپریل کی صبح کے سات بجے حضور والیسرائے بہادر علی گڑہ کالج میں تشریف لائے اور کالج اور بورڈنگ ہوس کا معائنہ فرمایا اور اسٹریچی ہال میں ٹرسٹیوں نے حضور کی خدمت میں ایڈریس پیش کیا۔ ایڈریس میں ریاستہائے اسلامی خیرپور سندہ اور بہاولپور اور ٹونک اور بھوپال کا شکریہ ادا کیا گیا تھا کہ زنانہ اسکول کے لیے ان ریاستوں نے اپنی فیاضی سے امداد دی ہی۔ حضور انور نے اپنے جواب میں انتہا درجے کی خوشنودی ظاہر فرمائی کہ علی گڑہ میں مسلمانوں نے تعلیم نسواں کی طرف توجہ کی ہی ایک وقت میں تعلیم نسواں کے نام سے لوگ نفرت کرتے تھے پھر اس کی ضرورت تو تسلیم کی گئی لیکن سوال یہ تھا کہ اسکو شروع کس طریقے سے کیا جائے اب قریب قریب یہ مسئلہ بھی حل ہو گیا ہی۔

خدا کا شکر ہے کہ آج ہمارے کالج کی مقتدر جماعت ٹرسٹیاں بھی اپنے ایڈریس میں تعلیم نسواں کی ترقی کو قومی ترقی کا ایک بڑا ذریعہ تسلیم کرتے ہیں۔

ہمارے صوبے کی لوکل کونسل میں جناب نواب ممتاز الدولہ سر فیاض علیخاں صاحب نے اپنی تقریر کے دوران میں اُس گرانبہا عطیہ کے لیے جو گورنمنٹ نے زنانہ مدرسہ علی گڑہ

کو مرحمت فرمایا تھا گورنمنٹ کا شکریہ ادا کیا۔

جناب مسز ممتاز علی صاحبہ اڈیٹر تہذیب النسواں لاہور کو پنجاب گورنمنٹ نے مبلغ تین سو روپیہ نقد بطور انعام کے مرحمت فرمائے ہیں اور ایک سند بھی عطا کی ہے اڈیٹر صاحبہ موصوفہ کو یہ انعام اور سند اُن کی اُس کوشش کے لیے ملی ہیں جو وہ ایک عرصے سے تعلیم اور تہذیب نسواں کے معاملات میں کرتی ہیں ہمکو اس سے انتہا درجے کی مسرت ہوئی کہ گورنمنٹ نے ایک مسلمان خاتون کے کاموں کی قدر فرمائی اور اُن کی ہمت افزائی کی۔ ہم اڈیٹر صاحبہ موصوفہ کو تہ دل سے مبارکباد دیتے ہیں۔

عورتوں کو خدا نے قدرتاً فیاض طبع بنایا ہے اُن میں خدا نے دوسروں کی ہمدردی کا مادہ بھی زیادہ دیا ہے اور جس بات کو وہ اچھا اور مفید سمجھتی ہیں اُسمیں وہ ہر طرح سے امداد دیتی ہیں۔ یورپ اور امریکہ کی عورتوں کی فیاضی مشہور ہے۔ جسقدر خیراتی اور رفاہ عام کے کام ممالک مذکورہ میں جاری ہیں اُن میں بہت بڑا حصہ عورتوں کی فیاضی پر منحصر ہے۔

بلکہ غیر ممالک مثل ہندوستان و چین و افریقہ وغیرہ میں جسقدر مشنریوں نے مدارس و دیگر مذہبی کام کروڑہا روپیے کے صرف سے جاری کر رکھی ہیں۔ اُن کا دار و مدار زیادہ تر عورتوں ہی کی فیاضی پر ہے۔ ہندوستان میں بھی قدیم سے یہ بات مسلمہ ہے کہ عورتیں خیراتی امور میں امداد دینے سے کبھی دریغ نہیں کرتیں۔ ہندو ریاستوں میں اسوقت تک بہت سے وقف پائے جاتے ہیں جن کی واقفہ کوئی عورت ہی نکلتی ہے آریہ سماج کے گروکل کے اجلاس میں

یں سالانہ عورتیں ہزاروں روپیہ دیتی ہیں اور بعض وقت کسی جوشیلے اسپیکر کی تقریر سے موثر ہوکر اپنے زیور تک اُتارکر دیدیتی ہیں۔ ندوۃ العلما میں اگر سچ پوچھیے تو عورتوں ہی کی فیاضی سے جان پڑی ہے۔ زنانہ نارمل اسکول علی گڑہ کی بنیاد بھی بیگمات کی فیاضی سے پڑی۔ غرضیکہ ان غریبوں کا مال اور وقت اور توجہ سب دوسروں کے لیے وقف ہے۔ لیکن مرد بتائیں کہ انہوں نے عورتوں کے لیے ابتک کیا کیا ہی۔

رسالۂ خاتون کو جاری ہوے اب قریب چار سال کے ہوگئے ہیں جولائی آیندہ میں چوتھا سال ختم ہو جائیگا۔ اب اس رسالہ کو اپنی کوشش اور کام کا دائرہ وسیع کرنے کی ضرورت معلوم ہورہی ہے۔ اب تک محض تعلیمی امور کی طرف ہم نے پوری توجہ کی اور خدا کا شکر ہے کہ جہاں اور بہت سے اسباب عورتوں کی تعلیم کا چرچا قوم میں پہیلانے کے باعث ہوئے ہیں وہاں رسالۂ خاتون کا بھی بہت بڑا حصہ ہے۔ روشن خیال مردوں اور تعلیم یافتہ بیبیوں نے اسکو اپنا آلہ اظہار خیال بناکر تعلیمی امور پر گزشتہ چار سال میں ہر پہلو سے بحث کی اور دائرہ حامیان تعلیم نسواں کو بہت وسعت دیدی اب اُسی دائرے کے درمیان اور بہت سی باتیں ایسی ہیں کہ جن کی طرف توجہ کی ضرورت ہی۔ تعلیم دینا اور اسکا اہتمام رسالہ خاتون کا کارمنصبی نہیں ہی۔ اُسنے محض ایک منادی کرنے والے کی خدمت نہایت عمدہ طریقے سے اداکردی ہی۔ اب یہ دونا اُن لوگوں کا جو ضرورت سے آگاہ ہوچکے ہیں فرض ہے کہ تعلیم نسواں کا انتظام و اہتمام کریں۔ ہاں ہم اپنی کوشش برابر جاری رکہیں گے تاکہ لوگ سو نہ جائیں اور دائرہ حامیان تعلیم نسواں اور زیادہ وسیع

ہو لیکن اب اپنی کوشش اور توجہ محض اسی کام تک محدود نہ کرسکیں گے اب
اصلاح رسوم کا نہایت اہم اور ضروری کام ہی رسالہ خاتون اپنے ہاتھ میں
لینے کو تیار ہے - ہم بخوبی جانتے ہیں کہ یہ راستہ نہایت خار دار اور دشوار
گزار ہے - ہزار سال سے جو رسوم سوسائٹی میں جاری ہیں اور جو نہایت مضبوطی
سے اپنی جڑیں جمائے ہوئے ہیں اُن کا اکھاڑنا اگر ناممکن نہیں تو دشوار ضرور
ہی - لیکن باایں ہمہ انہیں سے بعضوں کو جڑہ سے اُکھاڑ کر پھینکنے کی ضرورت ہی اور بعض
صرف اصلاح طلب ہیں - اب رسالہ خاتون اپنی معمولی ہمت کے اور استقلال سے
بلا خوف مخالفت یا بلا خیال تعریف اس کام کو اپنے ہاتھ میں لیتا ہے اور اب
یہ سمجھنا چاہیئے کہ رسالہ خاتون کا دور ثانی شروع ہوا - ہم اپنے ناظرین اور ناظرات
سے خواہش کرتے ہیں کہ وہ مفصلہ ذیل مسائل پر اپنے خیالات ظاہر فرمائیں رسالہ
خاتون کے صفحات میں سے ایک حصہ ان امور کی بحث کے لیے مخصوص رہیگا -

(۱) کسی بڈھے مرد سے کسی کمسن لڑکی کی شادی نہیں ہونی چاہیے -

اس عنوان کے ذیل میں بہت سی مثالیں پیش کیجا سکتی ہیں اور ثابت ہوسکتا
ہی کہ ایسی شادیوں کے نتائج نہایت مضر ہوتے ہیں -

(۲) ایک سے زیادہ شادیوں کے نتائج تجربے سے مضر ثابت ہوئے ہیں یا مفید
قرآن شریف میں جو حد لگائی گئی ہی وہ ایک سے زائد شادیوں کی معاون ہی یا
مخالف - اس سے مخالفت پائی جاتی ہے یا اجازت - ہندوستانی سوسائٹی نے
کثرت ازدواج کو قبول کیا ہی یا نہیں - کثرت ازدواج ہندوستانی سوسائٹی
میں عام طور پر رائج ہی یا نہیں اور اگر ہی تو کن کن طبقات میں ہی - بلحاظ اعداد
وشمار اور تعداد مرد اور عورت کے قانون معاشرت اس کی اجازت دیتا ہی
یا نہیں - کن کن اقوام اور مذاہب میں ایک سے زیادہ شادیوں کا رواج

پایا جاتا ہے۔ عام رائے کثرت ازدواج کے موافق ہی یا مخالف۔ایک سے زیادہ شادیاں کرنے میں بیبیوں کی کچھ حق تلفی ہوتی ہی یا نہیں۔کبھی کسی نے اپنی آنکھ سے کسی مرد کو جسکی ایک سے زائد بیبیاں ہوں سب سے انصاف کے ساتھ برتاؤ کرتے دیکھا ہی یا نہیں کسی بی بی نے کبھی اپنی خوشی سے ایک رقیب بی بی کا اپنے گھر میں آنا پسند کیا ہو۔ایسی مثالیں کہیں پائی جاتی ہیں یا نہیں۔انتظام خانہ داری اور تربیت اولاد اور تعلقات عورت و مرد پر ایک سے زیادہ شادیاں کرنے سے کیا اثر ہوتا ہے۔ بالفعل ہم انہیں دونوں باتوں پر بحث چاہتے ہیں۔آیندہ وقتاً فوقتاً اور مسائل کی طرف بھی ناظرین کو متوجہ کرتے رہینگے۔

خاتونان ہمدرد کا محتاج خانہ۔ لاہور کی اس زنانہ انجمن کی نسبت ہم نے پہلے ایک نوٹ لکھا ہے اب یہ بات معلوم کرکے خوشی ہوئی کہ انجمن مذکور کو جس محتاج خانے کا کھولنا مدنظر تھا وہ ، اپریل کو کھولا گیا۔لیڈی گارڈن واکر صاحبہ نے اس کی رسم افتتاح ادا کی۔اس موقع پر بہت سی یوروپین ہندو۔اور مسلمان خاتونیں موجود تھیں۔سکرٹری صاحبہ نے انجمن کی مختصر رپورٹ پڑھکر سنائی جیمیں انہوں نے محتاج خانہ کا بیان کرتے ہوے کہا کہ اسکے ساتھ ایک دکان بھی زنانہ گودام کے نام سے قایم کی جائے گی۔اس گودام میں غریب عورتوں اور محتاج بیواؤں کے ہاتھ کا کام بیچنے کے لیے رکھا جائیگا۔ جن کا کوئی مددگار نہیں ہی۔اور جو محتاج خانہ میں ہونا بے عزتی سمجھتی ہیں۔ مگر دست کاری سے گذر اوقات کرسکتی ہیں۔ رپورٹ سننے کے بعد لیڈی صاحبہ نے محتاج خانہ

کے ہر کرے کو غور سے ملاحظہ فرمایا اور انجمن کے ممبروں کو نصیحت کی کہ وہ باریاں مقرر کریں اور ہر ایک ممبر اپنی باری پر یہاں آیا کرے۔ اس سے محتاج خانہ کے انتظام میں بڑی آسانی ہوگی۔

اس میں شبہ نہیں کہ یہ محتاج خانہ غریب مسلمان عورتوں کے حق میں بہت مفید ثابت ہوگا اور ہم کو امید ہے کہ اس سے فائدہ اٹھانے والی عورتوں کی تعداد یوماً فیوماً ترقی کرتی رہیگی۔ اسوقت کچھ زیادہ روپیہ انجمن کے پاس نہیں ہے اس لیے باہر کی محتاج عورتوں کو انجمن اپنے خرچ سے نہیں بلاسکتی لیکن اگر کوئی خاتون کسی غریب عورت کو باہر سے اپنے خرچ سے بھیجنا چاہیں تو وہ خوشی سے اس محتاج خانہ میں داخل کیجائے گی۔ جب انجمن کے پاس کافی سرمایہ جمع ہو جایگا تو باہر سے آنے والی محتاج عورتوں کو انجمن اپنے خرچ سے بلایا کریگی۔ ہماری دعا ہے کہ یہ زنانہ محتاج خانہ ترقی کرے اور اس کا سرمایہ بڑھے۔

امداد۔ ہمکو یہ امر معلوم کرکے نہایت خوشی ہوئی ہے کہ سردار یار محمد خاں صاحب بہادر کے۔ سی۔ ایس آئی وزیر ریاست جاورہ نے (۳۲۰) روپیہ ماہوار کی اس رقم کو جو آپ کے والد بزرگوار حضرت نور خاں صاحب مرحوم سی۔ ایس۔ آئی کی حسن خدمات کے صلے میں ریاست کی طرف سے آپ کو ملا کرتی تھی ہمیشہ کے لیے علیگڑھ کالج کے نام منتقل کرادیا ہے یہ رقم کالج کو ان کی وفات کے بعد ملنی شروع ہوگی۔ مگر ہماری دعا ہے کہ خداوند عالم آپ کو مدت دراز تک صحت و عافیت کے ساتھ زندہ و سلامت رکھے یہ بات معلوم کرکے کہ سردار صاحب کی بیگم صاحبہ اور صاحبزادی

صاحب نے بھی جو ان کے بعد ان کی وارث ہوں گی اس رقم کے منتقل کرانے میں کوئی عذر اور کوئی اختلاف نہیں کیا۔ بلکہ اپنی منظوری کی تحریر بھیجدی اور بھی زیادہ خوشی ہوتی ہے اور بے ساختہ کہنا پڑتا ہے کہ قومی ہمدردی کے لحاظ سے یہ گھرانا سراسر آفتاب ہے۔ یہ گرانبہا امداد تمام قوم کی شکر گزاری کے لائق ہے سردار صاحب اور ان کی بیگم صاحبہ اور صاحبزادی صاحب نے جو مثال ایثار نفسی اور قومی ہمدردی کی قائم کی ہے وہ بے نظیر ہے اور ہماری دلی تمنا ہے کہ خداوند عالم ہماری قوم کے دولت مند مردوں اور عورتوں کو اس مثال کی پیروی کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

خاتون۔ خاتون کی اشاعت ترقی پذیر ہے۔ ملک کے ہر گوشہ میں خدا کے فضل و کرم سے اس نے مقبولیت پیدا کر لی ہے اور بلا امتیاز ہندو اور مسلمان سب اسکے قدردان ہیں۔ چنانچہ خاتون کے خریداروں کی فہرست میں بہت سے معزز اہل ہنود کے نام بھی ہیں۔

ہم نے اسیوجہ سے سال گزشتہ میں کئی بار اعلان کر دیا کہ خریداران خاتون جبوقت خاتون کے متعلق ہمارے دفتر سے کوئی خط و کتابت کریں تو اپنا خریداری کا نمبر ضرور لکھیں۔ اکثر خریدار ایسا ہی کرتے ہیں لیکن بعض لوگ نمبر نہیں درج کرتے۔ اسوقت اہل دفتر کو بہت ہی دقت ہوتی ہے۔ رجسٹر میں بڑی مشکلوں سے ان کا نام تلاش کر کے حاصل کیا جاتا ہے۔ اس لیے دفتر کو اس طوالت سے بچانے کے لیے خریدار صاحبان کو اپنا خریداری کا نمبر جو پتہ کی چٹ پر چھپا ہوا

ہوتا ہے۔ ہر ایک خط وکتابت میں جو دفتر ہذا سے متعلق ہو دینا چاہیے۔ ورنہ بعض وقت تو بلا نمبر کے تعمیل محال ہو جاتی ہے۔ نام اگر نہ ہو تو نہ سہی لیکن نمبر ضرور ہونا چاہیئے۔

(از منیجر خاتون)

اُردو کا بہترین باتصویر رسالہ

زمانہ

ہر ماہ کے آخر میں نیا چوک کانپور سے نہایت آب و تاب سے شائع ہوتا ہے۔ قیمت سالانہ پیشگی ہے، ششماہی عہ، نمونہ ۶؍ خریداری جنوری سے شروع ہوتی ہے۔

فہرست مضامین

تصویر۔ رانی اہلیا بائی ...... صفحہ

۱۔ علم محبت ۱۴۹

۲۔ شیواجی۔ از رائے پربھولال صاحب بی۔ اے ۱۵۳

۳۔ مغرب و مشرق۔ از منشی صابر علیخاں صاحب شروانی بلونوی ... ۱۶۹

۴۔ مجوزہ صلاحیں۔ از بابو ہرگوبند پرشاد صاحب نگم بی۔ اے ۱۸۰

۵۔ اہلیا بائی۔ از بابو ڈپٹی لال صاحب نگم بی۔ اے ۱۸۶

۶۔ سمندر میں چاند۔ از خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی صفحہ ۱۹۰

۷۔ تیغ ہندی۔ نظم۔ از منشی نوبت رائے صاحب نظر

۸۔ دل صافی } از منشی سورج نرائن صاحب مہر ۱۹۹-۲۰۰

۹۔ دل مکدر }

۱۰۔ گنج شائگاں۔ از منشی بالک رام صاحب شاد بچھواڑیہ ۲۰۱

۱۱۔ خواتین ہند۔ از ابو البشیر ظہیر الدین صاحب رشک ۲۰۵

۱۲۔ یاد وطن۔ از منشی بدر الزماں صاحب بدر ۲۰۶

۱۳۔ رفتار زمانہ ۲۰۹

چند ریویو

پاپونیر زمانہ ہند و مسلمانوں کے لیے ایک مشترک پلیٹ فارم مہیا کرنا چاہتا ہے اور ان دونوں جماعتوں کے مشہور انشا پرداز و شعرا کی قلمی امداد حاصل کرنے کا دعویدار ہے۔

انڈین ڈیلی ٹیلیگراف۔ اس رسالہ کی ایک خاص خصوصیت جدید کتابوں پر وہ تقریظیں ہیں جو اُردو کے فن تنقید میں ایک نیا انداز قائم کرتی ہیں۔

پیسہ اخبار۔ زمانہ کا ہر نیا نمبر گزشتہ نمبر سے بڑھا چڑھا رہتا ہے۔

بھارت مِتر۔ مختلف اقوام اور مذہب کے نامی اہل قلم جتنے زمانہ کو ملے ہیں آجتک اُردو میں کسی دوسرے ماہوار رسالہ کو نہیں ملے۔

پنجابی۔ لکھائی چھپائی میں زمانہ سب پر سبقت لیگیا ہے۔

زمانہ کا ہندوستانی ایڈیشن بھی جنوری سے شائع ہونے لگا ہے۔ قیمت سالانہ عہ ۱۲

رجسٹرڈ نمبر اے ١٢٧

خاتون

جلد ۴ | بابت ماہ مئی سنہ ١٩٠٨ء | نمبر ۵

اڈیٹر شیخ محمد عبداللہ بی۔اے۔ ایل۔ ایل۔ بی سکرٹری تعلیم نسواں اسکشن

فہرست مضامین

(۱) سفرنامہ ابن بطوطہ کا ایک ورق ... ... پ۔ ا۔ ١٣٧
(۲) ایک خواب ... ... خدنگ ١٥١
(۳) بابل ... ... سید خورشید علی صاحب ١٥۴
(۴) شاہ لیر ١٦٠
(۵) سوکن کا جلاپہ ... ... د۔ ج۔ بیگم ١٦٦
(۶) اڈیٹوریل ١٧٧

علی محمد خاں کے اہتمام سے
مطبع فیض عام علی گڑھ میں طبع ہوا

خاتون

۱- یہ رسالہ ۴۸ صفحے کا علیگڑھ سے ہر ماہ میں شائع ہوتا ہی اور اسکی سالانہ قیمت (عمہ/) اور ششماہی عہ/ ہے

۲- اس رسالہ کا صرف ایک مقصد ہی یعنی مستورات میں تعلیم پھیلانا اور پڑہی لکھی مستورات میں علمی مذاق پیدا کرنا۔

۳- مستورات میں تعلیم پھیلانا کوئی آسان بات نہیں ہی اور جبتک مرد اس طرف متوجہ ہونگے مطلق کامیابی کی امید نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ اس خیال اور ضرورت کے لحاظ سے اس رسالہ کے ذریعہ سے مستورات کی تعلیم کی اشد ضرورت اور بے بہا فوائد اور مستورات کی جہالت سے جو نقصانات ہو رہے ہیں اُسکی طرف مردوں کو ہمیشہ متوجہ کرتے رہینگے۔

۴- ہمارا رسالہ اس بات کی بہت کوشش کریگا کہ مستورات کے لیے عمدہ اور اعلیٰ لٹریچر پیدا کیا جاوے جس سے ہماری مستورات کے خیالات اور مذاق درست ہوں اور عمدہ تصنیفات کے پڑہنے کی اُنکو ضرورت محسوس ہو تاکہ وہ اپنی اولاد کو اُس بڑے لطف سے محروم رکھنا جو علم سے انسان کو حاصل ہوتا ہی معیوب تصور کرنے لگیں۔

۵- ہم بہت کوشش کرینگے کہ علمی مضامین جہانتک ممکن ہو سلیس اور بامحاورہ اُردو زبان میں لکھے جائیں۔

۶- اس رسالہ کی مدد کرنیکے لیے اسکو خریدنا گویا اپنی آپ مدد کرنا ہی اگر اسکی آمدنی سے کچھ بچیگا تو اُس سے غریب اور یتیم لڑکیوں کو وظائف دیکر اُستانیوں کی خدمت کے لیے تیار کیا جائیگا۔

۷- تمام خط و کتابت و ترسیل زر بنام اڈیٹر خاتون علی گڑھ ہونی چاہیے۔

سفرنامہ ابن بطوطہ کا ایک ورق

مسلمانوں میں عورتوں کی جسقدر عزت اور مکرمت ہے اور ہمیشہ سے وہ جسقدر عورتوں کا اصلی وقار اور اعزاز کرتے چلے آتے ہیں۔ اسکا بیّن ثبوت تواریخ سے ملتا ہے۔ مذہب اسلام نے جسقدر حقوق فطرتاً عورتوں کے ہو سکتے تھے دیدیے، چنانچہ ہم نے متعدد مضامین میں اسکی تصریح کردی ہے کہ جو حقوق اسلام نے عورتوں کو آج سے تیرہ سو برس پہلے سے عطا کردیے ہیں وہ مہذب سے مہذب قومیں ابتک نہیں دیسکی ہیں۔ ہم اس موقع پر ابن بطوطہ[1] آٹھویں صدی کے مشہور سیاح کے سفرنامہ سے

---

[1] ابن بطوطہ ملک افریقہ کے شہر طنجہ کا جو کہ سلطنت مراکش میں ہے باشندہ تھا، اس کی پیدائش ۷۰۳ھ میں ہوئی تھی۔ بائیس سال کی عمر میں اسنے سیاحت عالم کا ارادہ کیا۔ پہلے مصر آیا۔ پھر شام کے ہر ایک شہروں میں گشت لگایا۔ بعد ازاں عرب میں پھرتا پھرا۔ حج کرکے فارس کی طرف بڑھا۔ پھر دس بر

اسی قسم کا ایک مرقع ناظرین خاتون کے سامنے پیش کرتے ہیں، وہ ملک روس کے سفر کے حالات لکھتے ہوئے کہتا ہے۔

ان شہروں میں مینے دیکھا کہ عورتیں بہ نسبت مردوں کے زیادہ شان و شوکت رکھتی ہیں، امراء کی عورتوں میں سے پہلے پہل مجھے قرم سے نکلتے ہوئے امیر سلیطہ کی خاتون کے تزک و احتشام دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ وہ ایک نہایت شاندار گاڑی پر سوار تھی جسپر نیلی مزرکش پوشش پڑی ہوئی تھی۔ گاڑی کی کھڑکیاں کھلی ہوئی تھیں اور چار نہایت حسین لونڈیاں خاتون کے آس پاس بیٹھی ہوئی تھیں جنکے کپڑے نہایت پر تکلف تھے۔

بیگم کی گاڑی کے پیچھے بہت سی گاڑیوں کا سلسلہ تھا۔ ان سب میں بیگم کی سہیلیاں سوار تھیں۔ جب گاڑی محل کے دروازے پر پہنچی تو بیگم اُسپر سے اُتر پڑی اُسکے ساتھ ہی تیس لونڈیاں جلدی جلدی اُتریں، ہر ایک اپنا دامن اُٹھائے ہوئے تھی۔ دامن اُٹھانے کی صورت یہ ہی کہ لباس اُنکا بہت بھاری ہوتا ہی۔ اس میں ایک تکمہ بہت بڑا سا لگا ہوتا ہی جسکو پکڑ کر وہ اپنا لباس اوپر کھینچ لیتی ہیں اور زمین پر گھسٹنے سی

بقیہ صفحہ ۱۳۷۔ گیا اور تمام روس کی سیر کرتا ہوا ٹرکی پہنچا۔ وہاں سے اندلس کی سیر کی۔ سلطان محمد تغلق کے زمانہ میں ہندوستان میں آیا اور یہاں کچھ دنوں تک اسنے جی کے عہدہ پر ملازمت بھی کی۔ علی گڑھ د کول جہاں سے ہمارا رسالہ خاتون نکلتا ہی اور جو مسلمانوں کا تعلیمی مرکز ہی یہاں بھی ابن بطوطہ کا مبارک قدم آیا تھا۔ ہندوستان سے پھر چین کی سیاحت کی۔ الغرض اُس زمانے میں جبکہ سفر نہایت دشوار تھا اُس نے دنیا چھان ڈالی۔ اور نہایت عمدہ طور پر اپنے سفرنامہ میں صداقت کے ساتھ جو مسلمان مصنفوں کا جنرل لائینفک ہے ہر ملک کی قومی، سیاسی، تعلیمی، تمدنی، مذہبی حالت اسنے لکھی ہے اور ہر ایک جگہہ کی سوسائٹی کی حالت نہایت خوبی سے دکھلائی ہے۔ ہم نے سنا ہے کہ اس سفرنامہ کا ترجمہ اُردو میں بھی ہوگیا ہے۔

محفوظ رہتا ہی۔ یہ لونڈیاں عجب انداز سے چلتی تھیں۔ بیگم جب امیر کے پاس پہنچی تو وہ سر وقد تعظیم کے لیے کھڑا ہوگیا۔ اور سلام کیا۔ اور اپنے پاس بٹھالیا۔ سب لونڈیاں بیگم کو گھیر کے بیٹھ گئیں۔ اسکے بعد گھوڑی کے دودھ کے کوزے (جو روس میں سب سے اچھی نعمت سمجھی جاتی ہی اور ہر ایک شخص کی خاطر تواضع اس سے کیجاتی ہے جیسے کہ ہمارے یہاں پان کے پتّے) آئے۔ خاتون نے پہلے ایک کوزہ دودھ بھر کر نہایت ادب کے ساتھ دوزانو بیٹھکر امیر کے سامنے پیش کیا اسنے بخوشی تمام اسکو پی لیا پھر خاتون نے ایک کوزہ بھر کے اپنے دیور کو پلایا۔ بعد اسکے امیر نے ایک پیالہ بھرا اور خاتون کے سامنے پیش کیا۔ اسنے پی لیا۔ اسکے بعد کھانا آیا۔ امیر نے اور خاتون نے اور سب لونڈیوں نے نیز میںنے اور جسقدر مہمان تھے ایک ساتھ کھانا کھایا۔ امیر نے بیگم کو ایک گرانبہا خلعت عطا کیا۔ میں بعد کھانا کھانے کے وہاں سے واپس آیا۔ اسی طرح پر سب امرا کی خواتین کا حال ہی۔

دوکانداروں اور اہل بازار اور معمولی لوگوں کی عورتیں بھی بگھیوں میں نکلتی ہیں جن میں گھوڑے لگے ہوتے ہیں۔ اور تین یا چار لونڈیاں کم سن سامنے بیٹھی ہوتی ہیں۔ اور سب اپنے اپنے دامن اُٹھاکے اوپر ڈالے ہوئے رہتی ہیں۔

بیبیاں عام طور پر سر پر ٹوپی پہنتی ہیں جنکو "بغطاق" کہتے ہیں۔ یہ ایک خاص وضع کی ٹوپی ہوتی ہی۔ جو جواہرات سے مرصع ہوتی ہے اور ان پر پروں کی کلغیاں لگی رہتی ہیں۔

جسوقت بیگمات سوار ہوتی ہیں گاڑی کے پٹ کھلے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور اُنکے چہرے بالکل کھلے ہوے ہوتے ہیں۔ کیونکہ ترکوں کی عورتیں پردہ نہیں کرتیں اُن کو خوشبو کا بیحد شوق ہوتا ہی۔ اکثر وہ بازار میں آتی ہیں اسکے خادم بکریاں اور دودھ لیے ہوئے رہتے ہیں جنکو فروخت کرکے وہ خوشبو خرید کرتی ہیں۔

بعض اوقات سواری میں جب یہ عورتیں نکلتی ہیں تو ساتھ ساتھ اُنکے شوہر بھی ہوتے ہیں۔ ان عورتوں کی شان و شوکت کے مقابلہ میں شوہر بھی دیکھنے والوں نگاہ میں انکا ایک خادم معلوم ہوتا ہی۔

اس مقام سے ہم نے سلطان محمد ازبک خاں کے لشکر میں پہنچنے کا سامان کیا جو اسوقت دورہ میں تھا۔ سلطان محمد ازبک بڑا عالیشان اور رفیع المکان بادشاہ ہے بڑے بڑے وسیع صوبے اور ملک اسکے قبضہ میں ہیں۔ یہ دنیا کے بادشاہوں میں بحیثیت ملک و دولت قوت اور عزت کے وہی درجہ رکھتا ہی جو خلیفۃ المسلمین ملک ناصر سلطان مصر۔ یا شاہ چین یا شاہ ہند وغیرہ رکھتے ہیں۔

شہر سرا (جسکو آجکل باغیچہ سرائے کہتے ہیں مترجم) جو ساحل بحر قزدین (کاسپین) پر واقع ہی اسکا دارالسلطنت ہی۔

الغرض ہم سلطانی لشکر کو جسکو محلہ سلطانی اور نیز اُردو بھی کہتے ہیں روانہ ہوئے رمضان کی پہلی تاریخ کو مقام "بشن دغ" میں پہنچے جہاں بہت بڑا پہاڑ ہی۔ جس میں سے ایک چشمہ نکلتا ہی جسکا پانی گرم ہی لوگ اس میں غسل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جو اس میں نہاتا ہی بیمار نہیں ہوتا۔

سلطانی لشکر اپنے مقام سے کوچ کر چکا تھا۔ ہم کو یہ معلوم تھا کہ فلاں جگہ قیام ہوگا اسلیے ہم وہاں پہلے ہی پہنچ گئے۔ اور چھولداریاں اور خیمے گاڑ دیے اور گاڑیاں انکے پیچھے چھوڑ دیں۔ تھوڑی دیر گزری تھی کہ ہم دیکھتے کیا ہیں کہ ایک عظیم الشان شہر کا شہر چلا آرہا ہی۔ جس میں مسجدیں بھی ہیں۔ بازار بھی ہیں باورچی خانوں میں کھانا پکتا چلا آرہا ہے۔ دھواں برابر اُٹھتا ساتھ ساتھ چلا آرہا ہی میں بلندی پر چڑھ گیا۔ اور خوب لشکر کی کیفیت دیکھی۔ خیمے ڈیرے سفری نہایت سبک بنے ہیں۔ لکڑی کے مکانات۔ اور بازار تخت پر بنائے گئے ہیں

جن میں گھوڑے جتے ہوئے کھینچتے چلے جارہے ہیں۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ خوش و خرم ایک آبادی کی آبادی چلی جارہی ہے۔

جب ہمارے قریب سلطانی خواتین کا گزر ہوا تو ہر ایک خاتون کا اردو علیحدہ علیحدہ تھا۔ جنکے ٹھہرنے کے لیے میلوں کے میدان کی ضرورت پڑتی تھی۔ چوتھی خاتون امیر عیسے بیگ کی لڑکی جب ہمارے قریب سے گزری تو اُسنے ہمارے خیموں پر وہ جھنڈا دیکھا جو اجنبی مہمانوں کی علامت ہے تو اُسنے کئی لونڈیوں اور خدمتگاروں کو دریافت حال کے لیے ہمارے پاس بھیجا اور خود انتظار میں کھڑی رہی۔

ان سبھوں نے پہلے آکر ہمکو خاتون کی طرف سے سلام پہنچایا۔ اور پھر ساتھ لیکر اُس کی خدمت میں چلے۔ قرم کے گورنر نے ہمارے ساتھ ایک ترجمان بھی کر دیا تھا وہ بھی چلا۔ مینے ایک تحفہ خاتون کی خدمت میں پیش کیا اُسنے اسکو بوسہ دیا اور قبول کیا۔ اور پھر ہمارا حال معلوم کیا۔ اسکے بعد حکم دیا کہ یہ لوگ ہمارے اردو میں فروکش کیے جائیں۔ آخر میں سلطان کا اُردو آیا اور علیحدہ اُترا۔

جب یہ بادشاہ سفر کرتا ہے تو اسکا اُردو علیحدہ ہوتا ہے امرا اور وزرا اُسکے ہمراہ ہوتے ہیں۔ اسکے ساتھ ہر ایک خاتون کا بھی اُردو علیحدہ ہوتا ہے۔ یہ بادشاہ نہایت بہادر، مدبر اور منتظم ہے۔ اسکے حضر اور سفر اور تمام کاموں اور چیزوں کی ترتیب نہایت عمدہ رہتی ہے۔ سفر میں ہر جمعہ کو دربار کرتا ہے۔ ایک زریں شامیانہ ہے جس میں بعد نماز کے سلطان بیٹھتا ہے۔ اس شامیانہ کے بیچ میں ایک لکڑی کا تخت جسپر سونے روپے کے پتر جڑے ہوتے ہیں بچھایا جاتا ہے۔ اس تخت کے پائے خالص چاندی کے ہیں۔ جنپر جواہرات جڑے ہوئے ہیں۔ بادشاہ اس تخت پر صدر میں بیٹھتا ہے۔ داہنے جانب بادشاہ کی چہیتی ملکہ طیطغلی خاتون بیٹھتی ہے اسکے پاس ہی کیک خاتون رہتی ہے جو سلطان کی دوسری بیوی ہے۔ تیسری بیوی خاتون بیلون اسکے بعد بیٹھتی ہے

پھر چوتھی بیوی خاتون ارو جی بیٹھتی ہے۔ تخت کے نیچے داہنے جانب سلطان کا بڑا بیٹا تین بیگ اور پیچھے بائیں طرف چھوٹا بیٹا جان بیگ کھڑا ہوتا ہے اور نیچے سامنے سلطان کے سلطان کی پیاری بیٹی سلطانہ ایت کجک کھڑی ہوتی ہی۔

جسوقت ان خواتین میں سے کوئی خاتون دربار میں آتی ہی تو سلطان تعظیم کے لیے کھڑا ہوتا ہی اور خود ہاتھ پکڑکر اپنے سہارے سے تخت پر چڑہاکر اسکی جگہ پر اُسکو بٹھاتا ہے مگر جسوقت خاتون طُطغلی آتی ہی تو سلطان اسکے استقبال کے لیے شامیانہ کے دروازہ تک جاتا ہی۔ اور پہلے خود اسکو سلام کرتا ہی۔ بعد اسکے اسکا ہاتھ پکڑلیتا ہی اور تخت پر لاکر بٹھاتا ہی اسکے بعد آپ بیٹھتا ہے۔

یہ سب مراسم بلا پردہ کے سب کے سامنے ہوتی ہیں۔ اسکے بعد امرا حاضر ہوتے ہیں۔ دائیں بائیں کرسیاں انکے لیے ہوتی ہیں۔ اپنے درجے کے مطابق بیٹھ جاتے ہیں۔ اس کی پشت پر فوجی افسر دائیں بائیں کھڑے رہتے ہیں۔ اسکے بعد سب لوگ سلام کو داخل ہوتے ہیں۔ سلام کرکے اُلٹے پاؤں پلٹ کر دور فاصلہ سے جا بیٹھتے ہیں۔ باریابی میں تقدیم و تاخیر علی قدر مراتب ہوتی ہی۔

عصر کے بعد یہ دربار برخاست ہوتا ہی۔ خواتین وہاں سے رخصت ہوتی ہیں ہر ایک کا اردو علیحدہ علیحدہ ہوتا ہی۔ لیکن سب کی سب ملکہ طُطغلی کو جو کہ سلطان کے دونوں لائق اور بہادر نوخیز بیٹوں تین بیگ اور جان بیگ کی ماں ہی اسکے فرودگاہ تک پہنچاکر پھر اپنے اپنے مقام کو واپس جاتی ہیں۔

سواری کی کیفیت یہ ہی کہ ہر ایک خاتون اپنی اپنی بگھی پر سوار ہوتی ہی۔ اسکے ساتھ پچاس پچاس نوجوان خوبصورت لڑکیاں گھوڑوں پر سوار چلتی ہیں۔ خاتون کی گاڑی کے آگے بیس بائیس عورتیں گھوڑوں پر چلتی ہیں۔ ان عورتوں کے بعد فتیاں (کم عمر عورتیں) ہوتی ہیں۔ اسکے بعد سواری کے آگے کم عمر سو غلام اور پیچھے کم عمر سو غلام رہتے ہیں

جو سب کے سب گھوڑوں پر زرق برق لباس سے آراستہ چلتے ہیں۔ اُسیقدر پیادے تلوار اور چہروں سے مسلح ساتھ ساتھ ہوتے ہیں۔ پھر فوجی سوار ہوتے ہیں اِس ترتیب کے ساتھ آہستہ آہستہ سواری شان و شوکت کے ساتھ چلتی ہے۔ اور یہی طریقہ ہر ایک خاتون کی سواری کا آتے وقت بھی ہوتا ہے اور جاتے وقت بھی۔ ان خاتونوں کے اردو کی کیفیت یہ ہے کہ ہر ایک گاڑی پر سوار ہوتی ہے۔

گاڑی پر جو گھر بنا ہوتا ہے وہ مثل قبہ کے ہوتا ہے۔ جو گھوڑے ان گاڑیوں کو کھینچتے ہیں اُن پر ریشمی زریں جھولیں پڑی ہوئی ہوتی ہیں۔ گاڑی ہنکانے والا انھیں گھوڑوں میں سے ایک پر سوار ہوتا ہے۔ اُسکو فتی کہتے ہیں۔ خاتون گاڑی میں بیٹھی ہوتی ہے۔ اسکے دائیں جانب ایک اور بیگم ہوتی ہے جسکو اولو خاتون کہتے ہیں اولو کے معنی ترکی زبان میں وزیرہ کے ہیں۔ یہ عورت بن بیاہی ہوتی ہے۔

خاتون کے بائیں جانب ایک اور بن بیاہی عورت ہوتی ہے جسکو کجک خاتون کہتے ہیں۔ کجک کے معنی دربان یا محافظ کے ہیں۔ خاتون کے سامنے چھ کمسن لونڈیاں ہوتی ہیں۔ جنکا لقب بنات ہوتا ہے۔ یہ لڑکیاں انتہا درجہ کی حسین ہوتی ہیں۔ خاتون کے پیچھے دو اور لڑکیاں ہوتی ہیں جن پر خاتون کبھی کبھی سہارا اور تکیہ لگا لیتی ہیں۔

خاتون کے سر پر بغطاق (چھوٹا تاج) ہوتا ہے جو جواہرات سے مرصع و مزین ہوتا ہے۔ بغطاق کی کلغی پروں کی ہوتی ہے۔ ہر خاتون کا لباس ریشمی نہایت بیش قیمت ہوتا ہے حاشیے طلائی اور موتیوں سے مزین ہوتے ہیں۔

بنات کے سروں پر بھی ٹوپیاں ہوتی ہیں جنکے بالائی حصہ میں جواہرات ٹکے ہوئے ہوتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کا لباس ریشمی زرنگار ہوتا ہے۔ خاتون کے سامنے دس یا پندرہ رومی جوان ہوتے ہیں اور ہندوستانی غلام بھی رہتے

ہیں - جو ریشمی مغرق لباس سے آراستہ ہوتے ہیں جنپر جواہرات ٹکے ہوتے ہیں
ہر ایک جوان کے ہاتھ میں سونے یا چاندی کا عصا رہتا ہے یا لکڑی کا ہوتا ہی جسپر
سونے یا چاندی کے پتر چڑہا دیے جاتے ہیں - خاتون کی گاڑیونکے پیچھے سو گاڑیاں
اور ہوتی ہیں - ہر ایک گاڑی پر چھوٹی بڑی تین تین چار چار لونڈیاں سوار رہتی ہیں
ان سب لونڈیوں کے سر پر کلاہ ہوتی ہے - ان گاڑیوں کے بعد پھر تقریباً تین سو
گاڑیاں ہوتی ہیں جن میں اونٹ یا بیل جتے ہوتے ہیں - ان گاڑیوں پر خاتون کا
خزانہ - توشہ خانہ رسد وغیرہ کا سامان اور دفتر رہتا ہی - یہ باربرداری کی گاڑیاں
کہلاتی ہیں - ہر ایک گاڑی کے ساتھ ایک مسلح غلام حفاظت کے لیے رہتا ہے -
یہ غلام انھیں لونڈیوں کے شوہروں میں سے ہوتے ہیں جو خاتون کے ساتھ رہتی ہیں
کیونکہ یہاں دستور ہی کہ لونڈیوں میں کوئی ایسا غلام جسکا نکاح کسی ایک لونڈی سے
نہو گیا ہو نہیں جانے پاتا - یہ ترتیب سواری کی بالعموم ہر خاتون کے ساتھ الگ الگ
ہوا کرتی ہے -

ان سب میں ملکہ طُطغلی کا اعزاز بہت زیادہ ہی - علاوہ دونوں ہر دلعزیز
شاہزادوں کی ماں ہونے کے اس میں بہت سی خصوصیات ہیں جن کی وجہ سے
سلطان اس کو بہت چاہتا ہی - تافقاس جو کہ دنیا بھر میں خوبصورتی کا سب
سے بیش قیمت خزانہ ہی اور نیز اور کہیں بھی مینے نہ خود دیکھا نہ کسی شخص سے
سنا کہ اسنے اس ملکہ جیسی خوبصورت کوئی اور عورت دیکھی تو کیا سنی بھی ہو -
لیکن اس میں ایک عیب ہے وہ یہ کہ باوجود بے انتہا دولت کے وہ کسی قدر بخیل ہے
میں جب اس ملکہ کی خدمت میں پہنچا تو وہ مسند پر بیٹھی ہوئی تھی - دس بے بیاہی
بیگمات جو اس خاتون کی ملازمہ اور ہمنشین تھیں اسکے اِرد گِرد بیٹھی ہوئی تھیں -
اور پچاس چھوکریاں قرینہ سے سامنے کھڑی ہوئی تھیں - ہر ایک عورت کے سامنے

سونے اور چاندی کی کشتیوں میں جمال گوٹا رکھا ہوا تھا جنکو وہ چنکر صاف کر رہی تھیں جو غالباً کسی دوا کی تیاری کے لیے صاف کیا جا رہا تھا ہمنے اس خاتون کو سلام کیا۔ اسنے بیٹھنے کی اجازت دی اور ہم سے باتیں کیں۔ پھر یہ خواہش ظاہر کی کہ ہم میں سے کوئی اُسکو قرآن سنا دے۔ ہمارے ساتھیوں میں سے ایک شخص نے مصری لہجہ میں ایک رکوع پڑھکر سنایا۔ اُسنے اُس کی قرأت اور خوش الحانی پر اظہار مسرت کیا۔ خاتون نے دیر تک ہمارے سفر کے حالات پوچھے اور نہایت خوش اخلاقی سے ہمارے ساتھ باتیں کرتی رہی۔ پھر ہم رخصت ہوئے۔

پھر ہم سلطان کی دوسری ملکہ کیک کے پاس گئے۔ یہ خاتون امیر نغطی کی بیٹی ہے جو زندہ تھا اور جس سے میں پہلے مل چکا تھا۔ جب ہم اسکے دربار میں پہنچے تو یہ بیٹھی قرآن کی تلاوت کر رہی تھی۔ مسند بالکل زرنگار تھا۔ ہم نے سلام کیا اُسنے جواب دیا اور بہت اخلاق کے ساتھ ہم کو بٹھایا اور باتیں کیں۔ ہمارے ساتھی نے اسکو بھی قرآن سنایا بہت خوش ہوئی اور بہت تعریف کی۔

اسکے تیسرے دن ہم سلطان کی تیسری بیوی بیلون خاتون سے ملنے گئے۔ یہ خاتون عیسوی مذہب رکھتی ہے۔ اور قسطنطنیہ کے بادشاہ تکفور کی بیٹی ہے۔ جب ہم اسکے پاس گئے تو یہ ایک مرصع تخت پر بیٹھی ہوئی تھی جسکے پائے چاندی کے تھے۔ اسکے سامنے سو لونڈیاں رومی کمسن کھڑی تھیں۔ اور تخت کے پیچھے سو رومی غلام تھے اسکے حاجب دربان اور ملازم سب رومی تھے۔ اس خاتون نے ہمارے سفر کے حالات اور نیز ہمارے ملک۔ خاندان اور گھر کے حالات بھی پوچھے۔ اور ہمارے گھر بار سے دور ہونے اور غریب الوطنی پر بہت ترس کھایا اور آبدیدہ ہوئی۔ اور ایک سرخ ریشمی رومال سے آنسو پونچھے۔ شام کے وقت کھانا منگوایا اور اپنے ساتھ ہی ہم سب کو کھلایا۔ وہ ہماری طرف دیکھتی جاتی تھی۔ جب وہاں سے ہم رخصت ہونے لگے تو

تو اُسنے کہا کہ دیکھو ایسا نہ کرنا کہ اب پھر ہمارے پاس نہ آؤ بلکہ برابر آتے رہنا۔ اپنی ضرورتوں اور حاجتوں سے ہم کو مطلع کرتے رہنا۔ الغرض اسنے ہم پر بہت مہربانی کی۔ اور جب ہم اپنے فرودگاہ پر آئے تو اسنے کھانا۔ گھی۔ بکریاں اور نہایت عمدہ عمدہ لباس تین گھوڑے عمدہ قسم کے اور دس گھوڑے معمولی ہمارے لیے بھیجے۔ اسی خاتون کے ساتھ مینے قسطنطنیہ کا سفر بھی کیا جسکو میں آیندہ بتفصیل بیان کرونگا۔

دو ایک روز کے بعد ہم سلطان کی چوتھی خاتون اردوجا کے یہاں گئے۔ اردوجا اسکا نام اسلیے ہے کہ اُردو لشکر کو کہتے ہیں اور اس کی پیدایش لشکر ہی میں ہوئی تھی یہ خاتون سلطان کی تمام خواتین سے زیادہ لائق زیادہ سخی غربا پر زیادہ مہربان اور ملکہ طلطغلی کے سوا حسن میں بے نظیر ہے۔ یہ وہی خاتون ہے کہ جسنے مجکو دیکھکر بلوایا تھا اور مہماں نوازی سے یہ حکم دیا تھا کہ تم ہمارے اُردو میں اُترنا۔ اس خاتون نے بڑی مہربانی سے ہمارے ساتھ باتیں کیں۔ افطار کے بعد کھانا منگوایا اور ہمارے ساتھ بیٹھکر کھایا ہم اس خاتون کی بہن سے بھی ملنے گئے جو امیر علی بن ازق کی زوجہ ہے۔ وہ اس سے کم تعریف کی مستحق نہیں ہے۔

پھر ہم سلطان کی بیٹی ایت کجک کے یہاں گئے۔ اسکا اُردو بھی علیحدہ ہوتا ہے۔ سلطان کے اُردو سے چھ میل کے فاصلہ پر تھا۔ جب ہم وہاں پہنچے تو بہت بڑے بڑے عالم اور قاضی جن میں سید شریف بن عبدالحمید بھی تھے۔ اور طلبہ اور مشائخ اور صوفیہ وہاں جمع تھے۔ بادشاہ کی اس لڑکی کے مکارم اور خوبیاں میں بیان نہیں کر سکتا میں نے اسقدر پاک نفس خوش خلق فیاض نیک سیرت اور نیک صورت عورت نہیں دیکھی۔

اس درمیان میں میں سلطان محمد ازبک سے بھی ملا۔ اسنے نہایت خوش خلقی سے ہم سے باتیں کیں۔ میں نے ایک طبق حلوا پیش کیا۔ اسنے اسکو لے لیا اور بڑی مہربانی

ظاہر کی بلکہ ہماری خوشی کے لیے ایک اُنگلی اُس میں سے لیکر چکھ بھی لیا۔ دربار میں ہمکو اپنے ساتھ افطاری کرائی اور کھانا کھلوایا۔ یہ سلطان اسقدر بہادر بارعب مہماں نواز اور فیاض ہے کہ اس سے زیادہ قیاس میں نہیں آسکتا۔ پنجوقتہ مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے آتا ہے۔ نماز کے بعد اکثر ہمکو ساتھ لیکر بارگاہ میں آتا ہے اور باتیں کرتا ہی۔ بڑا اعقلمند بادشاہ ہے، اسکے دونوں بیٹے بھی نہایت دانشمند اور ہردلعزیز ہیں۔ تین بیگ ولیعہد ہے۔ بڑا فیاض اور بہادر ہی۔ جان بیگ نہایت مہماں نواز خوش صورت خوش سیرت اور علم دوست ہے۔

میں اس لشکر کے ساتھ پورے ایک مہینہ رہا۔ سب چھوٹے بڑے لوگوں نے روزے رکھے۔ اور نہایت آرام سے روزے ختم ہوئے۔ اب عید کا دن آگیا وہی جمعہ کا بھی دن تھا اس دن کا کرّوفر عجیب تھا۔ آٹھ دس روز پہلے سے تمام دربار سجایا گیا تھا اور ہر قسم کا سامان کیا گیا تھا۔ عید کی صبح کو سلطان مع اپنی تمام فوج کے چلا۔ ہر ایک خاتون اپنی اپنی گاڑی پر سوار ہوئی۔ ہر ایک خاتون کی متعلقہ فوجیں بھی اسکے ساتھ تھیں۔ شاہزادی ایت کجک بھی ایک شاندار گاڑی پر سوار تھی اسکے سر پر ایک چمکدار تاج تھا۔

سلطان کے بیٹے بھی علیحدہ علیحدہ اپنی فوجوں کے جلوس کے ساتھ سوار ہوئے۔ قاضی القضاۃ شہاب الدین سائی مع علما اور مشایخ کی جماعت کے پہلے سے دربار میں آگئے تھے وہ بھی سوار ہوئے۔ قاضی حمزہ اور امام بدرالدین جو مشاہیر علماء میں سے ہیں اور شریف بن عبدالحمید ولیعہد کے ساتھ ساتھ تھے۔ ان سب کی سواریوں کے ساتھ انکے نشانات تھے۔ قاضی شہاب الدین مذکور نے نماز پڑھائی خطبہ پڑھا بعد ختم خطبہ کے اب یہ شاہی جلوس اس چوبیں برج کی طرف جسکا نام کوشک تھا روانہ ہوا۔ سلطان نے اس برج میں جلوس کیا۔ سلطان کے ساتھ اسی برج میں سب خواتین بھی بیٹھیں۔ دوسرا برج اسی کے قریب تھا اس میں ولیعہد اور صاحبۃ التاج یعنی شاہزادی ایت کجک نے

جلوس کیا۔ ان دونوں برجوں کے دائیں اور بائیں جانب دو برج اور نصب تھے ان میں سلطان کے رشتہ دار لوگ حسب مراتب بیٹھے۔

امرا اور دوسرے شہزادوں کے لیے کرسیاں بچھی تھیں۔ یہ کرسیاں سلطان کے دونوں طرف دائیں بائیں تھیں۔ ہر ایک امیر اپنے مرتبے کے لحاظ سے کرسیوں پر بیٹھ گیا۔ امرار فوج میں سے اس جلسہ میں ۱۷ امیر طومان حاضر تھے۔ طومان دس ہزار سواروں کے دستہ کو کہتے ہیں۔ ہر ایک امیر طومان اپنی اپنی فوج کے ساتھ تھا۔ اور ایک لاکھ ستر ہزار سواروں کا پرا چاروں طرف دربار کے نہایت خاموشی اور باقاعدگی مگر خوفناک رعب کے ساتھ جما ہوا کھڑا تھا۔ یہ سوار اس کل جنگی سواروں کی تعداد کا ایک حصہ ہیں جو اس سلطان کے پاس ہیں۔ ایک گھنٹہ تک یہ دربار ہوا فوج نے کچھ قواعد بھی کی اور تیر اندازی کے کرتب بھی دکھائے گئے۔ پھر بادشاہ کی طرف سے ہر ایک امیر کو خلعت تقسیم کیا گیا۔ خلعت پہننے کے بعد ہر امیر برج سلطانی کے سامنے کھڑے ہو کر داہنا گھٹنا ٹیک کے زمین کو بوسہ دیتا تھا۔ دوسرا امیر کھڑا رہتا تھا جب وہ فارغ ہو چکتا تھا تو یہ کورنش بجالاتا تھا کورنش کے بعد ہر ایک امیر کے لیے ایک گھوڑا مع ساز و سامان کے نہایت عمدہ آتا۔ امیر اسکو بوسہ دیکر اسپر سوار ہوتا تھا اور اپنی فوج کے پاس جاکر کھڑا ہو جاتا تھا۔ اسکے بعد سلطان برج سے اُتر کر گھوڑے پر سوار ہوا۔ داہنی جانب اسکا ولیعہد اور سلطانہ ایت کجک اُسکی بیٹی تھی۔ اور بائیں جانب شہزادہ جان بیگ تھا۔ سامنے چاروں خواتین گاڑیوں پر سوار ہوئیں۔ ان گاڑیوں کی پوشش زرنگار بیش قیمت ریشم کی تھی۔ ان گھوڑوں کی جھولیں جو گاڑیوں کو کھینچ رہے تھے مطلا و مذہب تھیں۔ تمام امرا اور چھوٹے بڑے ارکان سلطنت سب سلطان کے آگے پاپیادہ چلے۔

اس صورت سے یہ جلوس سلطان کے وطاق (بڑے دروازے) پر پہنچا۔ وہاں ایک بہت بڑی بارگاہ نصب تھی جسکے بہت بڑے بڑے چار ستون لکڑی کے

چاندی کے پتروں سے منڈھے ہوئے تھے۔ ان پتروں میں سونے کا کام تھا۔ ہر ستون کے اوپر چاندی کا کلس لگا ہوا تھا جسپر طلائی نقش ونگار تھے۔ ان کلسوں کی چمک دمک آنکھوں کو خیرہ کیے دیتی تھی۔ اس بارگاہ کے چاروں طرف ریشمی سائبان تھے اور سائبانوں کے نیچے حریر کا فرش تھا۔ وسط بارگاہ میں بڑا تخت بچھا تھا جو چاندی کے پتروں سے منڈھا ہوا تھا اور اسپر سونے کا کام تھا۔ اسکے پائے خالص چاندی کے تھے۔ اُن پر بھی سونے کا کام تھا۔ اور جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ اسکے اوپر ایک فرش بہت ہی نفیس بچھا ہوا تھا۔ ایک عمدہ مسند زرکار لگی ہوئی تھی۔ بیچ میں سلطان بیٹھا اور پھر ترتیب وار خواتین بیٹھ گئیں۔ سلطان کے دائیں جانب ایک اور مسند تھی اسپر سلطانہ ایت بجگ بیٹھی۔ تخت کے سامنے ایک کرسی تھی اُسپر ولی عہد تین بیگ نے جلوس کیا۔ اسکے بائیں جانب کی کرسی پر جان بیگ بیٹھا۔ پھر اور شہزادے اور بڑے بڑے امرا بیٹھے۔ پھر چھوٹے چھوٹے امرا جو ہزاری یا دو ہزاری ذات و سوار کا منصب رکھتے تھے بیٹھے

اسکے بعد کھانا آیا۔ عید کے دن یہ دستور ہے کہ تمام ارکان سلطنت کی بادشاہ کے یہاں دعوت رہتی ہے وہ خود ہی کھاتے ہیں اور خود ہی سربراہی کرتے ہیں۔ خدام سے کوئی کام اُسدن نہیں لیا جاتا۔ چنانچہ بڑے بڑے ترکی افسروں نے دسترخوان بچھائے سونے اور چاندی کی کشتیوں میں کھانا آنا شروع ہوا۔ ہر ایک کشتی اتنی بڑی تھی کہ چار چار پانچ پانچ آدمی اُسکو اُٹھا کر لاتے تھے۔ ہر ایک شخص کے سامنے ایک ایک کشتی رکھی گئی۔ گھوڑے اور بکری کے گوشت نہایت عمدہ مصالحہ میں بھُنے ہوئے تھے۔ ہر ایک مہمان کے ساتھ ایک ایک باورچی تھا جو نہایت خوبصورت ریشمی لباس پہنے ہوئے تھا۔ ریشمی عمامہ سر پر ریشمی پٹکا کمر میں بندھا ہوا تھا۔ ہر ایک باورچی اپنے اپنے آقا کیساتھ بیٹھ گیا اور بڑی خوبصورتی سے تیز دستی کے ساتھ گوشت کو مع ہڈیوں کے تراش کر اسکے سامنے رکھنا شروع کیا۔ ایک خوبصورت پیالی میں نمک الگ رکھا ہوتا تھا

یہ ترک افسر وہی گوشت کھاتے ہیں جن میں ہڈیاں بھی شریک ہوں - بعد اسکے سونے اور چاندی کے ظروف آئے اور شہد کی نبیذ آئی یہاں کے سب لوگ چونکہ حنفی المذہب ہیں اس وجہ سے نبیذ کو حرام نہیں سمجھتے - جب سلطان پینے کا قصد کرتا تو سلطانہ آیت بجک اسکو پلاتی جب سلطان پی چکتا تو پھر بڑی خاتون ططغلی کو پلاتی پھر اور خواتین کو پلاتی - اسکے بعد ولی عہد پیالہ ہاتھ میں لیتا پہلے سلطان کو پھر اپنی بہن کو پلاتا - پھر سلطان کا دوسرا بیٹا اُٹھتا وہ اپنے بڑے بھائی کو پلاتا - پھر امرا اُٹھتے وہ شہزادوں کو اور آپس میں ایک دوسروں کو پلاتے - گانے والے شاہی ترانہ گاتے جاتے تھے - ایک بڑا خیمہ وہیں علما اور صلحار کے لیے تھا - انکے سامنے بھی کشتیاں آئیں - جو لوگ بہت متقی تھے اُنھوں نے سونے اور چاندی کے برتنوں میں کھانا نہیں کھایا - بلکہ دوسرے برتنوں میں کھانا کھایا - مینے تو کھایا - ہمارے سامنے بھی وہی ترکی افسران کشتیوں کو لا کر رکھتے تھے - ایسی خوشی اور ساتھ ہی رعب آمیز مجلس میں نے نہیں دیکھی -

جب کھانے سے فراغت ہوئی تو جمعہ کی نماز ہوئی - پھر میں نے دیکھا کہ جہانتک نگاہ کام کرتی تھی چھکڑے چھاگلوں سے لدے ہوئے تھے جن میں گھوڑی کے دودھ بھرے ہوئے تھے - سلطان نے ان سب کو تقسیم کرنے کا حکم دیا - میرے حصہ میں بھی ایک گاڑی آئی مگر میں نے اپنے ایک ترکی دوست کو دیدی کیونکہ گھوڑی کا دودھ مجکو پسند نہیں تھا -

پھر عرصہ تک دربار رہا بعد عصر کے سب لوگ رخصت ہوئے سلطان البتہ مع اپنی خواتین شاہزادی اور شاہزادوں کے اُس دن وہیں رہا اور صبح کو اُردو کا کوچ ہوا - ہم بھی ساتھ ساتھ تھے - شہر حاج ترخاں میں اٹل ندی کے کنارے جو دنیا کی بڑی ندیوں میں شمار ہوتی ہے قیام ہوا دوسرے دن بیون خاتون نے جو شاہ قسطنطنیہ کی بیٹی تھی سلطان سے اپنے باپ کے یہاں جانے کی اجازت مانگی کیونکہ

اسکے لڑکا پیدا ہونے والا تھا۔ اسلیے اس کی خواہش تھی کہ قسطنطنیہ جاؤں۔ میں نے سلطان سے کہا کہ بیلون خاتون کے ہمراہ میں بھی قسطنطنیہ کا سفر کروں۔ سلطان نے اس خیال سے کہ میں مسلمان ہوں مبادا وہاں مجکو لوگ کچھ گزند پہنچائیں جانے سے منع کیا۔ لیکن مینے کہا کہ میں آپ کے عزو امان میں جاؤنگا تو اُسنے اجازت دی۔ اور پندرہ ہزار اشرفیاں گھوڑے اور سامان وغیرہ زاد راہ کےلیے عطا فرمایا۔ ہر ایک خاتون نے بھی کئی کئی ہزار اشرفیاں مجکو دیں۔ سب سے زیادہ سلطانہ ایت کجک نے دیا۔ اور ہم سب بیلون خاتون کے ہمراہ قسطنطنیہ کو روانہ ہوئے۔

رقم

پ - ا

ایک خواب

ایک دن کچھ سوچتے سوچتے میری آنکھ جو لگی تو دیکھتا کیا ہوں کہ میں ایک دریا کے کنارے پر کھڑا ہوں۔ دریا بڑے جوش اور تیزی سے بہ رہا ہے۔ کئی آدمیوں اور چیزوں کو بہائے لیجا رہا ہی۔ بیسیوں بھنور اور گرداب ہیں۔ بڑی بڑی خونخوار مچھلیاں بھی ادہر اُدہر نظر آتی ہیں۔ غرض بڑا خوفناک دریا ہی۔ اسکے پار ہونا نہایت مشکل نظر آتا ہی۔ مگر سامنے دوسرے کنارے پر ایک عجیب دلکش سماں نظر آرہا ہی۔ خوبصورت کوٹھیاں اور بنگلے ہیں۔ ہرے بھرے خوشنما چمن ہیں۔ لوگ ادہر اُدہر خوش خوش ٹہلتے نظر آتے ہیں۔ کہیں بچے اپنے بچپن کے کھیل کھیل رہے ہیں۔ کہیں بوڑھے سنجیدہ باتیں کر رہے ہیں کہیں نوجوان اپنا مزیدار وقت ہنسی خوشی میں گزار رہے ہیں۔

غرض ہر چیز اور ہر شخص خوش ہی بے فکر ہی۔ مسرت اور خوشی ہر شئے سے ٹپک رہی ہی۔ ایک طرف کنارے پر کچھ عورتیں زرق برق کپڑے پہنے ہوئے

کھڑی سیر دیکھ رہی ہیں۔ اسکے مختلف قسم کے لباس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ الگ الگ مذہب اور قوم کی ہیں۔ کچھ یوروپین معلوم ہوتی ہیں۔ کچھ پارسی اور کچھ ہندوستانی ہیں مگر سب کی سب آپس میں نہایت ملاپ سے رہتی معلوم ہوتی ہیں۔ تھوڑی دیر میں یہ لوگ اس پار سے کسی کو اشارہ کرکے بلانے لگیں۔ میں نے اپنے ارد گرد نظر دوڑائی تو دیکھتا ہوں کہ ایک بیچاری مسلمان عورت ہاتھ میں اپنا بچہ لیے ہوئے کھڑی رو رہی ہے۔ شکل و شباہت سے گو یہ بڑی حسین اور کم سن معلوم ہوتی ہے مگر اس کی حالت سے پریشانی۔ افلاس اور تباہی ظاہر ہو رہی ہے۔ پھٹے پرانے کپڑے ہیں بال بکھرے ہوئے ہیں۔ ننگے پیر ہے۔ آنکھوں سے آنسو ٹپاٹپ گر رہے ہیں۔ اُف ایک طرف تو وہ زرق برق لباس۔ وہ خوشی اور مسرت۔ وہ آرام اور آسودگی۔ اور ایک طرف یہ بیچاری غمزدہ۔ افلاس کی ماری۔ بے گھر۔ بے سہارہ۔ نہ کھانے پینے کا ٹھکانا ہے۔ نہ کپڑے لتے ٹھیک سے ہیں۔ نہ ہوش و حواس بجا ہیں۔ زندگی کیا ایک وبال ہے۔ ننھے سے بچے کی بھی عجیب حالت ہے۔ میں دریا کے دونوں کناروں پر دیکھتا تھا اور سوچتا تھا کہ الٰہی عورت یہ بھی ہے اور وہ بھی۔ بلکہ حسن۔ شرافت۔ شرم و حیا نیکدلی وغیرہ اوصاف میں تو یہ اُنسے کچھ بڑھی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ وہ اُس آرام میں اپنی زندگی بسر کریں اور یہ بیچاری یوں ماری ماری پھرے۔ اگر کوئی ظاہرا فرق ہے تو صرف یہی ہے کہ وہ غیر قوم ہیں اور یہ بیچاری مسلمان ہے۔ کیا اسی وجہ سے یہ بیچاری دُکھیاری اس کنارے پر جہاں مصیبت۔ عبرت۔ پریشانی ہمیشہ چھائی ہوئی پڑی ہے اور وہ خوشی اور مسرت سے چین کر رہی ہیں۔

انھیں خیالات میں مَیں غرق تھا کہ اسنے ان لوگوں سے ایک بھرائی ہوئی آواز میں کچھ پوچھا اور ہاتھ ہلا ہلا کر اُنھیں بلانے لگی جسکے جواب میں ان میں سے ایک عورت چھوٹی سی نہایت نفیس کشتی پر سوار ہو کر اس پار آئی اور اس سے پوچھنے لگی کہ "تمنے

ہیں کیوں بلایا اور تم کیوں رو رہی ہو" اُس نے جواب دیا اپنی بدقسمتی پر۔ عجیب مصیبت
یں گرفتار ہوں۔ کوئی ساتھی نہیں۔ کوئی مددگار نہیں۔ شوہر جو تھے وہ بھی آپ لوگوں
کے ملک ترقی آباد کی طرف نکل گئے ہیں۔ میں اکیلی رہ گئی ہوں۔ وہاں آنا چاہتی ہوں
گر دریا بہت جوش پر ہے پانی چڑھا ہوا ہی۔ تیرنا مجھے آتا نہیں۔ کشتی کوئی ہی نہیں آؤں
تو کیسے آؤں اور یہاں مجھ سے رہا نہیں جاتا۔ حیران و پریشان کھڑی ہوں پانی کچھ
اتر جائے تو پار نکل آؤں"

اس نیک دل عورت نے جواب دیا کہ "بہن اس دریا کا پانی کبھی نہیں اُترتا۔ اسکو
عبور کرنے کا صرف ایک ذریعہ ہے اور وہ یہ کشتی ہی۔ یہ سنکر اس بیچاری نے کہا کہ "
تم مجھے اس میں بٹھا کر لیچلو" اُسنے جواب دیا۔ کہ اس میں صرف ایک آدمی بیٹھ سکتا ہے
دو کے بوجھ سے ڈوب جائیگی مگر تم گھبراؤ نہیں۔ اپنی ایک کشتی اس قسم کی بنالو۔
میں ترکیب بتائے دیتی ہوں۔ دیکھو یہ سامنے والا جو **تعصب** کا جنگل نظر آتا ہی
اس میں سے گزر کر آگے جو بڑھو گی تو تمہیں کچھ اونچے اونچے درخت دکھائی دینگے
ان درختوں کی لکڑی **تعلیم** کہلاتی ہی۔ اس لکڑی کی اپنی دماغی قوت سے اسی قسم
کی ایک کشتی بنالو۔ اسپر سوار ہو کر ہمارے ملک میں چلی آؤ۔ وہاں تمہارے لیے
ہر طرح کے آرام اور آسائش کے اسباب مہیا ہونگے۔ بڑا سرسبز اور شاداب ملک ہے
لوگ بھی سب شریف ہیں کسی قسم کی تکلیف نہیں۔ مذہب کی کوئی قید نہیں۔ تھوڑے سے
مسلمان بھی آبسے ہیں۔ پردہ کا کافی انتظام ہی۔ تمہارے بچے کی تربیت بھی معقول
ہو گی۔ اپنے شوہر سے بھی ملو گی۔

غرض ہر طرح تمہارا فائدہ ہوگا۔ اب یہاں سے نکل بھاگو اور اپنی حالت کو سدھارو
یہاں تم نے بہت دن گزارے۔ بڑی بڑی تکلیفیں جھیلیں۔ غرض تم چلی آؤ۔ ہاں
ایک بات تو میں کہنا بھول ہی گئی۔ دیکھو **تعصب** کے جنگل میں تمہیں کچھ درندے

اور ڈراؤنی شکلیں نظر آوینگی اُن سے ہرگز ہرگز نہ ڈرنا۔ اپنا کام کیے جانا۔ لو خدا حافظ۔
اب تھوڑے دنوں میں وہیں ترقی آباد میں ہم تم ملیں گے۔

یہ لکھکر وہ نیک دل عورت تو اُدہر اپنی کشتی پر سوار ہو روانہ ہوگئی۔ ادہر یہ بیچاری بھی خوشی خوشی اپنے بچے کو سینہ سے چمٹا جنگل کی طرف روانہ ہوگئی۔ میں سنے ہاتھ اُٹھا کر اللہ تعالے سے دعا مانگی کہ اس بیچاری کو اپنے کام میں کامیاب کرے۔ اسکے سر سے یہ پریشانی اور افلاس کی بلائیں ٹلجائیں۔ اسے اور اسکے بچے اور آیندہ نسل کو بہتری۔ بہبودی۔ آسودگی اور کامیابی حاصل ہو۔ تھوڑی دیر میں اُس جنگل اور اس تعلیم کی لکڑی کے دیکھنے کے شوق میں آگے بڑہا تھوڑی دور ہی گیا تھا کہ آنکھ کھُل گئی مگر خواب کچھ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے میں بیداری میں کچھ سوچ رہا ہوں۔

انچہ می بینم بہ بیداریست یارب یا بخواب

خدنگ

بابل

چرخ کجرفتار کی نیرنگیوں کی بدولت اگرچہ شہر بابل اسوقت صفحۂ ہستی پر موجود نہیں لیکن اسکا دلچسپ زندۂ جاوید فسانہ اور اُس کی عظمت کی پُر لطف داستان ابھی تک حوادثات عالم سے محفوظ ہے۔ قدیم الایام میں یہ عظیم الشان شہر جس طرح دنیا کے شہروں میں سب سے بڑا اور سب سے زیادہ ممتاز و باوقعت تھا اسی طرح آج اپنی شکستہ حالی اور ویرانی میں بھی دوسرے برباد شدہ شہروں پر خاص فوقیت رکھتا ہے۔ ایک زمانہ میں بابل دنیا کے سارے شہروں کا بادشاہ۔ مورخوں۔ فلاسفروں۔ طالبان علوم حکمت وہیئت ونجوم کا مرجع وماوے۔ ترقی وتمدن کا مرکز تھا۔ لیکن افسوس آج اسی سرزمین پر بجز خاک کے چند تودوں اور افتادہ کھنڈروں کے آثار کے اور کچھ

باقی نہیں۔ وہ زمین جو کبھی مرجع عالم تھی آج صفحۂ عبرت ہی۔ زائرین کربلا کے سیکڑوں
قافلے ہر سال اُس پر سے گزرتے ہیں لیکن اُنھیں خبر بھی نہیں ہوتی کہ کبھی وہاں
کیسی کیسی عظیم الشان سر بفلک کشیدہ عمارتیں موجود تھیں۔ فارغ البالی اور عیش وعشرت
کا کیا عالم تھا۔ علم وحکمت کا کیا حال تھا۔ اور کیسی چہل پہل رہتی تھی۔ بیسیوں بیبیاں
قرآن شریف میں ببابل ھاروت وماروت پڑہتی ہیں لیکن اکثر مردوں کی
طرح یہ نہیں جانتیں کہ اس شہر کی جسکا نام اب صرف تاریخ کے صفحوں پر رہگیا ہے
کیا شان تھی اور کیسے عروج پر تھا۔ بعض لوگ یہ سنتے ہیں کہ لندن کو جو اسوقت
عروس البلاد کہلاتا ہے "ڈرڈن بے بی لون" یعنی جدید بابل کہتے ہیں۔ لیکن
اس بات سے واقف نہیں کہ اُس قدیم تاریخی شہر میں اور اس زمانہ کے شہر میں
کونسی ایسی مناسبت ہی جس کی بنا پر یہ تشبیہ دیجاتی ہی۔ غرض اکثر لوگ بابل کا صرف
نام سنتے ہیں لیکن اس کی حقیقت سے پوری طرح آگاہ نہیں اسلیے اسکے مختصر
حالات خواتین کے لیے دلچسپی سے خالی نہونگے۔

آج سے تقریباً تین ہزار برس پیشتر یہ شہر بغداد کے نواح میں دریاے فرات کے
دونوں کناروں پر آباد تھا۔ بابل قدیم سریانی یا کلدانی کے الفاظ "باب"۔ "ایل"
سے مرکب ہی۔ باب کے معنی دروازہ اور ایل کے معنی خدا کے ہیں۔ اس کے
فرماں رواؤں میں نمرود جو سلطنت بابل کا بانی تھا اور بخت نصر جسنے شام ومصر
وغیرہ فتح کیا تھا بہت مشہور ہیں۔ برٹش میوزیم میں اسوقت کئی کتبے اور اینٹیں
موجود ہیں جنسے اس بات کا پتہ چلتا ہی کہ بخت نصر کے وقت میں یہ شہر جو اُسکا
دار السلطنت تھا نہایت عروج پر تھا۔ قدیم مورخین جنھوں نے اس شہر مینو سواد
کی سیر کی تھی اس بات پر متفق ہیں کہ بابل ایک بلند مربع چار دیواری میں واقع
تھا جسکے سب ضلعے برابر تھے۔ لیکن اسکے رقبہ میں کسی قدر اختلاف کیا جاتا ہی

چنانچہ یونانی مورخ ہیرو دوطوس کا بیان ہو کہ بابل کی دیوار ہر جانب ۱۴ میل لمبی تھی۔ اور پورا رقبہ ۵۶ میل کا تھا۔ یعنی ۱۹۶ میل مربع زمین پر شہر آباد تھا۔ قطیساس ہر دیوار کا طول ساڑھے دس میل بتاتا ہو جس سے ۴۲ میل کا رقبہ اور ۱۱۰ میل مربع زمین ہوئی لیکن اگلے اور پچھلے اکثر مورخین نے اسکا رقبہ ۶۰ میل کا بتایا جس میں ۴۲ لاکھ آدمی سکونت پذیر تھے۔ اس حساب سے ہر دیوار کا طول ۱۵ میل کا ہوا اور ۲۲۵ میل مربع زمین ہوئی۔ یہ دیواریں ۳۳۵ فٹ بلند تھیں جنکا عرض ۸۵ فٹ تھا اور حصار میں ۲۵۰ برج مناسب موقعوں پر بنے ہوئے تھے۔ آبادی کے اندر بڑے بڑے وسیع باغ اور مرغزار تھے۔ شہر پناہ کے اندر زمین کا تھوڑا سا حصہ کاشتکاری کی غرض سے چھوڑ دیا گیا تھا تاکہ دشمن کے محاصرہ کے وقت بیرونی رسد کی محتاجی نہ رہے۔ سڑکیں خوب چوڑی تھیں۔ ہر طرف کی دیوار میں ۲۵ پھاٹک کے حساب سے شہر پناہ کے پورے ایک سو دروازے تھے۔ ہر دروازہ سے ایک سڑک نکلتی اور سیدھی مقابل کے دروازہ تک چلی جاتی تھی۔ اس طرح پچیس سڑکیں مشرق سے مغرب کو جاتی تھیں اور ۲۵ انھیں قطع کرتی ہوئی شمال سے جنوب کو۔ سڑکوں کے باہمی تقاطع سے شہر کے ۶۲۵ مربع حصہ ہوتے تھے۔ پھر ان میں متعدد محلّے پیدا ہو گئے تھے۔ مکانات عموماً نہایت مرتفع اور سہ منزلہ یا چار منزلہ تھے۔ وسط شہر میں دریائے فرات بہتا تھا۔ جسکے دونوں جانب لب آب خوبصورت گھاٹوں کے علاوہ دو بلند دیواریں بنا دی گئی تھیں جو طغیانی و سیلاب کے خطرہ سے شہر کو محفوظ رکھتی تھیں۔

اسکے سوا انسے یہ بھی فائدہ تھا کہ اگر دشمن لشکرکشی کرے اور کسی طرح دریا میں داخل ہو جائے تو بھی اہالیان شہر کو کوئی گزند نہ پہنچا سکے۔ جس جگہ سڑکیں اور دیواروں سے آکر ملتی تھیں بڑے بڑے دروازے بنے ہوئے تھے۔

اور انکے سامنے دریا پر تختہ کے متعدد پل بنائے گئے تھے۔ جو عند الضرورت اُٹھا لیے جا سکتے تھے۔ بعض دروازوں پر چھوٹی چھوٹی خوبصورت کشتیاں مہیا رہتی تھیں جن میں سوار ہو کر اکثر لوگ اس کنارے سے اُس کنارے پہنچتے۔ ان کے علاوہ ایک اور حیرت انگیز راستہ تھا جو دریا کی تھاہ کے نیچے سے ۱۵ فٹ چوڑی اور ۱۲ فٹ اونچی ایک نہایت مستحکم سرنگ کھود کر بنایا گیا تھا۔ دریائے ٹیمس کے نیچے لندن میں جو راستہ نکالا گیا ہے انسانی صناعی کا بے نظیر نمونہ کہا جاتا ہے لیکن بہت کم لوگ جانتے ہونگے کہ ہزاروں برس قبل ایشیا کے ایک مشہور شہر میں بھی اس کاریگری اور صنعت و کمال کی ایک اعلیٰ نظیر موجود تھی جو اس لندن والی سرنگ پر کئی وجوہ سے تفوق رکھتی تھی۔

بابل کی عجیب و غریب عمارتوں میں شہر کا سب سے بڑا معبد اور قصر شاہی نہایت عظیم الشان اور ممتاز عمارتیں تھیں۔ معبد جو بیلوس دیوتا کا مندر تھا مربع وضع میں پورے ایک میل کے رقبہ میں واقع تھا۔ اور بالکل اہرام مصری کی طرح بنا ہوا تھا۔ چوٹی پر شوالہ تھا۔

سب سے نیچے کا چبوترہ ۳ لاکھ ۶۰ ہزار فٹ مربع زمین پر بنا تھا۔ جس پر کئی چبوترے ایک پر ایک مگر ایک دوسرے سے چھوٹے بنے تھے اور اس طرح چاروں طرف اوپر تک سیڑھیاں بنگئی تھیں۔ اور شوالہ جو آخیر چبوترہ پر بنا تھا سطح زمین سے ۴۸۰ فٹ بلند تھا۔ اس مندر میں بعل لمطیس اور اشتار نامی دیوتاؤں کی ۳ مورتیں تھیں جنکے آگے بڑے بڑے عود داں سونے کے ۲ جام اور ۲ شیر اور چاندی کے دو بڑے بڑے سانپ رکھے ہوئے تھے۔

قصر شاہی کی دیوار کا رقبہ ۷ میل کا تھا جس میں ۳ برجی پھاٹک تھے جو کل کے ذریعہ کھولے اور بند کیے جاتے تھے۔ قصر کی دیواروں پر طرح طرح کی تصویریں

بنی ہوئی تھیں جنکے ذکر سے مترشح ہوتا ہی کہ اُس زمانہ میں بنی نوع انسان کا وہ بہترین حصہ جسکو **عورت** کہتے ہیں اب کی طرح معطل و بے کار۔ مردوں کے مظالم اور زیادتیوں کا تختہ مشق نہ تھا بلکہ حریت سے جو ہر انسان کا فطری حق ہی۔ مردوں کے برابر متمتع تھا۔ ایوان شاہی کے نقش و نگار میں جو اس زمانہ کے تمدن اور تہذیب کا مرقع تھے۔ جو جو کام مردوں سے کرائے گیے تھے وہی عورتوں سے بھی۔ یہانتک کہ شکار کی تصویروں میں اکثر خاتونیں بھی نظر آتی تھیں جو مردوں کے پہلو بہ پہلو شیر افگنی میں مصروف تھیں۔

اسی قصر میں بابل کا وہ عجیب و غریب باغ بھی تھا جسکے بارے میں مشہور ہے کہ وہ معلق تھا۔ یہ باغ بخت نصر نے اپنی پیاری بیوی کے لیے بنایا تھا جو ایک کوہستانی ریاست میڈیا کی شہزادی تھی۔ باغ کی تعمیر میں اس بات کا خاص اہتمام کیا گیا تھا کہ ملکہ کو اپنے وطن کی دلچسپ وادیوں اور فرحت بخش فضا کا لطف حاصل ہو۔ مربع مستطیل کی وضع کا ایک پرفضا قطعہ منتخب کر کے جسکا طول ۴۰۰ فٹ تھا بڑی بڑی محرابوں کا حلقہ قائم کیا گیا جن پر ۷۵ فٹ کی بلندی تک کئی دور ایسے ہی محراوں کے بنائے گئے تھے۔ چھت سیسہ اور دوسرے مصالحوں سے بنائی گئی تھی اور اسپر اسقدر مٹی ڈالی گئی تھی کہ بڑے بڑے تناور درخت بھی لگ سکیں اسپر مختلف ممالک سے ہر قسم کے درخت منگوا کر لگائے گئے تھے۔ آب رسانی کے لیے بھی خاص انتظام کیا گیا تھا۔ فرات کے کنارے ایک بڑی کل بنائی گئی تھی اور دریا سے باغ تک نل لگائے گئے تھے۔ کل کے ذریعہ سے دریا کا پانی ۷۵ فٹ کی بلندی پر بآسانی پہنچ جاتا تھا۔ اکثر لوگ ان حالات کو پڑھکر سخت متعجب ہوں گے کہ وہ کمالات اور صناعیاں جن پر آج اہل یورپ فخر و ناز کرتے ہیں اور جنکے موجد و مخترع ہونے کے مدعی ہیں اب سے کئی ہزار برس قبل بھی صفحہ عالم پر موجود تھیں۔ جا بجا

چھوٹے چھوٹے بنگلے اس پرفضا باغ میں بنائے گئے تھے جن میں انواع واقسام
کی حیرت بخش صنعتوں کا کمال ظاہر کیا گیا تھا۔ غرض چند ہی روز میں یہ ایک نہایت
ہی فرحت بخش و مسرت آمیز مقام بنگیا جس میں بابل کا جلیل القدر اور عالی مرتبت
شاہنشاہ اکثر اوقات اپنی بیگم کے ساتھ دلکش و دلفریب مناظر میں محو تماشہ
رہتا تھا۔

جس طرح بابل اس قسم کی عجیب و غریب صنعتوں کا مجموعہ تھا اسی طرح فلسفہ
حکمت۔ الٰہیات۔ ہیئت۔ نجوم وغیرہ جملہ علوم و فنون کا معدن و منبع بنا ہوا تھا
علم و فضل کا چرچا بڑے ہی زوروں پر تھا۔ اسکے اوج و اقبال کے زمانے کا
مفصل ذکر اور اس کی جملہ ترقیوں کی مکمل فہرست اس مختصر مضمون میں ناممکن ہے۔

لیکن افسوس زمانہ ناہنجار نے اسکے ساتھ ناساعدت کی۔ اسکا ستارۂ
اقبال اوج کمال سے حضیض مذلت میں آگیا اور آخر کار گردش دوّار نے بابل کو
جتنا بنایا تھا اس سے زیادہ بگاڑ کر چھوڑا۔ جب بخت نصر کا پوتا بل شازر تخت نشین
ہوا بابل عین عروج پر تھا۔ لیکن اس کی تباہی کا وقت آپہنچا تھا اور بل شازر کی
تخت نشینی کے ساتھ ہی بربادی کے آثار پیدا ہونے لگے تھے۔ مشقت پسند
دماغ راحت طلب ہو گئے۔ لہو و لعب کا بازار گرم ہونے لگا۔ بداعمالیاں
پھیلنے لگیں۔

آخر کار سیرس نے جو سلطنت ایران کا بانی تھا حضرت مسیح کے تقریباً
۵۰۰ سال قبل بابل پر فوج کشی کی۔ اہل بابل بعوض اسکے کہ سیرس سے مقابلہ
کرتے نہایت بے پرواہی سے بزم عشرت قائم کیے رہے۔ سیرس نے ایک مدت
تک محاصرہ کیے رہنے کے بعد یہ ترکیب کی کہ دریائے فرات کے دونوں جانب
بڑے بڑے عمیق خندق کھدوائے۔ جن میں پانی کے بہ جانے سے دریا میں

رستہ بنگیا۔ سیرس راتوں رات اپنی فوج لیکر شہر میں داخل ہوگیا اور فوراً محل شاہی پر حملہ کرکے بل شازر کو قتل کرڈالا اور پھر بابل کو تباہ وتاراج کردیا۔ افسوس وہ شہر جو کبھی قدرت کی دلچسپ و دلفریب صناعیوں اور انسانی کمالات کا بے نظیر مجموعہ اور حیرت انگیز نمونہ تھا یوں ہمیشہ کے لیے تباہ وبرباد ہوگیا اور رفتہ رفتہ اسکی یہ حالت ہوئی کہ اب سوائے چند خاک کے تودوں اور افتادہ کھنڈروں کے آثار کے کچھ اور نظر نہیں آتا جو دیکھنے والوں کو اپنی پرانی حالت اور وضع بھی یاد نہیں دلا سکتے۔ تاہم اتنا بھی غنیمت ہے کہ کسی تاریخ داں کو جو واقف کار ہو اپنی تباہی کی پُردرد کہانی اشاروں ہی اشاروں میں سُنا سکتے ہیں اور اپنی حسرتناک حالت بتا سکتے ہیں۔ چند روز میں یہ خاک کے تودے اور یہ آثار بھی باقی نہ رہینگے اور ان کی تباہی اور بے نشانی کی انتہا ہوجائیگی۔

سید خورشید علی

شاہ لیر

بسلسلۂ سابق

گلاسٹر (مع شاہ فرانس اور برگنڈی کے دربار میں داخل ہوتا ہے)

گلاسٹر۔ حضور انور شاہ فرانس اور برگنڈی تشریف لائے ہیں۔

لیر۔ جناب شاہزادہ برگنڈی صاحب ہم سب سے اول آپ سے دریافت کرتے ہیں کیونکہ آپ بھی ان بادشاہ کے مقابل میں ہماری بیٹی کے ساتھ شادی کے خواہشمند ہیں۔ آپ بتائیے کہ کم سے کم آپ کو کیا جہیز ملے جس کی وجہ سے آپ ہماری بیٹی سے شادی کرینگے اور جسکے نہ ملنے کی وجہ سے آپ اُسکا خیال چھوڑ دینگے۔

برگنڈی ۔ حضور انور۔ میں اس سے زیادہ کا خواہش مند نہیں ہوں جو کچھ حضور والا نے خود دینا تجویز کیا تھا لیکن اس سے کم پر بھی راضی نہیں ہوں۔

لیر۔ اے شریف اور لائق برگنڈی۔ جب کارڈیلیا سے ہم کو محبت تھی تو ہم نے اسکے لیے حصہ تجویز کیا تھا۔ اب اُس کی قیمت گر گئی ہے وہ آپ کے سامنے کھڑی ہے اب اگر اس چھوٹی سی پتلی میں جسکے ساتھ سوائے ہماری ناخوشی کے اور کچھ اضافہ نہیں ہوا۔ کوئی خاص وصف یا سب باتیں آپ پسند کرتے ہیں تو آپ کو اختیار ہے آپ اُس سے شادی کرلیں۔

برگنڈی ۔ حضور انور۔ اسکا میں کچھ جواب نہیں دیسکتا۔

لیر۔ صرف آپ سے یہ پوچھتے ہیں کہ اس نقص کے ساتھ جو اب اس میں پیدا ہوگیا ہی یعنی وہ بے کس اور بے مدد ہوگئی ہی اور ہماری نفرت کا نشانہ بنگئی ہی جسکو ہماری بد دعا کا جہیز ملنا قرار پایا ہے۔ جس سے تعلق قطع کرنے کی ہم نے قسم کھالی ہی۔ کیا آپ اس سے شادی کرینگے یا نہیں۔

برگنڈی ۔ حضور مجکو معاف فرمائیں۔ میں ان شرائط کے ساتھ اس سے کس طرح شادی کرسکتا ہوں۔

لیر۔ صاحب پھر اسکو چھوڑ دیجیے۔ اور میں نے تو بلا کم و کاست اُس کی حالت آپکے سامنے ظاہر کردی۔ (شاہ فرانس کی طرف مخاطب ہوکر)

اے عظیم الشان بادشاہ میں اس محبت کی وجہ سے جو مجکو آپ سے ہی آپ کو یہ مشورہ ندونگا کہ جس سے میں نفرت کرتا ہوں اُس سے آپ شادی کریں اسلیے میں آپ سے خواہش کرتا ہوں کہ آپ اپنا خیال اُس کی طرف سے ہٹا لیجیے اور کسی ایسی شہزادی کی طرف توجہ کیجیے جو اس کمبخت سے جسکے پیدا کرنے والے کو خود اسسے عار ہی اچھی ہو۔

نس۔ یہ ایک نہایت تعجب خیز بات ہے کہ کارڈیلیا جو ابھی کچھ دیر پہلے دنیا میں آپ کے
ے بہترین چیزوں میں سے تھی۔ جس کی تعریف سے آپ کی زبان خشک ہوتی تھی
ر آپ کے بڑھاپے کی ٹیک تھی اور جو سب سے زیادہ عزیز اور پیاری تھی۔ اُس نے
ن کی آن میں کوئی اس قسم کا غیر معمولی جرم کیا ہے کہ جس نے آپ کے مہربانی کے خیالات
تھے وہ غائب ہو گئے۔ یقیناً تو اس نے کوئی اس درجہ نامناسب
کام کیا ہے کہ آپ کو اس سے نفرت ہو گئی ہے۔ یا آپ کی محبت ہی میں کوئی کمی واقع
ہو گئی ہے۔ لیکن کارڈیلیا کی نسبت یہ خیال کرنا کہ اس سے قصور ہوا ہے اس کے
یقین کرنے کے لیے ایک معجز نما دلیل کی ضرورت ہے۔

کارڈیلیا۔ (لیر کی طرف مخاطب ہو کر) حضور والا۔ میں اب بھی آپ سے التجا کرتی ہوں کہ آپ مجھ سے اس قدر ناخوش نہوں۔ کیونکہ میں نے ایسا کوئی کام نہیں کیا ہے جس سے کہ میری عزت و حرمت یا عفت و عصمت پر دھبا لگے یا میں قتل یا چوری یا اور کسی بڑے جرم کی مجرم نہیں ہوں۔ میرا صرف یہی جرم ہے کہ میں چرب زبان نہیں ہوں۔ جو چیز میرے دل میں نہیں ہوتی اسکو زبان سے نکالنا پسند نہیں کرتی اور یہی دو جرم ہیں جن کی وجہ سے میں آپ کی پدرانہ محبت اور شفقت سے محروم ہوئی ہوں۔ اور یہی دو باتیں ہیں جنکو بجائے بُرائیوں کے میں خوبیاں سمجھتی ہوں۔

لیر۔ خدا کرتا کہ تو پیدا ہی نہ ہوتی تو اچھا تھا۔ سوائے اسکے کہ مجھے ناخوش کیا۔

فرانس۔ ہاں! صرف یہی جرم ہے۔ بس صرف اتنی ہی بات ہے کہ جو دل میں ہو وہ ظاہر نہ کیا بلکہ قدرتی کم گوئی کی وجہ سے جو دل میں تھا وہ بھی پورے طور پر ظاہر نہ کیا۔ خیر معلوم شد (شاہزادہ برگنڈی کی طرف مخاطب ہو کر) کہیے شاہزادہ صاحب؟ آپ کیا کہتے ہیں۔ کیا آپ محض کمی جہیز کی وجہ سے شادی کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ جس محبت میں کہ دولت اور جہیز کے خیالات

مخلوط ہوں وہ اصلی محبت نہیں ہے۔ کارڈیلیا کے ساتھ کسی جہیز کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ خود مجسم جہیز ہے۔

برگنڈی۔ (لیر کی طرف مخاطب ہوکر) حضور۔ مجھے صرف اس قدر حصہ دیدیجیے۔ جو آپ نے خود تجویز فرمایا تھا۔ اور یہ لیجیے میں کارڈیلیا سے شادی کرنے پر ابھی رضامند ہوں اور اسکو شاہزادی برگنڈی بنانے میں مجکو کچھ تامل نہوگا۔

لیر۔ ہرگز نہیں میں کچھ نہیں دونگا۔ میں قسم کھا چکا ہوں۔ میں اپنے ارادے پر مضبوط ہوں۔

برگنڈی (کارڈیلیا کی طرف مخاطب ہوکر) تب مجھے افسوس ہے کہ تم اپنے باپ کی شفقت سے محروم ہوگئیں۔ اب تمہیں میری شادی سے محروم ہونا پڑیگا۔

کارڈیلیا۔ شاہزادہ برگنڈی۔ آپ حد ادب سے تجاوز نہ کیجیے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپکی محبت صرف دولت کے لیے ہے نہ میرے لیے۔ میں ایسے شخص کی بیوی ہونا کبھی پسند نہیں کرتی۔

فرانس۔ اے خوبصورت کارڈیلیا! تیری مفلسی مجکو ہزار دولتوں کی ایک دولت معلوم ہوتی ہے۔ تیری بیکسی تمام چیزوں سے بڑھکر مجھے تیری طرف مائل کرتی ہے دوسرے تجھسے نفرت کرتے ہیں اسوجہ سے مجکو سب سے زیادہ تیرے ساتھ محبت ہے۔ اچھا میں تجکو اور تیری خوبیوں کو قبول کرتا ہوں۔ یہ میرے لیے جائز ہے کہ جس چیز کو بالکل پھینک دیا گیا ہے میں اسکو اُٹھا لوں۔ اللہ اللہ کیا قدرت ہے کہ دوسروں کی نہایت سخت سردمہری سے میرے دل میں کارڈیلیا کی محبت کا شعلہ جوش زن ہوگیا ہے (لیر کی طرف مخاطب ہوکر) آپ کی بیکس بیٹی کو جسکو آپ نے جہیز سے محروم کردیا ہے یہ اتفاق تھا کہ وہ مجکو مل گئی ہے۔ وہ اب میری ملکہ ہے۔ میری تمام سلطنت کی اور سرسبز و شاداب فرانس کی مالک ہے۔ برگنڈی کا تمام ملک اور دولت اس بات

کے لیے کافی نہیں ہے کہ وہ مجھسے اس انمول موتی جیسی بے نظیر لڑکی کو چھین لے (کارڈیلیا کی طرف مخاطب ہوکر) کارڈیلیا گو یہ تمہارا باپ اور تمہاری بہنیں تم پر نامہربان ہیں لیکن تم ان کو الوداع کہو اور انسے رخصت ہوجاؤ۔ اس میں شبہ نہیں کہ یہاں پر تمہارا نقصان ہوا لیکن خدا نے اسکا نعم البدل تم کو عطا فرمایا۔

لیر (شاہ فرانس کی طرف مخاطب ہوکر) آپ اسے لیجائیے۔ یہ آپ کو مبارک ہو۔ ہم یہ سمجھیں گے کہ ہماری کوئی اس نام کی لڑکی ہی نہ تھی اور نہ آج سے ہم کبھی اسکا چہرہ دیکھنے کے روادار ہونگے۔ بس آپ مہربانی سے بلا ہماری محبت اور دعا کے تشریف لیجائیے۔ (برگنڈی کی طرف مخاطب ہوکر) نوجوان برگنڈی آؤ ہم تو باہر چلیں۔ (لیر۔ برگنڈی۔ کارنواں۔ البنی۔ گلاسٹر اور مصاحبین باہر نکل آتے ہیں۔)

فرانس۔ کارڈیلیا اپنی بہنوں سے رخصت ہولو۔

کارڈیلیا۔ (اپنی بہنوں کی طرف مخاطب ہوکر) اے میرے باپ کی چہیتی بیٹیو! میں اپنی پُرنم آنکھوں سے آپ کو الوداع کہتی ہوں۔ میں آپ دونوں کو جانتی ہوں کہ آپ کون ہیں۔ اور ایک چھوٹی بہن کی طرح آپ کی بُرائیوں کو نام بنام پکار کر آپ کو جتلانا نہایت برا سمجھتی ہوں۔ لیکن اتنا ضرور کہتی ہوں کہ معزز باپ کی خاطر و مدارات میں کمی نہ کرنا۔ تم نے خود ان کی محبت کا اقرار کیا ہے اسلیے میں اُن کو تمہارے سپرد کرتی ہوں۔ مگر افسوس!! اگر وہ اپنی پُرانی محبت مجھپر رکھتے تو میں اُنکے لیے آپ لوگوں کی سپردگی سے کوئی اور بہتر جگہہ تجویز کرتی۔ خیر خدا حافظ!

ریگن۔ آپ مہربانی سے ہمارے فرائض کی بابت کچھ نہ کہیے۔

گانرل۔ آپ اپنے شوہر کو خوش رکھنے کی کوشش اور فکر کیجیے۔ جسنے تم کو محض تمہاری خوش قسمتی کے صدقے میں پسند کیا ہے۔ تم نے اپنے باپ کی تابعداری

اور فرماں برداری میں کوتاہی کی ہو - اور بہت اچھا ہوا کہ تم کو اس کوتاہی کا صلا یہ ملا کہ سب چیزوں سے محروم کردی گئیں۔

کارڈیلیا - خیر۔ زمانہ خود بخود ظاہر کردیگا کہ تمہارے ظاہری عہد وپیمان میں کیا کیا فریب پنہاں تھے - جو لوگ اپنے قصور کو پوشیدہ رکھتے ہیں آخر کار اُن کو شرمندہ ہونا پڑتا ہے - خیر خوش رہو۔

فرانس - میری پیاری کارڈیلیا - اب یہاں سے چلیے (فرانس اور کارڈیلیا باہر چلے جاتے ہیں -)

گانرل - (ریگن کی طرف مخاطب ہوکر) بہن۔ مجھے تم سے بہت بڑی بڑی باتیں کہنی ہیں جنکا تعلق ہم تم دونوں سے ہو - میرے خیال میں والد صاحب آج یہاں سے تشریف لیجائینگے -

ریگن - یہ یقینی بات ہو کہ وہ جاوینگے - اس مہینہ میں تمہارے یہاں رہینگے دوسرے مہینے میں میرے یہاں آئینگے -

گانرل - تم دیکھتی ہو کہ اُن کی طبیعت میں کسقدر تلون واقع ہوگیا ہو - جو باتیں ہماری نگاہ کے سامنے سے ابھی گزری ہیں کچھ معمولی باتیں نہیں ہیں - وہ ہماری چھوٹی بہن کو ہمیشہ سب سے زیادہ چاہتے تھے - لیکن دیکھو کیسی ذراسی بات میں اور غلط خیال کیوجہ سے اسکو اُنھوں نے علیحدہ کردیا -

ریگن - ہاں بہن یہ اُن کی ضعیفی کا تقاضا ہو - لیکن اس میں بھی شبہ نہیں کہ وہ ہمیشہ سے ایسے ہی غیر مستقل آدمی تھے -

گانرل - وہ اپنی جوانی اور تندرستی کے زمانہ میں بھی نہایت تند مزاج رہے ہیں - اب اُنکے بڑھاپے میں ہم کو یہ توقع رکھنی چاہیے کہ صرف اُنکے بڑھاپے کا ہی چڑچڑاپن نہیں بلکہ قدرتی اور عمر بھر کی تندخوئی بھی اُنکے اندر ہوگی -

انسے ہمارا کچھ دور کا رشتہ بھی تھا لیکن ایک محلے کی وجہ سے اور زیادہ میل ملاپ کے سبب سے ہم انسے قریبی اور کسی کو نہیں سمجھتے تھے دن رات کا ملنا جلنا تھا۔ شادی وغمی کے موقعوں پر دونوں خاندانوں کی بیبیاں اور مرد ایسے معلوم ہوتے تھے کہ گویا ایک گھر کے ہیں۔ میر صاحب کو ہم چچا کہا کرتے تھے۔ صغری بیگم اُن کی دوسری بیوی تھیں اُن کو ہم چچی کہا کرتے تھے۔ اُن کی پہلی بی بی ہمارے ہوش سے پہلے ہی انتقال کر گئی تھیں اور اُنسے کوئی اولاد بھی نہ تھی۔ اصغری دوسری بیوی یعنی چچی صغرٰی بیگم سے تھیں۔

اصغری عمر میں مجھ سے تین سال چھوٹی تھی۔ محلے میں کنبے رشتے کی اور بھی بہت سی لڑکیاں میری ہمعمر یا کچھ چھوٹی بڑی تھیں لیکن جب سے اصغری کھیلنے اور چلنے پھرنے کے قابل ہوئی پھر کسی اور سے میرا دل نہیں ملا۔ ہمارے دلوں میں ایک دوسری کی کچھ قدرتی محبت تھی۔ کبھی وہ میرے ہاں آجاتی تھی اور کبھی میں اُنکے ہاں اصغری کی چار سال کی عمر سے لیکر اخیر تک کوئی بدقسمت دن ایسا گزرا ہوگا کہ میں اور وہ نہ ملی ہوں۔ پڑھا بھی ساتھ ساتھ تھا۔

ہوتے ہوتے میری عمر پندرہ سال کی ہوئی تو ابا جان نے میری شادی کردی شادی بھی گھر کے گھر ہی میں تھی۔ اصغری سے برابر ملنا جلنا رہا۔ اصغری کو خدا نے خوبصورتی بھی ایسی دی تھی کہ آجتک میری آنکھوں نے کسی لڑکی یا عورت میں وہ بات نہیں دیکھی۔ جوانی اُسکے لیے سونے پر سہاگہ ہوگئی اب وہ پندرہویں سال میں تھی اور میں اکثر اُس کی پیاری صورت دیکھ دیکھ کر اپنے دل میں کہا کرتی تھی کہ ایسی صورت خود ایک بڑی دولت اور خدا کی بیش بہا نعمت ہے۔ میں سر سے پاؤں تک اصغری کو حسن ہی حسن پاتی تھی۔ وہ جب اپنے گورے اور پرنمکین چہرہ پر دو دو ہاتھ کے لانبے نہایت چمکدار اور سیاہ باریک بال پھیلا دیتی تھی تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ

چاند کے گرد سیاہ بادلوں نے حلقہ باندھ دیا ہو۔ اُس کی آنکھوں میں غضب کی چمک تھی۔
وہ بڑے بڑے چمکدار ستارے معلوم ہوتی تھیں۔ قدرتاً وہ ایسی بشاش تھی کہ میں نے
کبھی اُس کی خوبصورت وسفید پیشانی پر بل ہی نہ دیکھا۔ اور اُسکے تنگ دہانے کے گلابی
ہونٹوں پر ہر وقت مسکراہٹ رہتی تھی۔ ہنستی تھی تو نہایت کھل کھلا کر اور معلوم ہوتا تھا کہ
اُسکے مونھ سے پھول جھڑتے ہیں۔ کوئی چیز اُسکو رنجیدہ نہیں کرتی تھی اور رنجیدہ ہونے
کی وجہ ہی کوئی نہ تھی۔ کس خوشی اور چین سے دن کٹ رہے تھے کہ یکایک ایک روز معلوم
ہوا کہ اصغری کی شادی کی باتیں ہو رہی ہیں۔ اس خیال سے کہ اب اصغری علیٰحدہ
ہو جائیگی۔ دل اندر ہی اندر بیٹھ گیا۔ شاید اصغری کے کانوں تک بھی بھنک پہونچی ہو کیونکہ
دوسرے روز جو وہ آئی تو کچھ اداس سی تھی لیکن میں نے اُس سے اس بارے میں دریافت
کرنا مناسب نہ سمجھا۔ البتہ شام کو چچی صغرا بیگم ہمارے ہاں آئیں تو میں نے اُن سے
دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ بھائی محسن کی نسبت پیغام آیا ہے محسن ہمارے ماموں زاد بھائی
تھے اور ہمارے کنبے رشتے میں سب سے بڑے ریاست دار تھے۔ اپنے باپ کے
ایک ہی تھے ماموں جان اُنکو چھوٹا سا چھوڑ کر مر گئے تھے۔ ممانی پُرانے خیالوں کی
بی بی تھیں وہ تعلیم وتربیت کے فوائد کیا جانتیں اُنھوں نے بھائی محسن کو کہیں جاکر
پڑھنے کی اجازت ہی نہ دی۔ گھر پر ماسٹر رکھکر کچھ اُردو فارسی اور انگریزی پڑھ لی اور ڈنر گدر کے
شوق میں پڑ گئے۔ اب اسوقت بیس اکیس برس کی عمر ہونے کو آئی اور ابھی تک
اُن کی شادی نہیں ہوئی تھی۔ اس عمر تک ایک رئیس زادہ کی شادی کا نہونا یہ ایک
نئی بات تھی لیکن ممانی جان اس میں قصداً وقت ٹال رہی تھیں۔

وجہ یہ تھی کہ وہ چاہتی تھیں کہ بھائی محسن کی شادی اپنے بھائی کی لڑکی فاطمہ سے
ہو اور فاطمہ کی عمر ابھی مشکل سے گیارہ برس کی تھی اسلیے وہ انتظار کر رہی تھیں کہ
جب بالغ ہو جائے تو اس سے محسن کی شادی ہو۔ لیکن لوگوں نے ممانی جان پر

زور ڈالا کہ اب محسن کی شادی میں دیر نہونی چاہیے۔ اسلیے وہ مجبور ہوئیں اور اُنھوں نے اصغری کے لیے پیغام دیا۔ بھائی محسن کی نسبت پیغام کا حال سنکر مارے خوشی کے میرا دل بانسوں اُچھلنے لگا۔

اول تو بھائی محسن کا اور ہمارا مکان بالکل ملا ہوا تھا اور اصغری سے دن رات کا ملنا اب بھی قائم رہنے کی امید اور دوسرے اصغری جیسی پیاری سہیلی سے قریبی رشتہ داری کا خیال ان دونوں باتوں سے دل باغ باغ ہو گیا۔ صبح کو اصغری جب مکان پر آئی تو میں نے اُسکو گلے سے لگا لیا اور جوش محبت سے اُس کی نورانی پیشانی کا بوسہ لیا۔ اُسنے اپنے دونوں ہاتھ میرے گلے میں ڈالدیے اور نہایت شیریں آواز سے دریافت کیا کہ کیا آج کوئی خاص بات ہے۔ میں نے مسکرا کر اُسکے چہرہ کی طرف دیکھا اور وہ ذرا دیر تامل کر کے خود بخود میرا مطلب سمجھ گئی۔ اور نگاہ نیچی کر لی۔

بھلا محسن کا پیغام آتا اور میر واحد علی صاحب انکار کرتے؟ اُنھوں نے بخوشی اصغری کی نسبت منظور کر لی اور تاریخ نکاح بھی مقرر ہو گئی۔

مجھے ممانی جان کچھ کبیدہ خاطر سی معلوم ہوتی تھیں۔ میں یہ خیال کرتی تھی کہ اصغری جیسی بہو کے آنے سے وہ بہت خوش ہوں گی لیکن جب کبھی اُنسے اس رشتے کا ذکر آیا تو اُنھوں نے کوئی خاص خوشی ظاہر نہ کی بلکہ بعض بعض وقت ٹھنڈے سانس بھرنے لگتی تھیں اور چہرے سے دلی رنج کا پتہ چلتا تھا۔ ایک روز میں نے ہمت کر کے دریافت کیا کہ ممانی جان آپ کو یہ رشتہ دل سے پسند ہے یا ناپسند۔

ممانی جان۔ بیٹی ناپسند کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ اصغری جیسی بہو لاکھوں میں ایک لیکن بات یہ ہے کہ یہ گدی فاطمہ کے لیے تھی وہ ابھی بچی ہے ورنہ میں دوسری جگہ جانے پر مجبور نہوتی۔

یہ سب سے اول مرتبہ مجھے ممانی جان کے دل کی بات معلوم ہوئی۔ لیکن مینے خیال کیا کہ ان کو یہ افسوس صرف شادی تک رہیگا پھر خود بخود یہ خیال جاتا رہیگا اور انکی اس خود غرضی کی بات کا کچھ جواب ندیا۔

باوجود اس خود غرضانہ خیال کے ممانی جان نے بھائی محسن کی شادی بڑی دہوم سے کی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ بھائی محسن خود اصغری سے شادی کے دل سے خواہشمند تھے اور خدا نے اُنکو یہ موںہ مانگی مراد عطا کی ۔ ایام شادی میں گو قاعدے مجکو ممانی جان کے ہاں زیادہ رہنا چاہیے تھا۔ لیکن اصغری کی کشش نے مجکو دلہن کے پاس سے ہلنے کی اجازت نہ دی۔ ممانی جان خفا بھی ہوئی تھیں لیکن مینے صاف کہدیا کہ جبکہ اماں جان اور آپا آپکے پاس ہیں تو آخر میر صاحب کے بھی تو ہمارا رشتہ ہی وہاں بھی کسی کو رہنا چاہیے۔ ان دنوں اصغری مجھے ایک لمحہ اپنے سے علیحدہ نہیں ہونے دیتی تھی ۔ مائیوں میں ہر وقت میں ہی اُسکے پاس رہتی تھی ۔ مینے اپنے ہاتوں سے اُسکو دلہن بنایا اور جب نکاح کے بعد رخصت ہوکر دولہا کے ہاں گئی تو دوسرے روز صبح پھر میں اصغری کے پاس موجود تھی۔ یہ شادی بظاہر بہت ہی مبارک ثابت ہوئی میاں بی بی ایک دوسرے کی محبت کا دم بھرتے تھے۔ اگر اصغری کے سر میں درد بھی ہوجاتا تھا تو بھائی محسن پریشان ہوجاتے تھے۔ اور یہی حال اصغری کا بھی تھا۔ اصغری کی قدرتی بشاشت اور خوشی میں ہزار گنا اضافہ ہوگیا وہ جب سامنے آتی تھی تو معلوم ہوتا تھا کہ حسن کی دیوی اور خوشی کی تصویر ہے۔

بھائی محسن روپیے والے تھے اُنھوں نے اپنا گھر گلزار بنا دیا۔ ہزارہا روپیے کا آرائش کا سامان کلکتہ اور بمبئی سے منگوایا۔ اور کئی آدمی صرف مکان کی صفائی اور آراستگی کے لیے مقرر تھے۔

یہ سب باتیں تھیں لیکن ممانی جان کی کبیدگی اور رنج روز بروز ترقی کرتے جاتے تھے

اور میرا یہ خیال کہ شادی کے بعد اُن کو فاطمہ کا خیال خود بخود جاتا رہیگا غلط نکلا - شادی کو اب ڈیڑھ سال سے زائد زمانہ ہو گیا تھا اور اس اثنا میں فاطمہ بھی جوان ہو چلی تھی - فاطمہ بھی اپنے حسن و جمال میں ایک ہی لڑکی تھی - اصغری کا مقابلہ نہیں کرسکتی تھی لیکن جس محفل میں اصغری نہو وہاں فاطمہ ہی پر نگاہ پڑتی تھی - ممانی جان اکثر فاطمہ کو اپنے پاس رکھتی تھیں اور اصغری سے وہ کچھ سرد مہری سے پیش آنے لگیں -

اسوقت ایک واقعہ پیش آیا جس کی وجہ سے مجھے اصغری سے قریب چھ ماہ کے لیے علیحدہ ہونا پڑا - ابا جان نے ارادہ کرلیا کہ وہ اماں جان اور ہم سب کو ہمراہ لیکر حج کو جائیں اور وہاں پر بعد حج کے بھی کچھ دن قیام کرکے واپس آئیں - اصغری کو جب یہ حال معلوم ہوا تو وہ فوراً ڈولی میں بیٹھ میرے پاس آئی اور کہنے لگی کہ کیا بہن مجھے چھوڑ جاؤ گی میںنے کہا کہ تم بلا بھائی محسن کے کیسے جا سکتی ہو - اصغری نے جواب دیا کہ وہ تو بالکل تیار ہیں کہ ہم سب بھی آپ لوگوں کے ساتھ حج کرائیں لیکن اماں جان نے منع کر دیا ہے اور آپ جانتی ہیں کہ وہ اماں جان کی مرضی کے خلاف کوئی بات نہیں کرتے -

جس روز ہم رخصت ہو کر حج کو روانہ ہوئے تو اس روز سب سے اول عمر بھر میں میںنے اصغری کو آنسو بہاتے دیکھا -

ہم سب حج سے فارغ ہو کر پورے چھ ماہ کے بعد واپس ہندوستان آئے اور گھر پہنچکر میںنے چاروں طرف دیکھا کہ کہیں اصغری کی صورت نظر آئے کیونکہ مجھے یقین تھا کہ وہ میرے آنے کی خبر پاکر پہلے ہی میرے خیر مقدم کو آموجود ہوگی - لیکن جب میںنے مکان میں نہ دیکھا تو ماما خیرن سے دریافت کیا کہ اصغری کیسے ہے اور کہاں ہے - خیرن نے آب دیدہ ہو کر کہا کہ بی بی اب وہ اصغری کہاں - اب دیکھو گی تو اُسے پہچانو گی بھی نہیں ساس نے سوکن لا بٹھائی ہے اُس کی جلن اصغری کو کھائے جاتی ہے - بس خیرن کی زبان سے ان الفاظ کا نکلنا تھا کہ میرے دل پر بجلی سی گری - میں فاطمہ کی بابت ممانی جان کے

خیالات سن ہی چکی تھی اور بھائی محسن کو بھی جانتی تھی کہ وہ اپنی والدہ کی کسی بات کو کبھی لوٹاتے نہیں ہیں۔

میں جس حالت میں تھی ویسے ہی ڈولی میں بیٹھکر اصغری کے ہاں پہنچی۔ میں نے کمرے میں گھستے ہی ایک گاؤ تکیے کے سہارے سے بیٹھی ہوئی ایک نوجوان لڑکی کو دیکھا جس کی صورت سے میری آنکھیں بہت مانوس تھیں لیکن اُس کی حالت ایسی تھی جو ایک فوٹو یا تصویر کی ہوتی ہے جسکا رنگ و روغن سب اُتر جاتا ہی۔ یہ وہی مصیبت زدہ اصغری تھی جو آپ ہی آپ کچھ باتیں کر رہی تھی اور میں بہت دیر تک اُس سے کچھ فاصلے پر اُسکے چہرے کو بغور دیکھتی رہی لیکن اُسکو خبر نہوئی۔ آخر اُسنے بیخودی کی حالت سے سر اُٹھا کر میری طرف دیکھا۔ اور میری آنکھوں سے اُس کی آنکھیں ملیں تو وہ اضطراب کی حالت میں اپنی جگہہ سے اُٹھی۔ مینے آگے بڑھکر گلے سے لگا لیا اور پوچھا کہ اصغری لڑکی میں اپنی آنکھوں سے کیا دیکھ رہی ہوں۔ وہ تمہاری بشاشت وہ تمہاری آنکھوں کی چمک اور چہرے کی رونق وہ تمہاری تندرستی اور وہ دل کو خوش کرنے والی مسکراہٹ وہ سب چیزیں کہاں گئیں۔ یہ آنکھوں کے گرد سیاہ سیاہ حلقے کیسے ہیں۔ وہ خوشرنگ اور شاداب گلاب کے پھول سی صورت تم نے کیوں برباد کر دی۔ اسکا جواب بجز اسکے اور کچھ نہ تھا کہ اصغری کی آنکھوں سے آنسوؤں کا تار بندہ گیا۔ ہچکی بندھ گئی اور غشی کی حالت طاری ہونے لگی۔ میں ڈر گئی ماماں نے کہا کہ بی بی آج پانچواں دن ہے ایک دانہ بھی حلق سے نہیں اُترا۔ یہ تو جان جان کر اپنی جان کھو رہی ہیں بھلا ایسا بھی کوئی کیا کرتا ہے۔

بہت دیر کے بعد اصغری کی طبیعت کچھ سنبھلی اور اسنے سب سے پہلے مجھ سے پوچھا کہ آپ آگئیں۔ بلا میرا جواب سنے اُسنے شکایت کرنی شروع کی کہ آپ میرے ایسے مصیبت کے وقت میں سب مجھے چھوڑ کر چلی گئیں تھیں۔ اسنے کلیجہ پر میرا ہاتھ رکھکر کہا کہ

یہاں پر ایک پھانس سی اٹک رہی ہے جو نکلنے میں نہیں آتی۔ اُٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے
سوتے جاگتے ہر وقت تکلیف دیتی ہے۔ فاطمہ فاطمہ انہیں فاطمہ کا کچھ قصور نہیں۔
اماں جان! اماں جان انہیں اُنکا بھی کچھ قصور نہیں ہے۔ پیارے محسن محسن انہیں تمہارا
بھی کچھ قصور نہیں۔ قصور میری قسمت کا ہے۔ خدا نے محسن مجھے دیکر مجھ سے چھین لیا
بس مجھے دنیا میں رہنے کی کچھ ہوس نہیں ہے۔ میں سمجھ گئی کہ اب جنوں کی حالت
تک نوبت پہنچ گئی ہے۔

میرے اور ماماں کے اصرار سے اصغری نے دو ایک نوالے کھائے اور
کھاتے کھاتے کلیجہ پکڑ کر بیٹھ گئی۔ ماماں سے پوچھنے لگی کہ محسن ابھی آئے یا نہیں۔
اُسنے کہا ابھی نہیں آئے تو پھر دو تین نوالے کھا کر ہاتھ کھینچ لیا۔ میں ایسی مصیبت
میں اصغری کی کیا مدد کر سکتی تھی۔ معلوم ہوا کہ ممانی جان نے ہمارے پیچھے جب
دیکھا کہ فاطمہ جوان ہوئی چلی جاتی ہے اور دوسری جگہہ سے اسکے نیے پیغام آنے لگے
تو اُنھوں نے محسن پر زور ڈالا کہ وہ فاطمہ کے ساتھ نکاح کرنے ورنہ وہ اپنا دودھ
کبھی نہ بخشینگی۔ محسن اپنی ماں کا تابعدار تو تھا ہی اور رسماً دوسری شادی کا کرنا
کچھ ممنوع بھی نہ تھا اسلیے مجبور ہو کر اُسنے فاطمہ سے نکاح کیا۔ لیکن اصغری کا وہ
اسوقت تک ویسا ہی دلدادہ تھا جیسا پہلے۔ ہاں ایک دن اصغری کے محل
میں رہتا ہے اور ایک دن فاطمہ کے۔ اصغری جو محسن کو اپنی تمام امیدوں کا
مرکز سمجھتی تھی اور سچے دل سے اپنے شوہر پر فدا تھی اس سے محسن کی محبت کے
دو ٹکڑے ہو جانے کا خیال برداشت نہو سکا اور اسکے دل کا نازک شیشہ پاش پاش
ہو گیا۔ اُس کی پھول سی صورت کملا کر مرجھا گئی۔

میں ممانی جان سے بھی ملی لیکن نہایت بے اعتنائی سے اور چند منٹ کے
بعد لوٹ کر اپنے گھر چلی آئی۔ اب پھر اصغری مجھسے دن رات ملنے جلنے لگی

لیکن اب اُس کی ایک مریض کی سی حالت تھی ۔ ماما سے معلوم ہوا کہ رات رات بھر جاگتی ہی نیند اُس کی آنکھوں کے قریب نہیں آنے پاتی ۔ جس روز محسن یہاں اُسکے محل میں آتے ہیں ۔ اُس روز بھی وہ کل کی جدائی کے خیال سے بے چین رہتی ہی ۔ حالت روز بروز دگرگوں ہوتی جاتی تھی ۔

مینے ایک روز دریافت کیا کہ محسن کی محبت میں کچھ فرق آگیا ہی یا ویسی ہی ہے تو رو کر اصغری نے جواب دیا کہ اب بھی مجھ کمبخت کے لانبے لانبے بالوں کو اپنی انگلیوں میں اُلجھاتے ہیں ۔ میرے ہاتھ اُٹھا اُٹھا کر اپنے دل پر رکھتے ہیں اور ہونٹوں سے لگاتے ہیں ۔ لیکن مجھے یقین نہیں آتا کہ وہ سچے دل سے مجھ سے محبت کرتے ہوں ۔

مجھے اب اصغری کی حالت ایک بجھتی ہوئی شمع کی طرح نظر آنے لگی ۔ روز بروز اُس کی حالت میں تنزل ہوتا جاتا تھا ۔ صغرا بیگم اپنی بیٹی کی مامتا کی ماری اکثر اسکے پاس رہتی تھی ۔ میں بھی دن کا بہت بڑا حصہ وہیں کاٹتی تھی ۔ بھائی محسن انگریزی باجے اور تصویریں اور دیگر تفریح کے بہت سے سامان لا لا کر اصغری کے کمرے میں جمع کرتے جاتے تھے کہ کسی طرح اسکا دل بہلے لیکن وہ اب ظاہری چیزوں کی طرف سے بے پروا معلوم ہوتی تھی ۔ کسی چیز کو غور سے نہ دیکھتی تھی نہ سنتی تھی ۔ آخر خفیف بخار آنے اور ٹھہرنے لگا ۔ دو ہفتہ کے خفیف بخار کے بعد مجھے یقین ہوگیا کہ اب اصغری کا آخری وقت آپہنچا ۔ ڈاکٹروں اور حکیموں کا علاج بھی ہوا لیکن چار پانچ ماہ کے بعد سب نے جواب دیدیا ۔

جاڑوں کے دن تھے مرض بہت ترقی کر گیا ۔ شام کے وقت مجھے بلا اور سب کو علیحدہ کر کے میرے ہاتھ اپنے ہونٹوں سے لگائے ۔ خوب دل کھول کر روئی ۔ تکیے کے سہارے سے تھوڑی دیر اُٹھ بیٹھی اور کہا کہ بس اب میں چند

کوئی دم کی مہمان ہوں۔

مجھے خدا نے سب کچھ دیا لیکن اُسکے ساتھ ہی ایک زہریلا خنجر میرے کلیجے میں بھونک دیا جسکے زخم سے میں مرتی ہوں۔ جب سے مجھے محسن کی دوسری شادی کا حال معلوم ہوا پھر ایک لمحہ بھر بھی چین نصیب نہوا۔ وہی گھر تھا وہی ماں باپ تھے۔ وہی محسن تھا جو میرے پاس آتا جاتا تھا اور ویسی ہی محبت ظاہر کرتا تھا لیکن سوکن کا خیال ایک نہایت گہرا زخم پیدا کر رہا تھا۔ آخر کار مجھے قتل کیے بغیر نرہا۔ میں تو مرتی ہوں لیکن میری داستان تمام دنیا کے سامنے پیش کر دینا تاکہ آیندہ کے لیے تو کچھ روک تھام ہو اور میری طرح لاکھوں بدنصیب عورتیں جل جل کر نہ مریں۔

دوسری صبح کو ماما نے آکر مجھے اصغری کی وفات کی خبر سنائی۔ میرے لیے یہ کوئی عجیب بات نہ تھی۔ میں گئی اور بہت دیر تک اُس بجھی ہوئی شمع کے پاس بیٹھکر روئی۔ آخر اپنے ہاتوں سے غسل دیا۔ اسکے دل کی جگہہ پر ہاتھہ رکھکر دیکھتی تھی کہ اُس میں اُس محبت۔ اُس رشک اس جلن کی کچھہ بھی گرمی باقی ہی یا نہیں۔ وہ سرد تصویر زبان حال سے کہہ رہی تھی کہ اب بجز مٹی کے یہاں کیا رکھا ہی۔ وہ دل وہ گوشت کا لوتھڑا وہ اُمنگوں بھرا دل بالکل سرد تھا۔

محسن روتا تھا اور میری طرف دیکھکر آنکھیں نیچی کر لیتا تھا۔ وہ دل میں نادم تھا لیکن اُسکی ندامت محض بے سود تھی۔ فاطمہ بھی موجود تھی اور اُسنے بھی آنسو بہائے وہ بالکل بے قصور تھی۔ ممانی جان بھی روتی تھیں لیکن اب رونے سے کیا حاصل تھا۔

تقریباً عرصہ اٹھارہ سال کا گزر گیا ہی کہ اصغری سیکڑوں من مٹی کے نیچے پڑی سو رہی ہے میں ہمیشہ اسکو شہید جانتی ہوں اور اپنی بہنوں سے خواہش کرتی ہوں کہ وہ اصغری کی روح کے لیے دعاے مغفرت کریں۔

راقمہ

و۔ سرج بیگم

اڈیٹوریل

روس کی مسلمان عورتیں

لندن کے نامور اخبار "ڈیلی ٹیلیگراف" کے ایک نامہ نگار نے سینٹ پیٹرسبرگ سے لکھا ہے کہ روس کی مسلمان عورتوں میں آزادی اور خود مختاری کی فیلنگ پیدا ہوگئی ہے اور وہ اپنے حقوق کا مطالبہ کرنے پر کمربستہ دکھائی دیتی ہیں؛ مگر یورپ کی عورتوں کی طرح وہ ایجٹیشن کرنے کو ناپسند کرتی ہیں۔ چنانچہ اورن برگ (روس) کی مسلمان عورتوں نے حال میں روسی پارلیمنٹ کے مسلمان ممبروں کو مندرجۂ ذیل یادداشت روانہ کی ہے:

ہمارے مقدس مذہب نے ہم کو آزادی اور خود مختاری عطا فرمائی ہے اور اُسنے ہم کو غلامی کے طوق سے آزاد کیا ہے۔ باوجود اسکے ہماری قوم کے بعض جاہل اور خود مختاری پسند لوگ ابتک ہماری جنس پر ظلم و ستم روا رکھتے ہیں اور ہمارے ساتھ وحشیانہ برتاؤ کرتے ہیں اور اپنے مقاصد کے حصول کے لیے ہمکو اپنی باندیاں سمجھتے ہیں اور مجبور کرتے ہیں کہ ہم ہمیشہ اسی ذلت و خواری اور غلامی کی حالت میں رہیں۔ مذہب اسلام عورتوں کو اجازت دیتا ہے کہ وہ علم حاصل کریں۔ سیر و سیاحت کریں مسجدوں میں نماز پڑھنے کے لیے جائیں، مکہ معظمہ کو حج کے لیے جائیں، ہر قسم کی تجارت کریں، بیماروں اور زخمیوں کا علاج کریں، غرضکہ اُسنے ہم کو ہر قسم کے کام انجام دینے کی پوری آزادی بخشی ہے اور کسی طرح کی روک ہماری آزادی اور خود مختاری میں نہیں کی۔ عرب اور دیگر ملکوں میں عورتوں کی یہی حالت ہے کہ وہ ہر قسم کے کام بذات خود انجام دیتی ہیں اور اپنی ہر ایک جائز مرضی اور خواہش کے پورا کرنے میں آزاد ہیں۔ تاریخ ہم کو بتاتی ہے کہ مسلمان عورتوں نے انجمنیں قائم کی ہیں، مسجدیں تعمیر کرائی ہیں، رفاہ عام کی بہت سی خدمات انجام دی ہیں۔

کتابیں تصنیف کی ہیں، بہت سی عورتیں شاعر ہو گزری ہیں، بہت سی انشا پرداز ہوئی ہیں۔

مگر آجکل یہ حالت ہی کہ ہمارے شوہر ہمکو علم حاصل کرنے سے روکتے ہیں۔ یہانتک کہ وہ ہم کو مقدس مذہب کے اصول و مسائل سے آگاہ ہونے کا موقع بھی نہیں دیتے اور مذہبی کتابوں کے مطالعہ کرنے سے بھی بیزار رکھنا چاہتے ہیں، ہماری قوم کے علمار نے بعض اخبار نویسوں کے ساتھ متفق ہو کر اس بات پر کمر باندھی ہی کہ ہماری آزادی اور خود مختاری کی خواہش کا مقابلہ کریں اور اس سے غرض ہی کہ ہم ہمیشہ جاہل رہیں، ہمارے شوہر ہماری آزادی کی راہ میں حائل ہیں اور وہ ہم کو گھروں کی چار دیواریوں میں قیدیوں کی طرح بند رکھنا چاہتے ہیں، وہ جب چاہتے ہیں اپنی بیویوں کے علاوہ دیگر عورتوں سے رشتۂ الفت جوڑتے ہیں اور اکثر اُنکے ساتھ شادیاں کر لیتے ہیں اور اس برتاؤ سے وہ اپنی بیویوں کے ساتھ ظالمانہ سلوک کرتے ہیں، ہم کو مجبور کیا گیا ہے کہ ہم ہمیشہ مظلومانہ زندگی بسر کریں یہانتک کہ مر جائیں اور قبروں میں دفن کر دی جائیں، اور اکثر ہماری جنس کی موتیں سل اور دق کی بیماری سے ہوا کرتی ہیں، اسلامی شریعت نے ہم کو اکثر معاملات میں آزادی بخشی ہی۔ وہ اس بات کو جائز نہیں رکھتی کہ مرد اپنی بیویوں کے سوا اور عورتوں پر بری نیت سے نظر ڈالیں۔ باوجود اس قطعی حکم کے وہ اکثر ہوٹلوں اور قہوہ خانوں میں بیحیائی کا ارتکاب کرتے ہیں اور ایسی ذلیل و ارذل عورتوں کی صحبت میں اپنا وقت ضائع کرتے ہیں، جنکا وجود ہماری جنس کے لیے ننگ و عار کا سبب ہے ہم مسلمان عورتوں نے خدا کی مہربانی سے کچھ علم حاصل کر لیا ہی، اور اسلامی شریعت کے معنوں کو بخوبی سمجھا ہی اور اب ہم کو یقین ہو گیا ہی کہ شریعت اسلام نے ہم کو کسی حق سے محروم نہیں کیا ہی اور ہم بھی مردوں کی طرح انسان ہیں۔

اے مسلمان ممبران پارلیمنٹ! تمہارا فرض ہے کہ تم مسلمان عورتوں کے حقوق کی حمایت کرو اور ایک ایسا قانون جاری کرانے پر اپنی ہمت مبذول کرو، جس کی مدد سے ہم مردوں کے ظلم وستم سے نجات پائیں اور اس غلامی اور ذلت کے طوق سے رہا ہو جائیں، جو انھوں نے ہماری گردنوں میں ڈال رکھا ہے۔ دنیا کی تمام شائستہ قوموں نے اس بات کو تسلیم کر لیا ہے کہ عورتیں قوم کی مائیں اور مردوں کی غمگسار ہیں اور قوم کی تعلیم اور ترقی انھیں کے ہاتھ میں ہے۔ مردوں کو خوب یاد رکھنا چاہیے کہ اگر وہ ہمیشہ ہمارے ساتھ یہی ظالمانہ سلوک کرتے رہے اور اسی طرح بدمعاملگی کے ساتھ پیش آتے رہے، تو ایک دن ایسا آنے والا ہے کہ وہ خود غلام ہوں گے اور ذلت اور حقارت کی زندگی بسر کرنے پر مجبور کیے جائینگے اس خطرناک وقت کے آنے پر مسلمانوں کی تمام قوم پاش پاش ہو جائے گی۔ اور اُس کی کوئی وقعت اور عزت دنیا میں قائم نہیں رہے گی۔ ابھی وقت ہے کہ اُس آنے والے خطرہ کا تدارک کر لیا جائے اور ہم کو ہمارے جائز حقوق دیدیے جائیں اور ہماری آزادی تسلیم کر لی جائے۔ اسکے بعد شرمندگی اور پشیمانی کوئی فائدہ نہیں دیگی۔

ہماری روشنخیال اور جوشیلی بہن عطیہ خانم سے ناظرین بخوبی واقف ہیں۔ اوّل ایکمرتبہ آپ یورپ میں بغرض تعلیم تشریف لیگئی تھیں، اب پھر اپنی ہمشیر صاحبہ جناب ہر ہائنس بیگم صاحبہ جنجیرہ اور ہز ہائنس جناب نواب صاحب جنجیرہ کے ہمراہ یورپ تشریف لیگئی ہیں۔ غالباً چھ ماہ کے بعد واپس تشریف لائینگی اگلے سال اُنکا ارادہ ہے کہ امرتسر میں کچھ عرصہ پیشتر سے آکر نمائش صنعت وحرفت نسواں کا خود انتظام فرمائینگی۔ خدا اُنکا ارادہ پورا کرے۔

زنانہ مدرسہ علی گڑھ کے لیے عین خوش قسمتی سے ایک بہت قابل اُستانی مل گئی ہے۔ یہ استانی ہم کو اپنے ہمدرد دوست جناب مولوی غلام محمد صاحب اڈیٹر اخبار وکیل امرتسر کی کوشش سے ملی ہے۔ ہم مولوی صاحب کے ممنون ہیں۔ ہمارے پاس چند دیگر اُستانیوں کی بھی درخواستیں موجود ہیں اور ہمیں ضرورت بھی ہے لیکن ابھی تک ہم ہر مسئلہ کے بارے میں تحقیقات کر رہے ہیں اور جب کامل طور پر حالات معلوم ہو جائینگے تو پھر انتخاب کیا جائیگا۔

خدا کا شکر ہے کہ اب لڑکیاں اُردو کی چوتھی کتاب پڑھتی ہیں اور اُردو لکھنے لگی ہیں۔ ضرب تقسیم وغیرہ حساب کے ابتدائی قاعدے سیکھ چکی ہیں اور سینے کاڑھنے کا کام بھی ایک عرصہ سے جاری ہے۔ اب نئی اُستانی صاحبہ کی وجہ سے اس میں خاصی ترقی کی امید ہے۔

ہمیں اس لڑکیوں کے مدرسے میں ایک خاصی وقت محسوس ہو رہی ہے اور اسوقت ہمیں اسکا کچھ علاج نہیں سوجھتا۔ وہ دقّت یہ ہے کہ جہاں کوئی لڑکی شوق سے پڑھنے لکھنے لگتی ہے اور کچھ عرصہ تک مدرسہ میں تعلیم پا چکتی ہے اور اُستانیوں اور نگرانی کرنے والوں کو اس کی ذہانت سے اسکی ترقی کی امید ہونے لگتی ہے تو والدین اُسکو فوراً اٹھا لیتے ہیں کہ اب ہماری لڑکی جوان ہوگئی ہے۔ اور بارہ تیرہ برس کی عمر نہیں ہونے پاتی کہ شادی کی فکر میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اسطور سے ہمارے مدرسے کی آٹھ دس نہایت ہونہار لڑکیاں نکل گئیں اور ہم کو سخت افسوس ہوا۔ اگر تین تین سال تک وہ اور مدرسے میں تعلیم پا جاتیں تو اُردو کی نوشت و خواند اور قرآن شریف پورا پڑھ لینے کے علاوہ دستکاری اور حساب بخوبی سیکھ جاتیں، اور ان باتوں کے علاوہ سکندر جہاں بیگم صاحبہ اور سعید جہاں بیگم صاحبہ اور مسز عبداللہ کی کوشش سے اپنے کپڑے اور مکانات اور

آیندہ اپنے بال بچوں کو صاف ستھرا رکھنے کے عمدہ سبق بھی حاصل کر لیتیں۔
خیر جہاں اور دقتوں کا مقابلہ کیا ہے وہاں یہ بھی سہی، لیکن یہ معمولی دقت نہیں ہے۔

ایک مولوی صاحب ایک روز ہمیں سمجھانے کے لیے ہمارے مکان پر تشریف لائے اور ادہر اُدہر کی باتوں کے بعد تعلیم نسواں کا ذکر چھیڑا اور فرمایا کہ آپ نے کس طوفان میں قوم کو مبتلا کر رکھا ہے۔ آجکل عورتوں کی تعلیم کے پھیلنے کا اسقدر چرچا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ اب لڑکوں کی تعلیم کی کسیکو پرواہی نہیں۔ جہانتک میں نے سراغ لگایا ہے مجھے بنا ر فساد آپ ہی معلوم ہوتے ہیں آپ للہ قوم پر رحم فرمایے اور جو کچھ ہوا سو ہوا آئندہ قوم کو ایک غلط راستے پر لیجانے سے باز رہیے۔ ہمنے مولوی صاحب کی خدمت میں نہایت ادب اور پاس خاطر کے سبجے میں عرض کیا کہ حضرت آخر عورتوں کی تعلیم میں آپ نے ایسی کیا قباحت دیکھی ہے کہ آپ اس کی مخالفت میں اس درجہ سرگرم ہیں، مولوی صاحب نے فرمایا کہ مجھے صرف یقین ہی نہیں بلکہ حق الیقین ہے کہ عورتوں کی تعلیم سے ہماری قوم کی عزت اور شان اور نیکی سب برباد ہو جائیگی۔ عورتیں مردوں کی کبھی خدمتگزاری نہ کرینگی، وہ میموں کی طرح فٹن اُڑاے اُڑاے پھرینگی۔ آپ کیوں یہ وبال اپنے سر لیتے ہیں،

ہم نے دریافت کیا کہ کسی مذہبی کتاب آیت یا حدیث وغیرہ سے آپ مجھے یہ بتا سکتے ہیں کہ اپنی بیبیوں سے اور ماؤں بہنوں اور بیٹیوں سے خدمت لینا جائز ہے اُنھوں نے فرمایا کہ نہیں۔ ہم نے کہا پس اگر وہ خدمت گزاری نہ کریں تو کوئی گناہ نہیں ہے۔ اعلیٰ اور مہذب سوسائٹی میں ایک خاندان کے مختلف ممبروں کو خواہ وہ مرد ہوں یا عورت مذہباً یا اخلاقاً دوسرے ممبروں سے خدمت لینے کا مطلق حق نہیں ہے۔ ذاتی آسائش و آرام کے لیے عورتوں سے خدمت لینا

ایک وحشیانہ رسم ہی جسکو ترک کرنا مناسب و پسندیدہ ہی۔ لیکن عورتوں کو قدرتاً خدانے
اطاعت شعاری کا مادہ عطا کیا ہی۔ اگر آپ بجاے جابرانہ حکومت کرنے کے محبت
اور نرمی سے اُنکے دلوں کو تسخیر کرینگے تو وہ بلا آپ کے کہے آپ کی خدمت گزاری
سے بھی دریغ نہ کرینگی۔ مولوی صاحب اپنی جھائیں جھائیں کرتے رہگئے اور ہم
اپنے کام میں مشغول ہوگئے۔

تعلیم اور شائستگی کے ساتھ ساتھ صفائی کے خیالات بھی ترقی کر رہے ہیں
کچھ تو قواعد حفظان صحت کے مطالعہ سے اور کچھ انگریزوں کی دیکھا دیکھی تعلیم یافتہ
گروہ میں صفائی بہت پسند کیجانے لگی ہی۔ صفائی پسند آدمی اپنی سوسائٹی میں
خاص امتیاز اور قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہی۔ لیکن عملاً لوگ ہنوز صفائی کی اصلیت
سے بالکل ناواقف ہیں۔ عورتیں سر پر لنبے لنبے بال تو رکھ لیتی ہیں لیکن بعض
عورتیں اپنے بال ایسی بے احتیاطی سے رکھتی ہیں کہ پاس بیٹھنے والوں کو
اُن سے نفرت پیدا ہوتی ہے، جن ملکوں میں پُرانا طریقہ دہی اور چھاچھ سے
سر دھونے کا ہی جاری ہی۔ وہاں کی بیبیاں ہزار اپنے سر میں تیل ڈالیں یا
روزانہ کنگھی کریں لیکن اُنکے بال نہایت بدبودار رہتے ہیں اُنکا یہ عمل قواعد
صفائی کے بالکل خلاف ہی۔

بعض پڑھے لکھے مردوں کو دیکھا ہی کہ وہ رومال کو اپنی جیبوں میں رکھتے
ہیں لیکن وہ ایسے گندے اور بدبودار ہوتے ہیں کہ اگر کسی محفل میں انکو وہ باہر
نکالکر ہاتھ یا مُنہ پونچھتے ہیں تو پاس بیٹھنے والوں کو سخت تکلیف ہوتی ہے۔
مولوی صاحبان کے کندھے پر جو بڑے بڑے رومال پڑے رہتے ہیں اور

جنسے وہ نہ صرف رومال کا بلکہ جھاڑن کا اور کھانے کے وقت دستر خوان کا بھی کام لیتے ہیں وہ دوسروں کو ان مقدس بزرگوں سے ذرہ ہٹ کر بیٹھنے پر مجبور کرتے ہیں۔ جس چیز سے ہاتھ منہ یا جسم پونچھا جاتا ہی اگر ہر روز نہیں تو دوسرے روز اسکو پانی سے نہ دہویا جائے تو وہ یقیناً بدبودار ہوجائیگا۔

ڈہاکہ میں جن جن بہنوں کو نمائش میں انعامات ملے تھے وہ تقسیم کر دیے گئے ہیں، افسوس ہے کہ مجبوری سے بہت دیر ہوگئی۔ کراچی کے تمغہ جات تیار ہوکر ہمارے پاس آگئے ہیں لیکن جس کمپنی نے تمغے بھیجے ہیں اُسنے دو تمغے کم بھیجے ہیں اور قیمت پوری لگائی ہی۔ اسلیے اُس سے خط و کتابت ہو رہی ہے امید ہی کہ ایک مہینے کے اندر اندر تقسیم کر دیے جائینگے۔

اب کی سال ہم تعلیم نسواں کے چندے کے لیے ڈیپوٹیشن بھیجنا چاہتے تھے لیکن قحط سالی کی وجہ سے کچھ ہمت نہیں پڑتی۔ البتہ اگر کوئی بزرگ کسی خاص مقام پر ڈیپوٹیشن بلانا چاہیں تو ہم بڑی خوشی سے اُنکے پاس ڈیپوٹیشن بہیج سکتے ہیں۔

مرزا غلام احمد خانصاحب قادیانی کے نام نامی سے اکثر ناظرین واقف ہونگے وہ ایک مشہور بزرگ تھے۔ ۲۶۔ مئی ۱۹۰۸ء کو اُنکا انتقال ہوگیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

ناظرین اس نمبر میں اصغری کی سرگزشت پڑھینگے اور غالباً بعض رقیق القلب بیبیاں اس واقعہ سے بہت متاثر ہوں گی۔ کسی واقعہ سے متاثر ہونا اور آنسو بہانا اصلاح کا کافی ذریعہ نہیں ہے۔ اب وہ زمانہ آگیا ہے کہ ہندوستان کی تعلیم یافتہ پبلک کو اور بالخصوص خاتونان ہند کو اصلاح رسوم کے لیے جہاد کرنا چاہیے مردوں کو اپنی خواہشات پر قابو حاصل کرنا چاہیے اور لفظ انسان کے اصلی اور سچے مفہوم کا مصداق بننا چاہیے۔

اُردو کا بہترین باتصویر رسالہ

زمانہ

ہر ماہ کے آخر میں نیا چوک کانپور سے نہایت آب و تاب سے شائع ہوتا ہے قیمت سالانہ عہ ہے شش ماہی عہ، نمونہ ۶؍ خریداری جنوری سے شروع ہوتی ہے۔

فہرست مضامین

تصویر۔ رانی اہلیا بائی .... صفحہ

۱۔ علم محبت ۱۴۹

۲۔ سیواجی۔ از رائے پربھولال صاحب بی۔ اے ۱۵۲

۳۔ مغرب و مشرق۔ از منشی صابر علیخاں صاحب شیرانی بونوی ۱۶۹

۴۔ مجوزہ اصلاحیں۔ از بابو ہرگوبند پرشاد صاحب نگم بی اے ۱۸۰

۵۔ اہلیا بائی۔ از بابو ڈپٹی لال صاحب نگم بی اے ۱۸۶

۶۔ سمندر میں چاند۔ از خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی ۱۹۰

۷۔ تیغ ہندی نظم۔ از منشی نوبت رائے صاحب نظر

۸۔ دل صافی
۹۔ دل مکدر } از منشی سورج نرائن صاحب مہر ۱۹۹

۱۰۔ گنج شائگاں از منشی اکرام صاحب دبجوار ثیہ ۲۰۱

۱۱۔ خواتین ہند از ابوالنصر ضمیر الدین صاحب رشک ۲۰۵

۱۲۔ یادِ وطن از منشی بدر الزماں صاحب بدر ۲۰۶

۱۳۔ رفتار زمانہ ۲۰۹

چند ریویو

پایونیر زمانہ ہند و مسلمانوں کے لیے ایک مشترکہ پلیٹ فارم مہیا کرنا چاہتا ہی اور ان دونو جماعتوں کے مشہور انشا پرداز و شعرا کی قلمی امداد حاصل کرنیکا دعویدار ہے۔

انڈین ڈیلی ٹیلیگراف اس رسالہ کی ایک خاص خصوصیت جدید کتابوں پر وہ تنقیدیں ہیں جو اُردو کے فن تنقید میں ایک نیا انداز قائم کرتی ہیں۔

پیسہ اخبار زمانہ کا ہر نیا نمبر گزشتہ نمبر سے بڑھا چڑھا رہتا ہی۔

ہمعصر مختلف اقوام اور مذہب کے نامی اہل قلم جتنے زمانہ کو ملے ہیں آجتک اُردو میں کسی دوسرے ماہواری رسالہ کو نہیں ملے۔

پنجابی لکھائی چھپائی میں زمانہ سب پر سبقت لے گیا ہے۔

زمانہ کا سستا ایڈیشن بھی جنوری سے شائع ہونے لگا ہے۔ قیمت سالانہ عہ

رجسٹرڈ نمبر اے ۲۷۱

خاتون

جلد ۴ | بابت ماہ جون ۱۹۰۸ء | نمبر ۶

اڈیٹر شیخ محمد عبد اللہ بی اے-ایل-ایل-بی سکریٹری تعلیم نسواں سکشن

فہرست مضامین

(۱) ملکہ بوڈسیا .... بنت نصیر الدین حیدر ۱۸۵

(۲) ساس نندوں کی دکھیا .... ایچ خانم دہلوی ۱۹۳

(۳) بنگال میں تعلیم نسواں .... ڈپٹی لال صاحب نگم ۲۰۱

(۴) مسلمان عورتوں کی بہادری .... البشیر ۲۱۰

(۵) شاہ لیر ۲۲۱

(۶) اڈیٹوریل ۲۲۶

محمد عبد السلام کے اہتمام سے

مطبع فیض عام علی گڑھ میں طبع ہوا

خاتون

۱۔ یہ رسالہ ۴۸ صفحے کا علیگڑھ سے ہر ماہ میں شائع ہوتا ہی اور اسکی سالانہ قیمت (۲ ملے) اور ششماہی ۱؍ ہے

۲۔ اس رسالہ کا صرف ایک مقصد ہی یعنی مستورات میں تعلیم پھیلانا اور پڑہی لکھی مستورات میں علمی مذاق پیدا کرنا۔

۳۔ مستورات میں تعلیم پھیلانا کوئی آسان بات نہیں ہی اور جبتک مرد اس طرف متوجہ نہونگے مطلق کامیابی کی امید نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ اس خیال اور ضرورت کے لحاظ سے اس رسالہ کے ذریعے سے مستورات کی تعلیم کی اشد ضرورت اور بے بہا فوائد اور مستورات کی جہالت سے جو نقصانات ہورہے ہیں اُس کی طرف ہمیشہ مردوں کو متوجہ کرتے رہینگے۔

۴۔ ہمارا رسالہ اس بات کی بہت کوشش کریگا کہ مستورات کے لیے عمدہ اور اعلیٰ لٹریچر پیدا کیا جاوے جس سے ہماری مستورات کے خیالات اور مذاق درست ہوں اور عمدہ تصنیفات کے پڑہنے کی انکو ضرورت محسوس ہو تاکہ وہ اپنی اولاد کو اُس بڑے لطف سے محروم رکھنا جو علم سے انسان کو حاصل ہوتا ہی معیوب تصور کرنے لگیں۔

۵۔ ہم بہت کوشش کرینگے کہ علمی مضامین جہانتک ممکن ہو سلیس اور بامحاورہ اُردو زبان میں لکھے جائیں۔

۶۔ اس رسالہ کی مدد کرنے کے لیے اسکو خریدنا گویا اپنی آپ مدد کرنا ہی اگر اسکی آمدنی سے کچھ بچیگا تو اُس سے غریب اور یتیم لڑکیوں کو وظائف دیکر اُستانیوں کی خدمت کے لیے تیار کیا جائیگا

۷۔ تمام خط و کتابت و ترسیل زر بنام اڈیٹر خاتون علی گڑھ ہونی چاہیے۔

ملکہ بوڈسیا

انگلستان اپنے علم و تہذیب، عقل و ہنر، صنعت و تجارت، حکومت و ثروت کی وجہ سے جس طرح آج شہرت کے آسمان کا سورج ہی، اسی طرح آج سے تقریباً دو ہزار برس پہلے حضیض گمنامی میں اس طرح چھپا ہوا تھا کہ کوئی دوسرا تو درکنار خود نہ جانتا تھا کہ میں کیا چیز ہوں۔ سب سے پہلا شخص پڑھا لکھا جو انگلستان گیا اور جسنے وہاں کی چشم دید حالت لکھی وہ ایک یونانی تھا۔ اسکے تھوڑی مدت بعد ایک زبردست یونانی جنرل جولیس سیزر نامی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدایش سے ۵۵ برس پہلے انگلینڈ پر بحری فوج کشی کی۔ اور اہل انگلستان کی کسی قدر مفصل حالت لکھی۔ وہ لکھتا ہی کہ تمام ملک جنگلوں اور بنوں سے پٹا پڑا تھا۔ جن میں بڑی بڑی دلدلیں اور جھیلیں تھے نہ کوئی شہر تھا نہ قلعہ۔ اور جب شہر ہی کا پتہ نہ تھا تو بازار۔ دوکانیں سڑکیں اور

پختہ عمارتیں وغیرہ چہ معنی دارد۔ چنانچہ ان میں سے کوئی چیز بھی نہ تھی۔ حتیٰ کہ جن بستیوں
میں کسی قدر انسانیت تھی وہ مٹی اور گھانس کی ایسی جھونپڑیوں میں رہتے تھے
جیسی کہ ہمارے ہندوستان کے گانوں گنوئی میں یا شہر کے باہر کھنڈروں کی بستیوں
میں ہوتی ہیں (خصوصاً حیدرآباد کے مفصلات میں) یہ جھونپڑیاں آج بھی قدامت کی
یاد تازہ کرتی رہتی ہیں۔ بلکہ یہاں کی سب سے زیادہ وحشی قومیں (جیسے لمباڑے سپیرے اور
اور کیکاڑوں کی جھونپڑیوں میں تو یہانتک صنعت ہوتی ہے کہ مٹی کا بھی لگاؤ نہیں ہوتا۔
فقط درخت کی ٹہنیوں اور پتوں سے ایک گھونسلا سا بنا لیتے ہیں) اور جو بالکل وحشی
تھے وہ تو جنگلوں ہی میں بھاگتے پھرتے تھے۔ رات کو درختوں کے کھنڈوں اور
کھوؤں میں بسیرا کرتے تھے۔ اسباب تمدن میں سے دیکھئے مٹی کے برتن یا ان وحشی
جانوروں کے چمڑے کے نیم ستر پوش کپڑے تھے، جنکو وہ کھانے کے لیے
شکار کرتے تھے۔ سواحل کے قریب رہنے والے کسیقدر متمدن تھے۔ مگر بس
اتنے کہ کھانے کے لیے وحشی جانوروں اور مچھلیوں کا شکار کر لیا۔ اناج میں جو بولئے
سامان حرب میں وار چیریٹ[1] اور گوپھیے اور نوکدار لکڑیوں کا استعمال کر لیا۔ کشتیوں
کی غرض پوری کرنے کے لیے بانس اور لکڑی کے بڑے بڑے ٹوکرے بنا لیے
اور ان کو انھیں شکار کے جانوروں کے چمڑے سے منڈھ لیا تاکہ پانی اندر نہ آئے
ایک بات یہ مزے دار تھی کہ لڑائی کے وقت اپنے دشمنوں کو مرعوب کرنے کی
غرض سے نیلا رنگ جسم پر پھیر لیتے تھے۔ یہ تمام وحشتیں سہی۔ مگر لمبے لکار۔

---

[1] یہ ایک قسم کی گاڑی ہوتی تھی جسکی قطع ہمارے ہاں کے رتھ سے مشابہ تھی۔ اسکے دونوں پہیوں میں سے
دو برچھیاں نکلی ہوئی ہوتی تھیں۔ جنگجو اس میں بیٹھکر دشمن کی فوج میں زور زور سے بھگاتے تھے
جوں جوں پہیے گردش کرتے تھے ووں ووں فوج مخالف کے آدمی مجروح
مقتول ہوتے تھے۔

طاقتدار۔ بہادر اور جنگجو ہونے کے علاوہ قدرت نے انھیں ان صفات سے ضرور مزین کیا تھا۔ جو آگے چل کر دنیا میں اُن کی برتری و بہتری کا باعث ہوئیں۔ ان میں آزادی سپرٹ اور اصول کی تلاش اول ان سے موجود تھی۔ درحقیقت یہی مخصوص صفتیں تھیں جن کی وجہ سے وہ ؎

بالائے سرش زہوشمندی   میتافت ستارۂ بلندی

کے مصداق تھے۔ اور خدا کی اس دین کے کچھ مرد ہی مالک نہیں تھے۔ بلکہ عورتیں بھی اُن کی شریک تھیں۔ جن میں کوئن بوڈسیا شریک غالب تھی۔

رومیوں کے آنے سے پہلے تمام انگلستان جسکو قدیم زمانہ میں برٹن کہتے تھے۔ چھوٹی چھوٹی بادشاہتوں یا ریاستوں میں منقسم تھا۔ جنکے خودسر حکمراں ایک دوسرے سے اسی طرح لڑتے بھڑتے رہتے تھے۔ جیسے کہ ہندوستان قدیم کے راجہ یا افریقہ کے وحشی یا ترکستان کے خوانین۔ یا عرب کے سردار قبیلہ آپس میں کشت وخون اور جنگجوئی کا بازار گرم رکھتے تھے۔

جب رومیوں نے پہلے پہل انگلینڈ کے سواحل کا رخ کیا تو بجارے خود ہوشیار وحشی برٹنز دور ہی سے رومیوں کے جہازوں کو دیکھکر اپنی بربادی اور غلامی کا سوچ بچار کرنے لگے۔ جوق جوق لوگ سواحل پر اکٹھے ہوکر کہنے لگے۔ تم نے دیکھا۔ یہ وہی مشہور خونخوار جنرل ہے۔ جسنے تمام دنیا کو فتح کرلیا ہی (جولیس سیزر) اور اب یہاں اس غرض سے آیا ہی کہ ہمارے گھروں کو ہم سے چھینکر ہم کو اپنا غلام بنائے۔ سب نے بالاتفاق کہا۔ ہم اپنے وطن پر کٹ کٹ کر جان دیدینگے مگر اسکے غلام نہیں بنیں گے۔ گو خدا کی مرضی کئی سو برس تک کے لیے ان لوگوں کے دعوے و منصوبے کے خلاف تھی۔ مگر آفریں تھی اُن کی ہمت پر کہ اپنے سے ہزارہا گُنے قوی دشمن کو اُنھوں نے بھی ایک بار تو ناک چنے چبوا ہی دیے۔

محب وطن جولیس سیزر اور اُسکے جانباز سپاہی بڑی جان جوکھوں کے ساتھ خشکی پر آئے۔ انگہر گرہمت والے اہل برطانیہ سے دو دو ہاتھ کرکے پھر اٹلی کو واپس چلے گئے۔ جولیس جیسے مشہور فاتح کو اتنی سی چپقلش پر کب صبر آسکتا تھا۔ اسنے دوسری سال اچھی طرح حملہ کی تیاری کی۔ غریب بے ہتیار اہل انگلینڈ کو بالکل سرنگوں کرنے کے لیے تمام گیل کانٹے اور پرپرزوں سے درست ہوکر اب کی دفعہ ایسا آیا کہ ساحل کے ملک فتح کرکے تمام ملک کو کھوندتا ہوا اندر تک گھسا چلا گیا۔ اہل برطانیہ سے بھی جو بن پڑا حتی المقدور اس میں کمی نہیں کی۔ لیکن جولیس کے سیلاب فتح کو کونسی تدبیر روک سکتی تھی۔ اسنے بمصداق ع مرے دریاے بیتابی میں ہے اک موج خون بھی، تمام رخنہ اندازیوں کو تنکے کی طرح توڑکر اہل برطانیہ کی چمکدار پیاری حریت پر عبدیت کا داغ لگا ہی دیا۔ چونکہ اسکو یہاں جمنا منظور نہ تھا اسلیے جیسا طوفان بے تمیزی کی طرح آیا تھا ویسا ہی فتح کے جھنڈے اُڑاتا ہوا اٹلی کو واپس پلٹ گیا۔ اسکے جانے کے بعد اہل رومانے سو برس تک ادہر کی سدھ نہ لی۔

جولیس سیزر کے سو برس بعد یعنی مسیح علیہ السلام کے تقریباً پچاس برس بعد رومیوں کو پھر انگلینڈ کی ہڑک اُٹھی۔ اس دفعہ وہ گلوڈیس سیزر نامی جنرل کے زیر کمان انگلستان میں اپنا ڈنکا بجاتے آئے۔ اہل برطانیہ ایک تو فطرتاً آزادی پسند تھے۔ دوسرے سو برس میں کسیقدر زیادہ آنکھیں کھل گئی تھیں۔ تیسرے جولیس سیزر کی چاشنی تھوڑی بہت زبان پر موجود تھی۔ ہر موقع پر جان توڑکر لڑے۔ اپنی بساط کے موافق فنون جنگ وہنرمندی وچالاکی برت کر گلوڈیس والوں کو چھیڑیاں بھی کھلائیں۔ مگر نتیجہ رومیوں ہی کے حق میں اچھا نکلا کیونکہ سنت الہی کے موافق حکومت کے مالک وہی ہیں جو اسکے اہل ہوں۔ اہل انگلینڈ گو جنگجو۔ ضدی اور مستقل مزاج تھی لیکن اسوقت رومیوں جیسے علم وہنر کے پتلے اور اقبال مند نہ تھے۔

رومیوں نے چن چن کر انھیں خود مختار بادشاہوں کو اپنا مطیع کیا جو اسوقت انگلینڈ
ناک اور رومیوں کی مشکلات کی اصلی وجہ تھے، ان رؤسا نے سالانہ خراج سے
من کا موتھ جھلسنا غنیمت سمجھا۔ اور رومی ان کو اپنا باجگزار بنا پھر اپنے وطن اصلی کو
چلے گئے۔ لیکن اس دفعہ کا جانا جولیس سیزر کا سا جانا نہ تھا۔ انگلینڈ میں انکا اقتدار
قتاً فوقتاً جگہ پکڑتا جاتا تھا۔ اور یہ لوگ اپنی نئی جولانگاہ سے خوب متمتع ہوتے تھے۔
انھیں باجگزار بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ تھا۔ جس کی ملکہ کا نام کوئن
ڈسیا تھا۔ اسکے دو بیٹیاں تھیں۔ جب وہ مرنے کے قریب ہوا تو اس دنیا سے
انے اور اپنے چاہنیوں اور چاہنے والوں کو چھوڑنے کے رنج کے ساتھ ہی ایک اور
ار غم اسکے دل میں کھٹکنے لگا۔ وہ رومیوں کی طرف سے پورا خائف تھا۔ اسے یقین
ھا کہ میرے مرنے کے بعد میری سلطنت اور تمام اثاث البیت کا قوی دشمنوں کی
ست برد سے بچنا محال ہے۔ لہٰذا اُسنے اپنی سلطنت اور مال و متاع کے اپنے
سامنے تین حصے کیے۔ دو حصے دونوں بیٹیوں اور بیوی کو دیے۔ اور تیسرا حصہ
رومیوں کے لیے چھوڑا۔ تاکہ سلطنت اور خاندان دونوں بربادی سے محفوظ رہیں۔
سکے بعد وہ مرگیا۔ بیٹیاں اور بیوی بادشاہ متوفی کے حسب منشا اپنے حصے پر
ابض ہوگئیں۔
رومیوں نے جب اسکے مرنے کی اور تقسیم ترکہ کی خبر سنی تو اُن کی آتش غضب
لمع بھڑک اُٹھی۔ فوراً اسکے اسٹیٹ میں آئے۔ بے تحاشا لوٹ مار مچادی۔ اپنے
حصے کے علاوہ دونوں بیٹیوں کا بھی سب کچھ چھین لیا۔ دونوں شہزادیوں اور بادشاہ
بیگم بوڑھیا کو بڑی بے رحمی اور بے شرمی کے ساتھ علی رُوس الاشہاد ایسے کوڑے
رے کہ انکے نازک اور خوبصورت بدن پاش پاش ہوگئے۔ معاذ اللہ اس وحشت اور
بے رحمی کا بھی کچھ ٹھکانا ہے جسکے بیان کرنے سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ یورپ کے

اتنے میں کوئین بوڈسیا مع اپنی دونوں لڑکیوں کے ایک وار چیر لیٹ پر سوار ہوکر میدان جنگ میں نمودار ہوئی۔ نہایت غضبناک جوش میں تمام قوم کو مخاطب کرکے کہنے لگی "اے اہل برطانیہ تم خوب جانتے ہو کہ اہل روم نے تمہاری زمینیں غصب کرکے تم کو بے گھر بے در کردیا۔ تمہارے اسباب لوٹکر تم کو مفلس و نادار بنادیا۔ تمہارے مردوں کو قتل کرکے تم کو یتیم و لاوارث کیا۔ تمہاری آزادی چھینکر غلاموں سے بدتر کردیا۔ تمہاری عورتوں حتی کہ تمہاری شہزادیوں اور ملکہ کو کوڑوں اور ڈنڈوں سے مار کر تم کو ایسا ذلیل کیا کہ دنیا میں اس کی مثال ڈھونڈھے سے نہ ملیگی۔ دیکھو ہاتھ پھیلاکر میرے زخم ابتک ہرے ہیں۔ میری بیٹیوں کی آنکھوں کا آنسو اتک خشک نہیں ہوا۔ جو مصیبتیں ظالم رومیوں کے ہاتھ سے انھوں نے اٹھائیں اسکا ذائقہ اسوقت تک اُن کی زبان پر ہے۔

اب وہ تمہارے سامنے لڑنے پرآمادہ کھڑے ہیں۔ کیا تمہاری حمیت یہ گوارا کریگی کہ تم کلہ بکلہ اُن کو جواب دو۔ میں خود اس جنگ میں تمہاری لیڈر بنونگی اور ان بے مثل ظالموں سے اپنا اور اپنی تمام قوم کا بدلہ لونگی۔ چاہے اس میں تخت کا تختہ کیوں نہو جائے۔ سنو تم کو دل چھوڑنے کی کوئی وجہ نہیں۔ انکا ایک بہادر جنرل قتل ہوچکا ہے۔ باقی سہمناک ہورہے ہیں۔ آؤ اب ہم سب یکدل و یک جان ہوکر ان پر ٹوٹ پڑیں اور انکے شرمناک مظالم سے دنیا کو پاک کردیں۔

سنو لوگو! گو میں ایک عورت ہوں مگر میرے دل نے یہ فیصلہ کرلیا ہے کہ اس لڑائی میں ہم کو صرف دو باتیں کرنی چاہییں۔ یا جیتنا یا کٹ کر ڈھیر ہوجانا۔ تم مرد ہو۔ اب چاہو میرے ہمخیال ہو۔ چاہو زندہ رہکر رومیوں کے ذلیل غلام نبو۔"

برٹنز پہلے ہی سے آگ بگولا ہورہے تھے بوڈسیا کی شعلہ بار اسپیچ نے

اور بارود کا کام دیا بکچیاں باندھکر وحشی درندوں کی طرح رومیوں پر جا پڑے مگر سچ کہا ہے کہ فتح و شکست خدا کے ہاتھ ہے۔ دوسرے تمام حیثیتوں سے برٹنز اور رومنس میں چیونٹی اور شیر کا فرق تھا۔ وہ بہادر سہی مگر فنون جنگ سے محض ناواقف۔ سامان جنگ میں لے دیکے نوکدار لکڑیاں اور وار چیریٹ۔ یہاں ساری فوج باقاعدہ۔ اعلےٰ درجہ کے ہتیاروں سے اونچی بنی ہوئی۔ گو برطانیہ والے کٹ کٹ کر لڑے۔ لیکن تھوڑی سی دیر میں لڑائی کا نتیجہ نکل آیا۔ رومی جیتے اور برٹنز نے شکست کھائی۔ بوڈسیا میدان کارزار سے بھاگی۔

رومی چونکہ اسکے پہلے سے خون کے پیاسے تھے۔ اور اسکو بھی کامل یقین تھا کہ ابکے اگر انکے ہاتھ لگ گئی تو خدا جانے کیا اُن ہونی ہو گزریگی۔ اسلیے اس قول کی پوری غیرت مند۔ عقیل۔ اور بہادر ملکہ نے زہر سے اپنا کام تمام کر ڈالا۔ اور دشمنوں کے ہاتھ سے ہمیشہ کے لیے اپنے تیئں محفوظ کر لیا۔

بہادر بوڈسیا کے احوال میں شیکسپیر کی جادو بیانی نے عجب عالم دکھایا ہے۔ اسکا مجسمہ انگلینڈ میں ابتک موجود ہے۔ اس طرح کہ کوئن بوڈسیا بہادرانہ انداز سے ایک وار چیریٹ پر کھڑی ہے اور اس کی دونوں بیٹیاں اُس کے پاس ہیں۔

رقمہ

بنت نصیر الدین حیدر

ساس نندوں کی دُکھیا

خدیجہ (دل میں) ہائے کم بخت دم نکلجائے، توان عذابوں سے توچھوٹوں۔ افلاس، ناداری، ناموافقت، نااتفاقی ایک ہو توسہوں۔ اماں باوا توچلو خلاص ہوئے نکاح کرکے توضرور سرخرو ہوگئے۔ چاہے بدنصیب کو روٹی بھی نصیب ہو یا نہیں۔ آنکھیں بند کرکے بیٹی کو چولہے میں جھونک دیا۔ پھر کچھ سروکار نہیں۔ روٹی۔ کپڑا۔ دنیا کا عیش تو پڑے بھاڑ میں۔ کم بخت موافقت تو ہوتی۔ مجھ دکھیا کو یہی غنیمت ہوتا ہوتا کیونکر، قسمت بھی ایسی لکھوا کر لائی تھی۔ وہ ہیں کہ اُن کو گھر سے کچھ مطلب ہی نہیں دن بھر تو موے اوباش دوست آشنا پیچھا نہیں چھوڑتے۔ رات کے بارہ بجے تو گھر آنا نصیب ہوا۔ گھر آئے تو اماں جاں نے سکھایا بجھایا۔ مردوے میں اتنی عقل نہیں کہ جھوٹ اور سچ تو پہچانے۔ اتنا انصاف نہیں کہ میرا حق جانے۔ آخر میں بھی تو انسان ہوں۔ اسی لیے تو پیدا نہیں ہوئی کہ اُنکے بیجا ناز و نخرے۔ ساس نندوں کے طعنے۔ اور سڑی بساندی باتیں سنا کروں۔ کوئی عزیز میرا یہاں نہیں بیٹھا۔ کہ درد دل کو بیان کروں۔ ضبط نہو سکا درے میں جا بیٹھی۔ چپکے چپکے دل کی بھڑاس نکال لی۔ خیر میں تو کچھ نہیں کہتی۔ خدا سمجھے۔

بیچاری خدیجہ انہیں خیالات میں مستغرق تھی کہ میاں ظہیر کی ماں یعنی بی بی خدیجہ کی ساس ایک خط درے میں گرا کر چلدیں۔

آمنہ (میاں ظہیر کی ماں) یہ تمہاری اماں جان کا خط ہے۔ اپنی لاڈو۔ چاہتی لڑکی کے ملنے کو طبیعت بہت پھڑکتی ہے۔ تمہیں بلاتی ہیں۔

خدیجہ۔ (خط کو لیکر) خدا معلوم اماں کیا لکھکر چلی گئیں۔ کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ اے ہے

خدا خیر کرے۔ یہ پھٹا ہوا کیوں ہی۔ ہو نہ ہو۔ اماں جان کے دشمنوں کی خیر نہیں۔
یہ الفاظ کہکر ہڑبڑا کر اُٹھی اور سیدھی آمنہ کے پاس گئی۔
خدیجہ۔ اماں جان تم نے یہ خط سنا ہوگا۔ آخر کیا لکھا ہی۔
آمنہ۔ مجھے کیا معلوم۔ میں پڑی ہوئی ہوں۔ مری کیوں جاتی ہی ظہیر ابھی آیا جاتا ہی سُن لیجو۔
خدیجہ یہ سنکر اپنا سا مُنہ لیکر لوٹی۔ پریشان خیالات نے اسے آن گھیرا۔ سر پکڑکر بیٹھ گئی۔ اور رقت بھری آواز میں کہنے لگی "یا اللہ تیرے قربان جاؤں۔ خیر سلّا کا خط ہو۔ دشمنوں کی تو یہی خواہش ہی۔ اے کاش۔ آج میں پڑھی ہوئی ہوتی تو یہ پریشانی کیوں اُٹھانی پڑتی۔ ہم میں کم بخت یہ کیسا خیال ہی کہ عورتوں کو پڑھانا ہی عیب خیال کرتے ہیں۔ خدا معلوم وہ کب آویں۔ ہائے اللہ میں اسوقت تک کیونکر بسر کروں (کچھ سوچکر) ہاں۔ شاید بی تبراتن کا لڑکا گھر ہو۔ میں پردے میں ہوکر سُن لونگی۔

یہ سوچکر اُٹھی۔ زینے پر چڑھکر ہمسایہ کے گھر گئی۔ خط میں اپنے والد کے مرجانے کا حال سنکر روتی ہوئی لوٹی۔ اس گھبراہٹ میں زینہ سے پاؤں رپٹا دھڑام سے گر پڑی۔ اگرچہ کولوں میں سخت چوٹ آئی مگر اس رنج میں کچھ معلوم نہیں ہوا۔ جلدی سے کھڑی ہوگئی۔ درے کو جا رہی تھی کہ پیر لڑکھڑا گئے لاچار یہ کلمہ کہکر "مجھ بدنصیب کو موت بھی نہیں" بیٹھ گئی۔ دل بھر آیا بے اختیار دہاڑیں مار کر رونے لگیں۔
"میرے گوشۂ جناں میں جگہ لینے والے مرحوم۔ اندھیری گور میں غفلت کی نیند سونے والے مغفور۔ میرے پیارے ابا جان تم نے تو عزیز و اقارب سے مُنہ موڑا مگر مجھے کس کے سہارے چھوڑ گئے۔ دنیا میں اب کون ہی جسکو اس نام سے پکاروں سسرال تو بس سسرال ایسی دشمن کو بھی نصیب نہو۔ رہا میکا ایک تمہارے دم

بے تھا۔ سو وہ بھی آج جاتا رہا۔ رہا اماں جان کا دم اُنکا راج آج خود لٹ گیا۔ گویا دنیا میں اب میرا کوئی سہارا نہیں رہا۔

آمنہ۔ مکاری کی باتیں تو دیکھو۔ گھر کو سر پر اُٹھا لیا ہے۔ ایک اسی کے انوکھے ابا جان مرے ہیں۔ دنیا میں مرتے تھوڑا ہی ہیں۔ بڈھا سترہ بہترا آخر مرتا نہ قیامت کے بورئیے سمیٹتا۔

کلثوم (خدیجہ کی نند) دکھاتی ہیں، ذرا محلہ والوں کو خبر بھی ہو کہ بیٹی کا رنج کے مارے کلیجہ پھٹا جاتا ہے، اُٹھاؤ میاں مونڈھا۔ کم بختوں کے کنبہ کا کنبہ ہی بھونڈا۔ اماں جان کو کوئی سلیقہ آدمیت کی بات سکھانی تو نصیب نہیں ہوئی۔ بارے چیخنا۔ چلانا، ہاتھ بھر کی زبان نکالنی سکھادی۔

آمنہ۔ سلیقہ۔ آدمیت تو کم بختوں کو نصیب ہوتی۔ حیا و غیرت تک تو پاس ہو کر نکلی نہیں، اتنا نہ ہو سکا کہ انتظار کرتی۔ گئی اتراتی، ہمسایہ کے پاس لوٹی تو اندھی کو اتنا نہ سوجھا کہ زینہ ہی سمجھ کے تو اتروں، تو پھر کیا ہوا۔ گری، کوئی ہڈی پسلی ٹوٹ جاتی۔ تو بیگم صاحب کو مزہ آجاتا۔

خدیجہ۔ میں نے کسی کو بُرا بھلا تو نہیں کہا۔ دل کی بھڑاس نکالنے کا بھی۔ اللہ حکم نہیں ابتک تو میں بولی نہیں۔ مجھ کمبخت کا یوں ہی نام بدنام ہے۔ ابھی کچھ دن ہوئے۔ بڑے ابا کا انتقال ہوا تھا۔ ماشاء اللہ۔ پوتے پڑوتے والے مرے۔ عمر میں خدا جھوٹ نہ بلوائے نوے سے کم تھوڑا ہی تھے، بی کلثوم۔ سنتے ہی پچھاڑ کھا کر گر پڑیں۔ دنوں تک کسی سے نہ بولیں۔ میں یہ طنزاً نہیں کہتی، اُنکے دل پر رنج و صدمہ پہنچا۔ مگر مجھ بدنصیب کا تو رونا بھی بناوٹی معلوم ہوتا ہے۔

کلثوم۔ ایسی ننھی جھنو۔ تیرے تو مُنہ میں زبان ہی نہیں۔ منحوس ایسی سبز قدم آئی کہ گھر کے گھر کا ہی صفایا ہو گیا۔ میرے بڑے ابا مرے چلو خیر وہ تو بوڑھے ہے ہی تھے۔

تیری اماں بوڑھیا ڈہڑو، تو ابتک بیٹھی ہے اسکو تو موت نہیں آتی۔

خدیجہ ۔ میں نے تو کسی کو کوسا نہیں۔ تم کوس لو۔ ابا جان کو ہونس ہونس کر کھالیا۔ رہیں اماں جان سو وہ بیچاری قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھی ہیں وہ بھی مرجاوینگی۔ چلو پھر تو ٹھنڈک پڑجاویگی۔

آمنہ ۔ بیٹی کلثوم ۔ چپ ہوجا۔ صبر کر۔ یہ قطامہ تو ایسی بے لغام (لگام) ہے۔ کہ ابھی ایک ایک کو کوس کر دھر دیگی۔ اپنی عزت اپنے ہاتھ، رو بیٹی رو۔ اگلے پچھلوں کو رو۔ رو اور خوب رو۔

خدیجہ ۔ مجھے رو کر تھوڑا ہی دکھانا ہے۔ میرے مُنہ میں تو لغام نہیں۔ بیٹی کو تو دیکھو۔ کہ وہ کیا کیا مُنہ سے پھول گرا رہی ہیں۔ خیر میں تو کچھ نہیں کہتی۔ جیسے مجھے ٹوکتی ہو، تمہیں بھی ایسا رونا نصیب ہو۔

کلثوم ۔ دیکھو۔ چپ نہیں ہوتی۔ مجھے کیوں خدانخواستہ رونا نصیب ہو۔ ابتک تو صاف نہیں کہا تھا اب کہے دیتی ہوں۔ آج ابا کو روتی ہے۔ خدا کرے کل اماں کو روئے۔

آمنہ ۔ یہ تو ناگن ایسی آئی ہے کہ ایک دن ظہیر کے دشمنوں کو بھی کھائیگی۔ اسکا کیا قصور ہے اُسی جھڑوس نے اسکو مُنہ چڑہا رکھا ہے۔ یہ تو ایسی عورت ہے کہ کوئی ایسا ملتا جو اُٹھتے جوتی بیٹھتے لات لگاتا۔ تو قدر ہوتی۔

اتنی سی بات پر۔ وہ آفت ٹوٹی کہ بس خدا کی پناہ۔ سارا محلہ۔ چھوٹا بڑا۔ جمع ہوگیا۔ ماں بیٹی دو۔ خدیجہ ایک۔ وہ اسکو کس طرح وارے آنے دیتی تھیں۔ محلہ بھر کی عورتیں تھُڑی تھُڑی کرتی تھیں۔ مگر کلثوم برابر بولے جاتی تھیں۔ بہتوں نے بہترا۔ سمجھایا۔ بجھایا۔ مگر کلثوم تو خدا کی بندی ایسی نہ تھی کہ مان جاتی۔ جب تک شام نہوئی اسکے تالو کو زبان نہ لگی۔ نہ کھانا نہ پکانا۔ اسی طرح پہاڑ سا دن گزر گیا۔ خدا خدا کرکے رات ہوئی

تو یہ اپنے اپنے کمروں میں گئیں۔ محلہ والوں کو بھی آرام سے لیٹنا نصیب ہوا۔ بیچاری خدیجہ کی یوں ہی کونسی گھڑی سکھ سے گزرتی تھی۔ آج تو کچھ حد نہ رہی۔ باپ کے غم میں روتے روتے آنکھیں سوجالیں، آواز بیٹھ گئی۔ خیر اس طرح بیچاری غم کی پوٹ ڈرے میں جالیٹی۔ باوجودیکہ کلثوم نے اسقدر خدیجہ کو برا بھلا کہا تھا۔ اب تو نچلی ہو کر بیٹھتی۔ کیا مقدور۔ اپنے کمرے میں پڑے پڑے طعنوں سے ہی بیچاری کا سینہ چھلنی کرتی رہی۔ رات کے بارہ بجے خدا خدا کر کے تمام گھر آرام سے لیٹا تھا کہ ظہیر۔ شراب کے نشے میں دھت، گھر میں آیا۔ آتے ہی حسب معمول اپنی ماں کے پاس گیا۔ کلثوم تو منتظر بیٹھی ہی تھی۔ پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کیا۔ ماں نے الگ ٹسوے بہائے وہ تو خود ہی نشہ کے گھوڑے پر سوار تھا ہی ان کی بناوٹی باتوں نے بقول شخصے ایک تو کریلا کڑوا دوسرے نیم چڑھا اور بھی چڑھا دیا۔ ”اچھا دیکھتا ہوں“ کہتا ہوا سیدھا درے میں آیا۔ خدیجہ ہرچند غم سے نڈھال تھی۔ چوٹ کے لگجانے سے ہاتھ پاؤں شل تھے۔ مگر قہر درویش بجان درویش۔ اسکا غصہ دھیما کرنے کے لیے پنکھا لے کھڑی ہو گئی۔ میاں نے درے میں قدم رکھا۔ وہ بڑبڑا اچکن اتارنے لگی پنکھا جھلا۔ اُسکا غصہ کچھ فرو ہوا۔ پلنگ پر لیٹ گیا۔ لیٹتے ہی آنکھ لگ گئی۔

ہائے۔ خاندانی شرافت۔ آخر تو شریف لڑکی تھی۔ ادھر میاں کی آنکھ لگی۔ اُدھر وہ پنکھا لے جھلنے بیٹھ گئی۔ دن بھر کی تھکی ماندی اسوقت عجیب خیالات میں مستغرق ہے۔ ”چاہے کچھ بھی ہو۔ میرے سرتاج میری عزت تو یہی ہیں، دنیا چندروزہ ہے مرنا۔ آخر مرنا۔ کسی نے آرام وعیش سے زندگی بسر کی۔ کسی نے اپنی عمر ناداری سے کاٹی۔ مرتے وقت دونوں یکساں۔ پھر کیا وجہ۔ ناپایدار دنیا کے ایک متغیر آرام کی خاطر میں اسنسے بیزار ہو جاؤں۔ اپنے فرض منصبی سے گریز کر جاؤں۔ چاہے یہ اپنی ذات سے کیسے ہی ہوں۔ مگر میری آبائی غیرت اس کی مقتضی نہیں۔ کہ میں

ان کی خدمت وفرمانبرداری سے دل چراؤں۔ آج کم بخت مجھ پر بھی اباجان کے انتقال کی وجہ سے غصہ کا جن سوار تھا۔ ابتک باپ بھائی کی لاج رکھی تھی۔ زبان ہی جل جاوے جو کبھی اماں جان سے دوبدو ہوئی ہوں۔ آج میں نے انکا بھی مقابلہ کیا۔ اُنھوں نے کہا تو وہ بڑی تھیں۔ خیر صبح میں اُنسے معافی مانگ لوں گی۔

ادہر تو خدیجہ اپنی غیر معمولی گستاخی پر نادم تھی۔ مگر کلثوم کے دل میں وہی بخار بھرے ہوئے تھے۔ اسکو بھلا بھاوج کو بغیر پٹوائے کب کل پڑتی۔ بھائی کو خاموش دیکھکر رونے لگی۔

میں کہتی نہ تھی اس ناگن نے تو اُلو کا گوشت کھلادیا ہی۔ درے میں قدم رکھنا تھا کہ شکل دیکھتے ہی غلام بن گئے۔ آج اگر ابا جیتے ہوتے تو اسکو مزا چکھادیتے۔ یہ بھی قسمت ہی کہ بیٹیا جوتیاں کھلوائے۔ کوسنے دلوائے۔ آج اسی تھنکاری کی وجہ سے بیوجہ سارا گھر فاقہ مرا۔ خدا معلوم کہاں سے مرتا کھپتا آیا۔ آئے کو روٹی بھی نصیب نہوئی

ادہر سے اسنے واویلا مچایا۔ اُدہر اماں جان چیخیں۔ میاں ظہیر کا نشہ ابھی اُترا بھی نہ تھا۔ اس چیخ سے اُس کی آنکھ کھُل گئی۔ اٹھتے ہی قے کی۔ قے کا کرنا تھا کہ شراب دماغ کو چڑھ گئی۔ باوجودیکہ خدیجہ کو بیٹی پر پنکھا جھلتے دیکھا مگر جس خیال میں سویا تھا۔ اُسی خیال میں اُٹھ بیٹھنے کی وجہ سے۔ وہ کچھ آگا پیچھا بھی نہ سوچ سکا۔ اُٹھتے ہی دوچار لاتیں اس زور سے ماریں کہ بیچاری بیقراری میں چیخ اُٹھی "بہتر ہی کہ جان سے ہی مارڈالو اس طرح ایذا دینے سے فائدہ کیا ہی"

اگر ظہیر ہوشیاری میں ایسا کرتا تو اُسکا بھی دل ہرگز ہرگز برداشت نہ کرسکتا۔ نشہ میں ایسی بے رحمی سے مارتا رہا، کہ جاؤ بیجا بھی نہ دیکھا۔ اسی طرح ایک لات گُردے پر لگی۔ جس کی تکلیف سے بے تاب ہوکر وہ فرش پر ادہر اُدہر لوٹنے لگی۔

اس سنگدلی کا بھی کیا ٹھکانا تھا۔ کہ ساس نندیں بیچاری کو گدھے کی مار پٹتے

دیکھائیں۔ اتنا ہوا کہ ظالم قصائی سے اسکو اب چھٹائیں۔ گو اب اسکو فرش پر لوٹتا دیکھکر ساس تو کسیقدر ٹھنڈی ہوگئیں۔ مگر کلثوم۔ قسی القلب کلثوم تو برابر خوشی ظاہر کرتی رہی۔ بیچارے محلہ والے کب تک صبر کرتے۔ آخر نہ رہا گیا۔ گھر میں خدیجہ کو کہلا بھیجا کہ اگر وہ پولیس میں جانا منظور کرے تو ایسے بے رحم گھر کو ہم خود اس کے کیے کا بدلہ دلانے کے خواہشمند ہیں۔ خدیجہ تڑپتے تڑپتے بیہوش ہوگئی۔ گاہ گاہ اُسکو ہوش آتا تھا اور وہ صرف پانی کی تاکید کرتی تھی۔ محلے کی عورتیں اُسکو گھیرے ہوئے تھیں۔

اب تو میاں ظہیر کا بھی نشہ اُتر گیا۔ اسکو تڑپتے دیکھکر حواس باختہ ہوگئے۔ اسکو اور اُس کی ماں کو پورا یقین ہوگیا کہ محلے والوں کے استفسار پر یہ ضرور پولیس میں جانا منظور کریگی۔

مگر واہ ری خدیجہ! معصوم خدیجہ! حیا و غیرت کا خون ابھی تک اُس کی رگوں میں جوش زن ہے۔ کس بیقراری کے لہجہ میں ان مستورات کو اپنے پاس سے ہٹا دیا۔ "للہ ترس کھاؤ۔ میری مٹی عزیز نہ کرو۔ کونسا جگر لاؤں۔ کس خیال سے اپنی ڈولی عدالت میں رکھواؤں۔ اب کوئی آرزو نہیں۔ ہے تو صرف یہ ہے۔ کہیں سخت جان تن سے نکل چکے (ہاتھ سے ہٹا کر) خدا کیواسطے اماں جان کو بلا دو میں اپنے قصور کی اُنسے معافی تو چاہ لوں۔ یہ الفاظ سُنتے ہی تمام مستورات بے اختیار۔ جزاک اللہ۔ جزاک اللہ کہنے لگیں۔ کوئی متنفس ایسا نہ تھا جو عش عش نہ کرتا ہو۔ کوئی دل نہ تھا۔ جس پر ان الفاظ نے اثر نہ کیا ہو۔ کوئی آنکھ نہ تھی جو خون نہ ٹپکاتی ہو۔

آخر عورتیں یکے بعد دیگرے اُٹھکر چلی گئیں۔ ان الفاظ نے ظہیر کے دل پر بھی کچھ کم اثر پیدا نہ کیا۔ اپنی اس نازیبا حرکت پر سخت نادم ہوا۔ اور اب اس چند

منٹوں کی مہمان خدیجہ کو خود پنکھا جھلنے لگا۔ کبھی اسکے نازک بدن کو جو گرگٹ کی طرح
ت بدل رہا تھا۔ اور کبھی اپنے سخت ہاتھوں کو دیکھتا۔ کبھی اُس کی گزشتہ چند
سالوں کی زندگی۔ فرماں برداری۔ خوش انتظامی۔ شرافت کا مطالعہ کرتا۔ کبھی
اسکے آخری الفاظ کے ایک ایک لفظ کو سوچتا اور پھر ایک ایک کو دُہراتا۔
چند منٹوں کے بعد ہی اسکا رنگ بھی متغیر ہونے لگا، آنکھوں سے آنسو
جاری ہو گئے۔ اور وہ بے اختیار بول اُٹھا "خداوندا مجھے بھی اب زندہ مت رکھ"۔
دنیا کی بے ثباتی کا منظر اُس کی آنکھوں کے سامنے تھا۔ خدیجہ اسکے پاس پڑی دم
توڑ رہی تھی۔ گویا وہ خود اپنی موت کو دیکھ رہا تھا۔ اسے معلوم ہوتا تھا کہ میرا خیالی
جسم جانکنی کی حالت میں تڑپ رہا ہے اور میں اپنی گزشتہ اعمال پر پشیمان
ہو رہا ہوں۔ خدیجہ معصوم خدیجہ بے لوث زندگی بسر کرنے والی خدیجہ کی روح
مجھ سے انتقام لے رہی ہے۔
روتے روتے ہچکی بند گئی، خدیجہ نے نظر اُٹھا کر دیکھا۔ اسوقت یہ بھی اپنی
عصمت مآب بانو کو دیکھ رہا تھا۔ نہ رہا گیا مخاطب ہو کر بولا "میری نیک بخت،
عفت مآب بانو، الوداع، الوداع، دنیا ناپائدار سے مبارک سفر کرنے والی
معصوم رخصت، ذرا اپنے قاتل خاوند پر، جو اپنے کیے پر نادم ہے، نظر ڈالو، یہ بھی
عنقریب تم سے ملیگا۔
خدیجہ نے بمشکل تمام یہ شعر پڑھا۔

یہ وقت جانکنی ہے اے اجل ذرا دم لے
قفس سے دل جو پھڑکتا ہے انتظار میں ہے

پھر تتلاتے ہوئے الفاظ میں گویا ہوئی۔
دنیا کی بے ثباتی بھی دیکھ لی، اپنے اعمال پر پشیمان بھی ہوئے۔ مگر ایک

التجا ہے۔ میری موت تمہاری نیک زندگی بسر کرنے کے لیے پہلی منزل ہو۔ میں تم کو اپنا مہر جو تم پر ہر حالت میں واجب الادا تھا، معاف کرتی ہوں۔ اور اخیر میں خود بھی اُن جرموں کی، جو بشری تقاضے سے مجھ سے سرزد ہوئے ہیں، معافی چاہتی ہوں، والسلام۔

ایچ خانم۔ دہلوی
از پٹیالہ

بنگال میں تعلیم نسواں

ناظرات خاتون سے امید ہے کہ اس مضمون کو وہ نہایت غور اور توجہ کے ساتھ پڑھینگی اور بنگال میں ترقی تعلیم نسواں اور اُن کوششوں کو دیکھکر جو اسکے لیے وہاں کیگئی ہیں اور اب کامیابی کی سطح پر آتی جاتی ہیں، مایوسانہ خیالات کو چھوڑ دینگی۔ اور اپنے صوبہ میں تعلیم نسواں کی کوشش میں جس طرح ہی ممکن ہو سرگرمی کرینگی۔

ہم اپنے دوست ڈپٹی لال صاحب نگم بی۔ اے کے بیحد ممنون ہیں۔ کہ اُنھوں نے یہ مفید اور دلچسپ مضمون ہم کو عنایت فرمایا۔ حقیقت میں ملک کی خواتین کے لیے اسوقت اسی قسم کے مضامین کی ضرورت ہے۔ جن میں ملک ہی کی ترقی اور تہذیب کی کوشش کا حال یا اُس کی تدبیریں بتائی جائیں، غیر ملک کے حالات یا تاریخی داستانیں ایسی مفید نہیں ہوسکتیں۔

ہماری کوشش تعلیمی کوشش ہے۔ اسمیں ہمارا خیال یہی ہے اور یہی رہیگا کہ ہندو اور مسلمانوں میں اس لحاظ سے کوئی تفریق ہم نہ کرینگے۔ اور ہماری یہی آرزو ہے یہی دعا ہے کہ ہندو اور مسلمان دونوں ساتھ ہی ساتھ ترقی کریں آمین

اڈیٹر

پورے نوے سال کی کوششوں کا نتیجہ ہی کہ بنگال کی چند عورتیں آجکل مہذب اور تعلیم یافتہ کہلانے کی مستحق ہیں۔ مدت سے وہاں کی عورتیں عام طور پر جاہل اَن پڑھ تھیں۔ اسوجہ سے اُن کے خیالات کو تحصیل علم کی طرف پھیرنے میں اثناعرصہ لگا۔ ان دنوں بالعموم بنگالی مرد اور عورتیں تعلیم نسواں کے طرفدار نظر آتے ہیں اور وہاں مشکل سے کوئی فرد بشر ہوگا جو اس تحریک کا مخالف ہو۔ برخلاف اسکے نہایت افسوس کے ساتھ یہ بات لکھنی پڑتی ہی کہ پنجاب اور اضلاع متحدہ واودھ میں ابتک کثیر التعداد لوگ ایسے ہیں جو تعلیم نسواں کی مخالفت پر آمادہ نظر آتے ہیں۔ اسکا خاص سبب یہ معلوم ہوتا ہی کہ چونکہ بنگالی صاحبان تعلیم کے فائدہ بخش اثر سے خود بھی متاثر ہوگئے ہیں اسلیے وہ اپنے ہاں کی عورتوں کو بھی علم سے محروم رکھنا نہیں چاہتے۔ لیکن جبکہ پنجاب اور ضلاع متحدہ کے ذکور تک بنگال کے مقابلے میں تعلیم میں بہت گرے ہوئے ہیں پھر بھلا وہ اناث کی تعلیم میں کیا کوشش کرینگے۔ لیکن کیا بنگال کی نظیر یہ نہیں بتا رہی ہے کہ تعلیم نسواں بہرحال نہایت فائدہ مند چیز ہے۔ جبکہ بنگال میں یہ اسقدر مفید ثابت ہوئی ہے اور اس کی وجہ سے وہاں نکے بچوں جوان بڑے بوڑھوں غرض ہر ایک کے دماغ کے کل اور پرزوں میں ایک غیرمعمولی رفتار اور سرعت پیدا ہوگئی ہی۔ تو پھر کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ یہاں کے لوگ بھی عورتوں کی تعلیم کے لیے کیوں نہ کوشش کریں؟ اس میں شبہ نہیں کہ اس کوشش میں انھیں قدم قدم پر دقت کا سامنا ہوگا۔ اور بعض لوگ اپنی کم علمی کی وجہ سے اُنکے سدِ راہ بنینگے۔ لیکن اُنھیں یہ خیال کرنا چاہیے کہ ہمیشہ ہر ایک اصلاح کی تحریک پر عملدرآمد کرنے میں مخالفت ہوا کرتی ہی۔ ہم بنگال کی تعلیم نسواں کے متعلق کچھ حالات ذیل کی سطور میں قلمبند کرتے ہیں۔ جس سے یہ صاف طور پر واضح ہوگا کہ تعلیم نسواں کے محرک لوگوں کی مخالفت وہاں بھی نہایت زور شور سے کی گئی تھی۔ لیکن اُنھوں نے ضبط اور صبر سے کام لیا۔ آخر نتیجہ یہ نکلا کہ کوئی سی بھی

کے ممبروں کی امداد سے ایک سوسائٹی قائم کی۔ راجہ رادھا کانت دیو نے نہایت تپاک سے اس نئی سوسائٹی کا خیر مقدم کیا۔ اور اسکے ممبروں کو بنگالی زبان میں ایک چھوٹا رسالہ موسومہ بہ "استری سکشا ودائک" (تعلیم نسواں کا وکیل) چھپوا کر دیا۔ نئی سوسائٹی کے ممبروں نے نہایت سرگرمی سے کام کرنا شروع کیا اور وہ بہت سے زنانہ مدرسے قائم کرنے میں کامیاب ہوئے۔

اسی اثنا میں ایسا اتفاق ہوا کہ "انجمن مدارس برطانیہ وممالک غیر" کے ممبروں نے بنگال میں تعلیم نسواں کی امداد کے لیے دلچسپی ظاہر کی۔ چنانچہ اُنھوں نے مس کک کو بنگال میں آکر خاتونوں کی تعلیم دینے کے لیے رضامند کرلیا۔ غرض وہ ۱۸۲۱ء میں ہندوستان آگئیں۔ لیکن اسکول سوسائٹی کے ممبروں نے باہمی اختلاف رائے کی وجہ سے اُنسے امداد لینی نہ چاہی۔ یہ دیکھکر مس کک نے بپٹسٹ مشن سوسائٹی میں پناہ لی اور اس سوسائٹی کے ممبروں کی سرپرستی میں اُنھوں نے زنانہ مدرسے کھولے جب مس کک نے دیکھا کہ وہ تنہا تعلیم نسواں کے کام کو انجام نہیں دے سکتیں۔ تو اُنھوں نے پادری ولسن کے ساتھ شادی کرلی اور پھر اس طرح یہ دونوں ملکر عورتوں میں تعلیم پھیلانے میں ساعی وسرگرم ہوئے۔ اس زمانے میں یعنی ۱۸۲۳ء میں بعض ہمدرد خاتونوں نے ایک انجمن بنائی جسکا نام "بنگالی خاتونوں کی انجمن" رکھا اور گورنر جنرل کی لیڈی ایمہرسٹ کو اسکا میر مجلس قرار دیا۔ اس انجمن کے ممبروں نے صرف کلکتہ میں ہی مدرسے نہیں کھولے بلکہ کلکتہ سے فاصلے کے شہروں اور قصبوں میں بھی اس قسم کے مدارس قائم کیے۔ ان لوگوں کو اس کام میں عجیب وغریب کامیابی حاصل ہوئی۔

چونکہ یہ کام کلی طور پر غیر ولایت والوں کے ہاتھ میں تھا اسلیے اُنکے ہندوستان سے چلے جانے یا مرجانے کے بعد کئی سال تک تعلیم نسواں کا جوش وخروش بنگال میں بہت دھیما پڑگیا۔ اور صرف وہی زنانہ مدرسے قائم رہے جنکے منتظم پادری تھے۔

کئی سال تک یہی حال رہا اور کسی شخص نے بھی تعلیم نسواں کے متعلق کوئی ایسا کام نہیں کیا جو قابل ذکر ہو۔ آخر ۱۸۴۹ء میں گورنر جنرل کی کونسل کے قانونی ممبر مسٹر بتھون نے قدم ہمت آگے بڑھایا اور جی میں ٹھان لی کہ بنگال میں تعلیم نسواں کی عجیب شان پیدا کریں اور اسکو ایسا دلکش بنائیں کہ ہر کس و ناکس کو اپنے ہاں کی خاتونوں کو تعلیم دلانے کا شوق پیدا ہو۔

مسٹر بتھون نے اول اول اپنی عالمہ ماں سے تعلیم حاصل کی تھی اور ماں ہی کی کوشش سے اُن کی علمی بنیاد ایسی مضبوط پڑی کہ کیمبرج میں آنے کے بعد جلد ہی اُنھوں نے اُس یونیورسٹی کی تمام ڈگریاں اور اعزاز حاصل کرلیے۔ یونیورسٹی میں اپنا کورس پورا کرنے کے بعد اُنھوں نے قانون کا مطالعہ کیا اور پھر وہ پارلیمنٹ کے مشیر کے رتبہ پر سرافراز کیے گئے۔ رفتہ رفتہ ایسا ہوا کہ وہ بنگال کی تعلیمی انجمن کے میر مجلس منتخب کئے گئے۔ اس عہدے پر ہوتے ہی اُنھوں نے تعلیم نسواں میں دل وجان سے کوشش کرنی شروع کی۔ اور اُس زمانہ کے دو مشہور شخص پنڈت ایشور چندر ودیا ساگر اور پنڈت مدن موہن ترکلنکر مسٹر بتھون کے مددومعاون ہوئے۔ اور بالخصوص ان دونوں کی امداد سے ۷، مئی ۱۸۴۹ء کو پہلا زنانہ مدرسہ کھولنے میں کامیاب ہوئے۔ جس میں ایسا انتظام کیا گیا کہ ہر قوم وملت کی لڑکیاں بآسانی تعلیم پاسکیں۔ اسکے بانی کے نام کی رعایت سے اس مدرسے کا نام "بتھون اسکول" قرار پایا۔

مسٹر بتھون یہ دیکھکر بہت خوش ہوئے کہ مدرسۂ بتھون کا اثر تعلیم یافتہ گروہ پر بہت اچھا پڑا ہے۔ اور وہ اسکو قدر افزا نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ پنڈت ایشور چندر ودیا ساگر اس مدرسہ کے سکرٹری مقرر ہوئے اور راجہ دکھنیرنجن مکرجی نے مدرسے کی عمارت تعمیر کرنے کیلیے ایک قطعہ زمین کا تعلیمی انجمن کو عنایت کیا۔ اور کلکتہ کے تعلیم یافتہ اور سربرآوردہ لوگ ہر طرف سے آئے اور نہایت فیاضی سے انجمن کو معتدبہ رقوم چندے کی دے گئے۔

مدرسہ بیتھون کے قائم ہونے سے ایسے ہندؤں میں کھچبلی پڑ گئی جو دھرم کرم کے پکے کہلاتے تھے۔ اور ابتک پرانی لکیر کے فقیر چلے آتے تھے۔ انھوں نے عورتوں اور لڑکیوں کی تعلیم کے نتائج کی نسبت منحوس پیشین گوئیاں کرنی شروع کیں اور اپنی ناہموار بیہودہ باتوں سے عوام الناس کو خائف کر دیا۔ اخبار والوں نے یہ وطیرہ اختیار کیا کہ تعلیمی ریفارمروں کے اصولوں کو نہایت ہی بیڈ ھنگے طریقہ سے لوگوں کے سامنے پیش کیا۔ آخر تعصب نے لوگوں کی دانائی کی آنکھوں پر ایسی پٹی باندھی کہ انھوں نے د فورِ غضب سے مدرسے کے حامیوں اور انجمن کے ممبروں اور اس تحریک کے طرفدار اصحاب کے خلاف برادری کے تعزیری احکام جاری کرنے شروع کیے۔

یہاں اس قسم کے مظالم کی دو نظیریں بیان کی جاتی ہیں جنسے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس زمانے میں تعلیم نسواں کی تحریک نے عام طور پر لوگوں کو کیسا برانگیختہ کر دیا تھا۔ ہم اول مثال بارسات کی لیتے ہیں۔ وہاں پیاری چرن سرکار اور اُنکے معاون و مددگاروں نے مدرسہ نسواں قائم کیا تھا۔ جس کی وجہ سے اُنکے ہمقوموں نے اُن کو برادری سے خارج کر دیا۔ ایک دفعہ ایسا بھی اتفاق ہوا کہ ضلع کے انگریز حاکم نے اپنی میم کے ہمراہ مدرسہ کا معائنہ کیا اور جبکہ وہ جماعتوں کو دیکھ رہا تھا تو اُسنے پیار سے ایک ننھی سی معصوم لڑکی جینی کی پتلی کی ٹھوڑی پر ہاتھ لگایا۔ بس پھر کیا تھا غضب ہی ہو گیا۔ انگریز کی اس حرکت کی خبر پاتے ہی کٹے ہندو جامہ سے باہر ہو گئے اور سمجھے کہ انگریز کے ناپاک ہاتھ نے چھوٹی لڑکی کے جسم کو گندہ کر دیا ہے۔ چنانچہ ان عقل کے اندھوں نے اپنی دانائی کا ثبوت اس طرح دیا کہ انھوں نے مدرسہ اور معصوم لڑکی کے بیگناہ والدین کے خلاف پنچایت کی۔

دوسرا واقعہ کلکتہ سے تیس میل کے فاصلہ پر موضع سوزل پور میں وقوع میں آیا یہاں ۱۸۵۹ء میں چند فراخدل عالی ہمت کھرتل لوگوں نے زنانہ مدرسہ کھولا تھا۔ اس گاؤں میں بنگال کے دو اعلیٰ درجہ کی قومیں یعنی برہمن اور کایستھ آباد ہیں۔ جبکہ مدرسے کے

منصرم ہر ایک اہتمام کر چکے اور معلم بھی مقرر کر چکے تو ان کو سخت مزاحمت اور دشواری کا سامنا کرنا پڑا۔ اس گاؤں کے بعض سربرآوردہ برہمنوں نے یہ ایکا کیا کہ نئے مدرسے کے خلاف جہانتک ممکن ہو لوگوں کو بہکایا جائے۔ اور اُن کو ایسا اپنی ہاں میں ہاں ملانے والا بنایا جائے کہ وہ اپنی لڑکیوں کو اس مدرسے میں ہرگز پڑھنے کے لیے نہ بھیجیں۔ برہمنوں کی اس بیجا مخالفت سے قریب تھا کہ مدرسہ کا ستیاناس ہو جاتا لیکن یوں کہو کہ خدا کو منظور ہی اور کچھ تھا سچ ہی کہ دشمن چہ کند چو مہرباں باشد دوست، ان مہتموں کی خوش قسمتی سمجھیے کہ انھیں ٹھیک وقت پر ایک جید اور دُھن کے پکّے نوجوان کی مدد مل گئی۔ یہ نوجوان صاحب ثروت تھا اور لوگ اسکو بہت مانتے تھے۔ لوگوں کے دل پر دہشت بٹھانے کے لیے اسنے یہ ترکیب کی تھی کہ ایک دفعہ کلکتہ جاکر ایک بُل ڈاگ (شیر دہاں کتا) خرید لایا تھا۔ جسکو وہ اُن لوگوں کی طرف لشکا دیتا تھا۔ جن کی طرف سے اُسکے دل میں کچھ مخاصمت ہوتی تھی۔ چنانچہ گاؤں کی عورتیں اور بچّے اُسکے کُتّے کی جانب سے ہمیشہ خائف رہتے تھے۔ وہ اپنا کُتّا ہمراہ لیکر ہر شخص کے مکان پر جاتا اور اُسکے ساتھ تعلیم نسواں کے متعلق بحث مباحثہ کرتا اور ہر شخص سے ہمیشہ یہی کہتا تھا کہ اگر تم اپنی لڑکیوں کو مدرسہ میں بھیجوگے تو تمھیں مدرسے کی طرف سے انعام اور تحائف دیے جائینگے۔

کچھ تو ان انعامات اور تحائف کے لالچ سے اور کچھ اس خوف سے کہ اگر ہم اپنی لڑکیوں کو مدرسے نہیں بھیجینگے تو پھر یہ اپنے کُتّے سے ناک میں دم کریگا۔ لوگ بیچون دچرا اپنی لڑکیوں کو مدرسے بھیجنے لگے۔ چنانچہ مدرسہ نہایت کامیابی سے چلتا رہا۔ مدرسوں کے بانی حضرات کے رستے میں اس قسم کی اور دقتیں بھی حائل ہوئیں لیکن اُنھوں نے نہایت ثابت قدمی سے اُن دقتوں کا مقابلہ کیا۔ آخر کامیابی کا سہرا انہیں کے سر رہا۔ سچ ہی ؎

ہر کارے کہ ہمت بستہ گردد ۔۔۔ اگر خارے بود گلدستہ گردد

اسکے بعد مسٹر بتھون قانون وضع کرنے کے کٹھن کام میں رات دن ایسا مصروف ہوئے کہ آخر کار اُن کی صحت نے جواب دیدیا اور اس ہر دلعزیز شخص نے ۱۲۔ اگست ۱۸۵۱ء کو اس جہان فانی سے رحلت کی۔ اور اپنے گاڑھے پسینے کی کمائی زنانہ مدرسوں کی نذر کر گیا۔ جو عمدہ بیج تعلیم نسواں کا اسنے بویا تھا وہ گو اس کی حین حیات نہ پھوٹا ہو لیکن پس مرگ پھوٹا بھی بڑا بھی ہوا اور بار ور بھی ہوا۔ جو گاؤں کلکتہ سے دور دراز فاصلے پر واقع تھے وہاں کے لوگوں کو بھی تعلیم نسواں کا ایسا شوق ہوا کہ جوش میں آکر اُنھوں نے بھی جابجا زنانہ مدرسے قائم کرنا شروع کیے۔ ان مدرسوں کے برقرار رکھنے کے لیے اُنھیں تن من دھن سے کوشش کرنی پڑی اور اُنھوں نے لوگوں کو سکھا دیا کہ ایثار نفسی کے بغیر اس بڑے دشوار اور نئے کام میں کامیابی حاصل کرنی معلوم۔

اسکے بعد ۱۸۶۳ء میں ایک نئی تجویز سوچی گئی۔ ابتک جتنے مدرسے قائم ہو چکے تھے اُن میں چھوٹی لڑکیوں کے ہی پڑھنے کا انتظام کیا گیا تھا۔ لیکن چونکہ عام طور پر اُس وقت لڑکیوں کو دس سال کی عمر میں مدرسے سے اُٹھا لیا جاتا تھا اور اُن کی شادی کر دی جاتی تھی اسلیے اُن کی تعلیم بالکل ناممکل رہتی تھی۔ اور اُن کی یہ برائے نام تعلیم بجائے سود مند ہونے کے نقصان دہ ثابت ہوتی تھی۔

چنانچہ ان وجوہات پر غور کرکے برہمو سماج کے سرگروہ بابو کیشب چندر سین نے پردہ نشین عورتوں کو تعلیم دینے کا انتظام کیا اور اُن کو حد درجہ کی کامیابی حاصل ہوئی۔ مگر پھر بھی اس سے یہ نتیجہ نہیں نکال لینا چاہیے۔ کہ تمام بنگال میں ایسی ہی غیر متوقع کامیابی حاصل ہوئی۔ نہیں بلکہ اعداد یہ ظاہر کر رہے ہیں کہ ان کوششوں کا نتیجہ مجموعی طور پر اطمینان بخش نہیں پیدا ہوا۔ ۱۹۰۲ء میں مدرسے میں پڑھنے والی لڑکیوں کی تعداد ۹۶ ہزار پچاس تھی۔ اور ۱۹۰۳ء میں یہ تعداد ایک لاکھ ۱۶ ہزار ایکسو ۹۲ تک پہنچ گئی۔ خیال کرنا چاہیے کہ بنگال کی زنانہ آبادی کے مقابلہ میں یہ تعداد کس قدر کم ہے۔ گذشتہ مردم شماری

رپورٹ سے واضح ہوتا ہے کہ تمام بنگال میں پانچ فی ہزار عورتیں پڑھی لکھی ہیں۔ تاہم یہ سوچکر دل میں خوشی پیدا ہوتی ہے کہ یہ تو ہوا کہ بنگال کی عورتوں کو عام طور پر پڑھنے لکھنے کا شوق پیدا ہوگیا۔ اور صوبوں کو بھی اس کی کامیابی کو دیکھکر فائدہ اُٹھانا چاہیے۔ اور اس طرف کے لوگوں کو بھی بنگالیوں کی طرح سر توڑ کر کوشش کرنی چاہیے۔

یہ دیکھکر بے اختیار دل میں خوشی کا دریا لہریں مارتا ہے کہ اسوقت بہت سے اخبار اور رسالے عورتوں کے ہاتھ میں ہیں اور وہ ایڈیٹری کا کام نہایت عقلمندی سے نبھاتی ہیں۔ چنانچہ پنجاب میں سب سے زیادہ ممتاز سرلا دیوی صاحبہ ہیں جنکے زیر ایڈیٹری ایک بنگالی زبان کا اخبار اور ایک انگریزی اخبار "ہندوستان" نکلتا ہے۔ مسٹر روشن لال۔ بی۔ اے بیرسٹرایٹ لا کی محترمہ دہرم پتی ہردیوی صاحبہ بھی ایک رسالہ موسومہ "بھارت بھگنی" نہایت عقلمندی سے نکال رہی ہیں۔ اور لاہور سے ایک رسالہ "تہذیب النسواں" مسلمان خاتونوں کے لیے بیحد مفید نکل رہا ہے جس کی ایڈیٹرس مسز ممتاز علی صاحبہ ہیں۔ اور رسالہ خاتون علیگڑہ تو خاتونوں کے لیے ایک خاص رسالہ ہے جسکے ایڈیٹر اسکو ہندو خاتونوں کے لیے بھی مفید مطلب بنانے کی کوشش کررہے ہیں۔ اسی طرح اور بہت سے رسالے عورتوں کے اہتمام سے شائع ہوتے ہیں جو اپنی اپنی جگہہ سب بہت عمدہ اور فائدہ بخش ہیں۔ اور جن کی وجہ سے تعلیم نسواں کا خیال لوگوں کے دلوں میں مضبوط اور راسخ ہوتا جاتا ہے۔ یہ حالات امید دلاتے ہیں کہ ہندوستان کا پھر ایک دفعہ سنبھل جانا گو دشوار ہو لیکن ناممکن ہرگز نہیں۔

ایک صاحب کا قول ہے کہ ہماری اخلاقی اور سوشل حالت اُسوقت ہی سُدھر سکتی ہے جبکہ ہمارے ہاں کی عورتیں اعلیٰ درجہ کی تعلیم یافتہ ہوں۔ آجکل ہم لوگوں کی سوشل حالت بہت گری ہوئی ہے اور اس کی وجہ یہی ہے کہ عورتیں اَن پڑھ ہونے کی وجہ سے خیالات کی آزادی کی قدر نہیں سمجھتیں۔ آجکل کی جاہل مائیں عموماً بچہ کو ایسی باتیں سکھاتی ہیں جسنے وہ شروع ہی سے متعصب بنجاتا ہے۔ پہلی بات جو وہ اپنے بچے کو سکھاتی ہیں وہ ہندو اور

مسلمانوں کی تفریق کا سبق ہوتا ہے۔ کیا وجہ ہے کہ ہمارے بہت سے تعلیم یافتہ مسلمان دوست ہمارے خلاف ذرا سا بھی تعصب نہیں رکھتے۔ اس کی خاص وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ تعلیم نے اُن کو روشن ضمیر اور آزاد خیال بنا دیا ہے۔ برخلاف اسکے ہم اُن مسلمان اور ہندو حضرات سے بھی ملے ہیں جنکو مُلّاؤں اور پنڈتوں کی زہریلی تعلیم نے متعصب بنا دیا ہے۔ خوب سمجھنا چاہیے کہ یہ مذہبی تعصب ایک دن دونوں عظیم الشان قوموں کی ہلاکت کا باعث ہوگا۔ اس لیے خاتونوں کی خدمت میں ہماری استدعا ہے کہ وہ اپنے بچوں کو ایسے سبق دیا کریں جن سے ہندو اور مسلمان شیر و شکر کی طرح ملے رہیں۔ یہ بات مذہبی طور پر ظاہر ہے کہ ایک دوسرے کی امداد سے کیا ہندو اور کیا مسلمان دونوں تعلیمی سوشل اور پولیٹکل ترقی اعلےٰ درجہ کی حاصل کر سکتے ہیں۔ آمین

راقمہ

ڈپٹی لال نگم۔ دہلوی

مسلمان عورتوں کی بہادری

یورپ کے گولڈن ڈیڈس میں سب سے زریں کارنامہ ایک بہادر عورت کا واقعہ ہے جسنے جنگ پر نپولین کے مقابلہ میں ایک سپاہی کا کام دیا تھا۔ ۱۸۰۸ء میں جب نپولین بوناپارٹ پرتگال کی مہم سر کر چکا تو اپنے بھائی جوزف کو یہاں اپنا قائم مقام چھوڑ کر اسپین کی طرف بڑھا۔ دار السلطنت آرگاں کے شہر زرگوزا (سرقوسہ) میں دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ اسپین نے جنگی طاقت کے علاوہ قومی جوش سے بھی اس فتنہ کو فرو کرنا چاہا تمام ملک میں وطن اور قوم کا [illegible] جانے لگی۔ اور ہر شخص اپنے ملک پر جان فدا کرنے پر مستعد ہوگیا۔ اس [illegible] انسانی کے ایک کمزور اور نازک طبقہ نے بھی حتی الامکان وطن کے لیے جاں فروشی کی۔

عورتوں اور ضعیف بچوں کی سر فروشی اور کیا ہو سکتی تھی۔ اُنھوں نے مجروح سپاہیوں

کی خدمت کی۔ کونٹسٹ بیو ریٹا نے عورتوں اور بچوں کی ایک جماعت ترتیب دی جن کے متعلق یہ خدمت سپرد کی کہ موقع جنگ پر سپاہیوں کو کھانا پہنچائیں۔ زخمی سپاہیوں کو میدان کارزار سے اُٹھا لائیں اُن کی تیمارداری کریں اُن کی مرہم پٹی کریں۔ اس جنگی تاریخ کا ایک پُرفخر واقعہ یہ ہے کہ اگسٹینا زراگوزا ایک دن ایک سپاہی کا کھانا لیے جاتی تھی کہ اثنائے راہ میں ایک خوفناک سین اُسکو نظر آیا عین معرکہ میں ایک گولہ انداز سپاہی کو گولی لگی اور وہ گر گیا دوسرے سپاہی کھڑے ہیں اور ہمت کرتے ہیں کہ مقتول سپاہی کی جگہ کھڑے ہو کر دشمن کو ادہر آنے سے روکیں مگر بندوق کی گولیاں ان زوروں سے برس رہی تھیں کہ آگے بڑھتے ہوے لوگوں کے قدم ڈگ رہے تھے بہادر اگسٹینا دوڑ کر مقتول سپاہی کی جگہ پر پہنچی اور اس توپ میں جس کو مقتول نے ٹھیک دشمنوں کے نشانے پر رکھا تھا دیا سلائی لگا دی اور اخیر معرکہ تک اُسکا دست ہمت شل نہوا اور برابر کام کرتی رہی۔

اختتام جنگ پر اگسٹینا کو معلوم ہوا کہ اُسنے اپنے شوہر کی طرف سے یہ خدمت ادا کی جسکی مردہ لاش توپ کے پیچھے پڑی تھی ملک و قوم نے اگسٹینا کی اس خدمت کو اس نگاہ عزت سے دیکھا کہ جب تک وہ زندہ رہی سلطنت سے اسکو وظیفہ ملتا رہا۔ یورپ میں ارباب قلم نے گولڈن ڈیڈس کے قیمتی اور قابل عزت سلسلۂ واقعات میں اسکا ذکر کیا۔

جان آف آرک۔ یورپ کی ایک بہادر عورت تھی جسنے مردانہ لباس پہنکر بطور سپہ سالار کے ۱۴۲۸ء میں آرلیس کا محاصرہ کیا پٹنے کی لڑائی میں انگریزوں کو شکست دی اور چارلس ہفتم کو تخت پر بٹھایا ۱۴۳۱ء میں اس جرم پر کہ اُس میں یہ مافوق الفطرت قوت بزور سحر ہی جلا دی گئی۔ جان کے کارناموں کی انتہائے شہرت یہ ہے کہ اسکول کا بچہ بچہ اس سے واقف ہے اسکے مقابلہ میں ہماری قومی تاریخوں میں اس قسم کے بیسیوں واقعات ہیں لیکن افسوس ہے کہ ہمارے کان اُنسے آشنا نہیں ہیں۔

اسلام سے پہلے بھی عرب میں یہ دستور تھا کہ معرکہ میں عورتیں بھی مردوں کے ساتھ

شریک رہتی تھیں۔ عورتوں اور بچوں کی جماعت صف جنگ سے پیچھے رہتی تھی۔ اُنکا کام یہ ہوتا تھا کہ مجروح سپاہیوں کی تیمارداری کریں۔ گھوڑوں کی خدمت کریں اپنے بہادر شوہروں کو آرام پہنچائیں۔ اسلاف کے تاریخی کارناموں سے جوش پیدا کریں۔ غنیم کے مقتول سپاہیوں کے ہتیار کھولیں۔ مخالف فوجوں کو گرفتار کریں۔ عرب کا مشہور شاعر عمر بن کلثوم فخر کے لہجہ میں کہتا ہے۔

ہماری صف کے پیچھے حسین گوری عورتیں ہیں ہم کو برابر ڈر رہتا ہے کہ اُنکی اہانت نہو۔ اور دشمن اُن پر قبضہ نہ پائیں۔ اُن عورتوں نے میدان قتال میں جانبازی کا اپنے شوہروں سے عہد کرلیا ہے۔ وہ ہمارے ساتھ لپٹے رہتی ہیں تاکہ دشمنوں کے گھوڑے اور ہتیار لے لیں۔ اور دشمنوں کو گرفتار کریں۔ یہ جشم بن بکر کے خاندان کی عورتیں ہیں۔ جنیں حسن کے ساتھ خاندانی عزت اور مذہب بھی ہے۔ ہمارے گھوڑوں کی خدمت کرتی ہیں اور اُنکا قول ہے کہ اگر تم ہمیں دشمنوں سے نہ بچاسکو تو تم ہمارے شوہر نہیں۔

اسلام میں بھی یہ قدیم دستور قائم رہا جہاد میں مردوں کے ساتھ اُن کی عورتیں برابر شریک رہتی تھیں ایک موقع ایسا ہوا ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ اپنے ہاتھ سے مشک بھر بھر کر زخمی سپاہیوں کو پانی پلاتی تھیں مگر اسی کے ساتھ رسول اللہ فضول اور بیکار عورتوں کا ساتھ لیجانا ناپسند کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت عائشہ نے پوچھا کہ مرد تو جہاد میں شریک ہوکر بڑے بڑے درجے حاصل کرتے ہیں۔ عورتیں کیا کریں۔ آپ نے فرمایا کہ عورتوں کا جہاد اُنکا حج ہے۔

قبیلہ قضاعہ کی ایک عورت ام کبشہ نے کسی اسلامی لشکر میں شریک ہونے کی اجازت مانگی آپنے اجازت نہ دی ام کبشہ نے کہا یا رسول اللہ میں صرف زخمیوں کی خدمت کرونگی۔ لڑونگی نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ تم کو اجازت دینے سے اگر قاعدہ نہ بندہ جاتا تو میں اجازت دیدیتا۔

اسد الغابہ میں محدث ابونعیم نے روایت کی ہے کہ جنگ خیبر میں فوج کے ساتھ چھ عورتیں بھی مدینہ سے چلی تھیں۔ رسول اللہ کو اس کی خبر نہ تھی۔ جب معلوم ہوا تو رسول اللہ نے غضب و نفرت

کے لہجہ میں اُنسے فرمایا کہ تم کو کس نے فوج کے ساتھ آنے کی اجازت دی۔ اُن عورتوں نے عرض کی کہ یا رسول اللہ ہمارے ساتھ دوائیں ہیں ہم زخمیوں کو مرہم لگائینگے بدن سے تیر نکالیں گے کھانے کا انتظام کرینگے۔ آپ نے فرمایا خیر ٹھہرو۔ جب خیبر فتح ہوا۔ تو اور سپاہیوں کے ساتھ اُن عورتوں کو بھی رسول اللہ نے مال غنیمت سے حصہ دیا۔

ابن جریر طبری ایک موقع پر لکھتا ہے کہ مسلمانوں نے اپنے مقتولین کو ایک جگہ جمع کر کے صف سے پیچھے ڈالدیا۔ اور جو لوگ مقتولین کی تجہیز و تکفین کے لیے متعین تھے وہ مجروحوں کو عورتوں کے سپرد کرتے اور جو شہید ہوتے اُن کو دفن کر دیتے۔ اغواث اور ارمات کی لڑائیوں میں جو فتح قادسیہ کے سلسلے میں لڑی گئی تھیں عورتیں اور بچے قبر کھودتے تھے۔

قادسیہ کی لڑائی کا واقعہ ایک عورت جو موقع جنگ پر موجود تھی اس طرح بیان کرتی ہے کہ جب لڑائی کا خاتمہ ہو چکا تو ہم اپنے کپڑے کس کس کر رزمگاہ کی طرف چلے۔ ہمارے ہاتھوں میں لاٹھیاں تھیں۔ میدان میں جہاں کوئی مسلمان مجروح سپاہی نظر آیا اُسکو اُٹھالیا۔

بخاری شریف میں مذکور ہے کہ حضرت عمر نے اپنے عہد میں ام سلیط (ایک صحابیہ) کو جو جنگ احد میں رسول اللہ کے ساتھ شریک تھیں اسلیے ایک خاص عطیہ دیا کہ جنگ احد میں مشک بھر بھر کر پانی لاتی تھیں۔ بعض اوقات عورتوں نے مردوں کی اسوقت مدد کی ہے جب مردوں کے قدم میدان جنگ سے اُکھڑ چکے تھے۔ مذکورۂ بالا واقعات سے قومی ہمدردی غیرت بہادری کے علاوہ اُن خدمات کی بھی تفصیل معلوم ہوتی ہے جو لڑائیوں میں عورتوں سے متعلق تھیں۔

زخمیوں کو پانی پلانا۔ فوج کے کھانے کا انتظام۔ قبر کھودنا۔ مجروح سپاہیوں کو معرکۂ جنگ سے اُٹھالانا۔ زخمی سپاہیوں کی تیمارداری کرنا۔ ضرورت کے وقت فوج کو ہمت دلانا۔ اور انکی امداد کرنا۔

قرون اول کی تمام لڑائیوں کا مرقع ایک ایک کرکے تم اپنے سامنے کرو عموماً صف جنگ

کے پیچھے تم عورتوں کو اپنے اداے فرض میں مشغول پاؤ گے۔ مسلمان عورتوں کی سب سے آخری خدمت کے متعلق تفصیل واقعات کی ضرورت ہی جس سے یہ معلوم ہو گا کہ مسلمانوں کا یہ کمزور طبقہ اس نازک خدمت کو کس خوبی سے انجام دیتا تھا۔ غزوہ خندق میں رسول اللہ اور تمام صحابہ یہودیوں سے لڑ رہے تھے کہ بنو قریظہ لڑتے لڑتے اس مقام کے قریب پہنچ گئے جہاں مسلمان عورتیں اور بچے چھپے تھے۔ بنو قریظہ اور مسلمان عورتوں کے درمیان کوئی فوج نہ تھی کہ جو عورتوں کی حفاظت کر سکے۔ اسی اثنا میں ایک یہودی ان عورتوں کی طرف نکل آیا۔ خوف یہ تھا کہ اگر یہودی بنو قریظہ سے کہہ آیا کہ ادہر عورتیں ہیں تو میدان خالی پاکر وہ عورتوں پر حملہ کر دینگے حضرت صفیہ نے جو رسول اللہ کی پھوپی اور حضرت زبیر کی والدہ تھیں حضرت حسان بن ثابت سے کہا کہ اس یہودی کو قتل کرو حضرت حسان نے عذر کیا۔ آخر حضرت صفیہ خیمہ کا ایک ستون لیکر خود اُتریں اور اُس یہودی کو اُسی ستون سے وہیں مار کر گرادیا مورخ ابن اثیر جزری نے لکھا ہی کہ یہ پہلی بہادری تھی جو ایک مسلمان عورت سے ظاہر ہوئی۔ حضرت انس بن مالک خادم رسول اللہ کی والدہ ام سلیم عموماً رسول اللہ کے ساتھ غزوات میں شریک رہتی تھیں۔

ام عمارۃ ایک مشہور صحابیہ ہیں قبل از ہجرت مقام عقبہ میں جب مدینہ کے مسلمانوں نے کفار قریش سے پوشیدہ رسول اللہ کی امداد اور اسلام کی اعانت کے لیے رسول اللہ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی تو اس مختصر جماعت میں جو اسلام کی سب سے پہلی جماعت تھی ام عمارۃ بھی شریک تھیں اسلامی تاریخ میں اسی واقعہ کو بیعت عقبہ کہتے ہیں۔ ۶ھ ہجری میں جب رسول اللہ نے حج کی نیت سے مکہ معظمہ کا ارادہ کیا اور مکہ میں داخل ہونے کے لیے قریش سے آپ نے اجازت مانگی اور حضرت عثمان مسلمانوں کی طرف سے سفیر بنکر گئے۔ تو یہ خبر مشہور ہوئی کہ قریش نے حضرت عثمان کو قتل کر ڈالا۔ اسوقت تمام صحابہ سے رسول اللہ نے کفار قریش سے لڑنے اور مرنے پر بیعت لی جو تاریخ اسلام میں بیعت رضوان کے نام سے مشہور ہے۔

ام عمارۃ اس بیعت رضواں میں بھی شریک تھیں مسلمانوں کی طرف سے اپنے شوہر زید بن عاصم کے ساتھ جنگ احد میں بھی موجود تھیں۔ حضرت ابوبکر کے زمانے میں مسیلمہ کذاب نے ادعاے نبوت کیا اور مقام یمامہ میں ایک خونریز لڑائی کے بعد مسلمانوں کے ہاتھ سے مارا گیا اس جنگ میں جو جنگ یمامہ کے نام سے مشہور ہے ام عمارۃ بھی شریک تھیں۔ اور جبتک انکا ہاتھ زخمی نہ ہوا دشمنوں سے لڑتی رہیں۔ اُسدن ام عمارہ کو بارہ زخم لگے تھے۔ حضرت فاروق اعظم کے زمانے میں اسلام کو جزیرہ نماے عرب سے باہر قدم رکھنے کے لیے مشرق کے اُن دو پُرزور طاقتوں سے مقابلہ کرنا پڑا جو دنیا میں روم اور ایران کے مہیب ناموں سے مشہور ہیں رومیوں کا وہ سب سے خونریز معرکہ جسپر اُن کی قسمت کا آخری فیصلہ ہوا جنگ یرموک ہے۔ اور ایرانیوں کی وہ سب سے آخری کوشش جس سے زیادہ زور وقوت صرف کرنا تخت کیانی کے امکان میں نہ تھا۔ جنگ قادسیہ ہے یہ دونوں معرکۂ تاریخ اسلام کے بہترین کارنامہ ہیں جنھوں نے دنیا میں پھیلنے کے لیے اسلام کا رستہ صاف کردیا۔ لیکن ان دونوں واقعوں میں مسلمانوں کی فتحیابی مخدرات اسلام کے زور بازو اور آتش بیانی کی ممنون ہے محرم ۱۴ھ ہجری میں مسلمانوں اور ایرانیوں کا مقام قادسیہ میں مقابلہ ہوا۔ ایرانیوں کی جمعیت ایک لاکھ سے زیادہ تھی اور مسلمان کچھ اوپر تیس ہزار تھے۔ اس معرکہ میں کئی ہزار مسلمان شہید اور زخمی ہوئے۔ عورتوں اور بچوں نے شہدا کی قبریں کھودیں اور مجروحوں کو میدان جنگ سے اُٹھا لائے اور اُن کی تیمارداری کی۔ قادسیہ کی لڑائی میں عورتونکو کس قدر جوش تھا۔ اُسکا اظہار ذیل کی تقریر سے ہوگا جو قبیلۂ نخع کی ایک بوڑھی عورت نے اپنے بیٹوں کو میدان جنگ میں بھیجتے وقت کی تھی۔

پیارے بیٹو! تم اسلام لائے۔ بہر پھرے نہیں۔ تم نے ہجرت کی تو تم کو کسی نے ملامت نہ کی تمہارا وطن تمہارے ناموافق نہ تھا۔ نہ تم پر قحط پڑا تھا تم نے اپنی بوڑھی ماں کو اپنے ساتھ لاکر اہل فارس کے سامنے ڈالدیا خدا کی قسم تم ایک باپ کی اولاد ہو جس طرح

تم ایک ماں کی اولاد ہو۔ نہ میں نے تمہارے باپ سے خیانت کی اور نہ میں نے تمہارے
ماموں کی فضیحت کی جاؤ اور شروع سے اخیر تک لڑو۔ بیٹوں نے ایک ساتھ دشمنوں پر
حملہ کیا اور بڑی بہادری سے لڑے جب نظروں سے غائب ہو گئے تو اس بوڑھی عورت
نے دعا کو ہاتھ اُٹھایا کہ خدایا میرے بچوں کو بچانا اختتام جنگ پر بہادر بیٹے صحیح و سالم
اپنی ماں کے پاس آئے اور غنیمت کا مال ماں کے آگے ڈالدیا۔

جنگ قادسیہ میں عرب کی مشہور شاعرہ خنسا بھی شریک تھی۔ خنسا کے ساتھ
اسکے چاروں بیٹے بھی تھے۔ شب کے تہائی حصہ میں جب ہر سپاہی صبح کے ہولناک منظر
پر غور کر رہا تھا۔ آتش زبان شاعرہ نے اپنے بیٹوں کو یوں جوش دلانا شروع کیا۔

پیارے بیٹو! تم اپنی خواہش سے مسلمان ہوئے اور تم نے ہجرت کی۔ وحدہٗ لاشریک
کی قسم کہ تم جس طرح ایک ماں کے بیٹے ہو ایک باپ کے بیٹے ہو۔ میں نے تمہارے باپ
سے بددیانتی نہیں کی اور نہ تمہارے ماموں کو ذلیل کیا اور نہ تمہارے حسب و نسب میں داغ
لگایا۔ جو ثواب عظیم خدا نے کافروں سے لڑنے میں مسلمانوں کے واسطے رکھا ہے تم اسکو
خود جانتے ہو خوب سمجھ لو کہ آخرت جو ہمیشہ رہنے والی ہے اس دار فانی سے بہتر ہے۔
خدا اسے پاک فرماتا ہے۔ مسلمانوں صبر کرو اور استقلال سے کام لو۔ خدا سے ڈرو تاکہ کامیاب
ہو۔ کل جب خیریت سے تم انشاءاللہ صبح لڑو۔ تو تجربہ کاری کے ساتھ اور خدا سے نصرت
کی دعا مانگتے ہوئے دشمنوں پر جھپٹ پڑنا اور جب دیکھنا کہ لڑائی زوروں پر ہے اور ہر طرف
اُسکے شعلے بھڑک رہے ہیں تو تم خاص آتشدان جنگ کی طرف رخ کرنا اور جب دیکھنا کہ
فوج غصہ سے آگ ہو رہی ہے تو غنیم کے سپہ سالار پر ٹوٹ پڑنا خدا کرے کہ تم دنیا میں مال
غنیمت اور عقبیٰ میں عزت پاؤ۔

صبح کو جنگ چھڑتے ہی خنساء کے چاروں بیٹے یکبار دشمنوں پر جھپٹ پڑے
اور آخر کو بڑی بہادری سے چاروں لڑکر شہید ہوئے۔ خنسا کو جب یہ خبر پہنچی تو اُسنے کہا

اس خدا کا شکر ہی جسنے بیٹوں کی شہادت کا سبب مجھے شرف بخشا۔ حضرت عمر ۸۰۰ دینار خنساء کو اسکے چاروں بیٹوں کی تنخواہ کے دیا کرتے تھے۔

واقعہ جسر کے بعد جس میں مسلمانوں کو ایرانیوں کے مقابلہ میں سخت ہزیمت اُٹھانی پڑی تھی ایک دوسرا ہولناک معرکہ ہوا۔ جو جنگ بویب کے نام سے مشہور ہی۔ جنگ بویب میں جسکو جنگ قادسیہ کی تمہید سمجھنا چاہیے۔ مسلمانوں کو ایرانیوں کا بہت سا سامان رسد ہاتھ آگیا۔ مسلمان عورتوں کو رزمگاہ سے بہت پیچھے چھوڑ آئے تھے۔ کھانے کا انتظام چونکہ عورتوں ہی سے متعلق تھا اسلیے مثنیٰ نے جو اسوقت فوج کا سپہ سالار تھا۔ یہ سارا سامان فوج کے ایک رسالے کی حفاظت میں عورتوں کے پاس بھیجدیا۔ یہ رسالہ گھوڑے اُڑاتا ہوا۔ عورتوں کی فرودگاہ کی طرف چلا۔ عورتیں سمجھیں کہ دشمن چڑھ آئے ہیں۔ عورتوں کے خیموں میں اسلحہ کہاں سے آئے بچوں کو پیچھے کھڑا کیا اور خود پتھر اور خیموں کی چوبیں لیکر حملے کے لیے کھڑی ہوگئیں عمر بن عبدالمسیح جو جو اس رسالہ کا افسر تھا پکارا کہ اسلامی فوج کی عورتوں کو بیشک ایسا ہی بہادر ہونا چاہیے۔ یہ کہکر اُسنے عورتوں کو مسلمانوں کی فتح کی خوشخبری سنائی اور چیزیں اُنکے سپرد کیں۔

میسان کی لڑائی میں اس سے بھی ایک عجیب بہادری عورتوں سے ظاہر ہوئی۔ دریاے دجلہ کے قریب اہل میسان اور مسلمانوں کا سامنا ہوا مغیرہ جو اسوقت فوج کے سپہ سالار تھے میدان جنگ سے عورتوں کو بہت پیچھے چھوڑ آئے تھے۔ دونوں فوجوں میں گھمسان لڑائی ہو رہی تھی کہ اردہ بنت حارث نے جو طبیب العرب کندۃ کی پوتی تھیں۔ عورتوں سے کہا اگر ہم اسوقت مسلمانوں کی مدد کرتے تو نہایت مناسب ہوتا۔ یہ کہکر اُسنے اپنے ڈوپٹے کا ایک نشان علم بنایا اور عورتوں نے بھی اپنے اپنے دوپٹوں کی جھنڈیاں بنائیں۔ دونوں طرف کے بہادر دل توڑکر حملے کررہے تھے کہ اس سامان کے ساتھ عورتیں پرچم اُڑاتی ہوئی فوج کے قریب پہنچ گئیں یہ سمجھکر کہ مسلمانوں کی امداد کو ایک تازہ دم فوج اور پہنچ گئی۔ غنیم کے بازو سست پڑگئے اور آن کی آن میں یہ سیاہ بادل پھٹ گیا۔

عہد صدیقی میں اول اول ۱۳ھ ہجری میں مسلمانوں نے دمشق پر لشکر کشی کی چند معرکوں کے بعد اہل دمشق قلعہ بند ہو گئے مسلمان دمشق کا محاصرہ کیے ہوئے پڑے تھے کہ معلوم ہوا کہ نوّے ہزار رومی بڑے سازوسامان کے ساتھ اجنادین میں جمع ہو رہے ہیں مسلمانوں کی فوج منتشر طور سے تمام ملک شام میں پھیلی ہوئی تھی۔ حضرت ابو عبیدہ اور خالد بن ولید کی جو عراق کو پامال کر کے دمشق میں آ گئے تھے یہ رائے قرار پائی کہ کل اسلامی فوج کو سمیٹ کر ایک جگہ جمع ہونا چاہیے۔ ان فوجوں کی مجموعی تعداد چوبیس ہزار تھی کل افسران اسلام جہاں جہاں تھے اپنی اپنی فوجیں لیے ہوئے اجنادین کی طرف بڑھے۔

ابو عبیدہ اور خالد نے بھی دمشق کا محاصرہ چھوڑ کر اجنادین کی طرف باگ اٹھائی حضرت خالد فوج کے آگے آگے جا رہے تھے اور حضرت ابو عبیدہ تھوڑی فوج کے ساتھ عورتوں اور بچوں کو لیے ہوئے مع خیمے اور سامان رسد کے پیچھے پیچھے جا رہے تھے۔ اہل دمشق نے دیکھا کہ مسلمان ڈیرے خیمے اٹھائے لدے پھندے جا رہے ہیں۔ انکو انتقام کا موقع نہایت مناسب معلوم ہوا قلعہ کے پھاٹک کھول کر فوراً پیچھے سے حملہ کر دیا قیصر روم نے دمشق کے لیے کچھ امدادی فوجیں بھیجیں۔ اتفاق سے عین وقت پر وہ بھی آ پہنچیں اور آتے ہی انھوں نے مسلمانوں کا آگا روک لیا اسوقت مسلمانوں میں جس انتہا کی بدحواسی ہونی چاہیے تھی وہ ظاہر ہی مگر اسکے برخلاف انھوں نے نہایت پامردی اور استقلال کے ساتھ دونوں طرف کے حملے روکے لیکن زیادہ تر ان کی توجہ سامنے کی فوج کی طرف منعطف تھی۔ اہل دمشق کو اتنا موقع بھی غنیمت ہوا اور مسلمان عورتوں کو اپنی حراست میں لیکر قلعہ دمشق کی طرف رخ کیا۔

عورتوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا خولہ بنت ازور نے کہا۔ بہنو کیا تم یہ غیرت گوارا کر سکتی ہو کہ مشرکین دمشق کے قبضے میں آ جاؤ۔ کیا تم عرب کی شجاعت و حمیت کے دامن میں داغ لگانا چاہتی ہو میرے نزدیک تو مر جانا اس ذلت سے کہیں بہتر ہی ان چند فقروں نے ایک آگ سی لگا دی خیموں کی چوبیں لے لیکر باقاعدہ حلقہ باندھکر آگے بڑھیں سب سے

آگے خولہ بنت ازور ضرار کی بہن تھیں اور انکے پیچھے غفیرہ بنت عفار ام ابان بنت عتبہ سلمہ بنت نعمان مقرن وغیرہ تھیں۔ کچھ دیر کے لیے تو حیرت سے دمشقیوں کے ہاتھ پاؤں باندھ دیے اور اتنی دیر میں عورتوں نے تیس لاشیں گرادیں اور آخر کو پھر انھوں نے بھی حملہ کر دیا دمشقیوں کے قدم اکھڑنے کو تھے کہ مسلمان بھی ادھر سے فارغ ہو کر آگئے دمشقی فوج میں جو رمق جان باقی تھی وہ بھی نکل گئی۔ باقی فوج بھاگ کر دمشق میں قلعہ بند ہو گئی اور اسلامی فوج کی عنان عزیمت پھر اجنادین کی طرف پھری۔

اڈورڈ گبن صاحب نے اپنی تاریخ میں اس واقعہ کو نقل کر کے مسلمان عورتوں کی عفت، عصمت، دلیری، بہادری کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "یہ عورتیں ہیں جو شمشیر زنی، نیزہ بازی، تیر اندازی میں نہایت ماہر تھیں یہی وجہ ہے کہ نازک سے نازک موقع پر بھی یہ اپنے دامن عفت کے محفوظ رکھنے میں کامیاب ہوتی تھیں۔

جنگ یرموک مسلمانوں کی سب سے پہلی باقاعدہ جنگ تھی اس معرکہ میں مسلمان کل چالیس ہزار تھے مگر جو تھے عرب میں انتخاب تھے۔ رومیوں کی جمعیت دو لاکھ سے زائد تھی اور آدمیوں کا طوفان اس جوش وخروش کے ساتھ آگے کو بڑھ رہا تھا کہ گمان تھا کہ ایک ٹکر میں یہ مسلمانوں کو جڑ سے اکھاڑ دیگا۔ پھر دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ مسلمان اور عیسائیوں کی تعداد میں چوگنے کا فرق تھا۔ انکے جوش کا یہ عالم تھا کہ تیس ہزار رومیوں نے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دی تھیں کہ ہٹنا چاہیں تو بھی نہ ہٹ سکیں۔

دو لاکھ کا ٹڈی دل اس زور شور سے مسلمانوں پر ٹوٹ پڑا کہ اسلامی فوج کا داہنا ہٹتے ہٹتے عورتوں کے خیمہ گاہ تک آگیا۔ لخم وجذام کے قبیلے ایک مدت تک ان عیسائیوں کے ماتحت رہے تھے اور اب مسلمان ہو گئے تھے میسرہ (بایاں حصہ) میں زیادہ تر یہی لوگ تھے۔ رومیوں نے ان کی طرف رخ کیا تو یہ مرعوب ہو کر نہایت بے ترتیبی سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ رومی تعاقب کرتے ہوئے خیموں تک پہنچ گئے عورتوں کے غصے

کی انتہا نہ رہی فوراً خیموں سے باہر نکل آئیں اور اس زور سے حملہ کیا کہ رومیوں کا سیلاب جو نہایت سرعت سے آگے بڑھ رہا تھا دفعتاً تھم کر پیچھے ہٹ گیا۔ بھاگتوں کو روک کر پھر آگے بڑھایا۔ فوج کی پشت پر آکر مسلمانوں کو غیرت دلا دلا کر جوش پیدا کرنے لگیں۔ عورتوں کی ان کوششوں کا یہ اثر ہوا کہ مسلمانوں کے اکھڑے ہوئے پاؤں پھر سنبھل گئے۔ قریش کی عورتیں تلواریں گھسیٹ گھسیٹ کر دشمنوں پر ٹوٹ پڑیں اور حملہ کرتے ہوئے مردوں سے آگے نکل گئیں۔ حضرت معاویہ کی بہن جویریہ عورتوں کا ایک دستہ لیکر آگے بڑھیں اور نہایت دلیری سے لڑکر زخمی ہوئیں۔ ضرار بن ازور کی بہن خولہ یہ شعر پڑھکر مسلمانوں کو غیرت دلاتی تھیں۔

لے پاکدامن عورتوں کو چھوڑ کر بھاگنے والو   تم موت اور تیر کے نشانے بنو

مورخ طبری نے اس جنگ میں ام حکیم بنت حارث کا نام خصوصیت سے لیا ہے۔ ابن اثیر جزری نے لکھا ہے کہ حضرت معاذ بن جبل کی پھوپی زاد بہن اسما بنت یزید نے تنہا نو رومیوں کو مار ڈالا۔ جو عورتیں مردانہ وار جنگ یرموک میں لڑیں ابن عمر واقدی ان میں سے بعض کے یہ نام بتاتا ہے اسمار بنت ابوبکر صدیق۔ عبادہ بن صامت کی بیوی خولہ بنت تعلبہ کعوب بنت مالک سلمٰی بنت ہاشم نعم بنت قناص غفیرۃ بنت غفارۃ۔

جنگ یرموک کے بعد پھر مسلمانوں کی فوج رومیوں کے مقابلہ پر جا رہی تھی۔ ایک وفعہ دمشق کے قریب مرج الصفر میں قیام کیا۔ خالد بن سعید نے جنھوں نے حال ہی میں ام حکیم بنت حارث سے نکاح کیا تھا یہیں مسلمانوں کی دعوت ولیمہ کی ایک پل کے قریب ام حکیم کا خیمہ نصب ہوا جو اسی مناسبت سے ابتک ام حکیم کا پل کہلاتا ہے۔ ابھی لوگ کھانے سے فارغ بھی نہ ہوئے تھے کہ رومی پہنچ گئے۔ مسلمانوں نے بھی لڑائی کی تیاریاں شروع کر دیں اور اس زور سے حملہ کیا کہ رومیوں کو پس پا ہو جانا پڑا ام حکیم بھی نہایت دلیری سے لڑیں و منجملہ سات آدمی انکے ہاتھ سے ہلاک ہوئے۔

اگر فتوحات واقدی کی روایات صحیح تسلیم کرلیجائیں تو یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ شام کی فتوحات

میں عورتوں کا زیادہ حصہ ہے۔

جنگ جمل میں گو حضرت عائشہ کا فوج لیکر حضرت علی کے مقابلہ میں آنا ہم ایک اجتہادی غلطی سمجھتے ہیں لیکن اس سے عورتوں کے استقلال دلیری اور ثبات پر روشنی پڑتی ہے۔

از البشیر

بقیہ شاہ لیر

سین دوم

اڈمنڈ گلاسٹر کا چھوٹا لڑکا ایک خط ہاتھ میں لیے ہوئے گلاسٹر کے ... میں داخل ہوتا ہے۔

اڈمنڈ (آپ ہی آپ) ہائے افسوس۔ دنیا ... رسم کا برا ہو۔ لوگوں کے کیسے بے انصافانہ خیالات ہیں۔ بڑے بیٹے تو باپ کی جائداد کے مالک بنیں میر کہلائیں گدی پر بیٹھیں دنیا کی نگاہ میں عزت پائیں۔ اور برخلاف اسکے چھوٹے بیٹے سب چیزوں سے محروم باپ کی جائداد سے روٹی مہار ابھی نصیب نہیں۔ اور یہ سب بے انصافی صرف اس وجہ سے کہ بڑا بھائی بارہ یا چودہ مہینے چھوٹے بدنصیب بیٹے سے پہلے پیدا ہوا ہے خیر۔ دنیا کی رسم جو کچھ ہو سو ہو لیکن تو ان بیہودہ رسموں کی پابندی نہیں کرنا چاہتا۔ میری رہنما تو میری تدبیر اور حکمت عملی ہے تدبیر تیرا ہی آسرا! میں تو تیرا غلام ہوں اور تیری ہی مدد سے اپنے بڑے بھائی ایڈگر کی دولت اور گدی اور مال اسباب چھینوں گا۔ آخر باپ کو مجھ سے بھی تو ویسی ہی محبت ہے جیسی ایڈگر سے کیا بڑے بھائی صاحب تو چین کرینگے بڑے آدمی بنیں گے اور میں دھکے کھاتا پھروں گا نہیں نہیں ایسا نہیں ہوگا میرے ہاتھ میں یہ خط سلامت ہے تو باپ کی جائداد کا میں ہی مالک (باپ کو آتے دیکھکر ایک لفافہ ہاتھ میں اچھالتا ہے)

گلاسٹر داخل ہوتا ہے۔

گلاسٹر۔ کینٹ کو جلا وطن کر دیا! شاہ فرانس کو غصہ ہو کر اپنے دربار سے نکالدیا! اور بادشاہ آج اپنے گھر سے نکلکر بیٹی کے ہاں پہنچے ہیں! اپنے اختیارات دوسروں کو دیدیے ہیں۔ اب دوسروں کے دست نگر ہونے کا مزہ چکھینگے (اڈمنڈ کو دیکھکر) اڈمنڈ بتاؤ کیا خبر ہے۔

اڈمنڈ۔ حضور کوئی خبر نہیں ہی (وہ خط جسکو ابھی ہاتھ میں اچھال رہا تھا گلاسٹر کو دکھا دکھا کر جلدی سے اپنی جیب میں ڈال لیا۔

گلاسٹر۔ کیوں اڈمنڈ اس خط کو کیوں مجھ سے چھپانے کی کوشش کرتے ہو اسقدر گھبرا کر جیب میں کیوں ڈال لیا۔

اڈمنڈ۔ حضور کوئی نئی بات بتانے کے قابل نہیں ہی۔

گلاسٹر۔ تم پہلے یہ بتاؤ کہ یہ کیا کاغذ پڑھ رہے تھے۔

اڈمنڈ۔ کچھ نہیں حضور۔

گلاسٹر۔ کچھ نہیں؟ پھر تم کو اسقدر گھبراہٹ میں اُس کاغذ کو اپنی جیب میں ڈالنے کی کیا ضرورت تھی۔ اگر وہ کوئی چیز نہ تھی تو اُسکو چھپانے کی ضرورت نہیں تھی۔ ہمیں دکھاؤ۔ چلو جلدی کرو۔ اگر کچھ نہوگا تو ہمیں اپنی عینک کی ضرورت نہ پڑیگی کہ اُس سے پڑھیں۔

اڈمنڈ۔ میں آپ کی خوشامد کرتا ہوں۔ آپ مجھے معاف کیجیے یہ میرے بڑے بھائی ایڈگر کا خط ہی۔ میں نے ابھی سب پڑھا بھی نہیں لیکن جسقدر پڑھا ہی اُس کی نسبت میں مناسب سمجھتا ہوں کہ وہ حضور کی نگاہ سے نہ گزرے۔

گلاسٹر۔ مہربانی سے خط مجھے دیدو۔

اڈمنڈ۔ اب میں خط دیتا ہوں تو مشکل نہیں دیتا ہوں تو خرابی جتنا حصہ میری سمجھ میں آیا ہی قابل الزام ہی۔

گلاسٹر۔ ہمیں دکھاؤ ہمیں دکھاؤ۔

ایڈمنڈ (خط گلاسٹر کے ہاتھ میں دیکر) مجھے یقین ہی کہ اس میں بھائی صاحب کی کوئی بدنیتی نہیں تھی اُنھوں نے تو صرف میری وفاداری اور فرماں برداری کا امتحان کرنیکو لکھا ہی۔

گلاسٹر۔ (خط پڑھتا ہی۔ خط کا مضمون۔ اس دنیا کی یہ بھی ایک بیہودہ رسم ہی کہ جب تک بڈھے جیتے رہیں اُن کی جوان اولاد کو جائداد پر قبضہ ہی نہیں ملتا اور جبتک بڈھے مرتے ہیں اسوقت تک اولاد کا بھی بڑھاپا آجاتا ہی اور وہ جائداد اور مال اور روپیے سے کچھ زیادہ لطف نہیں اُٹھا سکتے اب مجھکو ایک بوڑھے آدمی کی بات بات میں روک ٹوک اور سختی کی تلخی محسوس ہو رہی ہی اور یہ اسلیئے نہیں کہ بڈھے میاں میں کوئی قوت باقی ہی بلکہ اس وجہ سے ہی کہ دنیا کی رسم کے مطابق ہم نے یہ فرض کرلیا ہی کہ اُن کو ایسی قوت اور اختیار باقی ہی۔ تم کسی وقت ذرا میرے پاس آؤ تو اسکے بارے میں تم سے اور بھی کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ اگر ہمارے والد صاحب اُسوقت تک سوتے رہے جب تک کہ میں نہ آکر اُن کو جگاؤں تو آدہی جائداد کے مالک تم ہوگے اور عمر بھر اپنے بڑے بھائی کے چہیتے بنے رہوگے (گلاسٹر آگ بگولا ہوگیا)

ہاں! یہ سازش! "وہ سوتے رہیں جبتک میں آکر نہ جگاؤں" "تم آدہی جائداد مالک ہوگے" ایڈگر میرے بیٹے کیا یہ الفاظ لکھتے وقت تمہارے ہاتھ ٹوٹ نہ گئے تمہارے دل اور دماغ میں یہ خیالات ہی کیسے پیدا ہوئے (ایڈمنڈ سے) یہ خط تمہارے کب آیا اور کون لایا۔

ایڈمنڈ۔ حضور میرے پاس یہ خط کسی آدمی کے ہاتھ نہیں آیا بلکہ بڑی ہوشیاری کی گئی میرے کمرہ کے زینہ میں جہاں سے میں ہر وقت آتا جاتا ہوں ڈلوا دیا تھا وہاں سے میں نے اُٹھالیا۔

گلاسٹر۔ تمہیں یقین ہی کہ یہ تمہارے ہی بھائی کا لکھا ہوا ہی۔

ایڈمنڈ۔ اگر اسکا مضمون اچھا ہوتا تو میں قسم کھانے کو تیار ہوجاتا کہ یہ میرے بھائی کے

لکھا ہوا ہی لیکن اسکا مضمون بہت خراب ہی اسلیے میں بہت خوش ہوتا اگر یہ میرے بھائی کا لکھا ہوا نہوتا۔

گلاسٹر۔ تو یہ اُسی کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہی۔

ایڈمنڈ۔ ہاں حضور لکھا ہوا تو میرے بھائی کا ہی ہی لیکن مجھے یقین ہی کہ جو بات اُنھوں نے کاغذ پر لکھی ہی اُنکے دل میں نہوگی۔

گلاسٹر۔ کیا اس سے پہلے بھی کبھی اس معاملہ میں اس سے تم نے کچھ کہا سنا تھا۔

ایڈمنڈ۔ حضور کبھی نہیں لیکن میں نے اکثر اُنکو یہ کہتے سنا کہ جب بیٹا جوان ہوجاے اور باپ بڈھا ہوجائے تو مناسب ہی کہ باپ تو گوشہ میں بیٹھکر اللہ اللہ کرے اور بیٹا جائداد کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے۔

گلاسٹر۔ او بدمعاش بدمعاش! اس خط میں تو اس کی وہی راے موجود ہی جو تم نے بیان کی سخت بدمعاش ہی قابل نفرت ہی جانوروں اور حیوانوں سے بڑھکر ہی۔ ایڈمنڈ جاؤ اور اسکو ڈھونڈھو میں فوراً اسکو گرفتار کراتا ہوں۔ دیکھو دیکھو وہ ملعون کہاں ہی۔

ایڈمنڈ۔ حضور مجھے ٹھیک معلوم نہیں کہ وہ کہاں ہی اگر آپ مہربانی سے اسوقت تک اپنے غصہ اور غضب کو ملتوی رکھیں جب تک آپ کو اُنکے اصلی ارادہ کا ثبوت نہ ملے تو بہتر ہوگا۔ اگر آپ اُنکے اصلی ارادہ سے آگاہ ہونا چاہتے ہیں تو تھوڑی سی تدبیر کو کام میں لائیے۔ اور اگر آپ بہت عجلت فرماکر اُنکے خلاف کوئی سخت کارروائی کرینگے تو یہ آپکے بھی شان کے خلاف ہی اور ممکن ہی کہ آپ اُنکے اصلی ارادہ کے سمجھنے میں غلطی کر بیٹھیں۔ اور اس سے بھائی صاحب کی تمام فرمانبرداری اور تابعداری بھی خاک میں ملجائے۔ میں یہ کہنے کی جرات کرتا ہوں کہ میرے بھائی نے صرف میرے نام اسوجہ سے لکھا ہوگا کہ حضور سے میری فرزندانہ محبت کا امتحان کرے اور اس سے کسی مخالفانہ کارروائی کرنے کا اُنکا منشا نہ تھا۔

گلاسٹر۔ کیا تم ایسا خیال کرتے ہو؟

ایڈمنڈ۔ اگر حضور مناسب سمجھیں تو میں حضور کو کسی ایسی جگہ بٹھا دونگا جہاں سے آپ میری اور میرے بھائی کی باتیں سُن سکیں اور میں اُنکے دل کی باتیں اُگلوانے کی کوشش کرونگا اگر اُنکے دل میں کوئی بدی ہوگی تو آپ ہی نکل آئیگی اور اسکے لیے کچھ زیادہ انتظار کی بھی ضرورت نہیں آج ہی شام کو ایسا ہونا ممکن ہی۔

گلاسٹر۔ وہ ایسا شیطان نہیں ہو سکتا۔

ایڈمنڈ۔ ہاں یقین تو یہی ہی۔

گلاسٹر۔ کیا وہ اپنے باپ کے ساتھ ایسا سلوک کریگا۔ کیا میں اسکو دل سے نہیں چاہتا اور اُسپر تمام پدرانہ محبت قربان نہیں کرتا۔ اللہ اللہ کیا عجیب بات ہی۔ ایڈمنڈ جلدی سے اُسے ڈھونڈھ لاؤ اور کسی طرح اسکے دل کی بات مجھے معلوم کرادو میں تمہارا بہت ممنون ہونگا جس طریقہ سے تم چاہو اُس طریقہ سے ایڈگر کے سچے خیالات سے مجھے واقف کرادو۔

ایڈمنڈ۔ میں اب جا کر اُنسے ملتا ہوں اور اس معاملہ میں جیسا کچھ موقع ہوگا اُنسے باتیں کرونگا اور آپ کو اطلاع دونگا۔

گلاسٹر۔ گزشتہ دنوں میں یہ چاندگہن یہ تاروں کا ٹوٹنا یہ گیدڑوں اور لومڑی کا بولنا۔ یہ سب منحوس نشانیاں دیکھکر میرا ماتھا ٹھنکا تھا کہ کچھ نہ کچھ ہوکر رہیگا۔ کینٹ کی جلاوطنی، کارڈیلیا پر اپنے باپ کا عتاب گانرل اور ریگن کی چاپلوسی اور ظاہرداری اور ایڈگر کا یہ خط یہ سب انھیں منحوس بدشگونیوں کے نتیجے ہیں۔ ایڈمنڈ اس بدمعاش کو فوراً کہیں ڈھونڈھو اگر اُس کی بدمعاشی کا یقین آجائیگا تو اُسکا فائدہ تمہیں کو پہنچیگا۔

(ایڈمنڈ کو چھوڑ کر گلاسٹر چلا جاتا ہی)

ایڈمنڈ (آپ ہی آپ) ذرا دنیا کی اس بیہودگی کو تو دیکھو کہ ہم پر مصیبتیں آتیں یا قصور سرزد ہوتے ہیں تو ہم چاند سورج ستاروں کو ملزم ٹھہراتے ہیں اور بدشگونیوں کو اُنکا باعث قرار دیتے ہیں گویا کہ ہم جرم اور گناہ کرنے کو مجبور ہیں۔ آسمان اور تارے چھوٹے چور

اور بد معاش بناتے ہیں ورنہ ہم تو بے قصور ہیں۔ اور جو کچھ ہم میں برائیاں ہیں وہ مقدر کی پیدا کی ہوئی ہیں۔ ہم تو بیچارے بالکل معصوم ہی ہیں (اتنے میں ایڈگر بھی آیا) خیر ٹھیک موقع سر آیا ہے میرا کیا ہرج ہے میں بھی ان بدشگونیوں کو ان مصیبتوں کا ان لڑائی جھگڑوں کا باعث قرار دینے کو تیار ہوں۔

(باقی آئندہ)

اڈیٹوریل

زنانہ اسکول علیگڑھ کی ترقی۔ ہم اس سے پیشتر وقتاً فوقتاً زنانہ نارمل اسکول علیگڑھ کی ترقی اور وسعت کے بارے میں خاتون میں نوٹ دیتے رہے ہیں۔ اسوقت ہم پھر اپنے ناظرین اور بالخصوص ناظرات کو خوشخبری سناتے ہیں کہ جس مدرسہ پر اُن کی ہمدردی اور فیاضی کا بہت کچھ بار احسان ہے وہ بفضل خدا روز افزوں ترقی کر رہا ہے۔ تیسری جماعت جو سب سے اونچی جماعت ہے اُس کی طالبات اُردو کی چوتھی کتاب پڑھتی ہیں۔ اُردو کی عبارت لکھ لیتی ہیں۔ املا لکھانے کی مشق بھی کرائی جاتی ہے۔ پہاڑے قریب قریب ختم ہونے کے ہیں۔ حساب میں ضرب کے سوالات نکالتی ہیں۔ قرآن شریف قریب قریب ایک چوتھائی کے ختم کر چکی ہیں۔ ہفتے میں ایک روز سلائی اور کڑہائی کا کام سیکھتی ہیں۔ اب بلحاظ وقت کے جو اُن پر صرف کیا گیا ہے۔ ہمارے خیال میں ان لڑکیوں نے بہت کافی ترقی کی ہے۔ یہ مدرسہ تو نومبر ۱۹۰۶ء سے جاری ہے جسکو ۱۹ ماہ کا زمانہ ہوا۔ لیکن پڑہائی ۱۳ ماہ سے زیادہ نہیں ہوئی۔ کیونکہ طاعون کی وجہ سے دو مرتبہ دو دو مہینے تک مدرسہ بند رہا۔ اور ایک مہینہ تک دونوں اُستانیاں بیمار ہو گئی تھیں اسلیے مجبوراً مدرسہ بند رکھنا پڑا۔ بعض احباب کا یہ بھی خیال تھا کہ ہمیں محض ایسی عورتوں کی تعلیم کی طرف توجہ کرنی چاہیے جو پیشتر سے کچھ شُد بُد جانتی ہیں

اور انکو سال دو سال تک پڑہاکر معلمہ کی سند عطا کر دیجائے گو ہماری ذاتی راے تو اسکے خلاف تھی لیکن قومی ضرورت کے لحاظ سے ہم اس بات کی فکر میں رہے کہ اگر کہیں کوئی ایسی شُدبُد جاننے والی عورت ملجاے اور وہ ہمارے مدرسے میں داخل ہوکر پڑہنا پسند کرے تو ہم اسے معلمہ کے کام کے لیے جلد بنا کر تیار کر دیں۔ ایسی دو عورتیں اتفاق سے ہم کو مل گئی تھیں۔ جن میں سے ایک نے کچھ دنوں ہمارے مدرسہ میں بطور اُستانی کے کام بھی کیا۔ اور اب وہ اس قابل ہیں کہ ہمارے اُن احباب کے معیار کے مطابق تعلیم دیسکیں اور دوسری بھی اس قابل ہیں کہ تعلیم دیسکیں لیکن وہ یہ چاہتی ہیں کہ پوری تعلیم حاصل کریں۔ ہم بڑی خوشی سے اسوقت تک اُن کی تعلیم جاری رکھنی پسند کرینگے جب تک ہمارا مدرسہ اپنی انتہائی درجہ کی تعلیم پران کو نہ پہنچاے اور علاوہ انکے باقی جو لڑکیاں ہمارے یہاں پڑہتی ہیں وہ سب کی سب اگر خدا نے چاہا تو دو سال کے عرصہ میں اس قابلیت کی اُستانیاں بن سکینگی جس کی خواہش بڑے زور کے ساتھ ہمارے بعض احباب نے کی تھی۔

ناظرین کو معلوم ہوگا کہ اس سے پیشتر ہم نے ایک زمین کا قطعہ زنانہ نارمل اسکول کے لیے خرید لیا تھا۔ ایک عرصہ تک بہت زور شور کے ساتھ اس بات پر بحث رہی کہ آیا وہ موقع اسکول اور بورڈنگ کے لیے مناسب ہے یا نہیں۔ آخر کار باتفاق راے نواب وقارالملک بہادر و دیگر معزز ٹرسٹیان کالج و رُوساے ضلع و بہی خواہان تعلیم نسواں یہ بات طے پائی کہ ہر ایک لحاظ سے اس زمین کا موقع اسکول اور بورڈنگ کے لیے مناسب اور موزوں ہے۔

وہ قطعہ صرف بارہ بیگہ کا تہا جو ناکافی سمجھا گیا۔ اب اسکے گرد و نواح میں اور پچاس بیگہ پختہ اراضی کے حاصل کرنے کے لیے ایک درخوہست گورنمنٹ کو دی گئی ہے۔ اور امید ہے کہ یہ زمین دو ماہ کے عرصہ میں ہم کو ملجائیگی۔

اس کل زمین کا اندازہ یوں کرنا چاہیے کہ یہ پونے دو لاکھ مربع گز ہوگی۔ امید ہے کہ اسقدر زمین بہت عرصہ تک کافی ہوگی۔

مس زہرا فیضی صاحبہ لکھتی ہیں کہ حضور انور نواب سر سیدی احمد خاں۔ جی۔ سی۔ آئی۔ ای والی ریاست جزیرہ جنجیرہ ان۔ نواب بیگم صاحبہ۔ جناب علی اصغر بیگ فیضی۔ مس عطیہ فیضی صاحبہ۔ سردار۔ اہلکار اور ملازموں کے ساتھ ۲۵۔ اپریل کو میاسیڈونیا سیل بوٹ میں سوار ہوکر روانہ لندن ہوئے۔ اس جہاز پر بہت سے نامی گرامی ہندوستان کے مسافر آنریبل مسٹر گوکھلے، مسٹر رومیش چندر دت، مہاراجہ کوچ بہار انکے صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں، مہارانی بڑودہ کی بھانجی انکے شوہر اور بچے وغیرہ تھے خوب ہی کیفیت رہی۔ اور آپس میں عالمانہ اور پر لطف بحثیں ہوتی رہیں جس سبب سے جہاز کی ایکساں زندگی میں خاصا لطف پیدا ہوتا تھا۔

۹۔ مئی کو مارسیلز پہنچے اور ٹرین کی راہ سے ۱۰۔ تاریخ کو لندن وارد ہوئے۔ اسٹیشن پر استقبال کے لیے مختلف حضرات اور رشتہ دار موجود تھے۔ مسٹر رتن ٹاٹا حسب مقررہ تشریف لائے۔ حضور اور متعلقین کو موٹر کار پر سوار کراکے اپنے تاریخی مکان یورک ہوس کو (جسکا ذکر مس عطیہ صاحبہ کے سفرنامے میں ہو چکا ہے) مہمان کرکے لے گئے۔ جہاں مس ٹاٹا خندہ پیشانی اور گرم جوشی سے ملیں اور نہایت حوصلہ سے شاہانہ مہمانی ۷۔۸ روز تک کی۔ پھر حضور انور اور ہمراہیاں ہوٹل کیا ڈوگان میں قیام پذیر ہوئے۔

حضور کی ملاقات مسٹر مارلی سے ہوئی۔ مسٹر کرزن وائلی اور لیڈی کرزن وائلی سے بھی ملے۔ بادشاہ اور بادشاہ بیگم سے ملاقات کا بندوبست ہو رہا ہے۔ لارڈ اور لیڈی رے نے جو حضور اور بیگم صاحبہ پر خاص شفقت اور عنایت رکھتے ہیں

لنچ کے لیے بلایا تھا۔ کئی پارٹیوں میں جلسوں میں اور اپرا میں بھی تشریف لے گئے تھے یہاں سے ممالک مختلفہ میں حضور تشریف لیجانے والے ہیں۔ ۶ ماہ کا قصد ہی سیر ہی سیر میں وقت گزر جائے گا۔

اعلان چندہ۔ جناب حضور عالیہ ہر ہائنس نواب بیگم صاحبہ بھوپال کا سالانہ عطیہ بابت ۱۹۱۰ء مبلغ بارہ سو روپیہ نقد وصول ہوگیا۔ حضور عالیہ کی فیاضی دائمی قابل شکرگزاری ہی۔

نمبر ۲۔ عطیہ ریاست بہاول پور من ابتدائے یکم اپریل ۱۹۰۸ء لغایت ۳۱۔ مارچ ۱۹۰۹ء مبلغ چھ سو روپیہ ہمارے پاس پہنچگیا۔ ہم حضور نواب صاحب بہاول پور و ممبران کونسل کے ممنون ہیں۔

نمبر ۳۔ ریاست ٹونک سے آخر ماہ مئی ۱۹۱۰ء تک کی پچاس روپیہ ماہوار کی امدادی رقم وصول ہوگئی ہی۔ ہم حضور ہز ہائنس نواب صاحب بہادر ٹونک کی شاہانہ فیاضی کے تہ دل سے ممنون ہیں۔

نمبر ۴۔ جناب قاسم یوسف بھائی میاں ایسٹ روڈ رنگون برہما نے ہمارے بلا طلب خود اپنی خوشی سے مبلغ پانچ روپیہ نارمل اسکول کے لیے عطا فرمائے ہیں۔ ہم انکا شکریہ ادا کرتے ہیں

نمبر ۵۔ بنت نذر الباقر صاحبہ جو نہ صرف نارمل اسکول کی بلکہ عام طور پر تعلیم نسواں کی حامی

اور ایک روشنخیال خاتون ہماری قوم میں ہیں - اور جنکے نام سے ناظرین خاتون بہت اچھی طرح واقف ہیں اُنھوں نے چار روپیہ بلا طلب ارسال فرمائے ہیں -

نمبر ۶ - ریاست بھیکم پور سے کسی بیوی یا لڑکی نے بی بیگم کے نام سے ہمارے پاس ایک روپیہ بھیجا ہے - ہم اس غیر متوقع امداد کے ممنون ہیں -

عصمت

یہ ایک ماہواری رسالہ جون سنہ ۱۹۰۸ء سے شیخ محمد اکرام صاحب کی اڈیٹری میں شہر دہلی سے جاری ہوا ہے - ہم بڑی خوشی سے اس رسالہ کا خیر مقدم کرتے ہیں - زنانہ اخبارات اور رسالے اسوقت تعداد میں اسقدر کم ہیں کہ اُن میں ایک کافی اضافہ کی ضرورت روز بروز زیادہ محسوس ہو رہی ہے - جوں جوں تعلیم نسواں میں ترقی ہوتی جائیگی اخبارات اور رسالے بھی بڑھتے جائینگے - اس بارے میں ہمارے سامنے وہی رستہ کھلا ہوا ہے جس کو اہل یورپ طے کر چکے ہیں - یورپ کے بڑے بڑے شہروں مثل لندن اور پیرس وغیرہ میں ہر شعبے پر متعدد اخبارات اور رسالے نکلتے ہیں اور زنانہ اخبارات اور رسالوں کی تو بہت ہی کثرت ہے - ان اخبارات اور رسالوں نے ابتدا میں انتہا درجہ کا فائدہ پہنچایا - اور اب فوائد کے ساتھ نقصانات بھی شامل ہو گئے ہیں - ہمارے ملک میں ابھی تک اخبارات اور رسالوں سے بجز فوائد کے نقصان کا مطلق اندیشہ نہیں ہو سکتا - لیکن البتہ اگر کسی وقت میں تجارتی طریقوں پر رسالے جاری کیے گئے اور بجاے اخلاقی اور پاکیزہ دلچسپیوں کے ناپاک اور گندے ناول اور افسانے ہماری مستورات کے سامنے پیش کیے گئے تو اسوقت کے

ریفارمروں کا فرض ہوگا کہ وہ یورپ کے تجربوں اور مشاہدوں سے فائدہ اُٹھاکر ایسے بُرے لٹریچر کی اشاعت کو روکیں۔

گو اسوقت دو تین رسالے اور ایک اخبار اُردو زبان میں مستورات کی تعلیم واصلاح کے لیے مخصوص ہیں۔ لیکن اصل یہ ہی کہ سوائے چند بیبیوں کے باقی بیبیوں تک یہ رسالے براہ راست نہیں پہونچتے اور ہر مرد اپنی مرضی کے موافق اگر چاہتا ہی تو رسالہ یا اخبار اپنی مستورات کو پڑھنے کے لیے دیتا ہی۔ اگر کوئی بات اُس کی مرضی کے خلاف ہوئی تو وہ باہر کا باہر ہی رکھ لیتا ہی۔ وہ غریب پردہ نشین شکایت کرتی رہجاتی ہیں کہ اس ماہ کا رسالہ ہمیں پڑہنے کو نہیں ملا۔

عام طور پر دیکھا گیا ہی کہ اگر کوئی اصلاحی یا عمدہ علمی مضمون ہوتا ہی تو معمولی سمجھ بوجھ کے آدمی اسکو عورتوں کے قابل نہیں سمجھتے۔ اور اگر فضول وقت ضایع کرنے کے فرضی اور جھوٹے قصے یا چھوٹی چھوٹی گھر کے انتظام کی روزمرہ کی باتیں جنسے ہر بی بی واقف ہوتی ہی درج رسالہ کیجائیں تو بڑی خوشی سے جاکر پہلے گھر کی بیبیوں کے سامنے رسالہ پیش کرتے ہیں۔ گویا وہ اس قسم کی لغویات پڑہنے کے قابل ہیں۔ اور عمدہ باتوں سے اُنکے دل ودماغ پر روشنی ڈالنا ایک عیب کی بات ہی۔

جب تک یہ حالت قائم رہے گی ہمیں توقع نہیں کہ جو کچھ کوششیں عمدہ لٹریچر کے بہم پہنچانے کی کیجائیں گی اُنسے بیبیوں کو کچھ فائدہ حاصل ہوگا۔

رسالہ عصمت کے خیر مقدم کے ساتھ ہم اسکی ضرورت کو بھی بخوبی تسلیم کرتے ہیں البتہ ہم کو نام "عصمت" کی نسبت یہ کہنا ہے کہ اگر بجائے عصمت کے کوئی اور نام اس رسالہ کا تجویز کیا جاتا تو بہتر ہوتا۔ عصمت وعفت وغیرہ الفاظ اُردو زبان میں خاص ایسے موقعوں پر بولے جاتے ہیں جہاں اُن سے عورت کی ایک خاص نیکی ظاہر کرنی مقصود ہوتی ہی۔ مردوں کی بول چال میں اس لفظ کا استعمال عام ہی۔

لیکن عورتوں کی زبان پر اس قسم کے الفاظ بہت کم آتے ہیں۔

اول نمبر کے پہلے صفحے پر تاج محل کے روضہ کا فوٹو درج ہے۔ اور شیخ عبدالقادر صاحب کا تاج پر ایک مضمون بھی ہے۔ گیارہ چھوٹے چھوٹے مضامین نثر میں اور تین نظم میں ہیں۔ مضمون نگاروں میں وہی بیبیاں ہیں جن کے نام سے اس سے قبل زنانہ اخبارات کے ناظرین بہت اچھی طرح واقف ہیں۔

یہ رسالہ ۴۸ صفحے کا سفید چکنے کاغذ پر ہر ماہ میں دہلی سے شائع ہوا کریگا۔ اور تین روپیہ سالانہ اسکا چندہ ہوگا۔ مخزن پریس دہلی کے پتے سے مل سکیگا۔

کچھ عرصہ گزرا کہ سکندر جہاں بیگم صاحبہ نے ایک تحریر خاتون میں شائع کی تھی کہ غریب لڑکیوں کے وظائف کے لیے ناظرات خاتون و دیگر حامیان تعلیم نسواں ایک پیسہ فی روپیہ اپنے خرچ میں سے نکالکر علیحدہ رکھتی جائیں۔ اور ہر ماہ میں جو کچھ جمع ہو وہ سیکرٹری کے پاس بھیجدیا کریں، چنانچہ صاحبزادہ آفتاب احمد خانصاحب کی والدہ مکرمہ اور نیز مسز آفتاب احمد خانصاحب نے دو دو روپیہ جمع کرکے ہمارے پاس بھیجے ہیں، ہم نہایت شکریہ کے ساتھ اس رقم کا اعلان کرتے ہیں۔

جناب حبیب الرحمن خانصاحب ایجنٹ ون روپی فنڈ نے بمبئی سے مبلغ للعہ ۱۲/ تعلیم نسواں کے لیے چندہ جمع کرکے بھیجا ہے۔ ہم اپنے مہربان دوست کی کوشش کے بہت ہی ممنون ہیں۔

زمانہ با تو نسازد تو بازمانہ بساز

رجسٹرڈ نمبر اے ۲۷

خاتون

جلد ۴ | بابت ماہ جولائی سنہ ۱۹۰۸ء | نمبر ۷

اڈیٹر شیخ محمد عبداللہ بی۔اے۔ایل۔ایل۔بی سکرٹری تعلیم نسواں سکشن

فہرست مضامین

(۱) ہمارے جذبات کا غلط اندازہ .... صادق سلمی پور پٹنہ ۲۲۳
(۲) شرع کا ایک اہم مسئلہ .... مسٹر شیخ یاور علی صاحب حیدرآباد دکن ۲۲۹
(۳) سائنس کی دلچسپیاں .... سعید الظفر خانصاحب ۲۴۴
(۴) برسات کی بہار .... حسن مارہروی ۲۵۳
(۵) اہلیا بائی .... از زمانہ ۲۵۴
(۶) بقیہ شاہ لیر .... اڈیٹر ۲۶۴
(۷) اڈیٹوریل .... اڈیٹر ۲۷۲

محمد عبدالسلام کے اہتمام سے
فیض عام علی گڑھ میں طبع ہوا

خاتون

۱۔ یہ رسالہ ۴۸ صفحے کا علیگڑھ سے ہر ماہ میں شائع ہوتا ہی اور اسکی سالانہ قیمت دو روپے (عہ) اور ششماہی ایک روپیہ ہے

۲۔ اس رسالہ کا صرف ایک مقصد ہی یعنی مستورات میں تعلیم پھیلانا اور پڑھی لکھی مستورات میں علمی مذاق پیدا کرنا۔

۳۔ مستورات میں تعلیم پھیلانا کوئی آسان بات نہیں ہی اور جبتک مرد اس طرف متوجہ نہونگے مطلق کامیابی کی امید نہیں ہوسکتی، چنانچہ اس خیال اور ضرورت کے لحاظ سے اس رسالہ کے ذریعہ سے مستورات کی تعلیم کی اشد ضرورت اور بے بہا فوائد اور مستورات کی جہالت سے جو نقصانات ہورہے ہیں اُس کی طرف ہمیشہ مردوں کو متوجہ کرتے رہینگے۔

۴۔ ہمارا رسالہ اس بات کی بہت کوشش کریگا کہ مستورات کے لیے عمدہ اور اعلیٰ لٹریچر پیدا کیا جاے جس سے ہماری مستورات کے خیالات اور مذاق درست ہوں اور عمدہ تصنیفات کے پڑھنے کی انکو ضرورت محسوس ہو تاکہ وہ اپنی اولاد کو اُس بڑے لطف سے محروم رکھنا جو علم سے انسان کو حاصل ہوتا ہی معیوب تصور کرنے لگیں،

۵۔ ہم بہت کوشش کرینگے کہ علمی مضامین جہانتک ممکن ہو سلیس اور بامحاورہ اُردو زبان میں لکھے جائیں۔

۶۔ اس رسالہ کی مدد کرنیکے لیے اسکو خریدنا گویا اپنی آپ مدد کرنا ہی اگر اسکی آمدنی سے کچھ بچیگا تو اُس سے غربا اور یتیم لڑکیوں کو وظائف دیکر اُستانیوں کی خدمت کے لیے تیار کیا جائیگا

۷۔ تمام خط و کتابت و ترسیل زر بنام اڈیٹر خاتون علی گڑھ ہونی چاہیے۔

ہمارے جذبات کا غلط اندازہ

آنحضرتؐ نے عرب کی عورتوں کی تعریف کی تھی کہ "دنیا میں اچھی عورتیں ہماری عربی شترسوار عورتیں ہیں جو اپنی اولاد کی محبت کے ساتھ پرورش کرتی ہیں اور اپنے شوہر کی اطاعت اور خدمت کرتی ہیں اور اوسکی کمائی کو عمدگی کے ساتھ صرف کرتی ہیں۔ عفت عصمت اور شریعت کی پابندی میں حقیقت میں ایسی عورت اعلیٰ درجہ کی عورت ہو۔ وہ اپنے وقت کی مریم۔ وہ اپنے زمانہ کی خدیجہ ہو۔ اللہ کا ہزار ہزار شکر ہو کہ تمام ایشیا میں یہ صفتیں کم وبیش عام ہیں۔ خاصکر ہندوستان میں ہم ہندو اور مسلمان دونوں قوموں کی عورتوں پر جتنا فخر کریں بجا ہو۔ روحانی پاکیزگی۔ سچی محبت۔ عفت اور عصمت۔ کفایت شعاری۔ دینداری غرض تمام اعلیٰ نسوانی صفات ہیں دنیا بھر میں ہمکو ہندوستانی عورت کی نظیر نہیں ملسکتی۔

تاریخ کے صفحات میں یہاں کی رانیوں اور بیگمات نے جو اعلیٰ نمونہ اپنی خودداری کا پیش کیا ہو وہ

دنیا کی کوئی قوم نہیں پیش کر سکتی ۔ ہمکو کلاپتی کملا دیوی ۔ پدمنی ۔ کے واقعات دہرانیکی ضرورت نہیں؟
جہاں آرا بیگم کے کپڑوں میں آگ لگی جل رہی تھی آگ کے شعلے جسم پر بھڑک رہے تھے لیکن اُف تک
نہ کی کہ مبادا کوئی درباریوں میں سے سن لے

ہم ان سب اعلیٰ صفات کے لحاظ سے اپنی قوم کی عورتوں کے جان و دل سے مداح اور خداوند
عالم کے شکر گزار ہیں ۔ ہم ان معاملات کے متعلق بالکل مطمئن ہیں ۔ اور کبھی یہ خوف خدا کے فضل کی
ہمارے دل میں نہیں آتا کہ ہماری قوم کی عورتوں کی حالت میں بھی یہ اوصاف زائل ہو جائیں گے
کیوں کہ یہ اسطرح ان کی طبیعت میں شامل ہو گئے ہیں کہ بالکل فطرتی ہو گئے ہیں ۔

ہماری کوشش صرف یہ ہو کہ ان صفات کے ساتھ ان کو تعلیم یافتہ بھی ہونا چاہیے ۔ اور دنیا
کی حالت سے واقف ہونا چاہیے تاکہ ان کے تمام اعلیٰ صفات اور بھی چمک اٹھیں اور
تعلیم سے ان پر صیقل ہو جائے ۔

تعلیم کو کوئی انسان نہیں کہہ سکتا کہ وہ بری چیز ہو ۔ ممکن ہو کہ کسی جگہ اسکے نتیجہ برے ظاہر
ہوئے ہوں لیکن وہ ذاتی خرابی کا اثر ہوتا ہو اسکو تعلیم کا نتیجہ کہنا غلطی ہو ۔

ٹھنڈا پانی جگر میں کیسی ہی گرمی ہو اسکو ٹھنڈک پہونچاتا ہو ۔ اور وہ ایک خدا کی نہایت لطیف
نعمت ہو ۔ لیکن ایک شخص جسکا پھیپھڑا خراب ہو ٹھنڈا پانی اس کے لیے مضر ہو ۔

مضمون نگار صاحبہ نے جو ہم پر یہ الزام لگایا ہو کہ ہم عورتوں کے جذبات کا غلط اندازہ
کرتے ہیں یہ صحیح نہیں ہو ۔ ہم تو صرف ضرورت زمانہ سے مجبور ہو کر اپنی قوم کی عورتوں میں
تعلیم پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں لیکن نامہ نگار صاحبہ کا یہ خیال کہ تعلیم حاصل کر کے عورتیں
اپنے فرض منصبی کو چھوڑ کر مردوں کے سے کام کرنے لگیں گی صحیح نہیں ہو ۔ تعلیم ۔ فطرت
ا، ۔ جذبات کو نہیں بدل سکتی ۔

بڑی بڑی پڑھی لکھی عورتوں کو دیکھا گیا ہو کہ اگر وہ کسی خراب سوسائٹی کے مضر
اثرات سے موثر نہیں ہو گئی ہیں تو اپنے بچوں کی ۔ شوہر کی ۔ ماں باپ کی محبت اور اطاعت

ویسی کی ویسی ہی موجود رہتی ہے۔

اگر ہمکو یقین ہو جائے کہ تعلیم ہمارے ملک کی مستورات سے وہ خوبیاں زائل کر دیگی جو ہمارے ملک کا سرمایہ فخر ہیں تو ہم نامہ نگار صاحبہ کے ساتھ اتفاق کرنیکو طیار ہیں۔ لیکن ہمکو اون کا خیال جہاں قابل ہمدردی کے معلوم ہوا وہاں غلطی بھی سمجھتے ہیں۔

اڈیٹر

مجھ کو تو بڑی حیرت ہوتی ہے جب میں اخباروں اور رسالوں میں آئے دن مردوں کا یہ رونا دیکھتی ہوں کہ "(۱) بیچاریاں جانوروں کی طرح قفس میں جکڑ دی گئی ہیں۔ (۲) گویا یہ مردوں سے کم رتبہ رکھتی ہیں۔ یا (۳) ان کے دل اور قسم کے واقع ہوئے ہیں۔ یا مرد جیسی عقل و تمیز نہیں رکھتیں۔ اس لیے شاہراہ دنیا میں مردوں کے ساتھ ساتھ اور دوش بدوش چل نہیں سکتیں (۴) ان کو اعلیٰ تعلیم نہیں دیجاتی۔ (۵) لونڈیاں بنا کر رکھی گئی ہیں۔ آزادی نہیں بخشی جاتی" یہ تو وہی مثل ہوئی مان نہ مان میں تیرا مہمان۔ ہم روئیں یا نہ روئیں۔ ہماری طرف سے آنسو بہائے جائیں۔

(۱) میں نہیں سمجھتی کہ لوگ پردہ کو قید او قفس کے نام سے کیوں پکارتے ہیں۔ میں اپنی طبیعت کے اقتضا اور احساس کے مطابق کہہ سکتی ہوں کہ مجھکو کبھی یہ وہم نہیں گذرتا کہ پردہ میرے لیے قفس یا قید یا ظلم ہے بلکہ میں محسوس کرتی ہوں کہ پردہ میں مجھکو راحت ملتی ہے۔ اور بے پردگی میں جس کا اتفاق کبھی کبھی خصوصاً سفر میں ہو جاتا ہے ایک طرح کی الجھن اور روحانی تکلیف ہوتی ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ یہ فطرت نہیں عادت ہے لیکن اگر یہ صحیح ہے کہ عادت طبیعت ثانی ہو جاتی ہے تو یہ وہی عادت ہے جو ہماری جزو طبیعت ہو کر فطرت ہو گئی ہے اور ہمیں چونکہ اس عادت سے کوئی نقصان نہیں۔ فائدے ہی ہیں اسلیے اس کے دور کرنے کی بھی ضرورت نہیں مرد ہماری حسیات کی تصویر غلط کھینچکر اکثر خود مغالطہ میں پڑ جاتے اور اوروں کو ڈال دیتے ہیں۔ میں اپنی طبیعت سے عام ہندوستانی خواتین کے میلان طبع کا اندازہ کرتی ہوں کہ مردوں کے قیاس کے خلاف عورتوں کو بچوں کی پرورش اور

گھربار کے اور اور دھندے کبھی ایسے تخیلات کے موقعے نہیں دیتے نہ دل میں یہ آرزو ہوتی ہے کہ وہ باغ کی ہوا کھانے جائیں تھیٹر میں بیٹھکر تماشے دیکھیں - یا ٹم ٹم پر سیر بازار کو نکلیں - میں اُن معدودے چند بیفکر بیگموں کا شمار نہیں کرتی جن کا پان چبانے اور اُگالدان بھرنے کے سوا کوئی کام ہی نہیں - کیونکہ بے شغلی اوہام فاسدہ کا منبع اور گناہوں کا مخرج ہوا کرتی ہے - ہمارے جو فرائض ہیں اگر ہم انہیں پورا ادا کرنا چاہیں تو ہمیں ان باطل خیالات کی نہ فرصت ملے نہ اچھے ہی معلوم ہوں (۲) اب رہی یہ بات کہ آیا واقعی ہم مردوں کے ہمرتبہ ہیں ؟ دماغی اعتبار سے ہوں تو ہوں مگر جسمانی حیثیت سے دیکھو تو تجربے پکارے کہتے ہیں اور مثالیں بتلاتی ہیں کہ خواہ کوئی ہزار سر مارے ہم کسی طرح مردوں کا مقابلہ نہیں کر سکتیں - قدرت ہی نے ہمیں نازک بنایا ہے تو ہمارے کیے کیا ہو سکتا ہے - اور یہ جسمانی فرق وہ فرق ہے جس سے دونوں فرقوں کی حالتوں اور حالتوں کی وجہ سے ان کے فرائض میں مہتم بالشان فرق ہو گیا ہے مثلاً مرد و عورت میں ایک جسمانی فرق یہ ہے کہ عورت بچے جنتی ہے مرد نہیں - عورت دودھ پلاتی ہے مرد نہیں پلا سکتا - اسی سبب سے ابتدائے آفرینش سے مادہ کے (خواہ انسان ہو یا حیوان) سپرد یہ خدمت ہے کہ بچوں کی پرورش کرے اس لیے عورتیں اُن قابلیتوں کی تحصیل اور سامانوں کے مہیا کرنے میں اپنی زندگی کا زیادہ حصہ بسر کرتی ہیں جو اولاد کی پرورش اور ازیں قبیل اور اور کاموں کے انجام کے لیے درکار ہیں -

نیز مرد چونکہ فطرۃً عورت سے توانا اور قوی الجثہ بنایا گیا ہے اس لیے روزی کمانے کی سختیاں جھیلنے کیلیے زیادہ موزوں ہے - اور عورت گھر بیٹھکر اوسکی کمائی کو سلیقہ سے اٹھانے کے لیے زیادہ مناسب - دونوں کے اپنے اپنے فرائض علیحدہ علیحدہ انجام دینے سے ان کے بسر زندگی کی صورت پیدا ہوتی ہے جس طرح یہ غیر ممکن ہے کہ مرد بچے جننے لگے اور عورتوں کے کام کرنے لگے - اسی طرح یہ بھی نامناسب ہے کہ عورت اپنے فرائض چھوڑ کر مردوں کے کام کرنے لگے - ہر کسے را بہر کارے ساختند - جولاہا کپڑا بنتا، درزی سیتا اور رنگریز رنگتا ہے تب کہیں ہم کپڑے پہنتے ہیں - بعینہٖ یہی مثال مرد و عورت کے فرائض کی ہے جو اسی طرح آپس میں علیحدہ علیحدہ منقسم ہیں

(۳) یہ امر واقعی ہو کہ ہمارے دل خلقی ہی طور سے مردوں سے مختلف ہیں۔ ہماری طبیعت نرم اور کمزور اس لیے بنائی گئی ہو کہ ناسمجھ اور ضدی بچوں کی بآسانی پرورش کرسکیں سخت دل مردوں کو اپنی نرم زبان اور شیریں گفتار سے موم بناکر اُن کی زندگی کو پرلطف بنادیں۔ اسی اختلاف طبائع کے باعث ہماری حسیات اکثر مردوں سے مختلف ہوا کرتی ہیں۔ اور یہی نرم دلی یا کچا پن ہو جو ہمیں مدبر اور معاملہ فہم نہیں ہونے دیتا۔

رڈانڈئیس۔ امریکہ کے قدیم باشندوں کو جن کی زندگی بہت کچھ نیچرل سمجھی جاتی ہو غور کرو۔ لڑنا بھڑنا اور سارے سخت کام مردوں کے سپرد ہیں پکانا ریندھنا اور بچوں کی پرورش وغیرہ ہلکے کام عورتوں کے سپرد۔ عورتیں مردوں کے ساتھ ہوکر لڑتیں یا شکار نہیں کرتیں۔ پس یہ سبق اور دستور العمل اُنھیں کس نے سکھایا؟ بیشک نیچر نے سکھایا اور اس سے ثابت ہوا کہ شاہراہ دنیا میں ہمیں مردوں کے ساتھ ساتھ اور پہلو بہ پہلو چلنے کی نہ قابلیت ہو نہ ضرورت اونٹ اور گھوڑے کیونکر ساتھ چل سکتے ہیں؟ نہ اونٹ کے مقابلہ میں گھوڑا زیادہ منزلیں طے کرسکتا ہو نہ گھوڑے کے مقابلہ میں اونٹ تیز دوڑسکتا ہو۔ دونوں دو مصرف کے لیے وضع ہوئے ہیں

(۴) ضرورت پکار رہی کہتی ہو کہ ہم صرف اعلی تعلیم ہی حاصل کرنے کو نہیں پیدا ہوئیں بلکہ ہمارے ساتھ اور اور فرائض بھی وابستہ ہیں جن کے لیے ہم بالخصوصیت پیدا کی گئی ہیں۔ اگر ہم عام طور سے بہت اعلی تعلیموں میں اوقات صرف کریں تو اپنی ڈیوٹیوں میں کوتاہی ہوتی ہو۔ اور ڈیوٹی کو پورا پورا ادا کرتی ہیں تو اعلی تعلیم نہیں ہوسکتی۔ بس اعلی تعلیم کو نہ ہماری ضرورت مقتضی ہو نہ حالت فی زماننا سب سے زیادہ ضرورت ہمیں مذہبی تعلیم کی ہو۔ ہماری جہالتیں مہمل رسوم کی پابندیاں فضول خرچیاں۔ اور کل اخلاقی امراض جن کے لیے ہمارا فرقہ مشہور آفاق ہو اسی ایک تیر بہدف دوا سے دور ہو سکتے ہیں

مذہبی کتابیں تو ہمارے ہاں کچھ ہیں بھی۔ سر دست زیادہ ضرورت دستکاری۔ خانہ داری اکانومی۔ پرورش اولاد پر سلیس اور سادہ کتابوں کی ہو۔ مگر اس کا خیال رہے کہ ہر چہ گیرید مختصر گیرید

ہمیں صرف کتابوں ہی میں بسر کرنا نہیں ہے۔

(۵) رہا ہمارا لونڈی ہونا۔ تو میں سچ کہتی ہوں کہ ہمیں کبھی اس کا خیال نہیں ہوتا کہ ہماری زندگی غلامی میں کٹتی ہے ہاں مرد ایسی ایسی تحریروں کے ذریعہ خیال دلائیں تو البتہ ممکن ہے۔ ہم شوہر کی خدمت یہ خیال دل میں لیکر نہیں کرتے کہ ان کی باندیاں ہیں۔ ہرگز نہیں۔ حاشا نہیں۔ بلکہ ہمارے دل واقع ہیں کچھ اس وضع کے ہوئے ہیں کہ ہم بجائے جبر کے نہایت شوق اور ارمان کے ساتھ میاں کی غلامی میں دلی راحت اور تسکین محسوس کرتے ہیں۔ کیا پروانہ شمع پر کسی دباؤ سے جان نثار کرتا ہے۔ ہرگز نہیں ازل سے اُسکو دل ہی ایسا ملا ہے اور اس کو اسی میں مزہ ملتا ہے۔ اسی طرح فرماں برداری اور وفا شعاری کی صفتیں ہمیں فطرت سے ملی ہیں۔ ہمیں شوہروں پر جان وارنے یا ستی ہونے میں لطف آتا ہے۔ اور اخلاقاً و معاشرتاً ان کے حقوق بھی کچھ ایسے واقع ہوئے ہیں اسی لیے خدائے تعالے نے فرمایا ہے کہ میں اپنے سوا اگر کسی اور کے آگے سر جھکانے کی اجازت دیتا تو عورتوں کو حکم دیتا کہ شوہروں کو سجدہ کریں۔ اللہ اکبر۔ ہماری عصمت و عفت۔ فرائض و ذمہ داریاں جو ہمارے دم کے ساتھ وابستہ ہیں۔ اس امر کی متقاضی ہیں کہ شوہر کی خدمت کیجائے۔ تھکا ماندہ جب گھر میں آئے تو اس کا دل بہلایا جائے محنت مشقت کی کوفت دل سے دور کردی جائے۔

فرنگنیں مردوں کی ہمرتبہ کیا معنی اُن سے افضل سمجھی جاتی ہیں اور شریف کہی جاتی ہیں۔ چڑیوں کی طرح آزاد ہیں۔ مردوں کی لونڈیاں نہیں۔ جہاں چاہیں جائیں اور جو چاہیں کریں۔ تو کیا اس آزادی سے کون سا عمدہ نتیجہ مرتب ہوا۔ بلکہ اُن کے حق میں مضر ثابت ہوئی۔ یہی تو باعث ہے کہ اُن کے تعلقات زناشوئی کمزور رہتے ہیں۔ نہ میاں کو بی بی سے الفت نہ بی بی کو میاں کی پرواہ۔ اور نہیں فرائض کو غفلت سے اکثر آزاد منش یورپین مائیں اپنے بچے کھو بیٹھتی ہیں۔ غریب کو بقول مولوی سعید احمد صاحب پرورش گھر میں بھیجدیا یا کم سے کم دودھ پلائی کے حوالہ کردیا چلو چھٹی ہوئی کسی طرح متنبہ نہیں ہوتیں نہ سمجھتی ہیں کہ اُن کا کام نہ صرف بچہ جننا ہے بلکہ اسکی پرورش کرنی بھی خاص انہیں کی ڈیوٹی ہے۔

لوگو! فرماں بردارانہ وفاداری۔ عصمت و عفت۔ شرم و حیا۔ سچی وفا اور محبت ڈھونڈھتی ہو

تو ایشیا بلکہ ہندوستان کے قفسوں اور قید خانوں ہی میں تلاش کرو۔ یہ برکتیں نہ یورپ کے پارکوں میں پاؤ گے نہ امریکہ کے بازاروں میں۔ لیکن سمجھ رکھو کہ جس دن خدانخواستہ اُن آزادیوں کا قدم ہندوستان پہنچا بس یہ برکت کی چڑیاں بھی اڑ جائینگی۔

اس تمام مضمون سے میری غرض یہ ہو کہ اکثر مرد ہمارے جذبات و حسیات کو غلط موازنہ کر کے دھوکے کھاتے اور کھلاتے ہیں۔ اور اس غلط فہمی کا نتیجہ یہ ہوتا ہو کہ جو مضامین ہمارے ہی حمایت و ہمدردی میں لکھے جاتے ہیں اکثر ہمارے اخلاق برا اثر ڈالتے ہیں خدا ہمیں گمراہی اور ضلالت سے بچائے۔

صادق علی پوپٹنہ

شرع کا ایک اہم مسئلہ

ایک شرع کے مسئلے کے بیرایہ میں ہماری معزز نامہ نگار نے ہماری غافل سوسائٹی کے سامنے اپنے سچے خیالات کا اظہار کیا ہو۔ ہمکو اپکے خیالات سے پوری ہمدردی ہو اور اتفاق ہو۔ البتہ ہم اپنے ناظرین پر اس بات کا بھی اظہار کرنا چاہتے ہیں کہ بیاہ شادیوں یا دیگر تمدنی تعلقات کے متعلق جو کچھ بھی اصلاح و ترمیم ہمکو منظور ہو اور ہم کرنا چاہیں اسکے لیے ہمکو اپنے مذہبی پیشواؤں کی رہنمائی۔ اور اپنے ہزارہا سال کے رسم و رواج کو نظرانداز نہیں کرنا چاہیے۔ اور بالخصوص بیاہ شادی کے معاملہ میں ہمیں یورپ کی کسی بات میں تقلید نہ کرنی چاہیے گو ہمارے ہاں کے طریقوں میں بھی بہت سی خرابیاں ہیں۔ لیکن یورپ اور امریکا نے جو شادیوں کے طریقے اختیار کیے ہیں وہ ہمارے لیے ناقابل عمل ہیں اگر بدقسمتی سے کسی ایشیائی اقوام نے بھی ان کو اختیار کیا تو اس سے ہماری سوسائٹی کے پاک خالص اور سچے تعلقات کو بہت ضرر پہنچیگا۔

بیاہ شادی کے بارہ میں یہ سچ ہو کہ لڑکے اور لڑکی دونوں کی رضامندی حاصل کرنی چاہیے لیکن اس رضامندی کے لیے جو حدود شرع نے مقرر کر دیے ہیں اس سے نہیں بڑھنا چاہیے

ہماری شرع کا یہ ایک صاف مسئلہ ہی کہ بالغ مرد و عاقل لڑکی اپنی رضامندی سے شادی
کر سکتی ہی اور بلا رضامندی لڑکے یا لڑکی کے شادی کسی حالت میں جائز نہیں گو رسم و رواج
اس شرعی اور عمدہ اصول کو بہت کم زور کر دیا ہی اور اب بجائے رضامندی حاصل کرنیکے فقط
ایک شرط شرعی پوری کیجاتی ہی - کہ عین نکاح کے وقت جب کہ تمام خاندان اور برادری اور
اور دیسی پردیسی بیویاں لڑکی کو گھیرے بیٹھی رہتی ہیں اور جبکہ پیشتر سے یہ فرض کر لیا جاتا ہی کہ اسکو
ہر حالت میں رضامندی ظاہر کرنی ہوگی اور اوسکے دل میں یہ بات بچپن سے بٹھا دی
جاتی ہی کہ نکاح سے انکار کرنا نہایت سخت بیحیائی اور خاندانی ننگ و ناموس مٹانے کا باعث ہی
تو ایسی حالت میں وکیل نکاح جو اکثر کوئی قریبی رشتہ دار ہوتا ہی اسکا آکر لڑکی سے یہ پوچھنا کہ فلاں
شخص سے تمہارا نکاح ہوتا ہی تم راضی ہو یا نہیں یہ معنی رکھتا ہی کہ وہ مجبوراً ہاں کہدے - ایسی
ہاں کو رضامندی کہنا شرع کا منہ چڑانا ہی - اگر شرعی رضامندی حاصل کرنیکا فی الواقع کسی کو خیال
ہو تو ایسے وقت لڑکی کی رضامندی حاصل کرنی چاہیئے جسوقت شادی کی بات چیت شروع
ہوتی ہی - اب رہی یورپ کی تقلید اس کی نسبت ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ وہ ہمارے حق میں سم قاتل
کا حکم رکھتی ہی - کوئی یورپ کا آدمی اس بات سے انکار نہیں کرسکتا کہ اکثر اوقات یہ ہوجاتا ہی کہ
ایک لڑکی کو ایک آدمی شادی کیلیے پسند کرتا ہی اور وہ اپنے نزدیک یہ سمجھتی ہی کہ میں اس
شخص کی بیوی ہوگئی اور یورپ کی سوسائٹی کا رسم و رواج کے مطابق وہ میاں بیوی کی طرح
رہنے لگتے ہیں اور پھر نکاح نہیں ہوتا - گو لڑکی ہرجہ کیلیے نالشیں کرتی ہی لیکن اوسکی زندگی
بالکل برباد ہوجاتی ہی اور دوسری کسی جگہ اسکی شادی نہیں ہوسکتی - یہ خیال ہندوستانیوں
کا بالکل غلط ہی یورپ کے طریقوں سے جتنی شادیاں ہوتی ہیں ان میں اتفاق ہی ہوتا ہی
بلکہ واقعات اسکے خلاف ہیں - یورپ میں میاں بیوی میں بہ نسبت ہندوستانی میاں بیوی کے
زیادہ نا چاقی اور مخالفت رہتی ہی -

اڈیٹر

ایک ایسے اہم مسئلہ پر میں یہاں بحث کرنا چاہتی ہوں جس میں مجھے خود اپنی کامیابی کی بہت کم امید ہی بہرحال۔

ہر کارے کہ ہمت بستہ گردد　　　اگر خارے بود گلدستہ گردد

اگرچہ میں فرقہ آناث میں سے ہوں مگر چونکہ اس اہم مسئلہ کو مسلمان مرد زیادہ اہم خیال نہیں کرتے ہیں اور بالکل غافل اور بے پروا ہیں اس لیے ہمت کرتی ہوں اور امید کرتی ہوں کہ اگر کوئی غلطی یا زیادتی مجھ سے صادر ہوئی ہو تو معاف کردیجاویگی۔

آج کل کے مسلمان ہندوستان اور دکن کے خصوصاً جب اپنی لڑکی کی شادی کرنا چاہتے ہیں تو وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ دراصل لڑکی کی شادی نہیں ہوگی بلکہ خود کی شادی ہوگی۔ والدین یہ بالکل خیال نہیں کرتے کہ جسکو عمر گذارنی پڑیگی وہ خود راضی ہی یا نہیں وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ انکی بیٹی جو کچھ وہ پسند کرینگے اُس پر رضامند ہوگی اور گویا جو کچھ کہ والدین کرتے ہیں وہ بالکل لڑکی کی رضامندی سی ہی میں عام طور پر یہ نہیں لکھتی کہ والدین اپنی لڑکی کے حق میں دیدہ و دانستہ برائی کرتے ہیں مگر خاص مقامات پر ضرور لکھوں گی کہ وہ دیدہ و دانستہ اپنی لڑکی کی شادی کسی ایسے شخص سے کرنا چاہتے ہیں جس سے لڑکی بالکل راضی نہیں ہی گویا والدین اور لڑکی پر یہ شعر صادق آتا ہی۔

درمیان قعر دریا تختہ بندش کردہ اند　　　باز می گوئید دامن تر مکن ہوشیار باش

میں اس پر مفصل طور پر آگے بحث کروں گی پہلے بحث عام طور پر کیجاتی ہی۔ والدین یہ خیال کرکے کہ اگر دولتمند سے انکی لڑکی بیاہی جاوے گی تو وہ عمر بھر خوش و خرم رہے گی اور آرام چین سے زندگی بسر کرے گی۔ شادی کردینے میں بے شک والدین کو اپنی لڑکی کی بھلائی چاہنا ضرور ہی مگر اس مقام پر اگر اون کی بیٹی اس دولتمند سے شادی نہ کرنا چاہی تو وہ کسی طرح اپنی والدین پر اپنا ارادہ ظاہر نہیں کرسکتی کیونکہ عورتوں میں یہ بہت بڑا عیب سمجھا جاتا ہی اکثر تو ایسا ہوتا ہی کہ والدین اپنی لڑکی کو بالکل خبر تک نہیں کرتے اور شادی

کر دیتے ہیں جس سے اکثر لڑکی کو بجاے آرام وخوشی کے رنج و نفاق میں زندگی بسر کرنی پڑتی ہے۔ افسوس ہے کہ یہ لوگ احکام الہی کی بھی پابندی نہیں کرتے۔ خاص مقام یہ ہے کہ اگر والدین کو کسی نہ کسی طرح معلوم بھی ہو جاے کہ اون کی لڑکی اون کے منتخب کردہ شخص سے شادی کرنے پر راضی نہیں ہے تب بھی وہ اپنے ہی ارادہ پر اڑے رہتے ہیں اور شادی کر دیتے ہیں۔ ایسے مقامات پر تو میں ضرور کہوں گی کہ والدین دیدہ و دانستہ اپنی لڑکیکی عمر بھر کے لیے برائی چاہتے ہیں۔ ان شادیوں سے دو طرح کے نقصانات متصور ہیں۔ (۱) دنیوی۔ (۲) دینی۔ دنیوی نقصانات یہ ہیں۔

(الف) جو لڑکی کہ شریف ہوا ور اس شادی سے بالکل ناراض ہو اور جان سے بھی بیزار ہو وہ شادی کے آگے ہی اپنا خاتمہ کر لیتی ہے۔

(ب) جو لڑکی ادنیٰ درجہ کی ہو اور اُسکو کسی اور سے محبت ہو وہ بھاگ جاتی ہے۔

(ج) شاذ و نادر ایسے خلاف مرضی شادیوں میں باہمی اتفاق اور محبت رہتی ہو ورنہ میاں اور بیوی میں مخالفت ہی رہتی ہے۔ پھر بھلا شادی کا کیا لطف حاصل ہوا

(۲) دینی نقصان۔ قرآن مجید سے اور دوسرے احادیث نبوی سے ثابت ہے کہ نکاح بغیر میاں بیوی کی رضامندی حرام ہے۔ اور جب والدین بغیر لڑکی سے دریافت کیے اوسکی رضامندی کے خلاف شادی کرتے ہیں تو یہ نکاح کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔ لہذا یہ نکاح شرع شریف کے حکم کے بالکل برعکس ہے اور گویا یہ شادی خلاف شرع محمدی اور خدا کے احکام کے بالکل خلاف ہے۔ لہذا جب نکاح درست نہیں ہے تب اس نکاح کے بعد جو اولاد ہوتی ہے وہ کیسے حلال ہو سکتی ہے۔ اور ان تمام گناہوں کا عذاب خود غرض اور طامع والدین کے سر ہوتا ہے جو کہ دولت اور جاہ و حشمت کے خاطر اپنے لڑکیوں کو اون کے خلاف مرضی بیاہ دیتے ہیں پہلے پہلے تو یہ بالکل معمولی بات معلوم ہوتی ہے مگر ذرا غور کرنے سے اسکے کیسے بڑے اہم اور حیرت انگیز نتیجے نکلتے ہیں۔

اس سے میرا یہ مطلب نہیں کہ دیگر اقوام کیطرح (خدانخواستہ) بے پردگی ہو اور شادی کے پہلے میاں بیوی ایک جگہ رہا کریں تاکہ ایک دوسرے کی طبیعت سے واقف ہو جاویں بلکہ میرا مطلب یہ ہی کہ والدین کو اتنا رحم کرنا چاہیے کہ پیغام کے ٹھیک ہونیکے آگے اپنی بے زبان لڑکی سے اسکے دل کی حالت اور رضامندی (اپنی بیوی یا اپنی لڑکی کی ہمجولیوں کے ذریعہ سی) دریافت کرلیں تاکہ وہ بیچاری بھی اپنے عمر بھر کے ساتھی کی نسبت کچھ رائے دیسکے۔

جب کوئی شخص ایک دو پیسہ کا کوزہ بازار سے خریدنا چاہتا ہی تو اُسے دس مرتبہ غور سے دیکھکر اور بجا کر لیتا ہی لیکن پرانے خیال والے والدین پر ہزار افسوس ہی کہ وہ اپنے نور نظر کا عمر بھر کا رشتہ بغیر اس کی رضامندی و دریافت کیے اور اُسکو اس اہم معاملہ پر غور کا موقع دینیکے ایسے نازک تاگے سے باندھتے ہیں کہ اکثر اس میں ناکامیابی (جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہی) ہوتی ہی۔ گویا والدین اپنی لڑکی کو ایک کنویں میں ڈھکیل دیتے ہیں جسکا زندہ بچنا نہ بچنا خداوند تعالی کی مرضی پر ہی۔

ہندوستان اور دکن میں اکثر پیغام ٹھیک ہونیکے دو دو چار چار سال بعد شادی ہوتی ہی۔ اس بڑی مدت میں بھی کبھی والدین اپنی لڑکی سے اسکی رضامندی دریافت نہیں کرتے ہاں وہ دریافت تو کرواتے ہیں لیکن افسوس کسوقت خاص نکاح کے روز جب کہ قاضی صاحب نکاح باندھنے آتے ہیں تب رسم پوری کرنی کہو یا شرع کی پابندی کے لیے سمجھو قاضی صاحب کے ذریعہ لڑکی سے رضامندی دریافت کرتے ہیں اب ایسے مقام پر لڑکی سوائے رضامندی ظاہر کرنیکے کیا کرسکتی ہی۔؟ اندر تو والدہ اور دیگر رشتہ دار ہوتے ہیں۔ اور اُسکو ہاں[1] کہنے پر مجبور کرتے ہیں باہر والد اور قریبی رشتہ دار ہوتے ہیں

[1] ہندوستان میں ہو یا نہو مگر دکن میں یہ رسم ہی کہ جب قاضی صاحب نکاح کے روز دلہن سے رضامندی دریافت کرتے ہیں تب جو جواب اُن کو دلہن دیتی ہی وہ ہاں ہوتا ہی۔ مسیز یاور

اگر لڑکی ہاں کہنے میں ذرا تامل کرتی ہو تو والد اندر جا کر لڑکی کی منت و عاجزی کرنا شروع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تمام خاندان کی عزت تمہارے ہاتھ ہو۔ خدا کے لیے ہماری آبرو ریزی مت کرواؤ اور ہاں کہو۔ بیچاری لڑکی چاہے راضی ہو یا نہیں والدین کی منت و سماجت پر ہاں کہدیتی ہے مگر شعر

کون سنتا ہو فغان درویش　　　قہر درویش بجان درویش

بیچاری لڑکی کو تو والدین کی اتنی خاطر ہو کہ وہ اُن کی عزت کا لحاظ کر کے اپنی عمر بھر کی بے لطفی گوارا کرتی ہو مگر افسوس ہو اُن والدین پر جو لڑکی کو نور چشم۔ راحت جان۔ اور لخت جگر کہیں لیکن شادی کے بعد اسکو عمر بھر غم و غصہ کھلا کر بصارت چشم سے معذور راحت حال سے بے بہرہ اور اُس کے دل و جگر کو آبلہ کر دیتے ہیں۔

میرے اس چھوٹے سے مضمون سے بہت کم کو دلچسپی ہوگی اور بعض لوگ ناراض ہوں گے تاہم میں اپنی بہنوں کی بھلائی کی خاطر اپنی رائے ظاہر کیے بغیر نہیں رہ سکتی۔

میں اپنا مضمون ختم کرتے ہوئے خدا سے دعا مانگتی ہوں کہ جس ارادے سے یہ مضمون لکھا گیا ہو اس میں کامیابی حاصل ہو اور آیندہ سے والدین بغیر اپنی لڑکی کی رضامندی دریافت کیے اسکی شادی نہ کیا کریں۔

مسز شیخ یاور علی۔ حیدرآباد دکن

سائنس کی دلچسپیاں

ہمارے معزز دوست ڈاکٹر سعید الظفر خاں صاحب ایم ڈی نے جو اسوقت بہت بڑی کامیابی کے ساتھ آگرہ میں ڈاکٹری کر رہے ہیں سائنس کی دلچسپیوں پر مضامین کا ایک سلسلہ خاتون میں شائع کرانے کا بہت عرصہ ہوا کہ ہم سے وعدہ فرمایا تھا۔ اب وہ وعدہ انھوں نے باوجود اپنی عدیم الفرصتی کے تعلیم نسواں کی سچی ہمدردی کے خیال سے پورا کیا ہو۔ اور مضامین کا سلسلہ

ان کا شروع ہوگیا ہے۔

ہم ان کے مضمون کا اول حصہ جسمیں مختلف مضامین کو بہت آسان پیرائے میں سمجھایا ہے۔ اس پرچہ میں شائع کرتے ہیں۔ اس سلسلہ مین ایک مضمون ہمارے پاس آچکا ہے جسکا تعلق خاص طور پر مچھر کی پیدائش اس کے انڈوں بچوں اور ان کے سونڈ اور بال و پر کے متعلق ہے۔ اور اس کے ساتھ ڈاکٹر صاحب نے یہ بھی نوازش فرمائی ہے۔ کہ شروع سے آخر تک جو کچھ حالت مچھر کی ہوتی ہے۔ اس کی الگ الگ تصویریں بھی تیار کراکر ہمارے پاس بھیجدی ہیں جنکو اس مضمون کے ساتھ شائع کرینگے۔

ہمکو امید ہے کہ یہ سلسلہ ناظرات خاتون کے لیے بہت دلچسپ و پسند ہوگا۔ اس مضمون کے متعلق دو تصویریں جنکا حوالہ ریشم کے کیڑے کے متعلق دیا گیا ہے ہم درج کرتے ہیں۔

ڈیڑ ۲

بیٹا۔ شام قریب ہے کیا آپ کام ختم کر چکے۔ آپ تھکے زیادہ معلوم ہوتے ہیں۔

باپ - ہاں میں کام ختم کرچکا آج معمول سے زیادہ تھا۔ چلو میرے ساتھ پیدل چلو نہر کی طرف پھر ہوا کھانے چلیں۔ تفریح ہوگی۔

بیٹا۔ میں تو پہلے سے تیار ہوں کل شام کو ہوا خوری میں جو گفتگو ہوئی تھی وہ نہایت دلچسپ تھی حیوانوں کی زندگی کی تحقیقات اور اس کا بیان ایک عجیب و غریب فسانہ ہے۔ سچ ہے ہمارا اللہ ہر کام ایک حکمت اور خوبصورتی کے ساتھ کرتا ہے۔

باپ۔ کیا کہانیوں کے سننے سے تمہارے رب کی وقعت تمہارے دل سے کم ہوتی ہے۔

بیٹا۔ میں سچ عرض کرتا ہوں۔ اللہ تعالے کے قہر و غضب کا بیان سنکر رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ اُس سے ڈر معلوم ہوتا ہے۔ مگر جب آپکی زبان سے بیان سنتا ہوں جیسے کہ کل کا قصہ تھا تب مجھے پورا یقین ہوتا ہے کہ اللہ تعالے کو واقعی ہم سے محبت ہے اور

ہمارے واسطے عجیب و غریب چیزیں پیدا کی ہیں اور عطا فرمائی ہیں۔ میرے دل میں اپنے اللہ کی محبت خود بخود پیدا ہوگئی ہے۔ میں اسکو اپنے قریب پاتا ہوں اور بلا کسی خطرے کے اسکی طرف رجوع ہونیکو دل چاہتا ہے۔

باپ۔ جتنی بھی تمہاری عمر میں ترقی ہوتی جائیگی اور تم میں دریافت کا مادّہ بڑھتا جائیگا اتنا ہی تمکو معلوم ہوگا کہ کتنی عجیب و غریب مخلوقات اُسی کارساز کی بنائی ہوئی ہیں۔ اور یہ معلومات تمکو اور زیادہ اپنے اللہ پر بھروسہ کرنیوالا اُسکا محتاج۔ اُسپر مفتوں بنائیں گی۔ جان پدر اللہ تعالےٰ کی بنائی ہوی چیزیں ایسی نہیں ہیں کہ وہ اُن کی ماہیت دکھانے سے ڈرتا ہو یا اسکو شک ہو کہ اسکی قدرت کی ماہیت کے دریافت کے بعد میرے بندے میری وحدانیت یا میرے قادر مطلق ہونے میں شک کرنے لگیں گے اگر ایسا ہوتا تو اُن چیزوں کی یا ہمارے پیدا کرنیکی کیا ضرورت تھی۔ اور ہمکو تفتیش اور دریافت کا مادہ کیوں دیا گیا ہوتا۔ وحشی جانور میں اور ہم میں فرق کی کیا ضرورت تھی بیشک اُسکا مقصد یہی ہے کہ ہم اپنی عقل سے کام لیتے تاکہ ہماری دریافت اور معلومات سے ہمارے رب کی شوکت عظمت اور محبت ہمارے دلوں میں زیادہ ہوتی جائے۔

بٹیا۔ کیا یہ سچ ہے کہ بجلی کے زور سے علاوہ تار برقی کے اور بہت کچھ ہو سکتا ہے۔

باپ۔ بجلی سائنس کا ایک جزو ہے اور چونکہ سائنس کو روز بروز ترقی ہو رہی ہے لہذا بجلی کی طاقت کو بھی بہت کاموں میں لایا گیا ہے۔ اول تو تار برقی خبریں تھوڑی دور جا سکتی تہیں اُسکے بعد سمندر کی تہ میں کیبل یعنی بہت موٹے تار اُتار کر ہزاروں میل یہاں تک کہ کل دنیا کی خبریں چند گھنٹوں میں آنے لگیں۔ اس کے بعد ایک نیا طریقہ جسکو "ٹیلیگراف" کہتے ہیں ایجاد ہوا کہ جسمیں خبریں لینے کے لیے کسی آدمی کی ضرورت نہیں ہے بلکہ خود بخود خبریں چھپتی جاتی ہیں۔ چنانچہ لندن کے مشہور کلبوں میں داخل ہوتے ہی خبر کا آلہ لگا ہوا ملتا ہے اور تم اس کے سامنے کھڑے ہو کر جو کچھ وہ لکھتا جائے تم پڑھتے جاؤ۔ ٹیلیفون یعنی کانا باتی اول اول تھوڑی ہی دور پہنچ سکتی تھی

مگر اب اسکو بھی اتنی ترقی دیگئی ہی کہ پچاس ساٹھ میل کی باتیں نہایت آسانی سے سنائی دیتی ہیں
چار برس ہوئے کہ مسٹر چمبرلین نے (کہ جن کے نام سے تم واقف ہو) ایک بہت بڑی اسپیچ برمنگھم
(Birmigham) شہر میں دی اسکے سننے کے لیے دس ہزار آدمی جمع تھے اخبار "ڈیلی میل"
لندن میں شائع ہوتا ہی۔ لندن کا فاصلہ برمنگھم سے قریب ساٹھ میل کے ہی ڈیلی میل نے یہ انتظام
کیا تھا کہ اس کے دفتر کے ایک بڑے کمرے میں دس آدمی خاموشی کے ساتھ بیٹھے برمنگھم کی اسپیچ
کو لفظ بلفظ لکھتے جاتے تھے یہانتک کہ چیرز یعنی نعرہ خوشی کی آوازیں اُس کمرے میں بجنسہٖ چلی آتی تھی
ایک شخص جب تین منٹ لکھ چکتا تھا تو ایک اشارہ کیا جاتا تو دوسرا وہیں سی آگے لکھنا شروع کرتا تھا
اسکے بعد تیسرا پھر چوتھا۔ جبتک کہ اول کی پھر باری آتی تھی وہ پنسل وغیرہ ٹھیک کرکے اور
کاغذ مہیا کرکے طیار ہو جاتا تھا۔ جو کچھ لکھا ہوا جمع ہوتا تھا وہ فوراً چھپنے کو بھیجدیا جاتا تھا اسطرح
برمنگھم میں مسٹر چمبرلین نے اسپیچ ختم کی اور دس منٹ کے بعد ہی لندن کے کل گلی کوچوں
میں اخبار ڈیلی میل کے کالموں میں وہ اسپیچ چھپی چھپائی موجود بک رہی تھی

بیٹا۔ میں اسکو سمجھ نہ سکا برمنگھم کے ایک بڑے مکان کی کل آوازیں لندن میں دس آدمیوں
کے کانوں تک ایک ساتھ پہنچائی گئیں تھیں اگر صرف مسٹر چمبرلین کی منہ کی بات لندن
میں پہنچتی تو سمجھ میں آسکتا تھا کہ اون کے منہ کے سامنے ایک بہت بڑا کانا باتی کا آلہ رکھدیا
گیا تھا کہ جس کے ذریعہ سے آواز لندن پہونچ گئی لیکن آپ فرماتے ہیں کہ اُس مکان کے اندر
کی کل آوازیں مثلاً اگر درمیان گفتگو میں کسی شخص نے کسی حصہ مکان سے کوئی سوال کیا تو وہ لندن
میں صاف سنائی دیا اسکا سمجھنا ذرا مشکل ہی۔

باپ۔ ظاہر ہی کہ ایک مکان جس میں دس ہزار آدمی آسکیں بہت بڑا ہوگا اسیلیے
اسطرح خبر لندن پہونچانے میں صرف یہی اُسیقدر تصور کرنا چاہیے۔ مکان کے ہر حصہ میں
کانا باتی کے تار لگائے گئے تھے یعنی کسی حصہ سے اگر کوئی بات آہستہ یا زور سے کہی جاے
تو وہ کانا باتی سے سنائی دیسکے یہ سب تار ایک جا جمع کیے گئے اور جمع ہوکر یہ خبر لندن

دفتر ڈیلی میل میں پہونچائی گئی وہاں ایک آلہ بیچ میز پر رکھا تھا اور اسکے چاروں طرف ربڑ کی لمبی لمبی نلکیاں لگی تھیں یہ نلکیاں اُن دس ہزار آدمیوں کے کانوں میں لگی تھیں کہ جو خبریں لے رہے تھے اور جو کچھ سنتے جاتے تھے شارٹ ھینڈ میں لکھتے جاتے تھے۔

بیٹا۔ میں نے کہیں پڑھا ہی کہ ابتو خبریں بلا تار کے جاتی ہیں۔

باپ۔ "سی نیور مارکونی" (Signor Marconi) ایک مشہور اٹلی کے باشندہ نے ایک طریقہ ایجاد کیا ہی کہ جسکے ذریعہ سے دور کی خبریں بلا تار کے حاصل کر سکتے ہیں چنانچہ اب کل جنگی جہازوں پر ایریل لگا رہتا ہی۔ اور وہ اسکے ذریعہ سے آپس میں ایک دوسرے کی حالت سے خبردار رہ سکتے ہیں۔

بیٹا۔ جنگی جہازوں پر غنیم کو دور سے دیکھنے کے واسطے کیا بندوبست ہوتا ہی۔

باپ۔ دوربین کے ذریعہ سے اُن کو تیس چالیس میل کی چیز بخوبی معلوم ہو سکتی ہی اور رات کو بجلی کی بہت تیز روشنی کی لال ٹین سامنے کے مستول پر نصب ہوتی ہی۔ اور چاروں طرف گھومتی رہتی ہی۔ اسکی شعاع سے غنیم دس بارہ میل پر معلوم ہو جاتا ہی۔

بیٹا۔ دوربین کیا چیز ہی۔

باپ۔ خاص قسم کے شیشے ایک پیتل کی نلکی کے مختلف حصوں میں نصب ہوتے ہیں اس نلکی کو آگے یا پیچھے بڑھا گھٹا کر ان شیشوں کی آپس کی دوری کم یا زیادہ کر سکتے ہیں ان شیشوں کے فاصلہ کو کم زیادہ کرنیسے دور کی چیز قریب معلوم ہونے لگتی ہی۔

بیٹا۔ دوربین کتنی دور کی چیز دکھا سکتی ہی۔

باپ۔ ہر دوربین کے شیشوں کی ایک خاص طاقت ہوتی ہی۔ جتنے طاقتور شیشے ہوں گے اتنی دور کی چیز قریب دکھلائی دیگی

بیٹا۔ اگر دوربین سے چاند کو دیکھا جائے تو کیا معلوم ہوگا۔

باپ۔ معمولی دوربین سے دیکھنے سے کوئی فرق چاند میں نہ معلوم ہوگا۔ البتہ

ستاروں کے دیکھنے کے لیے خاص قسم کی دوربین بنائی جاتی ہیں یہ دوربین پانچ گز سے لیکر تیس گز تک لمبی ہوتی ہی اور ان کے آئینہ ایک فٹ سے لیکر سات یا آٹھ فٹ قطر کے ہوتے ہیں ان کو حرکت دینے کے لیے مشین سے کام لیا جاتا ہی۔ ان دوربینوں سے ستاروں کی جسامت اور اُن کی حرکتوں کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

بیٹا۔ چاند میں ایک شے معلوم ہوتی ہی وہ کیا ہی میری کھلائی نے تو مجھے بتایا تھا کہ یہ بڑھیا چرخہ کات رہی ہی۔

باپ۔ دوربین میں دیکھنے سی معلوم ہوتا ہی کہ یہ بڑے بڑے پہاڑ ہیں۔ بعض ان میں کوہ آتش فشاں بھی معلوم ہوتے ہیں بڑے بڑے خشک سمندر بھی دکھائی دیتے ہیں اس سے یہ پایا جاتا ہی کہ اس ستارہ پر حیوانات یا نباتات کا گذر ممکن نہیں ہی البتہ مریخ یا مشتری کو دیکھنے سی احتمال ہوتا ہی۔ کہ شاید ان میں جاندار مخلوق آباد ہیں چھوٹے چھوٹے سیارے جو کہ معمولی نگاہ سی مشکل سے نظر آتے ہیں دوربین سے چاند سے بڑے اور حرکت کرتے ہوے معلوم ہوتے ہیں کہکشاں جو کہ اندھیری رات میں مثل ایک ہلکے بادل کے بیچ آسمان میں معلوم ہوتی ہی۔ دوربین سی دیکھنے سی یہ بادل نہیں معلوم ہوتا بلکہ ...... چھوٹے چھوٹے تارے نظر آتے ہیں۔

بیٹا۔ کیا دوربین وہی آلہ ہی کہ جو آپکے دفتر میں شیشے کے فانوس تلے ڈھکا ہوا رہتا ہی

باپ۔ یہ خوردبین ہی اس کے ذریعہ سے بہت چھوٹی چیزوں کو دیکھتے ہیں تو وہ بہت بڑی معلوم ہوتی ہیں اسلیے اُن کی جزوی حالت کا پورا اندازہ ہوسکتا ہی۔

بیٹا۔ یہ میری سمجھ میں نہیں آیا۔

باپ۔ اگر سر کا بال لیکر خوردبین کے نیچے رکھا جائے ...... تو وہ مثل ایک درخت کے تنے کے نظر آئیگا۔ جب اتنا پھیل جائیگا تو اس میں بہت سی باتیں اور معلوم ہونگی کہ جو معمولی نگاہ سے نہیں معلوم ہوسکتی۔ اسیطرح کپڑا جو کہ معمولی نظر سے بہت باریک بنا معلوم ہوتا ہی۔ یہاں تک کہ اسطرف سے اُسطرف دکھائی نہیں دیتا خوردبین میں یہی کپڑا ...... اتنا چھدرا

معلوم ہوتا ہی۔ کہ جیسے جھاڑ کا بنا مرغیوں کا ٹاپا۔ پسا ہوا نمک اگر دیکھا جائے تو ایک ایک دانہ اچھا خاصہ سفید پتھر کا ٹکڑا معلوم ہوتا ہی۔

بیٹا۔ اس نہر کے کنارہ سے تھوڑا ریت لیجیے۔ دیکھیے تو وہ کیا معلوم ہوتا ہی۔

باپ۔ میں اس ریتہ سے خوب واقف ہوں۔ اس کا ہر ایک دانہ چار پانچ پہلو کا پتھر معلوم ہوتا ہی بعضے دانہ ایسے بھی ہونگے جو شیشہ کی طرح صاف شفاف اور چمکتے ہوے ہوں گے یہ وہی ذرسے ہیں کہ جنکو سورج کی کرنوں سے دور تک جھلکتا ہوا دیکھتے ہیں مختلف جگھوں پر سمندر کے کنارے کا ریتہ بھی میں نے دیکھا ہی۔ ایک جگہ ایسا ریتہ دیکھا کہ خوردبین میں ہر ایک دانہ ایک نہایت ہی گھونگا نظر آیا۔

بیٹا۔ آپکو خوردبین سے محبت معلوم ہوتی ہی۔ آپ اُس میں اکثر کچھ نہ کچھ دیکھتے ہی رہتے ہیں۔

باپ۔ خوردبین سے ضرور محبت ہی کیونکہ اس کے ذریعہ سے ہم اللہ تعالے کی مخلوقات کا معائنہ کر سکتے ہیں کہ جنکی شناخت سے ہماری معمولی آنکھ معذور ہی۔ اب شام کے وقت ہمارے سامنے یہ مچھر اڑ رہے ہیں یہ کیڑے ہیں اللہ کی مخلوق ہیں کیا تمہیں معلوم ہی کہ اُن کے کتنے اعضا ہیں یا کون کون حواس ہیں۔

بیٹا۔ اُن کے پر اور ٹانگیں ضرور معلوم ہوتی ہیں منہ اور پیٹ بھی ضرور ہی ورنہ جیتے کیسے ایک ڈنک بھی شاید ہو کہ جس سے جسم پر بیٹھتے ہی یہ جلن پیدا کر دیتے ہیں باقی اور میں کچھ نہیں کہسکتا۔

باپ۔ تمنے شاید ان کو پکڑ کر کبھی نہیں دیکھا۔

بیٹا۔ جی وہ ہات کب آتے ہیں ایک دو دفعہ ایسا ہوا ہی۔ کہ مچھر کو میں نے اپنے ہاتھ پر بیٹھے دیکھا ہی میں نے دوسرے ہات سی ایک چپت رسید کیا تو وہ یا تو دبک کر نکل گیا اور یا مر کر رہگیا۔ اسکے کچل جانے سے یہ تمیز نہیں ہوسکتا تھا کہ سر کہاں تھا اور پیٹ کہاں

تھا کیا مچھر کو زندہ پکڑ سکتے ہیں۔

باپ۔ قبل اس کے کہ میں تمہارے سوال کا جواب دوں میں تم سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ آیا تمنے کبھی مچھر کو سوتے ہوے دیکھا ہی۔

بیٹا۔ جی نہیں۔ اُڑکر معلوم نہیں کہاں چلے جاتے ہیں۔ کونوں میں شام اور صبح کو ان کی بھنبھنانیکی آوازیں آتی ہیں۔ مگر یہ نہیں کہسکتا کہ یہ بیٹھتے یا سوتے کب ہیں اور کہاں۔

باپ۔ مچھر کا پکڑنا کچھ مشکل نہیں ہی۔ ذرا دن چڑھے تم اندھیرے کوٹھری کی دیوار کو غور سے دیکھو تو کہیں کہیں مچھر بیٹھے نظر آئیں گے۔ اصل میں یہ رات کی بیداری اور اپنی خوراک کی دستیابی کی جانفشانی سے پس ماندہ ہوکر اسوقت اندھیرا کونا پاکر سونے کو بیٹھے ہیں۔ سوتے میں اُن کو پکڑنا کیا مشکل ہی۔ سوتا مردہ برابر ہی۔

بیٹا۔ یہ آپنے درست فرمایا۔ مگر مچھر تو ایک ذرا سا کیڑا ہی اور اُسکا بدن اور ٹانگیں بہت کمزور معلوم ہوتی ہیں۔ اور اُسکے پر بھی ہیں۔ اگر اسکو مضبوطی سے ہاتھ میں لیا جاے تو وہ زندہ نہیں رہسکتا اور اگر ہلکا پکڑا جاے تو وہ اپنی ایک دو ٹانگیں تُڑا کر بھاگ جائیگا تو پھر کسطرح اسکو پکڑ کر قریب سے دیکھ سکتے ہیں۔

باپ۔ تمہارا کہنا بالکل ٹھیک ہی۔ مچھر کو ہاتھ سی پکڑنیکی کوشش کرنا عبث ہی۔ اول تو اُسکا ہاتھ آنا مشکل ہی جیسا کہ تم نے خود سوچا دوسرے اگر ہاتھ بھی آگیا تو وہ ہاتھ سے نوچکر ایسا ہو جائیگا کہ اُسکی اصلی خوبصورتی جاتی رہیگی۔ تمنے خود تیتری کو پکڑ کر دیکھا ہی کہ ہات کے پکڑنے سے اُسکی کل خوبصورتی جاتی رہتی ہی۔ اور اُسکے پر بالکل کچل جاتے ہیں۔ خاصکر مچھر ایسے چھوٹے جانوروں کو معائنہ کرنیکے لیے ہاتھ سی نہ پکڑا جانا چاہیے۔ ایک گول چوڑی منہ کی شیشی کے ذریعہ سی وہ بہت ہی آسانی سے ہاتھ آجاتا ہی۔

بیٹا۔ کیا کوئی دوا سنگھا کر آپ اُسکو پکڑتے ہیں۔

باپ نہیں خالی شیشی سے اسطرح پکڑتے ہیں۔ اول مچھر کو تلاش کیا جب وہ سوتا

مل گیا تو خالی شیشی لیکر اسکا کاگ علیحدہ کیا اور آہستہ سے مچھر پر شیشی منہ ڈھانک دیا۔ چونکہ دیوار پر شیشی کا منہ رک جائیگا اس لیے مچھر باہر کیطرف نہیں نکل سکتا بلکہ اڑکر شیشی کے اندر ہی چلا جائیگا جسوقت کہ وہ اندر گیا۔ جلدی سے شیشی دیوار پر سے ہٹا کر اُسکے منہ پر کاگ لگا دیا اب مچھر ہمارا قیدی ہے۔ اور جب وہ شیشی کی دیوار پر بیٹھے تو تم اُسکے ہر حصہ کو اچھی طرح دیکھ سکتے ہو۔

بیٹا۔ یہ تو نہایت سہل طریقہ ہے۔ اب میں ضرور ان کو پکڑ کر دیکھوں گا۔ آپ فرماتے ہیں کہ مچھر خوبصورت ہوتا ہے۔ میں نے جب اُس کو ہاتھ پر بیٹھے دیکھا تب وہ مجھے کالا اور بدصورت کیڑا معلوم ہوا۔

باپ۔ ہاں اگرچہ ایک دو قسم کے مچھروں میں اُن کی ٹانگیں گنڈے دار مثل کوڑیالے سانپ کے معلوم ہوتے ہیں مگر معمولی نگاہ سے اور کوئی بات اُن میں خوبصورتی کی نہیں معلوم ہوئی البتہ اگر تم خوردبین سے اس مچھر کو دیکھو تب تمہیں اِسکی خوبصورتی اور اللہ تعالے کی قدرت اور صنعت کا نمونہ معلوم ہو۔

بیٹا۔ میں آپکے قیمتی وقت کا بہت ہرج کرتا ہوں مگر جس شوق سے کہ آپ مجکو ہر چیز بتاتے ہیں مجھے جرأت ہوتی ہے کہ میں آپسے اور زیادہ سوال کرتا جاؤں کیا آپ تکلیف فرماکر مجھے مچھر کی خوبصورتی سے آگاہ فرمائیں گے

باپ۔ جان پدر۔ اگر تم میں سننے کا شوق نہ پاتا تو میں تمکو کچھ بھی نہ بتلاتا تمہاری اسکول کے مدرس بھی تمہارے شوق کی تعریف کرتے ہیں اور اس لیے تم سے خوش ہیں۔ کسی چیز کا شوق سے سننا نہ صرف واقفیت حاصل کرنا ہے بلکہ بیان کرنیوالے کی قدر کرنا ہے اسیطرح کسی کتاب کا شوق سے پڑھنا گویا مصنف کی جاں فشانی کی داد دینا ہے۔ اب اندھیرا ہوگیا ہے اور مکان بھی قریب آگیا ہے۔ انشاءاللہ بعد کھانا کھانے کے تمکو مچھر کی ماہیت سے آگاہ کرنیکی کوشش کروں گا۔ میں نے تم سے کہا کہ اُسکی اصلی صورت دیکھنے کے لیے

خوردبین کی ضرورت ہی مگر میں تمکو تصویروں کے ذریعہ سے اُس کے اعضا اور جسم کے کل حصے دکھادوں گا - یقین ہی کہ تم خود اقرار کروگے کہ واقعی مچھڑ ایک خوبصورت اور عجیب کیڑا ہی -

باقی آئندہ

سعید الظفر خاں

برسات کی بہار

برستا ہی بادل ہوا چل رہی ہی
ہر اک شاخ پنکھا کھڑی جھل رہی ہے

تلے اوپر آتے ہیں دل بادل ایسے
عماری لیے کوئی ہاتھی ہو جیسے

اُدھر کالی کالی گھٹا چھا رہی ہے
اِدھر ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا آ رہی ہے

وہ بوندوں کی چھم چھم وہ سنسن ہوا کی
دکھاتی ہی کیا کیا نہ قدرت خدا کی

کدورت دلوں سے جدا ہو رہی ہے
گھٹن جسقدر تھی ہوا ہو رہی ہے

وہ پودے جو خشکی سے مرجھا رہے تھے
اُنہیں آج دیکھا تو لہرا رہے تھے

ہر اک پیڑ پوشاک پہنے ہی دھانی
ہر اک تھانولے میں لبالب ہے پانی

جو کل تک زمیں گرمیوں سی تپی ہے
اُسے آج جاڑے کی سی کپکپی ہے

فلک نے جو پوشاک بادل کی بدلی
زمیں کو ملی چادر آب رواں کی

طبیعت کو فرحت ہی دل بڑھ رہا ہی
مزہ مینھ برسنے میں کیا کیا ملا ہی

کوئی دل کوئی شخص رنجیدہ کب ہی
جسے دیکھو ہشاش بشاش اب ہے

خوشی سب سے بڑھکر ہیں بچے مناتے
غضب کے تماشے ہیں سب کو دکھاتے

جو چھوٹے ہیں وہ تالیاں ہیں بجاتے
ذرا جو بڑے ہیں وہ سب ہیں نہاتے

جو نو عمر ہیں باغ کو جا رہے ہیں
اُچھل کود کر دل کو بہلا رہے ہیں

یہ لڑکوں کے ہیں کھیل اور گھر کے اندر
جو دیکھو تو خوش لڑکیاں اُنسے بڑھکر

نہ چکی انہیں یاد ہے اب نہ چولہا | خدا رکھے اُن کو وہ ہیں اور جھولا
کہیں نیم میں رسیاں پڑ رہی ہیں | کہیں کھم کہیں بلیاں گڑ رہی ہیں
کوئی جھولنے کے لیے آئی دوڑی | بڑھانے لگی پینگ جھولیں کوئی
کوئی گیت برسات کے گا رہی ہے | کوئی پوریاں میٹھی پکوا رہی ہے

غرض یہ کہ برسات اور یہ ہوائیں
خدا کا کرم ہے خدا کی عطائیں

احسن مارہروی

اہلیا بائی

ہندوستان کے قدیم حکمرانوں میں اہلیا بائی نہایت عظیم الشان اور قابل عزت مہارانی گذری ہے۔ وہ ۱۷۳۵ء میں مالوہ (واقع ملک مہاراشٹر) کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں پیدا ہوئی تھی۔ اس کے ماں باپ سیندھیا خاندان کے تھے۔ افسوس کہ تاریخ اس کے ماں باپ کے خاندان کے متعلق واقعات پر کچھ روشنی نہیں ڈالتی۔ اور ابتک اس اولوالعزم اور عالم و دانشمند خاتون کے ابتدائے زندگی کے حالات اور تعلیم و تربیت کی مفصل کیفیت معلوم نہو سکی ہاں اسقدر ضرور پتہ چلتا ہے کہ اہلیا بائی لڑکپن ہی میں ہندوؤں کی مذہبی اور مقدس کتابیں پڑھ سکتی تھی اور رفتہ رفتہ اس کے علمی شوق کو ایسے چار چاند لگے کہ وہ اِن کے دقیق مسائل اور مشکل عبارتیں بھی بخوبی سمجھنے لگی اور اپنے ذہن نشیں مضامین پر ایسی فصاحت اور بلاغت سے بحث کرتی تھی کہ لوگ دیکھکر حیران و ششدر رہ جاتے تھے وہ کچھ خوبصورت نہ تھی لیکن چہرہ سڈول اور رُعب دار تھا۔ خدا جانے اہلیا بائی میں یہ کیا طاقت ودیعت کیگئی تھی کہ لوگ اُس کی باتوں سے متاثر ہوکر خواہ مخواہ اسکی طرف متوجہ ہو جاتے تھے اور وہ اُن سے ہمیشہ کے لیے خیرخواہ اور سچی ہمدردی کا پٹہ لکھوا لیتی تھی۔

پونہ سے بیس میل کے فاصلے پر ایک گاؤں میں ملہار راؤ پیدا ہوا تھا۔ اس گاؤں کا نام ہُل تھا اور اسی وجہ سے ملہار راؤ کے خاندان کا لقب ہلکر ہوا جب ملہار راؤ جوان ہوا تو پیشوا کی افواج میں بھرتی ہو گیا اور ایسا نام پیدا کیا کہ پیشوا نے خوش ہو کر ملہار راؤ کو اندور جاگیر میں دیدیا ملہار راؤ کے یہاں بیٹا ہوا نام اُسکا کھانڈے راؤ تھا جب اہلیا بائی اور کھانڈے راؤ دونوں جوان ہوئے تو دونوں کی شادی کر دی گئی۔

اہلیا بائی کے یہ خوشی کے دن ساس سسرال کی خدمت میں چشم زدن میں گزر گئے۔ اور بہت سی لڑائیاں لڑتے لڑتے ملہار راؤ کا مزاج بگڑ گیا بات بات پر اسکو طیش اور غصہ آنے لگا۔ جب ملہار راؤ کے سر پر غیظ و غضب کا بھوت سوار ہوتا تھا تو کیا بہادر سپاہی اور کیا جنگ آزما دلاور سپہ سالار سب اُسکے سامنے سے ہٹ جاتے تھے اور کسی کو اتنی جرات نہ ہوتی تھی کہ اسکے سامنے بول سکے۔ لیکن اہلیا بائی ایک اٹل پہاڑ کی طرح اُسکے سامنے کھڑی رہتی تھی اور اپنی نرم دلی شرافت اور غصے کو فرد کرنیوالی باتوں سے پھر ملہار راؤ کو حیوان سے انسان بنا لیتی تھی رفتہ رفتہ اہلیا بائی کی کوشش کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملہار راؤ نے اپنا غصہ چھوڑ دیا اس کی ساس جسکا نام گوتم تھا نہایت مغرور بے چین اور تند مزاج عورت تھی لیکن اہلیا بائی نے اس ترش مزاج عورت کو بھی اپنے معجز نما اخلاق سے رام کر لیا۔ اہلیا بائی انتظام خانہ داری میں بیحد قابلیت رکھتی تھی اُسی نے اتنے بڑے محل کے رہنے والوں کے منافقانہ خیالات اور حاسدانہ چالوں کو بالکل مٹا دیا اور بہت سی سازشوں کا قرار واقعی قلع قمع کر دیا۔ وہ ہمیشہ اس بات سے خائف رہتی تھی کہ کہیں مجھسے ناسمجھی میں کوئی گناہ یا ناقابل معافی غلطی نہ سرزد ہو جائے چنانچہ وہ اسی فکر میں رہا کرتی تھی کہ جو کچھ ہو حق بجانب ہو وہ روزمرہ رامائن۔ مہابرت۔ اور پران کی مقدس کتابیں پڑھا کرتی تھی اور اُن کتابوں کے مسائل پر غور و فکر کیا کرتی تھی اور جن مہاتماؤں اور خدا پرست لوگوں کا اُن میں ذکر پڑھتی تھی اُن کے پاک اور اعلیٰ درجے کے نیک۔ سچے اور نصیحت آمیز اقوال کی تقلید کرنیکی کوشش کیا کرتی تھی۔

سنہ ۱۷۵۴ء میں کھانڈے راؤ جاٹوں کی ناشائستہ حرکات سے تنگ آکر اون کی گوشمالی کے لیے آمادہ جنگ ہوا مگر اس جنگ میں بیچارہ کھانڈے راؤ کام آیا اب اہلیا بائی اور اسکے دو بچے یعنی ایک لڑکا مالی راؤ اور ایک لڑکی مچھا بائی رہگئے اہلیا بائی نے اپنی لڑکی مچھا بائی کی شادی جسونت راؤ کے ساتھ کردی تھی کھانڈے راؤ کی وفات کا روح فرسا اثر اہلیا بائیکے تازک دلپر ایسا ہوا کہ ہر شخص کو اندیشہ تھا کہ کہیں وہ بھی اپنے خاوند کے ساتھ اس دارفانی کو ہمیشہ کے لیے خیرباد نہ کہدے - سنگدل ملہار راؤ سے بھی نہ رہا گیا اور آبدیدہ ہوکر بولا - ہائے میری بچی اپنے دل سے یہ بھاری پتھر ہٹا - ہائے کھانڈے راؤ مجھے داغ مفارقت دے گیا - اب کوئی اتنا بھی نہیں جس کو میں اپنا پیارا بیٹا کہوں صرف تو ہی اب میرا غم غلط کر سکتی ہے - بیٹی! تیری ہی وجہ سے یہ کمبخت تقدیر کا ہیٹا ملہار راؤ ابتک زندہ ہے - اگر تو بھی مجھکو چھوڑ رخصت ہوئی تو بس سمجھ لے کہ میری زندگی کے دن بھی ختم ہوگئے - پیاری مجھپر رحم کر اور رنج والم کو دور کر یہ اتنی بڑی سلطنت اور زر وجواہرات سب کچھ تیرے ہیں سلطنت سنبھال اور اپنی باقی زندگی رعیت پر عدل وانصاف کے ساتھ حکومت کر کے بسر کر"

اب جو کام کھانڈے راؤ کے ذمے تھے رفتہ رفتہ سب اہلیا بائی کے سپرد ہوئے ملہار راؤ اکثر ملک سے باہر رہتا تھا اور نہایت شجاعت اور دلیری کے ساتھ لڑائیاں لڑ رہا تھا بھلا اسکی غیر موجودگی کی حالت میں اہلیا بائی سے زیادہ کونسا شخص ایسا معتبر اور عقلمند ہو سکتا تھا؟ اہلیا بائی ہمیشہ اس بات کا خیال رکھتی تھی کہ سلطنت کا حساب باقاعدہ ہے تمام اخراجات اسکی منظوری اور صلاح سے ہوتے تھے - اور وہ سب سے پہلے سلطنت کے اہم معاملات کیطرف متوجہ ہوتی تھی - اور بڈھے ملہار راؤ کو جسقدر روپیہ کی ضرورت ہوتی دیتی تھی غرض اہلیا بائی ابھی سے اُن امور کے سرانجام کے واسطے تیار ہوگئی جو آئندہ اُس کے ذمے ہونے والے تھے -

اب ملہار راؤ نے اپنے خاندان میں ایک عظیم الشان سلطنت کی بنیاد ڈالنے کے لیے میدان کارزار گرم کیا گجرات لاہور اور ملتان کے حاکموں نے اُس کے سامنے سر اطاعت خم

کیا - اور اسکو اپنا راجہ اور شہنشاہ تسلیم کر لیا پھر ملہار راؤ نے دہلی کی جانب رخ کیا یہاں اسوقت
احمد شاہ کا دور دورا تھا - اس نے احمد شاہ کو تخت سے اتارا اور عالمگیر ثانی کو تخت سلطنت
پر بٹھایا مگر پانی پت کے میدان میں احمد شاہ سے ایک لڑائی ہوئی جس میں ملہار راؤ کو شکست
ہوئی اور وہ مارا گیا - ملہار راؤ کی وفات کے بعد مالی راؤ اندور کی گدی پر رونق افروز ہوا لیکن
وہ نو ماہ حکومت کرنے کے بعد عالم بقا کو سدھارا - اسمیں بھی کارساز حقیقی کی مصلحت پوشیدہ
تھی - کیونکہ بلحاظ عادات وصفات مالی راؤ اور اسکی ماں اہلیا بائی ایک دوسرے کے
بالکل برعکس تھے - مالی راؤ کی خودسری اور ضد انتہا درجہ کو پہنچ گئی تھی اور سچ تو یہ ہے کہ اس
خودسری اور ضدہی نے اوسکی زندگی خراب کردی تھی ہروقت اس کے سرپر ایک جوت
چڑھا ہوا معلوم ہوتا تھا - وہ ہرکس و ناکس کیساتھ گستاخی سے پیش آتا تھا مالی راؤ کی وفات کے بعد
اہلیا بائی کو گدی کی فکر ہوئی کہ کس کو اندور کا راجہ بنائے کوئی شخص ایسا نظر نہ آتا تھا جو
گدی پر بیٹھکر سلطنت کو سرسبز کرنیکے قابل ہو - اور اس کی مالی - اخلاقی - اور ملکی حالت میں
ایک نمایاں ترقی دکھائے جب کوئی شخص اس لائق نظر آیا تو سب نشیب و فراز تمدنی سوچکر اپنے
رنج الم کو بالائے طاق رکھا خود عنان حکومت ہات میں لی اور استقلال کے ساتھ امور
سلطنت کی الجھی ہوئی گتھیوں کو سلجھانا شروع کیا -

اندنوں ریاست اندور کا وزیر گنگا دھر جسونت سنگھ ایک فطرتی اور افترا پرداز شخص
تھا اسکو یہ امید تھی کہ مالی راؤ کی وفات کے بعد شاہی خاندان کا کوئی شیرخوار بچہ گدی پر بٹھایا
جائیگا اور میں مختار سلطنت اور سرپرست خیال کیا جاؤں گا لیکن جب اس نے دیکھا کہ اہلیا بائی
سی نیک اور مستعد خاتون رونق افروز ہی تو اس کے سارے منصوبے خاک میں مل گئے -
وہ جانتا تھا کہ اہلیا بائی کی دوراندیشی اور دانائی کے سامنے اسکی کچھ دال نہ گلے گی - اس کے
دل میں یہ بھی خیال پیدا ہو گیا تھا کہ میں ایک دن اندور کا راجہ بن جاؤں گا اسی خوش آئندہ
خیال میں وہ سلطنت کی بیخکنی میں سرگرم ہوا چنانچہ سب سے پہلے اہلیا بائی کو لکھا کہ

"آپ عورت ذات ہیں۔ میں یہ ہرگز خیال نہیں کرسکتا کہ آپ امور سلطنت کے اہم بار کی کفیل ہوسکیں گی۔ علاوہ بریں آپ جانتی ہیں کہ اندور کے باشندے یہ ہرگز گوارا نہیں کرسکتے کہ اُن پر ایک عورت حکمراں ہو جب لوگوں کا یہ حال ہی تو پھر آپ انتظام سلطنت اور میدان جنگ میں لڑنیکے لیے جنگجو سپاہی کہاں سے لائیں گی؟ میں آپ کو یہ مشورہ دیتا ہوں کہ آپ اپنے خاندان کے کسی لڑکے کو تخت پر بٹھا دیں اور سلطنت کی ذمے داریاں سبکدوش ہوکر تمام معاملات کا بوجھ اس جاں نثار خادم گنگا دھر پر چھوڑ دیں۔ میں یہ نہیں دیکھ سکتا کہ آپ دن رات انتظام سلطنت کے تفکرات میں مبتلا رہیں۔"

آگے چلکر اُس نے اپنے دلی ارادے کو ان الفاظ میں ظاہر کیا:۔

"اگر آپ میری صلاح پر عملدرامد نہ کرینگی تو دشمن آپ کو چاروں طرف سے گھیر لینگے پھر بتایئے کہ آپ اُن سب کا کیسے مقابلہ کریں گی"؟

گنگا دھر جسونت کی تحریر کا اہلیا بائی نے یہ جواب دیا کہ۔

"تم جانتے ہو کہ میں سوبیراجہ کی رانی ہوں اور میں ہرگز یہ گوارا نہیں کرسکتی کہ کہ شاہی خاندان کا کوئی دوسرا شخص مجھپر گوئے سبقت لیجائے جبتک میرا جی نہ چاہے گا کسی دوسرے شخص کو تخت سلطنت پر بٹھاؤں اُس وقت تک میں خود ہی حکومت کرونگی۔ خوب سمجھ لو میرے ہوتے ہوئے کوئی دوسرا شخص سلطنت کا ہرگز مالک نہیں ہوسکتا میرا حق ہی اور مجھکو حکمرانی ہر طرح سزاوار ہی"۔

یہ پڑھکر گنگا دھر جل بھن گیا اور دغا بازی سے پیشوا کو یہ مغویانہ کلمات تحریر کیے:۔

"آپ ایک جرار لشکر اپنے ہمراہ لیکر چلے آئیں اور اس ملک کو فتح کرلیں

آجکل سلطنت کی مالک صرف ایک کمزور عورت ہی"
یہ پڑھکر پیشوا کے چچا رادھوجی کے منہ میں پانی بھر آیا۔ اور اُس نے نہایت شوق سے گنگادھر جسونت کی تجویز قبول کرلی۔

جب اہلیا بائی کو اس سازش کی خبر لگی تو اُسی نے رادھوجی کو لکھا کہ
"اگر آپ نے اِس سلطنت کی جانب رخ کیا تو سمجھ لیجیے کہ آپکے اس نامناسب فعل کا نتیجہ آپکے حق میں اچھا نہ ہوگا یہ سلطنت میری ہی اور مرتے دم تک اس کی میں ہی مالک رہوں گی"

رادھو نے جب اہلیا بائی کا یہ خط پڑھا تو فوراً غضب سے چیخ اٹھا "ملہار راؤ تو مرتے دم تک پیشوا کا نمکخوار غلام بنا رہا اور یہ مغرور عورت ابھی سے ایسی گستاخ ہوگئی!! اگر میں نے دم بھر میں اس کا غرور نہ نکال دیا تو میرا نام رادھو نہیں"

اب اہلیا بائی نے اپنی فوج کے سرداروں کو دربار میں حاضر ہونے کا حکم دیا چنانچہ سب سویرا ایک بہت بڑی بارہ دری میں جمع ہو گیے۔ یہ سب بڑے بہادر شجاع اور کاردان سپاہی تھے زور بڈھے اور جوان سب قیمتی پوشاکیں پہنے ہوے تھے دھوپ دریچوں کے رنگ برنگ شیشوں میں ہوکر اُن کے چہروں پر پڑ رہی تھی۔ کچھ تو دھوپ سے اور کچھ تخت اندور کی محبت اور جاں نثاری کے جوش سے سرخ ہو رہے تھے۔ عالی ہمت رانی کے چہرے پر بھی جلال نمایاں تھا۔ اُن کی وفاداری اور جاں نثاری کا جوش دیکھکر رانی نے تہ دل سے اُنکا شکریہ ادا کیا اور بھونسلا خاندان کے راجہ اور مادھوراؤ سندھیا اور مہاراجہ گائکوار کو اعانت کے لیے مدعو کیا۔

ٹکاجی ہلکر نے اندور کی جرار فوج کیل کانٹے سے درست کرکے جنگ کے لیے تیار کردی۔ مہاراجہ گائیکوار خود نہ آسکے لیکن اپنے بیس ہزار جانباز سپاہی بھیجدیے مہاراجہ بھونسلا خود آے اور دار السلطنت اندور کے قریب پہونچے۔ تو ایلچیوں کی زبانی

اہلیا بائی کے پاس یہ پیام کہلا بھیجا کہ "میں خود آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا ہوں" مادھو راؤ سندھیا نے بھی اپنے چیدہ چیدہ سپاہی رانی کی مدد کے لیے بھیجے۔

اب رادھوا اپنے جاں نثار تلوریوں کا ٹڈی دل لشکر لیکر میدان جنگ میں آیا اس لشکر کا سردار باغی گنگا دھر جسونت تھا۔ رادھو کو یہ امید تھی کہ اہلیا بائی لشکر دیکھکر ڈر جائیگی اور فوراً اطاعت قبول کریگی لیکن اسکے برعکس جب اُس نے میدان کارزار میں اہلیا بائی کا مورو ملخ سے بھی زیادہ لشکر آمادہ بجنگ پایا تو دنگ رہگیا۔ اب نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن کا مضمون تھا۔ میدان سے واپس جانا بزدلی کی علامت تھی اور ہنگامہ کارزار گرم کرنیں بربادی کے سوا اور کچھ نہ دکھائی دیتا تھا غرض وہ اسوقت دریائے تفکر میں غرق تھا اور اپنی احمقانہ حرکت پر کف افسوس مل رہا تھا۔ آخر جب کچھ بس نہ چلا اور کوئی تدبیر کارگر نہوتی ہوئی معلوم ہوئی تو ایلچی کے ہاتھ ٹکاجی کو یہ پیغام بھیجا۔

"میں مالی راؤ کی وفات کی خبر سنکر اب اسکی غریب ماں کے پاس ماتم پرسی اور ہر طرح سے مدد دینے کی غرض سے آیا ہوں تم مجھکو اپنا دشمن سمجھکر لڑائی پر تلے ہو۔ سخت افسوس کی بات ہے کہ تم مجھکو ایسا سمجھتے ہو۔" ٹکاجی نے اسکے جواب میں کہلا بھیجا کہ "اگر آپ کا ارادہ لڑائی کا نہیں ہے تو اس بات کا ثبوت دیجیے۔"

رادھو چند ہمراہیوں کو لیکر ٹکاجی کے پاس گیا اور ٹکاجی نے جب اُس کو دور سے آتے ہوئے دیکھا تو تن تنہا اُس کے استقبال کے لیے آگے بڑھا اور اسکو اپنے ہمراہ اپنے خیمہ میں لایا۔ پھر رادھو اہلیا بائی سے ملاقات کرنے گیا اور دیر تک بات چیت کرتا رہا۔ وہ یہ دیکھکر حیران و ششدر رہگیا کہ اہلیا بائی کل انتظام سلطنت کا نہایت عقلمندی سے کررہی ہے۔ رادھو نے جتنے سوالات ملکی معاملات اور فنون جنگ کے متعلق کیے اہلیا بائی نے اُن سب کا نہایت اطمینان بخش جواب دیا۔

اہلیا بائی روزمرہ نو بجے تڑکے اٹھتی تھی اور پوجا پاٹ کرنے کے بعد رامائن یا مہابھارت

پڑھا کرتی تھی اس کے بعد برہمنوں غریبوں اور محتاجوں کو اپنے ہاتھ سے کھانا تقسیم کر کے خود کھاتی تھی اور تھوڑی دیر آرام کر کے دربار میں جاتی تھی اور تمام دن اپنے منصبی فرائض ادا کرنمیں صرف کرتی تھی۔

اہلیا بائی کا حکم تھا کہ دربار میں جو سائل آئے حضور میں حاضر کیا جائے۔ آفتاب غروب ہونیکے بعد وہ دربار سے اٹھکر محل میں جاتی اور شام کی پوجا کر کے تھوڑا سا کھانا کھاتی تھی۔ سات بجے شام کے وقت ریاست کے وزرا اور امراء آتے تھے تاکہ پیچیدہ معاملات ملک اور اہم امور سلطنت کا فیصلہ اُس کے روبرو اور اُسکی صلاح سے کریں دن بھر جو جو مشکلات انھیں پیش آئی تھیں وہ اس اولوالعزم مہارانی کے حسن تدبیر سے اُس وقت حل ہو جاتی تھیں اور دوسرے دن کے کام کی ترتیب بھی درست کر دیجاتی تھی

اہلیا بائی کی سلطنت کے باہر چاروں طرف جنگجو مرہٹوں۔ سینہ زور جاٹوں اور روہیلوں اور ٹھرے پنڈاریوں اور دیگر لوگوں کے درمیان لڑائیاں ہو رہی تھیں اور ان میں ہر ایک ایک دوسرے کے خون کا پیاسا تھا۔ مرہٹے غصہ کے مارے جامے سے باہر ہوے جاتے تھے جاٹ الگ مونچھوں پر تاؤ دے رہے تھے اور پنڈاری بیچارے بیکسوں پر وہ ظلم ڈھا رہے تھے کہ الاماں۔ غرض اندور کے باہر بڑی بدامنی پھیلی ہوئی تھی۔ لیکن اندور کی چپہ چپہ چاردیواری کے اندر امن و امان کا ڈنکہ بج رہا تھا اور یہ سب اہلیا بائی کے حسن وانتظام کے بدولت تھا۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ جے پور کے مہاراجہ اہلیا بائی کے مقروض تھے۔ مگر زر قرضہ ادا کرنے سے منکر تھے۔ ہرچند اہلیا بائی نے چاہا کہ اور بات نہ بڑھے لیکن جب راجہ کی کچھ سمجھ میں نہ آیا تو آخر کار ٹکاجی کو ایک جرار لشکر لیکر جیپور پر یورش کرنی پڑی۔ ٹکاجی جان توڑ کر لڑے مگر جے پور کے ٹڈی دل لشکر کے سامنے اس کی کچھ پیش نہ گئی آخر جب میدان جنگ میں پیر جمتے نہ دکھائی دیئے تو ٹکاجی نے اہلیا بائی کو کمک کے لیے لکھا اور یہ بھی تحریر

کیا کہ "جسقدر روپیہ آپ بھیج سکیں بہت جلد بھیجیں"۔ اہلیا بائی نے چند چیدہ چیدہ سوار جوان
اور کچھ روپیہ بھیجکر ٹکاجی کو لکھا "بس جسقدر سپاہی اور روپیہ میں نے بھیجا ہے اسی سے جے پور پر
فتح حاصل کرو کمر ہمت باندھکر ایک ہی دفعہ ہلا کرو اور خوب جان توڑکر لڑو اگر تم جے پور کا عظیم لشکر
دیکھکر گھبرا گئے ہو اور لڑتے لڑتے تمہارے چھکے چھوٹ گئے ہوں تو فوراً اطلاع دو میں خود آکر
فوج کی کمان ہاتھ میں لوں گی"۔ اس وقت اہلیا بائی کی عمر ۵۰ سال کی تھی آفرین ہے اس اولو العزم
خاتون کی ہمت پر! اس پیرانہ سالی پر اپنے ملک کی خاطر یہ بلند ہمتی -

ملہار راؤ کی وفات کے وقت اندور کے خزانے میں سولہ کروڑ روپیہ موجود تھا جب
اہلیا بائی نے دیکھا کہ سلطنت کی مالی حیثیت ایسی اطمینان بخش ہے کہ اسکو اپنی ضرورت کے
لیے شاہی خزانے سے مدد لینے کی ضرورت نہیں ہے تو اسنے یہ روپیہ کرشن ارپن[۱] کردیا
اس بات کو مدت دراز گذر گئی کہ ایک دفعہ رادھوجی کو روپیے کی سخت ضرورت پڑی اسکو
معلوم تھا کہ اندور میں دولت کا انبار لگا ہے۔ اس لیے اس نے اہلیا بائی کو لکھا کہ مجھے اسوقت
روپیے کی سخت ضرورت ہے تم اپنے خزانے میں سے میری ضرورت کے موافق روپیہ بھیجدو
اہلیا بائی نے رادھو کو یہ جواب دیا کہ جو روپیہ اتنی مدت سے خزانے میں جمع ہے وہ کرشن ارپن
ہوگیا ہے۔ اور میں سری کرشن جی کے کام میں صرف کرنے کے سوائے اس میں سے ایک
پائی بھی ادھر سے اُدھر نہیں کرسکتی ہوں آپ برہمن ہیں اگر آپ کو روپیہ کی سخت ضرورت ہے
تو میں اپنے پاس سے پن ارتھ (بطور خیرات) روپیہ دے سکتی ہوں"۔

یہ جواب پڑھکر رادھوا پنے جی میں جل گیا اور طیش میں آکر کہنے لگا کہ "کیا وہ مجھے بھک منگا برہمن
سمجھتی ہے" اور پھر لکھا کہ میں کوئی فقیر نہیں ہوں کہ تم سے خیرات لیتا ہوں۔ دیکھو میں کیسی
اچھی طرح سے تم سے حسب ضرورت لیتا ہوں میں اب آتا ہوں ذرا سنبھل جانا۔
اسپر اہلیا بائی نے رادھو کا مقابلہ کرنے کے لیے تیاریاں شروع کیں۔ اُسنے اس ۵۰ برس

[۱] سری کرشن کے نام پر وقف کرنیکو کرشن ارپن کہتے ہیں۔

کی عمر میں زرہ بکتر پہنا - اور اسلحہ جنگ سے آراستہ ہوکر پانسو خواص اپنے ہمراہ لیے میدان جنگ میں آکھڑی ہوئی لطف یہ تھا کہ اہلیا بائی کے ہمراہ مرد نام تک کو نہ تھے -

راگھوبہ دیکھکر اہلیا بائی سے بولا "تمہارا لشکر کہاں ہے؟"

اہلیا بائی نے جواب دیا کہ "ایک زمانہ گذرا کہ میرا خاندان پیشوا کے ملازموں میں شمار کیا جاتا تھا - اس لیے میری کیا مجال کہ اپنی فوج لاکر پیشوا کے خاندان سے جنگ و جدل کروں میں مسلح ہوکر آئی ہوں اگر آپ مجھے قتل کردیں تو میرا سارا خزانہ آپکا ہی ورنہ آپ خزانے سے ایک پائی بھی نہیں لے سکتے کیوں کہ آپ خیال فرمائیں کہ دھرم سب سے بڑا خزانہ ہے میں کرشن ارپن کیے ہوے روپیے میں سے کسی کو کچھ دینے کا اختیار نہیں رکھتی مجھے اپنا دھرم سب سے پیارا ہی اس کو برباد کرنا میں ہرگز گوارا نہیں کرسکتی"

یہ سنکر راگھوبہ شرم کے مارے پانی پانی ہوگیا اور کچھ عرصے کے بعد واپس چلا گیا -

اس عظیم الشان رانی نے اندور کے کاریگروں اور حرفت پیشہ لوگوں کی بڑی حوصلہ افزائی کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جلاہوں نے نہایت ہی باریک اور عمدہ کپڑا بننا شروع کیا - اور تجارت کو ترقی ہوئی کسان اطمینان اور خوشی سے بیٹھے اور جو مظالم اُن پر کیے جاتے تھے وہ سب دور ہوگئے جو اہلکار کسانوں پر ظلم کرتے تھے اُن کے ساتھ رانی نہایت سختی سے پیش آتی تھی وہ اپنی رعیت کو پھلتا پھولتا دیکھکر خوش ہوتی تھی - اور چاہتی تھی کہ رعیت اسکی طرف سے اتنی بیباک ہو جائے کہ اسکے سامنے اپنی دولتمندی کا بے تکلف اعتراف کرسکے اور کسی کے دل میں یہ اندیشہ نہ رہے کہ اگر ہم اپنی دولت و ثروت کا بھید اپنی حکمراں رانی سے بتا دینگے تو وہ ہمارا روپیہ چھین لیگی - رانی کے حکم سے تمام ریاست میں دور دور تک وسیع سڑکیں بنائی گئیں اور اُن کے دونوں طرف سایہ دار درخت لگائے گئے اور جابجا مسافروں کے آرام کے لیے سرائیں اور مسافرخانے تعمیر ہوے غربا اور مساکین اور یتیموں کی حاجت روائی کا بندوبست ہوا عرصہ دراز سے بھیلوں نے یہ پیشہ اختیار

۳

کرلیا تھا کہ آتے جاتے مسافروں اور قافلوں کو لوٹ کر پہاڑوں کی کھوہوں میں جا چھپتے تھے۔ اہلیا بائی نے ان لوگوں کو اُن کے جائے پناہ سے نکال کر ایمانداری سے کاشتکاری پر رضامند کیا کیا ہندو کیا مسلمان دونوں اس رانی کی یکساں عزت کرتے تھے اور ہمیشہ اس درازی عمر کے لیے دعائیں مانگتے رہتے تھے۔

اہلیا بائی کی زندگی کا آخری حصہ نہایت ہی رنج والم میں گذرا۔ اس کا داماد اس کی آنکھوں کے سامنے مرا۔ بیٹی اس سے گلے ملکر ستی ہوئی یہ داغ ایسے تھے کہ بقیہ زندگی تلخ ہو گئی اور آخرکار ستر برس کی عمر میں اس جہان فانی سے رخصت ہوئی۔ وہ ایسی ہر دلعزیز رانی تھی کہ اندور میں سالہا سال تک اس کی وفات کے بعد کہرام مچا رہا اور آجتک وہاں کے لوگ اس جلیل القدر خاتون کا نام بڑی عزت سے لیتے ہیں۔

از زمانہ

بقیہ شاہ لیر

ایڈگر۔ اڈمنڈ تم اسوقت کس سوچ میں ہو۔

اڈمنڈ۔ بھائی صاحب کیا عرض کروں۔ مجھے ایک پیشین گوئی کا خیال آگیا جسکے پورا ہونیکی نشانیاں ظہور میں آرہی ہیں۔ یہ سورج اور چاند گہن خدا جانے کیا کیا دکھائینگے۔

ایڈگر۔ کیا تم بھی اِن فضول توہمات میں مبتلا ہو۔

اڈمنڈ۔ جناب مجھے تو یقین ہے کہ یہ پیشینگوئی پوری ہوکر رہیگی اور اس کے نتیجے بہت برے ہوں گے ماں باپ اور اون کی اولاد کے دل سے قدرتی محبت اٹھ جائیگی۔ موت کا بازار گرم ہوگا قحط پڑیں گے۔ قدیم دوستیاں اور صلح منقطع ہو جاویں گی سلطنت میں مخالف جتھے بنینگے۔ بادشاہ اور امراء اور وزراء پر حملے ہوں گے لوگوں سے عجب بدگمانیاں پھیلیں گی خیرخواہوں کو جلاوطن کیا دیگا۔ فوجیں موقوف کردیجاوینگی میاں سے

بیوی اور بیوی سے میاں علیحدہ ہو جاویں گے اور خدا جانے اور کیا کیا آفت آویگی۔

ایڈگر۔ آپکو یہ نجوم میں کب سے دخل ہوا ہے۔

ایڈمنڈ۔ خیر اسے تو جانے دیجئے مگر یہ بتا ییے کہ آپکو والدصاحب سے ملے کتنا عرصہ ہوا

ایڈگر۔ گذشتہ شب کو ہی تو ملا تھا۔

ایڈمنڈ۔ کیا کچھ باتیں بھی ہوئی تھیں۔

ایڈگر۔ ہاں دو گھنٹہ تک برابر باتیں ہوتی رہیں۔

ایڈمنڈ۔ کیا جب آپ رخصت ہوئے تھے تو والدصاحب اسوقت کچھ خوش تھے یا کبیدہ خاطر تھے اُن کی کسی بات سے یا اُن کے چہرے سے کوئی ایسی بات تو آپکو نہیں معلوم ہوئی جس سے اُن کی ناراضگی ظاہر ہو۔

ایڈگر۔ مطلق کوئی بات ایسی معلوم نہیں ہوئی۔

ایڈمنڈ۔ ذرا اپنا خیال دوڑا کر غور کیجیے کہ کسی بات میں آپنے ناراض کیا ہے۔ مہربانی سے میری بات مانیے اور کچھ اتنے عرصہ کے لیے والدصاحب سے نہ ملیے کہ جب اون کا غصہ کسیقدر فرو ہو جاوے کیوں کہ اسوقت اُن کے غصہ کی آگ اسدرجہ سخت بھڑک رہی ہے کہ آپ کی جان لیکر بھی مشکل سے ٹھنڈی ہوگی۔

ایڈگر۔ معلوم ہوتا ہے کسی بدمعاش نے اُن کو میرے خلاف بھڑکا دیا۔

ایڈمنڈ۔ میرا بھی یہ ہی خیال ہے اب میری خواہش یہ ہے کہ آپ ذرا تحمل اور برداشت سے کام لیجیے جب تک کہ اُن کا غصہ فرو نہو جائے۔ اور اسیوقت ذرا میرے ساتھ میرے کمرے میں چلیے جہاں سے میں والدصاحب کی باتیں پس دیوار سے آپکو سنوا دونگا اور آپکو اُن کے غصہ کی حالت معلوم ہو جائیگی مہربانی سے میرے کمرے میں چلیے۔ یہ کنجی ہے۔ اور اگر آپ کمرے سے نکلیں تو مہربانی سے ہتیار لیکر نکلیں۔

ایڈگر۔ ہتیار کیسے بھائی۔

اڈمنڈ- بھائی صاحب میں اپنی سمجھ کے موافق آپکو بہترین رائے دے رہا ہوں اگر آپ جائیں تو ہتیار لیکر جائیں مجھے اپنے ایمان کی قسم ہی کہ تمہاری نسبت اچھے خیالات نہیں ہیں میں نے جو کچھ دیکھا اور سنا وہ آپکے سامنے بیان کر دیا گو میں اپنے بیان میں اپنے چشم دید واقعہ کی پوری خوفناک تصویر آپکے سامنے نہیں کھینچ سکتا تاہم آپ سمجھ جائیے کہ حالت کیا ہی مہربانی سے یہاں سے فوراً رخصت ہو جائیے۔

اڈگر- کیا تم مجھے تمام حالات سے بہت جلد اطلاع دوگے

اڈمنڈ- ایسے جھگڑے ہی میں آپکی خدمت بجالانیکو طیار ہوں (اڈگر چلا جاتا ہے)

کیا ہی آسان شکار ہات لگا ہی- والد صاحب تو ایک وہمی آدمی ہیں اور بھائی صاحب اسقدر سیدھے اور نیک مزاج واقع ہوئے ہیں کہ وہ کسی کی بات کو غلط ہی خیال نہیں کرتے اور نہ کسی پر اُنکو شبہ ہوتا ہی ایسے بھولے بھالے ایماندار آدمی پر قابو پانا کیا مشکل ہی- اب مجھے اپنا راستہ صاف دکھائی دینے لگا ہی- اگر پیدائش کے حق سے نہیں تو اپنی ہوشیاری اور چالاکی سے سہی- میں اپنے باپ کی جائداد کا مالک ضرور ہوں گا- میرے لیے سب کچھ جائز ہی بشرطیکہ شبہ اور گرفت سے اپنے کو بچائے رہوں

سین نمبر۳- شاہزادہ البنی کے محل کا ایک کمرہ

گانرل اور اسولڈ خواجہ سرا داخل

ہوتے ہیں

گانرل- اسولڈ کیا والد صاحب نے میرے اردلی کو اسلیے مارا ہی کہ اُس نے والد کے دیوانی مصاحب کو دھمکایا تھا؟

اسولڈ- ہاں حضور عالیہ-

گانرل- خدا جانے والد صاحب تو مجھے بہت ہی تکلیف دینے لگے ہیں ہر آن ۵ کوئی نہ کوئی ایسی حرکت کر بیٹھتے ہیں کہ سب کو رنج پہونچتا ہی- اب میں ہرگز برداشت نہیں

کر سکتی۔ اُن کے مصاحبین فساد برپا کرتے ہیں اور وہ خود ہم سب کو ذرہ ذرہ سی بات پر
سخت و سست کہتے ہیں۔ اچھا۔ آج اُن کو شکار سے واپس تو آنے دو میں اُن سے
کوئی بات بھی نکروں گی تم اُن سے کہدینا کہ میں بیمار ہوں بہتر ہو کہ تم بھی اُن کی خدمت گذاری
میں ذرہ طرح دیجاؤ۔ اگر شکایت ہوگی تو میں سمجھ لوں گی۔

اسولڈ۔ حضور عالیہ وہ تو آرہے ہیں۔ اب تو قریب آپہونچے۔

گانرل۔ اچھا تم خود اور دوسرے ملازمین سے بھی کہدو کہ آج والد صاحب آئیں
تو اُن سے بالکل لاپروائی سے برتاؤ کرنا تاکہ اُن کو معلوم ہو جائے کہ اُن کے یہاں
رہنے سے تم سب تنگ آگئے ہو میں چاہتی ہوں کہ وہ سمجھیں کہ اُن کا یہاں رہنا پسند
نہیں کیا جاتا۔ اگر اُنھیں برا معلوم ہو تو شوق سے میری ہمشیرہ کے ہاں تشریف لیجائیں اور
مجھے یقین ہو کہ اس بارے میں میرا اور میری بہن کا بالکل ایک ہی خیال ہو۔
اور ہم دونوں کو اُن کی حکومت اور سختی ناگوار ہو۔ بیکار بڈھے کے دماغ سے ابھی تک ردی
حکومت کی بو نہیں گئی جسکو وہ خود دوسروں کے سپرد کر چکا ہو۔ میں قسمیہ کہتی ہوں کہ بڈھے
جنونی آدمی کی حالت بالکل بچوں کے مشابہ ہوتی ہو۔ اِسدن سے بجائے خوشامدانہ برتاؤ
کے ڈانٹ ڈپٹ سے کام لینا چاہیے کیوں کہ وہ خوشامدانہ باتوں کی ناقدری کرتے ہیں
اچھا تم جاؤ اور جو کچھ میں نے حکم دیا ہی اسکو یاد رکھو۔

اوسولڈ۔ بہت مناسب جو حکم۔

گانرل۔ اور والد صاحب کے مصاحبین سے تم اور تمہارے ساتھی نہایت
سرد مہری سے پیش آؤ۔ اسکی مطلق کچھ پرواہ نکرو کہ اس کا کیا نتیجہ ہوگا۔ میں اب موقع ڈھونڈ
رہی ہوں کہ اُن سے دو دو باتیں ہو جائیں میں ابھی اپنی بہن کو لکھتی ہوں کہ وہ بھی
میرا ہی سا برتاؤ کریں اب جاؤ کھانا کھلانے کی تیاری کرو (دونوں چلے جاتے ہیں)

شاہ لیر مصاحبین اور ملازمین داخل ہوتے ہیں

لیر۔ میں کھانیکے لیے ایک منٹ کا بھی انتظار نکروں گا۔ جاؤ جلدی سے کھانالاؤ
(ایک ملازم کھانا لینے جاتا ہی) تم بتاؤ (کینٹ کی طرف مخاطب ہوکر) تم کون ہو۔

کینٹ۔ حضور ایک آدمی ہوں۔

لیر۔ تمہارا کیا کام ہی۔ ہمسے کیا چاہتے ہو۔

کینٹ عیاں راچہ بیاں۔ جوکچھ میرا حال ہی وہ ظاہر ہی۔ میں اس شخص کی خدمت بہت اچھی طرح کرنیکو طیار ہوں جو مجھپر اعتبار کریگا۔ جو ایماندار ہوگا اس سے محبت کرونگا جو عقلمند ہوگا اور زیادہ بکواس نہیں کریگا۔ اس سے باتیں کرونگا۔ انصاف سے ڈرونگا جب بہت ہی مجبوری ہو جاویگی تو لڑنیکو آمادہ ہوجاؤں گا اور مچھلی کبھی نہیں کھاؤں گا۔

لیر۔ آخر تم ہو کیا۔

کینٹ۔ ایک بہت ہی سادہ دل اور ایماندار آدمی ہوں اور ایسا ہی مفلس ہوں جیسا کہ بادشاہ۔

لیر۔ اگر رعایا کی حیثیت سی غریب ہو۔ تو یقینی تمہارا افلاس بہت بڑا ہوا ہی لیکن تم یہ بتاؤ کہ تم کیا چاہتے ہو۔

کینٹ۔ حضور نوکری چاہتا ہوں۔

لیر۔ کس کی نوکری کروگے۔

کینٹ۔ حضور کی۔

لیر۔ کیا تم مجھے جانتے ہو کہ میں کون ہوں۔

کینٹ۔ نہیں حضور جانتا تو نہیں ہوں لیکن آپکے چہرے پر کچھ ایسی بات پائی جاتی ہی کہ میرا دل بیساختہ آپکو اپنا مالک بنانیکو چاہتا ہی۔

لیر۔ میرے چہرے پر وہ کیا بات ہی۔

کینٹ۔ سیاست (یعنی حکومت)

لیر۔ تم کیا کام کر سکتے ہو۔

کینٹ۔ میں کسی کے راز کو ایمانداری سے خفیہ رکھ سکتا ہوں اور اپنے مالک کو ایمانداری کی صلاح اور مشورے دے سکتا ہوں گھوڑے پر سوار ہو سکتا ہوں دوڑ سکتا ہوں ایک دلچسپ قصہ کے بیان کرنے میں بے لطفی پیدا کر سکتا ہوں اور ایک معمولی پیغام بے کم و کاست صاف لفظوں میں بیان کر سکتا ہوں اور معمولی طریقہ سے جو کام ملازم دے سکتے ہیں اسکی میں قابلیت رکھتا ہوں۔ اور سب سے بڑی بات مجھ میں یہ ہے کہ میں بڑی ہوشیاری اور مستعدی سے کام کرتا ہوں۔

لیر۔ تمہاری عمر کیا ہے۔

کینٹ۔ حضور نہ تو میں اتنا جوان ہوں کہ مجھے گانا سننے کا شوق ہو اور نہ اتنا بوڑھا ہوں کہ گانا یا اچھی صورت سے نفرت پیدا ہو جاوے میری صرف ۴۸ برس کی عمر ہے۔

لیر۔ اچھا آؤ میرے ساتھ میں تمہیں ملازم رکھ لوں گا۔ اور اگر کھانے کے بعد تک مجھے تمہاری کوئی بات ناپسند نہ آئی تو میں تمہیں اپنے سے ابھی علیحدہ نہیں کروں گا (ملازموں کی طرف مخاطب ہو کر) کھانا لاؤ ارے جلدی۔ کھانا لاؤ۔ میرا دیوانہ کہاں ہے جلدی جا کر میرے دیوانہ کو بلا لاؤ۔

اوسورڈ آتا ہے

لیر۔ اوسورڈ کی طرف مخاطب ہو کر۔ اے بے ادب میری لڑکی کہاں ہے۔

اوسورڈ۔ (جو ارشاد) لیر کے سامنے سے چلا جاتا ہے۔

لیر۔ یہ شخص کیا کہتا ہے۔ ذرا اس نالائق کو واپس تو بلاؤ۔ (ایک شخص اوسورڈ کو بلانے جاتا ہے) میرا دیوانہ کہاں ہے ارے کوئی سنتا بھی نہیں ہے آج تو معلوم ہوتا ہے کہ گھر بھر سو رہا ہے

(جو شخص اوسورڈ کو بلانے گیا تھا واپس آتا ہے)

لیر۔ کہو جی وہ بدمعاش کہاں گیا۔

شخص۔ حضور وہ کہتا ہے کہ آپ کی صاحبزادی بیمار ہیں۔

لیر۔ لیکن اُس غلام کو جب میں نے واپس بلایا تھا تو وہ میرے کہنے سے خود واپس کیوں نہیں آیا۔

شخص۔ حضور اُس نے مجھکو ایسا بیہودہ اور لاپروائی کا جواب دیا جو اُسکو کسی طرح مناسب نہ تھا۔

لیر۔ ہاں یہ بات ہے۔

شخص۔ حضور کچھ کہا نہیں جاسکتا کہ کیا بات ہوگئی ہے لیکن میرے خیال میں حضور کی مہمانداری اور خاطر اُس تپاک اور محبت سے اب نہیں کیجا رہی ہے جس کے حضور عادی تھے یہ صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ کیا ملازمین اور کیا شاہزادہ البنی اور کیا حضور کی صاحبزادی سب کا رخ حضور کی طرف سے کچھ پھرا ہوا سا ہے۔

لیر۔ ہاں کیا تم ایسا کہتے ہو۔

شخص۔ حضور میں آپسے معافی مانگتا ہوں۔ ممکن ہے میری آنکھوں نے غلطی کی ہو لیکن میں نے جو کچھ دیکھا وہ اسلیے عرض کر دیا کہ اگر حضور کے خلاف کوئی بات دیکھوں تو اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ صاف صاف بیان کردوں۔

لیر۔ دلی شبہات کی یاد تم تازہ کررہے ہو کچھ عرصہ سے مجھے بھی محسوس ہو رہا ہے کہ میرے ساتھ کچھ کچھ لاپروائی برتی جارہی ہے میں نے یہ خیال کیا تھا کہ یہ میرے ہی شکی دل کا قصور ہے کہ مجھے دوسروں کی طرف سے سرد مہری معلوم ہوتی ہے لیکن خیر اب آئندہ اسکو ذرا اور راز مانونگا لیکن یہ بتاؤ میرا دیوانہ کہاں ہے میں نے دو روز سے اُسکو دیکھا ہی نہیں ہے۔

شخص۔ حضور جب سے حضور کی چھوٹی صاحبزادی فرانس کو چلی گئی ہیں تو دیوانہ

بہت ہی رنج کر رہا ہی اور اسی میں بیمار سا ہو گیا ہی۔

لیر۔ مجھے خود اسکا علم ہی۔ تم اسکا ذکر مجھسے مت کرو (ایک ملازم کی طرف مخاطب ہوکر) جاکر میری لڑکی سے کہو کہ مجھے اُن سے کچھ باتیں کرنی ہیں (ایک دوسرے ملازم کی طرف مخاطب ہوکر) تم جاکر دیوانہ کو بلا لاؤ۔

اتنے میں اوسورڈ بھی آجاتا ہی۔

لیر۔ ہاں آپ آگئے۔ آپ۔ آپصاحب۔ صاحب۔ آپ۔ یہاں۔ آگئے کیو نصاحب۔ میں کون ہوں۔

اوسورڈ۔ آپ میری بیگم صاحب کے باپ ہیں۔

لیر۔ بیگم صاحبہ کے باپ آپ کے آقا صاحب کے ملازم او کتے۔ بدذات غلام۔ مردود۔

اوسورڈ۔ میں ان میں سے کوئی چیز بھی نہیں ہوں۔ صاحب میں آپسے معافی چاہتا ہوں مجھے بُرا بھلا مت کہیے۔

لیر۔ آنکھوں میں آنکھیں ملاکر برابری کرتا ہے اب بے نالائق بدمعاش (اوسورڈ کو مارتا ہے)۔

اوسورڈ۔ صاحب میں۔ میں آپسے مار نہیں کھاؤں گا۔

کینٹ۔ ہاں آپ مار نہیں کھائیں گے بے کمینے یہاں پر پڑا (ٹانگیں پکڑکر پچھاڑ دیتا ہی۔)

لیر۔ (کینٹ کی طرف مخاطب ہوکر) میں تمہارا ممنون ہوں اب میں تمسے بہت محبت کروں نگا تم نمک خواری کا خوب حق بجالائے۔

کینٹ۔ (اوسورڈ سے) اب ذرا زمین پرسے اٹھیے تو سہی اور چلیے یہاں سے نکلیے میں تمکو ادب سکھانا چاہتا ہوں لیکن یہاں سے جلدی چلدو اور

اگر پھر ایک پچھاڑ کھانا چاہتے ہو تو ٹھیرو نکلو یہاں سے تمہیں کچھ شرم بھی آتی ہے
کچھ تمہارے دماغ میں عقل بھی ہے یا نہیں نکلتے نہیں تو یہ لو (اوسوراڈ کو دھکا دیکر
باہر نکال دیتا ہی۔)

لیر۔ اے میرے وفادار ملازم میں تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں اور یہ
لو تمہاری نوکری کا معاوضہ پیشگی دیتا ہوں۔(کینٹ کو روپیہ دیتا ہی)

باقی آئندہ

اڈیٹوریل

ہمارے صوبہ کی گورنمنٹ نے حال ہیں تعلیم نسوان کے بارے میں چند
تجویزیں شائع کی ہیں منجملہ ان کے ایک یہ تجویز ہے کہ مدرسوں کے اُستاد اگر اپنی
بیویوں اور رشتہ دار عورتوں کو تعلیم دلوائیں اور ان کو نارمل اسکول میں
بھیجیں تو اُن کے لئے وظائف دئے جائیں۔

دوسری تجویز یہ ہے کہ معززین ہندو اور مسلمانوں کی ہر شہر میں کمیٹیاں
قایم ہوں اور اُن کمیٹوں کے ذریعہ سے تعلیم نسوان ملک میں پھیلائی جائے
ناظرین کو یاد ہوگا کہ ۱۸۹۶ء میں گورنمنٹ نے تعلیم نسوان کے بارے
میں ایک کمیشن بٹھایا تھا اور اس کمیشن نے ۱۸۹۹ء میں ایک مفصل رپورٹ
گورنمنٹ کے سامنے پیش کی تھی۔ گورنمنٹ نے اُن کل تجاویز کو جو کمیٹی نے
کی ہیں بطور زنانہ تعلیمی پالیسی کے قبول و منظور کر لیا ہے اور اُسی کے مطابق
اشاعت تعلیم نسوان میں کوشش کر رہی ہے اس کمیٹی نے ملکی خیالات کے
لحاظ سے گورنمنٹ کو مشورہ دیا تھا کہ جہاں تک ہوسکے عورتوں کو تعلیم خود
شرفا اور معززین باشندگان ملک میں دی جائے اور گورنمنٹ حسب

سفارش ہر شہر کے معززین کے مدرسہ قایم کرے اور اُن پر پبلک فنڈ سے روپیہ صرف کرے گورنمنٹ نے اس سفارش کو پورے طور پر منظور تو نہیں کیا مگر اتنا کیا کہ ہر شہر میں ہندو اور مسلمانوں کی مشترکہ کمیٹیاں قایم کی جائیں اور ان کی سفارشوں اور تجاویز کو سررشتہ تعلیم پورے طور سے ملحوظ رکھے سنہ ۱۹۰۰ء کے بعد ہمارے صوبہ کی گورنمنٹ نے کئی لاکھ روپیہ تعلیم نسوان پر صرف کیا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ ہندو یا مسلمان شرفا نے عموماً اور مسلمان شرفا نے خصوصاً اس گورنمنٹ کے عطیہ سے بہت کم فائدہ اُٹھایا بجز اس کے کہ علی گڑھ کے زنانہ نارمل اسکول کے لئے ایک رقم حاصل کی گئی ہے اور ابھی کے مسلمانوں نے اس وقت تک آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھا کہ ملک میں کیا ہو رہا ہے۔ گورنمنٹ کیسی فیاضی سے روپیہ صرف کر رہی ہے اور گورنمنٹ کی عنایت اور مہربانی کا عملی شکریہ اس طور پر ادا کیا جا سکتا ہے کہ ہم گورنمنٹ کی اس فیاضی سے فائدہ اُٹھائیں۔ اب حال ہی میں گورنمنٹ نے پھر یہ وعدہ فرمایا ہے کہ اگر لوگوں کی طرف سے کافی خواہش اور طلب پائی گئی تو سنہ رواں میں گورنمنٹ ایک لاکھ روپیہ تعلیم نسوان کے پھیلانے میں اور صرف کرے گی اور آیندہ سال بسال اس تعداد میں حسب ضرورت اضافہ کرتی جائے گی اب ہم کو دیکھنا یہ ہے کہ ہم کیا کر سکتے ہیں میں اس وقت حامیان تعلیم نسوان کو اور بالخصوص ان دوستوں کو جو تعلیم نسوان کے حامی ہیں گورنمنٹ کی پالیسی اور امسال کے دعوے کی طرف متوجہ کرتا ہوں کہ وہ اپنے اپنے شہروں میں کمیٹیاں قایم کریں اور سررشتہ تعلیم سے زنانہ مدارس کے لئے امداد طلب کریں اگر ہندو اور مسلمان دونوں مل کر اس کام کو کر سکیں تو اس سے بہتر کوئی بات نہیں ورنہ علیحدہ علیحدہ کریں تو بھی مطلب برآری ہو سکتی ہے ہر ضلع کے صدر مقام پر ایک مدرسہ اور ایک کمیٹی کا قایم ہونا اشد ضروری ہے۔ ہم نے بحیثیت

سکرٹری صیغہ تعلیم نسواں کے سینٹرل اسٹینڈنگ کمیٹی سے استدعا کی ہے کہ وہ کانفرنس فنڈ سے ہمکو امداد دے کہ ہم تعلیم نسواں کی اشاعت میں ضروری کوئی کارروائی کرسکیں اور ہمیں امید ہے کہ ہم بہت جلد اس کے متعلق کوئی عملی کام شروع کرسکیں گے۔

حسن اسلام

ریویو

یہ ایک مختصر صفحہ کا رسالہ جناب منشی ہادی حسین صاحب ہادی کی تصنیف سی بغرض ریویو ہمارے پاس آیا ہے اور مصنف نے بطور ایک اسلامی ناول کے اسکو شائع کیا ہے اور اس میں اسلام کے دقیق مسائل وحدانیت و رسالت قرآن شریف اور احادیث اور مستند کتابوں کے حوالہ سے بہت دلچسپ پیرایہ میں مصنف صاحب نے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اگر مصنف صاحب خود خاص طور پر ہمیں نہ بتائیں کہ یہ مسائل کس کی زبان سے بیان ہوئے ہیں اور ہمکو اپنی فراست سے واعظ کی قابلیت اور واقفیت اور تجربہ کا اندازہ کرنے کی ضرورت پیش آئے تو ہم یہ ضرور کہیں گے کہ یہ کسی ایسے عالم متبحر صاحب کمال کا وعظ ہے جس نے اپنی مدت العمر تحصیل علم میں صرف کی ہے اور اس کے ساتھ ہم یہ بھی اندازہ کریں گے کہ واعظ صاحب کی عمر پچاس سال سے ادھر کی نہوگی لیکن عجیب بات یہ ہے کہ مصنف صاحب نے ایک چودہ سالہ عمر کی لڑکی سے یہ کل حقائق و دقایق ثابت کرانے کی کوشش ہے عورتوں کے پڑھنے کا یہ مذہبی ناول بہت اچھا ہے اور ہم اس کی سفارش کرتے ہیں کہ سب بیبیاں اس کو پڑھیں اور اُن کے ساتھ ہی ہم یہ کہنے پر بھی مجبور ہیں کہ یہ ایک بچی کا وعظ بچوں

کی سمجھ سے بالاتر ہے ہمارے ملک کے ناول نویس قصہ نویس حضرات ابھی تک
اس راز کو اچھی طور پر نہیں سمجھتے ہیں کہ ناول اور قصوں میں کیسی قابلیت اور
کس عمر کا آدمی کون سی بات کہنے کے قابل ہے اس کمی کی وجہ سے عمدہ سے
عمدہ تصنیفات بھی بالکل مصنوعی اور بے اثر معلوم ہونے لگتی ہیں۔

ملنے کا پتہ منیجر ... لی پریس محلہ مائی گھاٹ شہر بنارس
قیمت مع محصول ڈاک ۲ر

ریویو

گندہریا کی سوانح عمری کے نام سے ۳۲ صفحہ کا ایک رسالہ جس کے اخیر میں
لکھا ہے راقمہ مومنہ اور جو بجنتی پریس آگرہ میں طبع ہوا ہے بغرض ریویو ہمارے پاس
آیا ہے۔ گندہریا ایک معمولی دیہاتی صوبہ بہار کے کسی گانوں کی رہنے والی عورت
تھی اور یہ کتاب اُس کی سوانح عمری ظاہر کرتی ہے۔ اس میں گندہریا کی عادات
وخصائل پاک دامنی، نیکی، ہمدردی عقل و رائے وغیرہ وغیرہ کا مناسب الفاظ
میں ذکر کیا ہے اور یہ بات نمایاں طور پر دکھائی ہے کہ رانڈ ہو جانے کے بعد
مثل اور ہندوستانی عورتوں کے وہ افلاس اور محتاجی میں عمر بھر غافل
نہیں رہی بلکہ مردانہ وار محنت مزدوری کر کے بسر اوقات کرتی رہی اور اس
نے اپنی ہمت اور دیانت سے اپنے پروسیوں پر بھی اچھا اثر کیا اس قسم
کی مثالیں ہمارے ملک میں بہت کم ہیں اس کو پڑھنے سے مستورات کو ضرور
فائدہ ہوتا۔ مولوی بشیر الدین خاں صاحب منیجر بجنتی پریس آگرہ کے پتہ سے
بقیمت ۳ر مل سکتی ہے۔

اعلان چندہ ریاست ٹونک سے بابتہ ماہ جون پچاس روپیہ

نمبر ۲ سید خورشید علی صاحب نے مدراس سے کوشش کرکے ما صے ر پارسی رین تھیٹریکل کمپنی سے بینی فٹ نائٹ کے ذریعہ وصول کرکے بھیجے ہیں سید خورشید علی صاحب کی ہمدردی اور گرم جوشی سے ناظرین واقف ہیں ہمکو اپنے ملک میں ایسے نوجوانوں کی سخت ضرورت محسوس ہورہی ہے جس قدر دنیا میں کام ہیں وہ ہمت اور ارادے سے پورے ہوسکتے ہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ ہمارے ملک کے نوجوانوں میں ہمت اور ارادے بہت کم ہیں سید خورشید علی صاحب کو ہم بطور ایک نمونہ کے نوجوانوں کے سامنے پیش کرتے ہیں گو مدراس میں ان کی سخت مخالفت ہورہی ہے اور کسی شخص محمد سلطان حسین جو مدراس کے کسی مشن اسکول کا منشی ہے ایک اشتہار" موسومہ خورشید میں تاریکی" اُن کی مخالفت میں شائع کیا

نمبر ۳ معرفت مولوی حبیب الرحمان خاں صاحب بمبئی سے مبلغ للعہ روپیہ بارہ آنہ وصول ہوئے ہیں۔ ہم مولوی حبیب الرحمن صاحب کے بہت مشکور ہیں کہ وہ قومی کاموں میں بڑی دلچسپی سے کام کرتے ہیں۔

نمبر ۴ ایک اور عطیہ نہایت قابل قدر قابل بیان کرنے کے ہے۔ ہمارے فنا فی القوم مولوی بشیر الدین احمد صاحب اڈیٹر البشیر کی سنجھلی صاحبزادی نے چھوٹی چھوٹی رقوم دو۔ دو چار۔ چار پیسے اپنے خرچ میں سے بچاکر مبلغ پانچروپیہ جمع کرکے نارمل اسکول کے چندہ میں دئے ہیں یہ اثر ہمارے دوست کے اعلے ہمدردانہ خیالات کا ہے کہ ان کی صاحبزادیوں کو قومی کاموں میں اور بالخصوص

تعلیم نسواں سے اس قدر دلچسپی اور ہمدردی ہے

نمبر ۵ گذشتہ اشاعت میں ہم نے ذکر کیا تھا کہ مسز آفتاب احمد خانصا
نے مبلغ چھ روپیہ غریب لڑکیوں کے وظیفہ کے لئے عطا کئے ہیں اس میں خ
مسز احمد حسین صاحبہ ہمشیرہ آفتاب احمد خاں صاحب بھی شریک ہیں ا و
علاوہ ان چھ روپیوں کے ان تینوں معزز خاتونوں نے اور اسی مد میں ح
فرمائے ہیں ہم اُن کا دلی شکریہ ادا کرتے ہیں ۔

نمبر ۶ مسز عبد الکریم خاں صاحب نے غریب لڑکیوں کے وظائف و
میں دو روپیہ پونے دو آنہ عطا فرمائے ہیں ۔ مسٹر عبد الکریم خاں صاحب شہر
کے مشہور رئیس و وکیل خواجہ محمد یوسف صاحب مرحوم کی صاحبزادی ہیں خ
محمد یوسف صاحب نے ابتدائے زمانہ میں سرسید کی نہایت ہمدردی کی وغیر

ہم نہایت درد دل سے ایک موت وفات کا اعلان کرتے ہیں ۔ ہمارے
نہایت جوشیلے اور قومی ہمدرد دوست مسٹر صاحبزادہ آفتاب احمد خانصا
کے نام نامی سے شاید کوئی فرد بشر ہندوستان میں ایسا ہوگا جو وا ق
نہواں کی نوجوان صاحبزادی جو گوالیار میں اپنے چچا صاحبزادہ سلطان
صاحب کے مکان پر ایک قابل مس صاحبہ سے انگریزی کی تعلیم حاصل کر رہی

چند روز کے بخار کے بعد اس جہان فانی سے رحلت کر گئیں۔ سب سے زیادہ رنج وافسوس کا یہ موقع ہے کہ ماں یا باپ اس کی زندگی میں گوا لیار نہ پہنچ سکے۔ صاحبزادہ صاحب بجنور میں تھے اور وہ عین اس وقت پہنچے جبکہ جنازہ قبر میں آتارا گیا دیر سے تختے پاٹ دیے گئے تھے اور وہ مرنے کے بعد بھی اپنی لخت جگر کی صورت نہ دیکھ سکے۔ البتہ مرحومہ کی والدہ نے اس مرنے کی صورت دیکھ لی ہمکو صاحبزادہ صاحب اور مسز آفتاب احمد خاں صاحبہ اور صاحبزادہ آفتاب احمد خاں صاحب کی والدہ محترمہ سے جن کے پاس بچپن سے مرحومہ رہتی تھی انتہا درجہ کی ہمدردی ہے۔ خدا معصومہ و مرحومہ کو غریق رحمت کرے۔

آجکل ملک میں عجیب بے چینی پھیلی ہوئی ہے لوگ سرکار کے خلاف باغیانہ تقریریں اور تحریریں کرتے ہیں اور سرکار کی طرف سے قانونی مواخذہ ہوتے ہیں لوگ سزائیں پاتے ہیں۔ مسٹر تلک جو تمام شورش کے بانی مبانی سمجھے جاتے ہیں اُن کو باغیانہ مضامین لکھنے پر چھ سال کالاپانی کی سزا ملی مدراس میں اور کلکتہ میں اور بمبئی میں اور پنجاب میں اور صوبجات متحدہ میں بھی بہت سے اڈیٹروں کو سزائیں مل چکی ہیں۔ خاص علیگڈھ میں چار آدمی ماخوذ ہوئے۔ ایک ہوتی لعل جس کو سات سال کی سزا کالے پانی کی پہلے مل چکی ہے اور ایک دوسرا مقدمہ اور قایم ہے اس شخص نے علی گڑھ سے ایک جھوٹا تار ایک بنگالی اخبار کو دیا تھا کہ علی گڑھ کے لوگ سرکار کے باغیوں سے ہمدردی رکھتے ہیں اور نیز اس نے باغیانہ

تحریریں علی گڑھ کے لوگوں میں تقسیم کیں

دوسرے مولوی فضل الحسن موہانی اوڈیٹر اردوئے معلی جو ایک ہونہار نوجوان تھے اور اردو لٹریچر اور زبان کی بڑی محنت اور جان فشانی سے خدمت کیا کرتے تھے وہ کالج سے نکلتے ہی بُری صحبت میں پڑ گئے اور تمام اپنے لیڈروں اور احباب کے ردیہ کے خلاف سرکار پر اتہام والزام لگانے میں گروہ مخالفین میں جا ملے اور اب اس کی پاداش میں نہایت رنج وافسوس سے لکھا جاتا ہے کہ ان کو دو سال کی قید سخت ہوئی ہمکو مولوی حسرت صاحب کے بیوی بچوں اور بوڑھے باپ سے انتہا درجہ کی ہمدردی ہے کہ انھوں نے ایک مجنونانہ فعل کی وجہ سے سب کو مصیبت میں ڈالا ان دو کے علاوہ دو آدمی اور ماخوذ ہیں جو بہت معمولی درجہ کے ہیں اور جن کا ذکر کرنا باعث طوالت ہوگا علاوہ ان چند بدنام کرنے والے اشخاص کے اور خدا کا فضل ہے کہ ہمارے ضلع کے زمیندار اور تجار وغیرہ کیا ہندو اور کیا مسلمان اور بالخصوص ٹرسٹیان ایم اے.او کالج سچے دل سے سرکار کے خیرخواہ اور جاں نثار ہیں اور اسباب کے لئے بالکل آمادہ ہیں کہ اگر خدانخواستہ کوئی نازک وقت آپڑے تو جان ومال سے بھی دریغ نہ کریں گے۔

اس نمبر میں ڈاکٹر سعید الظفر خاں صاحب کے نہایت دلچسپ مضمون کا ایک حصہ شائع ہوا ہے اس کے متعلق ڈاکٹر صاحب موصوف نے تصویریں بھی تیار کرا کے ہمارے پاس بھیجی ہیں لیکن تصویریں کسی قدر دیر میں آئیں اس لئے موجودہ نمبر میں شائع نہ ہوسکیں البتہ ہم آئندہ نمبر میں وہ کل تصویریں شائع

کریں گے اور ان کے ساتھ ہی ایک مفصل نوٹ بھی دیں گے تاکہ ناظرین کو ہر تصویر کی اصلیت سمجھنے میں غلطی نہ ہو

غالباً ناظرین اس انتظار میں ہوں گے کہ ہم نے نمایش کے بارے میں ہنوز کوئی اعلان نہیں کیا۔ اعلان سے پیشتر ہم چاہتے ہیں کہ اس بات کا پورا اطمینان کرلیں کہ بزرگان و احباب امرتسر کو بھاپچ کا نفرنس ہوگی نمایش کے انعقاد کی خواہش ہوتی ہے یا نہیں بعض باتیں اس سے پیشتر طے پاچکی تھیں کہ صرف چند امور طے کرنے باقی تھے۔ کل امور کے طے پانے پر نمایش کا اعلان کیا جائے گا

امسال ناگپور میں گورنمنٹ کی طرف سے ایک بڑی نمایش ہونے والی ہے اور اس کے متعلق زنانہ نمایش بھی ہوگی زنانہ نمایش کے بارے میں ناگپور کے نامی رئیس جناب ایم ایچ صاحب کے ذریعہ سے اور نیز بذریعہ ڈاکٹر بہادر محکمہ تعلیم صوبجات متحدہ پیش کی گئی ہے کہ ہم زنانہ نمایش کے لیے اشیار روانہ کرائیں اشیا نمایش یکم نومبر تک ناگپور پہنچ جانی چاہییں اور اس کے بعد پھر نہ لی جائیں گی۔ نمایش کامل دو ماہ تک یکم نومبر سے آخر دسمبر تک رہیگی اشیار زنانہ نمایش وہی ہیں جو ہمیشہ سے نمایشوں میں جاتی ہیں اور جو بی بی جو کچھ بھی کام جانتی ہوں کوشش کرکے کچھ نہ کچھ اس نمایش میں بھیجیں بالخصوص جناب سعید احمد بیگم صاحبہ۔ سلطانہ بیگم صاحبہ اڈیٹرہ صاحبہ تہذیب النسواں اور دیگر لیڈی ناظرین سے ہمکو توقع ہے کہ وہ اس نمایش میں ضرور حصہ لیں گی پتہ بھیجنے کا یہ ہے سکرٹری صاحب نمایش ناگپور۔ اشیار کی حفاظت وغیرہ کی نسبت بھیجنے والی خود خط و کتابت کے ذریعہ سے سکرٹری صاحب نمایش ناگپور سے طے کرلیں۔

علی گڑہ منتھلی

ایک ماہوار رسالہ ہی جو علی گڑہ کالج کی طرف سے جو اسلامی ترقی کا مرکز ہے
بہت عرصہ سے شائع ہوتا ہی، اسکا ایک جزو انگریزی میں ہوتا ہی اور دو جزو اُردو
میں، ملک کے اچھے اچھے اہل قلم کے مضامین اس میں شائع ہوتے ہیں، نامور
اُردو نگاروں اور مصنفین کے اظہار خیالات کا یہ رسالہ مرکز ہی، اسکے مضامین کی خوبیوں
کا اُسوقت تک اندازہ نہیں ہو سکتا جب تک کہ آپ اسکو منگا کر نہ دیکھیں، اسکی سالانہ
قیمت للعہ ہی اور ششماہی عہ / نمونہ کا پرچہ ۴ / کو ملتا ہی،

ملنے کا پتہ منیجر علی گڑہ منتھلی۔ ایم۔ اے۔ او کالج علی گڑہ

زمانہ باتو نسازد تو بازمانہ بساز

قیمت سالانہ
مع محصول سے ؍

زمانہ

قیمت نمونہ
فی پرچہ ۶؍

اُردو علم ادب کا بہترین ماہوار رسالہ

جس میں

ملک کے تمام نامور اہل قلم، اُردو کے مسلم الثبوت اساتذہ اور ملکی رہنماؤں کے قابل دید مضامین، جدید کتب پر عالمانہ تنقید، اور ملکی ضروریات پر سنجیدہ اور پُر معنی نوٹس کے علاوہ

مشاہیر ملک کی عکسی تصاویر بھی ہر ماہ شائع کیجاتی ہیں

اس کی چھپائی، لکھائی، کاغذ، تصویر مضامین وغیرہ ہندوستان کے ہر پرچہ سے نسبتہً عمدہ اور قابل دید ہیں، اور نامی پریس کانپور میں دبیز اور یورپی فنش نمبر اول کاغذ پر، اعلیٰ اہتمام سے چھپوایا جاتا ہے، حجم چار جزو، اور قیمت صرف سے ؍ سالانہ مع محصول ڈاک ہی

خاتون

جلد (٢) | بابت اگست سنہ ١٩٠٨ء | نمبر (٨)

اڈیٹر شیخ محمد عبداللہ بی اے ایل ایل بی سکرٹری تعلیم نسواں سکشن

فہرست مضامین

١ ...... ممتاز محل .. بتضمین مسٹر ہنری ووڈ - مارٹن ہل ١٨١
٢ ...... مستورات اور حسد .... ع ق بیگم از بلی ... ١٨٩
٣ ...... سوتن کا جلاپا .... قمر بیگم ١٩٣
٤ ...... بقیہ سائنس کی دلچسپیاں ... سعد الظفر خاں ٢٠٠
٥ ...... بقیہ بیگم .... فرنگ ٢٠١
٦ ...... بقیہ شاہ لیر .... اڈیٹر ٢٠٢
٧ ...... اڈیٹوریل .... اڈیٹر ٢١٠

محمد عبدالسلام کے اہتمام سے
[illegible] علی گڑھ میں طبع ہوا

خاتون

(۱) یہ رسالہ ۴۸ صفحے کا علی گڑھ سے ہر ماہ میں شائع ہوتا ہے اور اسکی سالانہ قیمت تین روپیہ اور ششماہی ایک روپیہ بارہ آنہ ہے۔

(۲) اس رسالہ کا صرف ایک مقصد ہے یعنی مستورات میں تعلیم پھیلانا اور پڑھی لکھی مستورات میں علمی مذاق پیدا کرنا۔

(۳) مستورات میں تعلیم پھیلانا کوئی آسان بات نہیں ہے اور جبتک مرد اس طرف متوجہ نہونگے مطلق کامیابی کی امید نہیں ہو سکتی چنانچہ اس خیال اور ضرورت کے لحاظ سے اس رسالہ کے ذریعہ سے مستورات کی تعلیم کی اشد ضرورت اور بیبہا فوائد اور مستورات کی جہالت سے جو نقصانات ہو رہے ہیں اس کی طرف ہمیشہ مردوں کو متوجہ کرتے رہیں گے

(۴) ہمارا رسالہ اس بات کی بہت کوشش کریگا کہ مستورات کے لیے عمدہ اور اعلی لٹریچر پیدا کیا جائے جس سے ہماری مستورات کے خیالات اور مذاق درست ہوں اور عمدہ تصنیفات کے پڑھنے کی ضرورت انکو محسوس ہو تاکہ وہ اپنی اولاد کو اس بڑے لطف سے محروم رکھنا جو علم سے انسان کو حاصل ہوتا ہے معیوب تصور کرنے لگیں۔

(۵) ہم بہت کوشش کریں گے کہ علمی مضامین جہاں تک ممکن ہو سلیس اور بامحاورہ اردو زبان میں لکھے جائیں۔

(۶) اس رسالہ کی مدد کرنے کے لئے اسکو خریدنا گویا اپنی آپ مدد کرنا ہے اگر اسکی آمدنی سے کچھ بچے گا تو اس سے غریب اور یتیم لڑکیوں کو وظائف دیکر استانیوں کی خدمت کے لیے تیار کیا جائیگا۔

تمام خط و کتابت و ترسیل زر بنام اڈیٹر خاتون علی گڑھ ہونی چاہیے

ممتاز محل

ممتاز محل کی سوانح عمری اس سے پیشتر مختصراً خاتون میں شائع ہو چکی ہے لیکن نفیس دلہن
صاحبہ نے مفصلہ ذیل مضمون نہایت قابلیت سے لکھ کر بغرض اشاعت ہمارے پاس بھیجا
ہے اور چونکہ علاوہ محض واقعات سوانح ممتاز محل اور بھی دلچسپ واقعات اس مضمون
میں درج کئے گئے ہیں اس لئے اُسکی اشاعت ناظرین کے لئے خالی از دلچسپی نہو گی ماسوا
اسکے اچھے لوگوں کے تذکرے اگر بار بار ہمارے مطالعہ میں آتے رہیں تو اُنسے بجز فائدے کے
کچھ نقصان نہیں ہے ہم بڑی شکر گذاری کے ساتھ اس مضمون کو درج رسالہ کرتے ہیں اور
ہمیں امید ہے کہ ہماری اور لیڈی نامہ نگار بھی نفیس دلہن صاحبہ کی تقلید کرینگی اور بغرض
مضامین نویسی پرانی اور جدید مفید کتابوں کا پڑھنا اور اُنسے عمدہ نتائج اخذ کرنا اپنی
زندگی کے اشغال میں شامل کریں گی

(اڈیٹر)

از ہمہ خوباں برعنائی یگانہ بودہ   در جمال خویش در عالم فسانہ بودہ

ارجمند بانو بیگم بلقب بہ ممتاز محل۔ یہ نامور بیگم مرزا غیاث بیگ طہرانی وزیر اعظم جہانگیر کے پوتے یمین الدولہ آصف خاں کی بیٹی۔ اور نورجہاں بیگم کی بھتیجی تھی ۱۰۰۳ھ ۱۵۹۴ء میں پیدا ہوئی نہایت حسین و صاحب جمال تھی فہم و فراست میں بھی نورجہاں بیگم سے کسی طرح کم نہ تھی تعلیم بھی اعلیٰ درجہ کی پائی تھی اس لئے شہنشاہ جہانگیر نے اپنے بیٹے شاہجہاں سے رشب جمعہ ۹ ربیع الاول ۱۰۲۱ھ میں شادی کردی تھی اس وقت شاہجہاں کی عمر بیس سال اور گیارہ مہینے کی تھی اور ارجمند بانو بیگم کی عمر ۱۹ برس سات مہینے بیرہ روز کی تھی بڑے شان اور جلوس سے بیاہ کر آئی اور ممتاز محل خطاب پایا۔ بزم شادی مرزا غیاث کے گھر منعقد ہوئی شاہ جہانگیر خود تشریف لے گئے اور اپنے ہاتھ سے نوشہ کے عمامہ پر موتیوں کا ہار باندھا۔ مہر پانچ لاکھ مقرر ہوا۔ اس سے ایک سال آٹھ مہینے پہلے شاہ اسمٰعیل صفوی فرماں روائے فارس کے پوتے مظفر حسین مرزا کی بیٹی سے شاہجہاں کا عقد ہو چکا تھا جو قندہاری بیگم کے لقب سے مشہور تھی اس سے ایک لڑکی بھی پیدا ہو چکی تھی جس کا نام پرہیز بانو بیگم تھا۔ ممتاز محل کے حسن وجمال فہم وفراست کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ شاہ جہاں کے دل کو جس میں قندہاری بیگم نے اتنی مدت سے جگہ کر لی تھی، ایک دم میں اپنی طرف مائل کرکے اپنی الفت و محبت کا سکہ جما دیا اور صحبت بھی ایسی کہ جس کا خمار جیتے جی نہ اترا ملکہ مرنے کے بعد بھی جدا نہ ہوئی سچی محبت اور روحانی نسبت اسے کہتے ہیں۔

ممتاز محل سے شاہجہاں کو وہی نسبت تھی جو جہانگیر کو نورجہاں بیگم سے تھی جس طرح نورجہاں نے اپنی خداداد قابلیت سے جہانگیر کے چشم و دل

میں گھر کر لیا تھا اسی طرح ممتاز محل نے شاہجہاں کو مسخر کر لیا تھا ممتاز محل اپنی ذاتی قابلیت اور حسن وجمال میں نور جہاں بیگم کے ہم پلہ تھی ملکہ نور جہاں بیگم کو وہی لوگ جانتے ہیں جنھوں نے تاریخ گردانی کی ہے لیکن ممتاز محل سے دنیا بھر کا بچہ بچہ واقف ہے کونسی بیگم ایسی خوش نصیب گذری ہے جس کے مدفن پر ہزاروں کوس سے مختلف ملک اور مختلف مذہب اور قوم کے لوگ صرف دیکھنے کو آیا کریں اور اپنے ملک میں واپس جاکر اس پر فخر ومباہات کریں

شاہجہاں کو ممتاز محل سے دلی محبت تھی یہی وجہ تھی کہ کبھی ایک لمحہ کو بھی اس کی مفارقت گوارا نہ کی یہاں تک کہ لڑائیوں میں بھی ہمیشہ ساتھ ہی رہی۔

دکن کی مہمات میں یہ دور اندیش صائب الرائے بیگم شاہجہاں کی مشیر رہی اور پولیٹکل معاملات میں بھی بہت کچھ مدد دی تھی ۱۰۲۹ھ مطابق ۱۶۱۹ء تک ممتاز محل اور شاہجہاں دکن میں نہایت عیش ونشاط کے ساتھ انتظام ملکی میں مصروف رہے اب تک نور جہاں بھی آصف خاں کے مراتب کی وجہ سے شاہجہاں سے موافق اور اس کی معاون رہی شاہجہاں کو سلطنت جہانگیری میں بڑا دخل تھا اسی سال نور جہاں بیگم نے اپنی بیٹی کی شادی (جو شیر افگن خاں سے تھی) جہانگیر کے چھوٹے بیٹے شہریار سے کر دی اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ نور جہاں بیگم شاہجہاں سے خلاف اور شہریار سے موافق ہو گئی۔ اس کی دلی خواہش یہ ہوئی کہ شاہجہاں کی قوت کم ہو اور بعد جہانگیر کے سلطنت شہریار کے قبضہ اقتدار میں رہی اسی بنا پر اس نے سازشیں شروع کیں اور اس فکر میں رہنے لگی کہ جہانگیر شاہجہاں سے متنفر ہو جائے چنانچہ ایسا ہی ہوا ہر چند شاہجہاں نے کوشش کی کہ باپ سے صفائی ہو جائے مگر نہ ہوئی یہاں تک کہ جہانگیر نے ایک بڑا لشکر شاہجہاں کی گرفتاری کو بھیجا سلطان پرویز اور مہابت خاں اس کے سردار تھے شاہجہاں یہ خبر پاکر

برھان پور سے بھاگا۔ کبھی شاہان دکن کے یہاں اور کبھی بنگالہ میں پناہ لی۔ الغرض آٹھ برس تک معتوب رہا اس بدامنی اور اضطراب کی حالت میں بھی اپنی محبوبہ ممتاز محل کو اپنی جان کے ساتھ ہی رکھا۔ جب جہانگیر کا انتقال ہو گیا تو شاہجہاں نے دارالخلافہ کی طرف رُخ کیا اور آصف خاں کی کوشش سے نہایت شان و شوکت سے تخت نشین ہوا اس موقع پر شاہجہاں اور ممتاز محل کو جو خوشی حاصل ہوئی اس کا اندازہ کیا ہو سکتا ہے۔

شاہجہاں نے دو لاکھ اشرفی اور چھ لاکھ روپیہ ملکہ ممدوحہ کو بطور انعام عطا کیا اور دس لاکھ روپیہ سالانہ کی جاگیر مقرر کی ایام جشن نوروز میں پچاس لاکھ زیورات منظور کئے۔ سنہ ۱۰۲۹ھ ۱۶۱۹ء میں سالانہ وظیفہ دو لاکھ اور اضافہ کیا

تاج محل کا رسوخ و اعتماد

عہد شاہجہاں میں ممتاز محل کو سلطنت میں وہی دخل تھا جو جہانگیر کے زمانہ میں نورجہاں بیگم کو تھا چنانچہ شاہجہاں نے تخت نشینی کے بعد شاہی مُہر اپنی معتمد و لائق بیگم کو دے دی تمام فرامین پہلے شاہی محل میں جاتے اگر مناسب نفاذ ہوتے تو اُن پر مہر ثبت کی جاتی ورنہ بغرض تحقیق مزید علیحدہ رکھدئے جاتے کچھ عرصہ کے بعد ممتاز محل کی سفارش سے مہر یمین الدولہ آصف خاں کو مرحمت ہوئی اور منصب نو ہزاری بھی عطا ہوا پچاس لاکھ روپیہ سالانہ کی جاگیر منظور ہوئی۔ سچ ہے لعل پیارا تو اُس کا خیال بھی پیارا ممتاز محل کی بدولت آصف خاں کو ایسا عروج حاصل ہوا کہ کوئی آرزو باقی نہ رہی اکثر کہا کرتے تھے کہ میری صرف یہی حسرت باقی ہے کہ بادشاہ کے سامنے ہی دنیا سے رخصت ہوں،

ممتاز محل نہایت درجہ رحم دل تھی (اور یہ صنف نسا کا وصف عام ہے) غریبوں کی فریاد رسی اور ان سے ہمدردی۔ بیواؤں ومساکین کی خبر گیری اور امداد۔ کنواری لڑکیوں کی شادی کا انتظام واہتمام یہ اس کی روزانہ ضروریات میں سے تھا ستی النسا خانم (اس کی مصاحبہ جس کا مقبرہ تاج گنج سے ملا ہوا ہے) ان امور کی منتظمہ تھی۔

سیکڑوں قاتل ومجرم اس کی سفارش سے رہا ہو گئے اور بہت سے معتوب متوسلین سلطنت اپنے عہدوں پر بحال کرا دئے۔

شاہجہاں برہان پور ملک دکن میں خان جہاں لودی کی سرکوبی کی غرض سے خیمہ زن تھا کہ ۷ ذلیقعد کو دفعتًا ممتاز محل علیل ہو گئی۔ آدھی رات کے بعد لڑکی پیدا ہوئی لیکن اس کی تکلیفیں برابر بڑھتی رہیں غش پہ غش آنے لگا آخر کار زندگی سے مایوس ہو گئی تب شہزادی جہاں آرا کو جو اس کے پاس بیٹھی تھی اشارہ کیا کہ زنانہ کمرہ کی راہ سے بادشاہ کو بلا لائے اس وقت تین گھڑی رات باقی تھی۔ بادشاہ گھبرا کر فورًا آئے اور سرہانے بیٹھ گئے ممتاز محل نے اپنے آنسووں بھری آنکھیں کھول کر نظر یاس سے بادشاہ کی طرف دیکھا اور کہا کہ میرے بعد میری اولاد سے غافل نہونا اور میرے بیکس والدین کی بھی خبر گیری کرتے رہنا۔ پھر دوبارہ گہری نگاہ سے اپنی عمر بھر کے رفیق کو دیکھکر ہمیشہ کے لئے آنکھیں بند کرلیں انا للہ وانا الیہ راجعون

اس حادثہ جانکاہ سے قیامت صغرا بر پا ہو گئی۔ بادشاہ کے غم و الم کا کیا بیان ہو ہفتوں سلطنت کے کسی امیر کی صورت نہیں دیکھی نہ کبھی جھروکہ پر انتظام ملکی کی غرض سے نمودار ہوئے دو برس برابر اس

اس صدمہ میں تمام مسرت انگیز باتیں چھوڑ رکھی تھیں یہاں تک کہ لذیذ کھانوں سے متنفر ہو گئے تھے۔ عید وغیرہ کی تقریبوں میں جب اور بیگمات اس کی خدمت میں حاضر ہوتیں تو ان میں اپنی محبوبہ کو غایب پاکر زار زار رونے جب کبھی اس کی خوابگاہ میں پہنچ جاتے تو آنسوؤں کا تار بندھ جاتا تھا۔ ملا عبد الحمید لاہوری لکھتے ہیں کہ اس واقعہ سے پہلے بادشاہ کے دس بیس بال سفید تھے مگر ممتاز محل کی مفارقت سے چند ہی روز بعد فرط غم سے تمام بال سفید ہو گئے۔ سچی محبت ہر رنگ میں اپنا جلوہ دکھاتی ہے دونو ایک جان دو قالب کے مصداق تھے۔ ایک کی زندگی گویا دوسرے کی حیات پر منحصر تھی جب باہمی تعلق اس حد پر پہنچ گیا ہو تو ایک حد فراق جاودانی سے دوسرے کو جس قدر صدمہ ہو کم ہے پناہ بخدا۔

کیسی خوش قسمت بیگم تھی کہ اپنے قدردان کے سامنے دنیا سے کوچ کیا۔ اگر شاہجہاں کے بعد مرتی تو آج اس شان و شوکت سے تاج محل میں سوتی ہوئی نظر نہ آتی اور اس پر طرہ یہ کہ اپنا وارث اپنا سرتاج۔ اپنا بادشاہ اپنے پاس۔ خداہر بیوی کو یہ مرتبہ عطا فرمائے روضہ تاج گنج میں دونوں قبریں دیکھ کر دل پر عجیب کیفیت طاری ہوتی ہے اور بے اختیار۔ رونا آتا ہے کیسی بیکسی کی حالت میں دونو رفیق جانی پہلو بہ پہلو قیامت کی نیند سو رہے ہیں

گر پیر نود سالہ بمیرد عجب مبست — ایں ماتم سخت ست کہ گویند جوان مُرد

ممتاز محل کی نعش۔ مشرقی دستور کے موافق نعش کو باغ زین آباد واقع برہان پور متصل دریائے تاپتی میں بطور امانت دفن کر دیا۔ جمعرات کے روز ۲۵ تاریخ سہ پہر کو بادشاہ باغ زین آباد میں گئے اور اپنی

جواں مرگ حسرت نصیب بیوی کی عارضی قبر پر فاتحہ پڑھی اور جب تک
برہان پور میں رہے یہی معمول رہا کہ ہر جمعہ کو فاتحہ خوانی کی غرض سے
وہاں جاتے اور اپنا رنج وغم تازہ کرتے تھے چھ مہینے بعد جمعہ کے روز
۱۷ جمادی الاول ۱۰۴۱ھ ۱۶۳۱ء کو ملکہ کی نعش شہزادہ محمد شجاع اور ستی النسار
خانم کی حفاظت میں برہان پور سے آگرہ روانہ ہوئی۔ جہاں آرا بیگم
اور وزیر خاں طبیب بھی ساتھ تھے حکم شاہی کے موافق برہان پور
سے آگرہ تک فقرا ومساکین کو کھانا اور روپیہ بکثرت بطور خیرات تقسیم کرتے
ہوئے آئے چھ مہینے تک مرحومہ کی نعش کو روضہ تاج گنج کے صحن باغ
میں امانتاً سپرد کیا بعدہ اصل مقبرہ میں دفن کیا۔ ملا محمد صالح لکھتے ہیں کہ
اس حادثہ کے بعد ہر سال جب ذیقعد کا مہینہ آتا تو بارگاہ شاہجہاں
میں تعزیت کا سامان ہوتا۔ بادشاہ سپید پوشاک پہنتے اور تمام امرا وغیرہ
ماتمی لباس میں نظر آتے

ممتاز محل کے تمام سامان خانہ داری جہان آرا بیگم کے سپرد تھے اور
سالانہ وظیفہ جو ممتاز محل کے لئے مقرر تھا اسمیں چار لاکھ کا اضافہ کرکے
جہاں آرا بیگم کو منتقل کردیا تھا جو آدھا نقد اور آدھا جاگیر کی صورت
میں تھا۔ مرزا اسحاق بیگ یزدی جو ممتاز محل کے میر سامان تھے وہ
جہان آرا بیگم کے دیوان کردیے گئے اور ستی النسار خانم بدستور امور
خانگی کی منتظمہ رہیں اور مہر بھی انھیں کی سپرد کی گئی

ممتاز محل کے آٹھ لڑکے چھ لڑکیاں پیدا ہوئیں تھیں مگر وفات کے
وقت صرف سات زندہ تھے حور النسا بیگم۔ جہاں آرا بیگم۔ محمد دارا شکوہ
محمد شاہ شجاع۔ روشن آرا بیگم۔ اورنگ زیب۔ امید بخش پریا بانو بیگم ایک لڑکا

اور جو نام رکھنے سے پہلے مر گیا تھا مرادبخش۔ لطف اللہ۔ شہزادہ دولت افزا۔ جبیہ قدسیہ۔ گوہر آرا بیگم حور النسا بیگم ۸ صفر ۱۰۲۲ھ / ۱۶۱۳ء کو آگرہ میں پیدا ہوئی اور تین برس ایک مہینہ بعد انتقال کیا۔ جہاں آرا بیگم ۲ صفر ۱۰۲۳ھ / ۱۶۱۴ء میں پیدا ہوئی اس وقت شاہجہاں میواڑ کے راجہ سے لڑائی میں مصروف تھا۔ محمد دارا شکوہ میواڑ سے واپسی میں اجمیر میں ۲۹ صفر ۱۰۲۴ھ / ۱۶۱۵ء میں پیدا ہوا محمد شاہ شجاع ۱۸ جمادی الآخر ۱۰۲۵ھ / ۱۶۱۶ء کو اجمیر میں پیدا ہوا روشن آرا بیگم ۲ رمضان مبارک ۱۰۲۶ھ / ۱۶۱۷ء میں بمقام برہان پور پیدا ہوئی اورنگ زیب عالمگیر ۲۵ ذیقعد ۱۰۲۷ھ / ۱۶۱۸ء میں پیدا ہوا
امید بخش مضافات سرہند میں ۱۱ المحرم ۱۰۲۹ھ / ۱۶۱۹ء میں بمقام برہان پور پیدا ہوا اور ۱۰۳۱ھ / ۱۶۲۲ء میں انتقال کیا۔
ثریا بانو بیگم ۲۰ رجب ۱۰۳۰ھ / ۱۶۲۱ء میں پیدا ہوئی اور سات برس کی عمر میں رحلت کی۔
ایک لڑکا ۱۰۳۲ھ / ۱۶۲۲ء میں پیدا ہوا اور چند روز بعد مر گیا
مرادبخش رہتاس کے قلعہ میں ۲۵ ذالحجہ ۱۰۳۳ھ / ۱۶۲۴ء میں پیدا ہوا
شہزادہ لطف اللہ ۱۴ صفر ۱۰۳۶ھ / ۱۶۲۶ء میں پیدا ہوا اور ایک سال سات مہینہ زندہ رہا
شہزادہ دولت افزا ۱۰۳۷ھ / ۱۶۲۷ء میں پیدا ہوا اور اسی سال انتقال کیا
جبیہ قدسیہ ۱ رمضان مبارک ۱۰۳۹ھ / ۱۶۲۹ء میں پیدا ہوئی اور سال بھر بعد رحلت کر گئی
گوہر آرا بیگم ۱۷ ذیقعد ۱۰۴۰ھ / ۱۶۳۱ء میں بمقام برہان پور پیدا ہوئی اور اسی کی پیدایش کے وقت ممتاز محل اس جہان سے گذر گئی

راقمہ نفیس دلہن

مارٹن محل آگرہ

مستورات اور حسد

جو مضمون ہم ذیل میں درج کرتے ہیں ہمیں امید ہے کہ ہماری لیڈی ناظرین اس کو بغور پڑھیں گی اس مضمون میں ایک ایسی بات کی طرف توجہ دلائی ہے کہ جس کی وجہ سے قریب قریب کل بنی نوع انسان اور بالخصوص فرقہ نسوان ایک بڑی مصیبت اور تکلیف میں مبتلا ہیں۔ یہ ایک عام تجربہ کی بات ہے کہ دوسروں کی ثروت ۔خوشی ۔تمول ۔ وغیرہ وغیرہ کو دیکھ کر لوگ بوجہ حسد کے بجائے خوشی کے رنج کرتے ہیں ایک مرتبہ خاکسار اڈیٹر کے سامنے ایک شخص سے کسی نے کہا کہ تمہارے چچازاد بھائی تحصیلدار سے ڈپٹی کلکٹر ہو گئے تو بجائے اسکے کہ وہ خوش ہوتے کہ اُن کا ایسا قریب رشتہ دار ملازمت کے اعلےٰ عہدہ پر مقرر ہوا ہے اُن کو سخت رنج ہوا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اُن کو کسی عزیز کے ماتم کی خبر سنائی گئی ہے نہایت رنج کی آواز میں کہنے لگے کہ خدا اپنے گدھوں کو خشکہ کھلاتا ہے ۔ہمیں کیا ہو گئے تو اپنے لئے ہونگے ۔ اب یہ تو مردوں کی حالت ہے عورتیں جن میں تعلیم کم اور جہالت زیادہ ہے کچھ اس وجہ سے اور کچھ قدرتی طور پر بھی اُن میں حسد کا مادہ زیادہ ہوتا ہے

ہماری مضمون نگار صاحبہ نے بہت ٹھیک کہا ہے کہ خدا تعالےٰ جو بڑا فیاض رزاق اور رحیم ہے وہ کسی کے حسد کرنے سے اور بُرا ماننے سے اپنی فیاضی ۔ رزاقی یا رحمانیت میں کسی طرح کمی نہیں کرتا ۔ پھر ناحق رنج کرنے سے کیا نفع ۔ تو بجائے اس کے انسان خدا کے کاموں پر خوش ہی کیوں نہو ۔کسی کو ترقی ملی ۔ دولت کا میابی یہ سب خدا کے عطیات ہیں اور خدا نے جس شخص کے لئے مخصوص کر رکھیں ہیں اسی کو ملیں گے ۔ یہ تو ہونے کا نہیں کہ دوسرے کی جگہ ہمکو ملجائے پھر عقلمند آدمیوں کو بجائے اس کے کہ اپنے دل کو حسد اور کینہ کی قبر بنائیں اور روز انمیں بہت سی بُرائیاں دفن کرتے جائیں ۔ اسکو شہد کی مکھی کی طرح ہر ایک پھول سے شہد حاصل کرنے کی عادی بنائیں ۔

(اڈیٹر)

یہ ایک نہایت مذموم وصف ہے جس سے خاصکر ہم فرقہ اناث متصف ہیں اکثر بیبیاں اوروں کے مال و دولت ۔ علم و ہنر غرضکہ ہر ایک نعمت پر حسد کرتی ہیں وجہ کیا ہے کہ اس مہلک مرض میں جو ہمارے روح کو تباہ کرتا ہے زیادہ تر مستورات ہی مبتلا پائی جاتی ہیں وہی انکی ایک جہالت یعنی جیسے کہ ہم خود جاہل ہیں ویسی ہی

ہم صحبتوں میں رہ کر حسد جیسے موذی مرض سے پرہیز تو درکنار اُسے پختہ اور موروثی بنا لیتی ہیں یعنی بچے بھی لڑکپن ہی سے آہستہ آہستہ اس عادت بد کے خوگر ہوتے رہتے ہیں۔ اور اسی طرح اس کا اثر بد کنبے کے کنبے نیز قوم کی قوم کو حالت پستی میں گرائے ہوئے ہے اگر ہر ایک بہن رسالہ خاتون کا پڑھنا ہمیشہ پسند کرے تو ممکن ہے کہ اس قسم کی عادات بد مطلقاً چھوٹ جائیں اسمیں شک نہیں کہ حسد حاسد کے نقصان اور محسود اکثر نفع کا باعث ہوتا ہے۔ نیز حاسد خدائے باحکمت کی تقسیم سے جو اُسنے اپنے بندوں میں کی ہے ناراض رہتا ہے حالانکہ اس کی ناراضگی سے اس تقسیم میں کچھ بھی کمی بیشی نہیں ہوتی۔ گو حاسد چاہتا ہے کہ اس کے حسد کے سبب محسود کی نعمت زائل ہو لیکن اُس کا نقصان اسیکی طرف پھرتا ہے اور حسد کی وجہ سے اپنی ہی نعمت کو زائل کر لیتا ہے چنانچہ اس جگہ ایک حکایت مثال کے طور پر لکھی جاتی ہے۔ ایک شخص بادشاہ کے سامنے کھڑا ہو کر ہر روز کہا کرتا تھا کہ نیکوں کے ساتھ نیکی کر کیونکہ بدکردار کو اُسکا کردار ہی کافی ہے اُسے اُس کے کردار پر چھوڑ دے۔ بادشاہ اس کی بات کو بہت پسند کرتا اور اسے انعام بخشتا ایک شخص نے اُس کا حسد کیا اور بادشاہ سے کہا کہ یہ شخص حضور کو گندہ دہن کہتا ہے بادشاہ نے اسکا ثبوت مانگا اُس نے جواب دیا کہ اس شخص کو پاس بلائیں اور دیکھ لیں کہ وہ اپنی ناک پر ہاتھ رکھ لیتا ہے تاکہ بو نہ سونگھے بعد وہ حاسد آیا اور اس شخص کو اپنے گھر لیجا کر لہسن پڑا کھانا کھلایا پھر بادشاہ نے اُسکو اپنے پاس بلایا اُسنے اپنے مُنہ پر ہاتھ رکھ لیا تاکہ بادشاہ کے مُنہ میں لہسن کی بو نجائے بادشاہ سمجھا کہ اُسنے سچ کہا تھا بادشاہ کی عادت تھی کہ بھاری خلعت اور بڑے انعام کے سوا اور کوئی حکم اپنے دستخط خاص سے نہ لکھتا ایک غلام کو لکھا کہ اس خط پہنچانے والے کا سر کاٹ کر کھال میں بھُس بھر دے اور مُہر کر کے خط اسکو دیدیا جب وہ باہر نکلا تو وہی حاسد ملا پوچھا یہ کیا ہے بولا خلعت ہے حاسد نے کہا مجھی

دیدے اُس نے دیدیا وہ لے کر عامل کے پاس گیا اُسنے کہا کہ اس خط میں تمہیں قتل کرنے اور کھال میں بھس بھرنے کا حکم ہے اس نے کہا تم بادشاہ سے پھر پوچھ لو یہ حکم دوسرے کے حق میں ہے اس نے کہا کہ بادشاہ کے حکم میں دوبارہ پوچھنے کی ضرورت نہیں غرضکہ اس حاسد کو قتل کر ڈالا دوسرے دن حسب معمول بادشاہ کے سامنے جاکر وہی لفظ کہنے لگا بادشاہ متعجب ہوا پوچھا تونے وہ خط کیا کیا بولا فلانے آدمی نے مجھ سے مانگا میں نے دیدیا بادشاہ نے کہا وہ کہتا تھا تو نے ایسا ایسا کہا اس نے کہا میں نے کبھی نہیں کہا۔ بادشاہ نے پوچھا تونے منہ پر ہاتھ کیوں رکھا تھا اس نے اس شخص کا گھر لیجا کر لہسن کھلانا وغیرہ بیان کیا بادشاہ نے کہا تو ہر روز کہا کرتا ہے کہ بدکردار کو اس کا فعل کافی ہے واقعی اس بدکردار کو کافی ہو گیا۔ اور حاسد کے واسطے ایک نقصان یہ ہے کہ وہ ہمیشہ رنج وغم میں مبتلا رہتا ہے کیونکہ ہمیشہ کسی نہ کسی کو نعمت ملتی ہے اور حاسد جس رنج وغم میں محسود کو دیکھنا چاہتا ہے خود ہی اس رنج میں مبتلا رہتا ہے۔ کیونکہ مرض حسد سے بڑھ کر اور کوئی مرض ایسا لا دوا نہیں ہے بہتر ہو گر حسد کو پیدا ہی ہونے دیں چنانچہ حضرت سعدی علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے۔

بمیر تا برہی اے حسود کیں رنج یست　　　که از مشقت آں جز بمرگ نتواں رست

(یعنی اے حاسد مر جا تاکہ اس مرض سے جس میں تو مبتلا ہے چھٹکارا پائے۔ کیونکہ بلا موت کے اس مرض کا کوئی دوسرا علاج نہیں ہے۔

اسمیں شک نہیں کہ حسد سے بڑھ کر کوئی حماقت وجہالت نہیں ہے جو حسد کا اثر محسوس کرے مثلاً کسی کی بہتری بُری معلوم ہوئے سے فوراً اُسکا علاج کرنا چاہئے یعنی جو خواہش حسد کے متعلق پیدا ہوا اُس کے خلاف کرے اگرچہ یہ دوا کڑوی ہے اور اسمیں صبر کامل درکار ہے تاہم فائدہ اسکا کثیر ہے جیسا کہ حسد کی

کی نعمت کے زوال کی خواہش کرنے اور عداوت کرنے کی ترغیب دے تو اُس کے خلاف کرنا چاہئے یعنی کہ اس کی بہتری کے لئے ویسی خواہش کرے اس کی غیبت میں کسے اچھا کہے اور دل سے اُسکی بہتری چاہے پیٹھ پیچھے اس کی تعریف کرے جسکو سُن کر وہ خوش ہو جب ایسا کریں گی تو اُس کا پرتو دل پر پڑے گا جس کے عکس سے دل بھی خوش ہوگا اور عداوت منقطع ہو جائے گی جب ایک دفعہ حسد کی جانب طبیعت کو روکا تو آیندہ عادت ہو جائے گی قرآن مجید میں حق تعالےٰ فرماتا ہے

ادفع بالتی ہی احسن فاذ الذی بینک وبینہ عداوۃ کانہ ولی حمیم

یعنی بُرائی کا دفعیہ ایسے برتاوے سے کرو کہ وہ بہت اچھا ہو (اگر ایسا کروگے) تو تم دیکھوگے کہ تم میں اور کسی شخص میں عداوت تھی تو اب ایک دم سے وہ تمہارا دلسوز دوست ہے ہمیں چاہئے کہ جہاں تک ممکن ہوسکے اپنے کو اس ناپاک وصف سے بچائیں اور اس سے بچنے کے لئے ہمہ تن کوشش کرتے ہوئے خدائے بے نیاز کی مدد ڈھونڈیں نصر من اللہ وفتح قریب

راقمہ ع ف از بستی نو جالندھر

سوتن کا جلاپا
ایک اور واقعہ

ہم ذیل میں بھی ر بیگم صاحبہ کا مضمون درج کرتے ہیں۔ سوتن کے جلاپے پر ہمارے پاس اور بھی بہت سے مضامین آئے ہیں لیکن ہمکو یقین دلایا گیا ہے کہ اس مضمون کے واقعات بالکل سچے ہیں اس لئے اسکو درج رسالہ کرتے ہیں اس مضمون میں یہ بات دکھائی گئی ہے کہ عورتوں میں جہالت ایک بڑا سبب ان کی بہت سی مصیبتوں کا

چنانچہ آجکل تعلیم یافتہ لوگ خواندہ بیبیاں چاہتے ہیں اور ماں باپ جاہل لڑکیوں
سے اُن کی شادی کر دیتے ہیں جب وہ خود کمانے کھانے لگتے ہیں تو اپنی مرضی
کے موافق دوسری شادی کر لیتے ہیں اس لیئے بے گناہ جاہل لڑکیوں کی جان پر حق
ایک آفت نازل ہوتی ہے ہم لڑکیوں کے والدین کو اس سے پیشتر بہت اچھی
طرح متنبہ کر چکے ہیں اور اب پھر کرتے ہیں کہ اگر تمکو اپنی اولاد کی عزت اور زندگی
بھر کی خوشی اور خوشحالی منظور ہو تو اُن کو تعلیم دو۔ تعلیم دو تعلیم دو

(اڈیٹر)

گذشتہ خاتون میں (س د ج) بیگم کا مضمون بعنوان (سونے کا جلایا) دیکھ
کر مجکو بھی ایک سچا اور تازہ واقعہ یاد پڑا جس کو ناظرین خاتون کے آگے پیش
کرتی ہوں امید کہ معزز ناظرین میری اس ناچیز تحریر کو چشم پوشی کی نظر سے دیکھیں
گے اور آیندہ کو حوصلہ افزائی فرمایئں گے۔

مہر النسا اپنے والدین کی اکلوتی بیٹی تھی بڑے ہی ناز و نعم سے پرورش
پائی امجد علی اپنے گھر سے خوش حال تھے اور اُن کا شمار دولتمندوں میں ہوتا تھا
مہر النسا کی تعلیم و تربیت اگلے زمانہ کے شرفا کے دستور پر ہوتی یعنی قرآن مجید
پڑھایا گیا اور اردو مسئلہ مسائل سے واقف کیا اردو خط لکھتی تھیں چونکہ
امجد علی پرانے خیالات کے انسان تھے بدیں وجہ اُنھوں نے زیادہ پڑھانا
مناسب نہ جانا جب مہر النسا پندرہ سال کی ہوئیں میاں شفیق سے بیاہی گئیں نہ
میاں شفیق سے ہی دریافت کیا گیا کہ آیا وہ اس رشتہ کو پسند کرتے ہیں یا ناپسند
اور نہ مہر النسا سے وہ بیچاری کس شمار قطار میں لڑکا لڑکی اپنے رشتہ ناتوں
سے محض ناواقف تھی کہ نام سے بے خبر ناواقفیت کی شادی کا انجام بُرا ہوتا
ہے اس پر طرہ یہ کہ میاں شفیق اپنی دانست میں اپنے لئے ایک تعلیمیافتہ لڑکی

کو مقرر کر چکے تھے اُن کا ارادہ مصمم تھا کہ اسی خاندان میں بیاہ ہو چونکہ مہرالنسا
دولت مند تھیں دان جہیز کی خوشی میں والدین نے شفیق کو مجبور کر لیا کہ مہرالنسا
سے بیاہ ہو بھلا شادی بیاہ کی باتوں میں لڑکا لڑکی کی رضامندی کون
دریافت کرتا ہے کس کو غرض پڑی ہے مُردہ جنت میں جائے یا دوزخ
میں حلوا چپاتی سے کام آئندہ جو ہو سو ہو بیاہ سے کام ہے کہیں تو تعلیمیافتہ
روشن خیال عالی دماغ لڑکوں کو جاہل ان پڑھ لڑکیوں کے ہمراہ عمر بھر جوتا
جاتا ہے جو ایک دوسرے کی طرز زندگی جدا۔ مذاق جدا خیال جدا رکھتے ہیں
جس کے باعث عمر بھر مصیبت جھیلنی پڑتی ہے نہ میاں کچھ زندگانی کا حظ اُٹھا سکتے
ہیں نا بی بی اور کہیں تو لائق فائق پڑھی لکھی جوان لڑکیوں کو دولت کی حرص
میں کسی بڈھے کھوسٹ سے بیاہا جاتا ہے جس کا نتیجہ صاف ظاہر ہے۔ "بلبل را
بازاغ تقفس کردن" والی مثل ان پر صادق آتی ہے غرضکہ اسی طرز پر ان کا بیاہ
ہوا چوتھی چالے تک خیریت گذری بعد اس کے نا اتفاقی کی ابتدا ہونے لگی
شفیق کے والدین نے انتقال کیا۔ مہرالنسا کے والد نے بھی چند دن میں سفر
جنت اختیار کیا۔ بعزم ملازمت شفیق نے وطن کو خیرباد کہکر قریب کے ایک
شہر میں سکونت اختیار کی مہینوں گذر جاتے لیکن کبھی بھولے بھٹکے بھی شفیق نے
مکان کی جانب رخ نہ کرتے خط خطوط کا تو ذکر ہی نہیں۔ ساس سسرے کا
غم والد کا ماتم۔ جوان بھائی کا داغ۔ شوہر کی بے رخی بے اعتنائی کے خیال
سے مہرالنسا روز بروز فکرمند ہوتی گئیں ان فکروں سے وہ اندر ہی اندر گھلی
جاتی تھیں۔ سب سے زیادہ غم مہرالنسا کو اپنے شوہر کی بے پروائی کا تھا ایک دن
افواہ اُڑی کہ میاں شفیق مع اپنی نئی نویلی دلہن کے تشریف فرما ہوئے ہیں معلوم
ہوا کہ میاں شفیق نے پردیس جا کر اپنے حسب دلخواہ جگہ اپنا بیاہ کیا مہرالنسا

کی رضامندی تو کجا انھیں خبر بھی نہیں کہ میاں شفیق دوسرا بیاہ کیا چاہتے ہیں
جب یکایک یہ خبر مہرالنسا کو پہنچی ان کے معصوم دل پر اس قدر صدمہ پہنچا کہ وہ
دہم سے زمین پر گر پڑیں اور بیہوش ہو گئیں گھنٹوں غشی کی حالت طاری رہی
بہت دیر کے بعد انہیں ہوش آیا تو سب سے دریافت کیا کہ یہ بات کہاں تک
سچ ہے جب سے اُن کو ٹھیک طور پر شفیق کی دوسری شادی کا حال معلوم ہوا
پھر ایک لمحہ انھیں چین نصیب نہوا دن رات اسی فکر میں غلطاں اسی غم میں سرگرداں
رہتیں اُن کا معصوم دل اس صدمہ جانکاہ کا تحمل نہو سکا روز افزوں مہرالنسا کا رنج
ترقی پذیر تھا شب و روز سوائے غم کھانے خون جگر پینے کے دوسرا کام نہ تھا
میاں شفیق ایک دوسرا مکان لیکر اپنی نئی دلہن کے ہمراہ چین و خوشی سے زندگی
بسر کرتے تھے۔ کبھی کبھی بشیرالنسا کے کہنے پر مہرالنسا کے پاس جایا کرتے اور
دل پر جبر کرکے ایک گھنٹہ آدھ گھنٹہ بیٹھ کر چلے آتے لیکن اس کا غم بے پایاں
اسکا الم بیحساب کسی طرح کم ہونا تھا شوہر کی بے رخی سوکن کا جلاپا کیا کم تھا
کہ مہرالنسا کی ایک بیوہ نند جو دشمن جانی یزید ثانی تھیں جو دن رات مہرالنسا
کی بربادی میں کوشاں تھیں شفیق سے جھوٹی سچی باتیں دل سے گھڑ کر مہرالنسا
کی غیبت میں کہتیں شفیق کو مہرالنسا بدنصیب سے بیحد تنفر تھی کہ اُن کے
نام سے بیزار کیا کریلا اور چڑھا نیم پہلے سے شفیق مہرالنسا معصومہ سے
کبیدہ خاطر رہا کرتا اب تو صاف کھلم کھلا متنفر ہو گیا ہفتوں چھوڑ مہینوں
گذر جاتے لیکن کیا مجال اور کس کو غرض پڑی ہے جو ان کی خبر لے محبت تو
درکنار انسانی ہمدردی اتنی نہ تھی جتنی اگر دیر سعیدی۔ شفیق کو مطلق مہرالنسا
کا خیال نہ رہتا تھا سوکن کا خیال شوہر کی بے رخی بے اعتنائی نند کے ظلم وستم سے
مہرالنسا چند ہی مہینوں میں اچھی خاصی بیمار ہو گئی نہ دن کو چین نہ رات کو نیند

آٹھ آٹھ دن گذر جاتے لیکن کیا مجال جو ایک کھیل تک اُڑ کر منہ میں پڑی ہو
سوکھ کر کانٹا بن گیئں رنگ روغن سب اُتر گیا آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے پڑ گئے
جنوں کی سی حالت ہو گئی دماغ پراگندہ ہو گیا دل و دماغ بے قابو بیکار ہو گیا -
خیال بدل گیا از خود رفتہ ہو گئیں کبھی بیٹھے بیٹھے ہنسنے لگیتں اس قدر کہ لوٹ
جاتیں گھنٹوں ہنستی رہتیں اور کبھی رونے لگیتں تو اس قدر کہ گویا کسی کی میت
پر آنسو بہاتے ہیں - نند کا تو اس قدر ظلم اس مظلومہ پر تھا کہ شاید ہی دنیا میں کسی
نے کیا ہو ایسی نندیں شاذ و نادر ہونگیں اب اگر مہر النسا اپنا غمخوار بنائے تو کس کو
اپنا درد دل کہے تو کس سے والدہ تو عالم شیر خواری ہی میں اُن کو چھوڑ گیئں اب
تھیں سوتیلی والدہ وہ تو بیٹی کی دشمن بلکہ جانی دشمن تھیں اُن کی دلی خواہش بلکہ
ایک حد تک آرزو تھی کہ مہر النسا کو ظلم و ستم میں گرفتار دیکھوں - ان کی بربادی اپنی
آنکھوں دیکھوں - والدہ بدخواہ - نند ظالم - شوہر بے پرواہ والد خدا کے گھر
غرض کہ سوا خدا کے مہر النسا کا کوئی ہمدرد ساتھی نہ تھا ایسا کون سا دل تھا جو
ان کے حال زار پر کڑھتا نہ ہو اور ایسی کون سی آنکھ تھی جو اس کی ردی حالت پر
آنسو نہ بہاتی ہو اس درجہ اُن کا دماغ پراگندہ ہو گیا کہ جو اُن کے مکان آتا دوڑ
کر اُس کے قدموں پر گر پڑیتں اور زار و قطار رونے لگیتں - خواہ وہ کتنا ہی غیر اور
کتنا ہی ادنی کیوں نہ ہو سب کو اپنا غم خوار جانیتں ہر زبان پر انھیں کا فسانہ تھا
ہر گھر میں انھیں کا تذکرہ - ان کو اپنے سر و پا کی خبر نہ تھی - اس قدر دیوانی ہو گیئں
کہ گھر سے نکل کھڑی ہو جاتیں ایک دن کا ذکر ہے دوپہر کے وقت مکان سے
نکل باہر چلی گیئں بہت دیر کے بعد مہر النسا کا خیال آیا اور اُن کا کہیں پتہ
نہ چلا سب کے سب اپنی بدنامی کے خیال سے بہت گھبرا گئے شفیق کو اطلاع
دی گئی وہ بھی اپنی بدنامی کے خیال سے بہت سٹ پٹائے ہر طرف آدمی دوڑایا

گیا۔ لیکن کہیں پتا نہیں بہت دیر کے بعد دیکھا کہ وہ شہر کے باہر کسی ایک کے مکان میں
بیٹھی ہیں گا بے دہ ، روتی ہیں گاتے ہنستی ہیں اُن کو سب پاگل تصور کرتے ہیں
اور سب کے سب متعجب ہیں۔ اُن کو مکان لایا گیا جب سے مکان کے دروازوں
کو قفل پڑنے لگا۔ ان کی دیوانگی روز بروز ترقی کرتی رہی۔ سوتن کو انھوں نے
ایک مرتبہ بھی نہ دیکھا تھا۔ جب کسی شادی بیاہ کے موقع پر کسی کے مکان میں مہرالنسا
جاتیں اور وہاں سنتیں کہ بشیرالنسا آئینگی تو فوراً واپس ہوجاتیں۔ زنہار وہ اپنی
سوتن سے ملنا پسند نہ کرتی تھیں۔ جب سے یہ دیوانی ہوگئیں کسی بات کا خیال نہ
رہا ایک دن کا ذکر ہے دوپہر کے وقت مہرالنسا کی طبیعت گھبرانے لگی بے اختیار
رونے لگیں پھر بہت ہی ضبط کرکے اٹھیں اپنی سوتن کے مکان پر گئیں جو بالکل ہی
مہرالنسا کے مکان کے قریب بلکہ ایک دو مکان پرے تھا آواز دینے لگیں بشیرالنسا
گھبرا گئیں کہ ایسی کیا بات ہے جو آج خلاف معمول میرے مکان میں مہرالنسا آئی ہیں
نہ ڈولی نہ سواری پاپیادہ خود جاکر دروازہ کھولا آئیں مہرالنسا اندر ہیں سوتن کے پاؤں
پر دھم سے گر پڑیں اور زار وقطار رونے لگیں۔ بشیرالنسا گھبرائیں اپنے پاؤں پر کی
اُٹھایا بتعظیم تکریم سے مسند پر بٹھایا۔ دسترخوان چنا گیا مہرالنسا نے بشیرالنسا کے اصرار
پر دو نوالے کھائے۔ پان کھا رہی تھیں سُنا کہ شفیق کے آنے کا وقت ہے وہ
فوراً اپنے ماتم کدہ کو واپس آئیں لیکن انہیں مطلق خبر نہیں کہ وہ کس کے پاس گئیں اور
کہاں گئیں اپنے مکان آکر دریافت کرتی ہیں کہ میں خود کون ہوں کہاں گئی تھی
وہ مکان کس کا ہے بشیرالنسا کون ہیں اور مجکو وہاں کون لے گئی سارا محلہ اُس
معصومہ کی حالت زار پر آنسو بہا رہا تھا لیکن اس حالت پر بھی نند کا ظلم وستم بحال رہا
بلکہ روز بروز ترقی کر رہا تھا جب بشیرالنسا کے بیاہ کو ڈیڑھ سال کا عرصہ گزرا مہرالنسا
کی حالت روز بروز ردی ہوتی چلی۔ آخر خفیف سا بخار آنے لگا مُنہ سے خون

اگلنے لگیں۔ ڈاکٹر نے دیکھ کر کہا کہ غم کے باعث ان کا جگر پھٹ گیا ہے دق دوسرے
درجہ پر ہے دل و دماغ بیکار بے قابو ہو گئے ہیں علاج ناممکن ہے ان کا علاج
صرف یہ ہی ہے کہ ان کو خوش رکھا جائے کسی طرح کا بار دل پر نہو تب کہیں شاید
دل و دماغ درست ہو لیکن زندگی کی تو اب آس نہیں۔ بھلا کس کو غرض پڑی ہے
جو اُن کو خوش رکھے شوہر کو تو مطلق اُن کی پروا نہیں سوکن سے تو خود مہر النسا متنفر
تھیں دونوں جدا جدا اب رہتیں نند جو ہر وقت مہر النسا کے پاس بلکہ ایک ہی
مکان میں رہتیں اُن کا تو یہ حال کہ کل کی مرتی آج ہی مرجائے تا کہ خس کم جہاں پاک
ہو مطلق مہر النسا پر اُن کو رحم نہ تھا اکثر اوقات مہر النسا کی حالت زار پر بشیر النسا آنسو
بہاتیں بشفیق سے سوکن کی بابت کہا کرتیں کہ دیکھو شفیق ایک دن خدا کو مُنہ دکھانا
ہے تم خدا کو کیا جواب دوگے کسی پر ایسا ظلم روا نہیں۔ وہ بھی مخلوق ہیں اُنکا
بھی دل ہے پتھر نہیں جلے دل کی آہ بہت بُری ہوا کرتی ہے اُن کی سب امیدوں
کے مرکز۔ اُن کی سب خوشیوں ارمانوں کے مرکز تم ہو ان کی ہر ایک بات تم سے
وابستہ ہے اُن کی ہر ایک خوشی تم پر منحصر ہے تم جو اس طرح غافل بن گئے ہو
سو دیکھ لو بہت بُرا ہے خدا کے روبرو تمکو جواب دینا ہو گا۔ لیکن شفیق سنگدل
کے بے رحم دل پر مطلق اثر ہوتا اس کو اس قدر نفرت بہن کا کہا سُنکر مہر النسا
سے ہو گئی تھی کہ بات تک کرنے کا روادار نہ تھا خدا نے سخت دلی شفیق ہی
پر ختم کی تھی وہ پتھر کا دل رکھتا تھا اُسکو ذرہ برابر الفت مہر النسا سے
نہ تھی اور ہو بھی تو کیونکر انسان کا دل ایک ہے اور ایک دل میں ایک کی ہی
الفت رہ سکتی ہے دو دل نہیں جس میں کہ دو محبت قایم رہ سکیں۔ اس علالت
کی حالت میں بھی مہر النسا کا مطلق خیال شفیق کو نہ تھا مہر النسا کا مرض ترقی پر تھا
حتیٰ کہ اٹھنے بیٹھنے سے مجبور ہو گئیں خلل دماغ بحال رہا۔ ایک دن اُنہیں بہت کچھ

افاقہ ہوا دماغ بھی درست ہوا اپنے سب ہمسایوں میں بزرگ بی بیوں کو طلب کیا اور خود تکیہ کے سہارے اُٹھ بیٹھیں اور بہت ہی دھیمی ضعیف آواز سے کہنے لگیں۔ میری بزرگ بہنوں میں سب سے پہلے آپ سے معافی کی خواستگار ہوں کہ آپ لوگوں کو یہاں تک آنے کی تکلیف دی ہے آپ صاحبوں سے کچھ عرض کیا چاہتی ہوں امید کرتی ہوں کہ میری اس آخری تقریر کو بہ غور سنکر عمل کریں گی باوجودیکہ مجھ میں اتنی لیاقت نہیں کہ کسی بات پر بحث کروں اور نہ میں پکھرا رہوں اس وقت جو کچھ میں کہوں گی یہ صرف اپنی مصیبت دیکھتے ہوئے میں اپنی ہمقوم لڑکیوں کے فائدے کے لئے کہتی ہوں۔ میری بہنوں آپ بخوبی جانتی ہیں کہ زمانہ روز بروز ترقی پر ہے جو بات کہ اگلے زمانہ میں معیوب خیال کی جاتی تھی اب وہ مروجہ ہے جو جو رسوم سابقین نے ایجاد کئے اب وہ جہل کے نام سے موسوم ہو رہے ہیں۔ زمانہ کی رفتار بھی قدرت الٰہی کا ایک کرشمہ ہے۔ رنگ ڈھنگ رسم و رواج اس دنیا کا ہمیشہ بدلتا رہا ہے زمانہ بہت سی باتوں میں ترقی کر رہا ہے علم ہنر۔ حرفت۔ تجارت مال و دولت میں روز بروز ترقی ہو رہی ہے۔ منجملہ اُن کے ایک مسئلہ تعلیم النسوان ہے جو غیر اقوام میں روز افزوں ترقی پر ہے سب شائستہ قوموں نے تسلیم کر لیا ہے کہ تعلیم النسوان ضروریات سے ہے۔ لیکن ہم مسلمانوں میں اسکا زیادہ رواج نہیں جیوں تیوں کر کے لڑکوں کو پڑھایا جاتا ہے۔ لڑکیوں کی تعلیم کی طرف کسی کی توجہ مبذول نہیں۔ اور نہ تعلیم النسواں کی زیادہ ضرورت محسوس کرتے ہیں۔ تعلیم کو صرف انگریزوں کی نوکری کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ لڑکوں کی تعلیم میں بڑی ہی جد و جہد کی جاتی ہے دور دراز کے ملکوں کا سفر کرتے ہیں ان کو اعلیٰ تعلیم دی جاتی ہے۔ لیکن برخلاف اس کے غریب بدنصیب لڑکیوں کو محض جاہل اَن پڑھ رکھا جاتا ہے جنکو

دین و دنیا کی کچھ خبر نہیں ہوتی اُن کو اعلیٰ تعلیم یافتہ لڑکوں کے ہم جنس بنانا
چاہتے ہیں اور زبردستی دونوں کو زندگی کی گاڑی میں جوتا جاتا ہے۔ جو
محض ایک دوسرے کی طرز معاشرت سے بے خبر اور ان کے خیالات سے
ناواقف رہتے ہیں جب اپنی بی بیوں کو اپنے حالات اپنے خیالات سے
بیگانہ اور ناآشنا پاتے ہیں تو دل میں مہر و محبت پیدا نہیں ہوتی اور ان میں
اتفاق ہونا ناممکن ہے اور میاں بیوی ایک جداگانہ عالم میں رہتے ہیں اور
وہ آپس میں ایک دوسرے کی محبت سے گھبراتے ہیں اپنا ہم خیال ہم مذاق ہم
جنس کو اپنی صحبت کے لئے تلاش کرتے ہیں اتفاق جب ہی ممکن ہے جب کہ وہ
دونوں ہمخیال ہم مذاق ہوں۔

مرد تو خود مختار آزاد ہوتے ہیں اپنے حسب دل خواہ اپنا بیاہ کرکے اپنی
زندگی عیش و خوشی سے گذارتے ہیں۔ بیچاری بدنصیب لڑکیاں رکھل گھل کر مرتی
ہیں اور اکثر ہماری ہم جنس کی موتیں مردوں کی ظالمانہ سلوک سے سل و دق
سے ہوا کرتی ہیں۔ اس میں لڑکیوں کا مطلق قصور نہیں وہ بالکل بے خطا ہیں
کیونکہ وہ خود نہیں جانتیں کہ تعلیم یافتہ شوہر کے ہمراہ کس طرز پر زندگی کاٹنی
چاہیئے۔ خانہ داری سے ناواقف زمانہ کی رفتار سے بے خبر رہتی ہیں والدین
کو چاہیئے کہ وہ لڑکوں کے برابر لڑکیوں کی تعلیم کا بھی خیال رکھیں اب وہ زمانہ
گذر گیا جبکہ مستورات صرف خدمت گزاری کے لئے تھیں بلکہ اب سب کاموں کی
مرکز مردوں کی معاون مستورات ہیں۔ قومی ترقی صحت۔ بچوں کی پرورش
صفائی غرضکہ ہر ایک کام مستورات سے مبنی ہے اور یہ سب مستورات پر منحصر ہے
میری بزرگ بی بیو میں آپ سے عرض کرتی ہوں کہ للہ رحم فرماکر اپنی لڑکیوں
کی تعلیم کا پورا پورا خیال رکھیو۔ اچھی طرح اُنھیں تعلیم دو لڑکا لڑکی کی بلا رضامندی

زنہار اپنی اولاد کو مت بیاہنا چنانچہ نا رضامندی کی شادی کا نتیجہ اس وقت
تم اپنی آنکھوں دیکھ رہی ہو مرد ہزار طرح سے اپنی زندگی آرام سے بسر کر سکتے
ہیں ایک چھوڑ تین چار شادیاں کر سکتے ہیں لیکن ستم رسیدہ مستورات کی زندگی
برباد ہوتی ہے اگر تم اپنی اولاد سے محبت رکھتی ہو تو ہرگز ہرگز اُن کی رضامندی
کے بغیر اُن کا بیاہ مت کرنا اب وہ زمانہ نہ رہا جبکہ شادی بیاہ میں ان کی رضامندی
دریافت کرنا معیوب خیال کیا جاتا تھا اب برخلاف اس کے والدین پر فرض
ہے کہ دولھا دلہن کی رضامندی پر بیاہ شادی منحصر رکھیں قرآن و حدیث
سے صاف ظاہر ہے کہ بلا رضامندی بیاہ حرام ہے۔ بس مت بیاہو تم اپنی پیاری
بیٹیوں کو اُن کی نا رضامندی سے اور مجبور مت کرو تم اپنے لڑکوں کو اُن کی
بلا رضامندی بیاہ کرنے پر بس میری بہنو اب اس سے زیادہ میں کچھ کہہ نہیں سکتی
اور نہ میرے کہنے کی ضرورت ہے کیونکہ اب کچھ کچھ اس ضرورت کو محسوس کرنے
لگے ہیں اور اعلیٰ سے اعلیٰ تقریریں اس بارہ میں ہو رہی ہیں اور میرا کہا نقار خانہ
میں طوطی کی آواز ہے چونکہ مجھ بدبخت کو خدا نے عبرت کے لئے بنایا ہے اور
میں سراسر عبرت کی مجسم تصویر ہوں۔ لہذا میرا کہنا بیجا نہ ہوگا۔ اغلب ہے کہ آپ
لوگ میری مصیبت دیکھتے ہوئے اپنی اولاد کے رشتہ ناتوں میں غور و فکر سے
کام فرمائیں گی۔ یقیناً آپ لوگوں کو نا رضامندی کی شادی تعلیم النسوان کی کمی
کے بُرے نتائج معلوم ہو جائیں گے خدا نے مجکو سب کچھ دے رکھا ہے لیکن مجھ
سیاہ بخت کی قسمت میں چین نہ تھا بچپن میں میں نے امیرزادیوں کی طرح
پرورش پائی لیکن عین عالم شباب میں میری مٹی خوب ہی پلید ہوئی میرے
خرمن قرار کو آگ لگ گئی میری کشت تمنا پر بجلی گر پڑی خدا نے مجکو سراسر غم کی
دیوی بنایا اور سب کی عبرت کے لئے خدا نے مجکو اس ناپائیدار دنیا میں بھیجا خدا

سے دعا ہے کہ وہ اپنے حبیب کے طفیل سے سب ہمقوم لڑکیوں کو اس بلائے عظیم
سے بچائے اور میری یہ چند باتیں جو میری کمزور گنہگار زبان سے دوسروں
کی بھلائی کے لئے نکلی ہیں آپ بزرگوں کے دلوں میں اثر پذیر ہوں اور آپ
اپنی اولاد کی بیاہ شادیوں میں اُن کی رضامندی کو کام فرمائیں آمین ثم آمین
میں اپنے آپ کو بڑی ہی خوش نصیب جانوں گی اگر آپ لوگ میری مصیبت
دیکھتے ہوئے آئندہ کو کچھ روک تھام کریں میری بہنوں میں نے اس بچپن
دنیا میں ذرہ برابر راحت نپائی میں آپ لوگوں سے خواہش کرتی ہوں کہ آپ
میرے لئے دعائے مغفرت کریں اتنا کہا اور زار وقطار رونے لگیں اور کہا
کہ بہنوں یہ بھی خدا کی مجھپر بیحد عنایت ہے جو اس نے مجکو آخر وقت میں ہوش
وحواس عطا کیا ورنہ میں اس دوسال سے نری پاگل تھی مجکو مطلق خبر نہیں کہ اس
دوسال کے عرصہ میں کیا کیا گذرا اُس پروردگار کی یہ بھی عنایت کیا کم ہے کہ مجھ
بدنصیب کو آخر وقت شادکام کیا ورنہ یہ کب ممکن تھا کہ دوسال کا مرض یوں
یک بیک کم ہوتا دوسال سے خلل دماغ بحال رہا اب آخر وقت میں اس نے
مجکو کچھ اپنی زبان سے اپنی ہمقوم بہنوں کی نسبت کہنے کے لئے ہوش وحواس
عطا کئے قربان جاؤں اُس کی عنایت کے میری بہنوں میں آپ سب سے اپنا
کہا سنا معاف کرواتی ہوں اور رخصت ہوتی ہوں اپنی نند سوتن وغیرہ سے
بھی اپنا کہا سنا معاف کروایا۔ شفیق کو طلب کرکے کہا کہ میرے سرتاج میں آپ
کے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں لٹند آپ میری خطاؤں کو اگر خدمت شوہری میں غیر
میرے نیچے سے ظہور میں آئی ہوں معاف کردو ورنہ مجکو قبر میں بھی چین نصیب نہ ہوگا
خدا نے مجکو آخر وقت میں اپنی خطاؤں کے معاف کروانے کے لئے ہوش و
حواس عطا کئے لاکھ لاکھ شکر یہ ادا کیا جاتا ہے اس مالک حقیقی کا بہت دیر تک

سر جھکائے روتی رہی اس کے ایک ہفتہ بعد سنا کہ مہر النسا اس بدبخت ظالم دنیا
سے روپوش ہوگئیں بمشکل تین سال کا عرصہ گذرا کہ مہر النسا غمگین بدنصیب
ہزاروں من مٹی کے نیچے پڑی ہوئی بیفکر سو رہی ہیں خدائے کریم اس مظلومہ
مغمومہ ستم رسیدہ کو بہشت بریں میں جگہ عطا فرمائے آمین - آمین غریب بدنصیب
مہر النسا پر اس قدر ظلم نند شوہر وغیرہ کا تھا جس کی حد نہیں شاید ہی دنیا میں
کسی نے شاذ و نادر ایسی مصیبت سہی ہو اس کی مصیبت کا اگر کل حال لکھا جاتا تو
ایک مطول کتاب بنجاتی طوالت کے خوف سے کاٹ چھانٹ کر بہت ہی مختصر کیا گیا
ایک شمہ بھی اُن کی مصیبت میں سے نہ لکھا گیا۔

راقمہ ر بیگم

بقیہ سائنس کی دلچسپیاں

باپ ان تصویروں کو تم نے پہچانا کس چیز کی ہیں (دیکھو تصویر ۶ و ۷ و ۸ و ۹)
بیٹا جی ہاں یہ تو صاف مچھروں کی معلوم ہوتی ہیں۔
باپ تصویر نمبر ۶ اور نمبر ۸ میں تمکو کچھ فرق معلوم ہوتا ہے۔
بیٹا جی ہاں ایک نوجوان نازک بدن تر و تازہ شکار پر مستعد معلوم ہوتا ہے
دوسرا معمر کوزہ پشت معلوم ہوتا ہے گو اُسکا زمانہ پیری ہے اپنے پچھلے
گناہوں پر نادم ہے اب اللہ سے لو لگائی ہے پیچھے کی ٹانگیں اُٹھائے
شاید اللہ کی طرف دست بدعا ہے کہ اس کے کرداروں کی سزا سے معاف
کیا جائے۔
باپ اگر تمہاری گفتگو یہ دونوں مچھر سنیں تو جس کو تم نے جوان کہا ہے وہ
تو خوشی کے اظہار پر تمہارے ہاتھ چوسنے کا بہانہ کر کے تمہارا خون چکھ جائے

مگر جس کو تم نے بڑھا کہا ہے وہ تو واقعی تمہارے خون کا پیاسا ہو جائے
اور جب ہی کہ تم خواب راحت کی طرف رجوع ہو وہ ضرور بدلا لے۔
بیٹا جی اپنی لاعلمی کا عذر پیش کر کے معافی چاہ لوں گا اور ان بڑے میاں کو
پیر دانا کا خطاب دے کر اور اپنے خون کے ایک دو لقمہ دے کر ضرور منا لوں گا
صورت سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید یہ افیون بھی کھاتے ہیں مگر فرمائے تو کیا واقعی
ایسا ہے جیسا کہ میرا خیال ہے
باپ نہیں یہ دو مچھر جدا جدا ہیں تصویر ۲ جسکو تم نے نازک بدن کہا ہے یہ بڑا
موذی ہے اور اسی کی بدولت مخلوق خدا کو تجھا چوتھیا بخار آتا ہے مگر یہ شکل سے
مکانوں میں پایا جاتا ہے اور جب تک کہ تم اسکو ایک دفع اپنی آنکھ سے دیکھ لو گے
تب تک پہچان نہ سکو گے یہ دوسرا مچھر جسکو تم عمر رسیدہ بیان کرتے ہو وہ شیطانیت
میں جوان سے کم نہیں ہے چنانچہ ہر گھر میں اس کو موجود پاوگے اور جب ہی کہ تم
کو غافل پائیگا اور اس کو موقعہ ملے گا یہ اپنا وار تم پر ضرور کرے گا۔ اس کی بدولت
بھی اکثر امراض انسان کو پیدا ہو جاتے ہیں۔
بیٹا کیا مچھر کی غذا صرف خون ہے
باپ نہیں اصل غذا مچھر کی نباتات ہے چنانچہ مچھر کو کھلا کھلا کر بہت دن
زندہ رکھ سکتے ہیں تمکو یہ سنکر تعجب ہو گا کہ خون کا پیاسا اور ہمارا اصل دشمن
مچھر نہیں ہے بلکہ بی مچھرانی ہے۔
بیٹا کیا نر اور مادہ میں تمیز ممکن ہے ظاہر تو سب ایک ہی صورت کے ہیں
باپ تصویر نمبر ۱۳ الف و ب کے دیکھنے سے تمکو آسانی سے فرق معلوم ہو جائیگا
بیٹا اب شاید مجکو آزماتے ہیں بھلا مچھروں کی اور اُن درختوں کی جڑوں سے کیا
نسبت یہ تو صاف درخت ہیں کہ جن کی باریک پتی کی شاخیں اِدھر اُدھر

دکھائی گئی ہیں اور بیچ میں اصل ٹہنی ہے کہ جس کے اوپر کلی نکلنے والی ہے اور
تصویر نمبر ۵ اب میں قریب کھلنے کے ہے
باپ مچھروں کا کل جسم سر سے علیحدہ کرکے اور سر کو خوردبین کے نیچے رکھ کر
یہ تصویریں لی گئی ہیں چنانچہ یہ واقعی مچھر کے سر ہیں اور سیاہ ان کی آنکھیں ہیں
ادھر اُدھر جھنبڈ ان کی مونچھوں کے ہیں کہ جن کو تم زندہ مچھروں میں غور سے دیکھ کر
پا سکتے ہو بیچ کا ستون ان کی سونڈ ہے۔ کہ جس کو تم نے خود دیکھا ہے
بیٹا آپ نے فرمایا تھا کہ نر و مادہ کا فرق ان تصویروں میں پایا جاتا ہے وہ بھی
فرمائیے۔
باپ جن دو سروں میں کہ جھاڑیاں سی ہیں وہ نر ہیں باقی دو مادہ ہیں چنانچہ تصویر
نمبر ۱۳ ب و تصویر نمبر ۱۵ ب نر مچھروں کے سر ہیں اور تصویر نمبر ۱۳ الف اور نمبر ۱۵
الف مادین کے سر ہیں۔ تصویر نمبر ۱۳ وہ مچھر ہیں کہ جن کو تم نے ہر مرد سے منسوب کیا تھا
اُن کو کیولیکس اور تصویر نمبر ۱۵ وہ ہیں کہ جن کو تم نے جوان تصور کیا تھا اُن کو
اینافیلیز کہتے ہیں۔
بیٹا اب آپ کے بتلانے سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں تمیز کرنا کچھ دشوار نہیں ہے یعنی
چاروں تصویروں کو دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ ضرور چار مختلف چیزوں
کی ہیں ایک بات اور عقل میں آتی ہے تصویر میں مچھر کی سونڈ بہت موٹی نظر آتی
ہے اتنی موٹی سونڈ جسم کے اندر کس طرح آسانی سے داخل ہوتی ہے۔ مچھر تو پتلی
خون نکال لیتا ہے
باپ یہ سونڈ اصل میں میان ہے۔ مثل تلوار کے میان کے اس کے اندر چھ اوزار
ہیں کچھ تو ناخن کے ٹہنی کی صورت کے ہیں کچھ آری کی وضع کے اور کچھ برمی کی طرح
کے جسم پر بیٹھ کر مچھر میان کو کھینچ لیتا ہے اور اوزاروں کو نکال کر حسب دل خواہ

کام لیتا ہے اوزاروں سے تیز کام لینے کے لئے ایک رقیق مادہ مچھر کے منہ سے نکلکر انسان کے جسم تک پہنچ جاتا ہے جس طرح کہ انجن چلانے سے پہلے اس کی کل اور پرزوں کو پہلے تیل دیتے ہیں تاکہ وہ آسانی سے اپنا کام پورا کریں

بیٹا مچھر کے کاٹنے سے جلن کیوں پڑتی ہے

باپ اول تو مچھر کے آلات حرب جسم کے اندر داخل ہوتے ہیں اس لئے خواہ مخواہ سوزش پہنچائیں گے اس کے علاوہ مچھر کا لعاب دہن کہ جس سے وہ ان آلات کو چکنا کرتا ہے وہ بھی سوزش پیدا کرنے والا ہوتا ہے۔

بیٹا مچھر کی پھنکار کس طرح پیدا ہوتی ہے کیا وہ جان کر ہمکو مطلع کر کے حملہ کرنا چاہتا ہے اگر ایسا ہے تو بڑا شیر دل جانور ہے۔

باپ یہ آواز مچھروں کے سروں سے پیدا ہوتی ہے اور چونکہ اتفاقیہ اڑتا ہوا ہمارے کان کے پاس آپہنچتا ہے اس لئے اس کی موجودگی معلوم ہوتی ہے بہت سے کیڑوں کے پروں میں سے مختلف آوازیں نکلتی ہیں۔ بعض اوڑکر اور بعض بیٹھکر اپنے پروں کو تھرانے والی جنبش دیتے ہیں کہ جس کی آواز دور تک سنائی دیتی ہے اس طرح بعض کیڑے اپنی مونچھیں بجا سکتے ہیں اور بعض اپنی پچھلی ٹانگوں کو آپسمیں لڑا کر ایک جھنکار پیدا کرتے ہیں جیسا کہ برسات کی راتوں کو سننے میں آتا ہے۔

بیٹا کیا نر اور مادین مچھر کی مونچھوں کا فرق کسی خاص وجہ سے ہے

باپ قریب قریب کل جانوروں میں نر خوبصورت ہوتا ہے اسی طرح نر مچھر بھی بڑی بڑی مونچھیں رکھنے سے خوبصورت کہا جا سکتا ہے

بیٹا کیا مچھر کی آنکھیں ہیں

باپ منہ کے نیچے دو سیاہ بڑے نقطے دو آنکھیں ہیں تصویر نمبرا یہ آنکھیں قریب کی چیز کو بخوبی دیکھ سکتی ہیں علاوہ آنکھوں کے مچھر اور دیگر بہت سے کیڑے اپنی مونچھوں سے

غنیم کو محسوس کر سکتے ہیں اور اس لئے فوراً بچ جاتے ہیں اس لئے کیڑوں کے سر کے پر دو لمبے باریک بال بنگہ کی طرح کے ہوتے ہیں جو ہر لحظہ حرکت کرتے رہتے ہیں گویا اپنے غنیم کو ٹٹولتے رہتے ہیں جس طرح کہ ہم اندھیری کوٹھری میں ہاتوں کو آگے پھیلا کر چلتے ہیں کہ کسی چیز سے ٹکرا نجائیں اس لئے ان بالوں کو فیلرز کہتے ہیں۔

بیٹا مچھر کی ٹانگیں ہوتی ہیں

باپ مچھر کی چھ ٹانگیں ہوتی ہیں اور غور سے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مچھر کی ہر ٹانگ میں کئی جوڑ ہوتے ہیں اگر خوردبین میں دیکھا جائے تب تو اُس کی ہر ٹانگ میں جوڑ پائے جائیں گے اور ہر جوڑ کا خاص نام رکھا گیا ہے تاکہ پہچاننے اور دوسرے جانوروں سے مقابلہ کرنے میں دقت واقع نہو ٹانگ کے سرے پر دو کانٹے کی طرح کے ناخون ہوتے ہیں کہ جن سے وہ کسی چیز کو چمٹ سکتا ہے اس ٹانگ کی تصویر دیکھو تصویر نمبر (۱۰)

بیٹا یہ ٹانگ گنڈے دار شل کوڑیا ے سانپ کے کیوں ہے

باپ یہ سنتے ہیں کہ کسی جگہ پر ہیں اور کسی جگہ پر نہیں ان کی موجودگی یا غیر موجودگی پر مچھر کی قسم کی تفریق کر سکتے ہیں۔

بیٹا مچھر کا پر خوردبین میں کیسا معلوم ہوتا ہے

باپ سب میں خوبصورت چیز مچھر کا پر ہے اس کی تصویر یہ ہے تصویر نمبر ۱۲

بیٹا بیشک یہ تو صنعت کا نمونہ ہے۔

باپ پر کی ہر رگ پر کچھ سنئے ہیں اور مختلف مچھروں میں مختلف مقامات پر پائے جاتے ہیں کہ جن سے اُن کی قسم پہچانتے ہیں ان کی صورت بھی مختلف مقامات پر مختلف ہوتی ہے جس کو خوردبین کی بڑی طاقت سے بخوبی دیکھ سکتے ہیں کوئی بوتل کی صورت ہوتا ہے کوئی ہلال کی طرح کوئی سانپ کی طرح یہ تصاویر میں دکھائے گئے ہیں

بیٹا یہ سینے کیوں پائے جاتے ہیں۔
باپ جس طرح کہ پرندوں میں جسم پر پَر ہوتے ہیں یا چوپایوں کے بال ہوتے ہیں اس طرح ان چھوٹے کیڑوں پر یہ سینے ہوتے ہیں اور چونکہ ہر چیز کا ہونا اللہ تعالیٰ کی حکمت کا نمونہ ہے اس لیے ان سنوں کا ہونا بھی صرف خوبصورتی کی وجہ سے نہیں بلکہ کسی حکمت خاص کی دلالت کرتا ہے کہ جس کے دریافت میں ہم فی الحال قاصر ہیں مثلاً بالوں اور پروں سے جانور موسم کی تغیرات سے محفوظ رہتا ہے بالوں کی جڑوں میں ایک خاص قسم کا تیل پایا جاتا ہے کہ جو جسم کو چکنا کرتا ہے بالوں کی جڑوں میں باریک سوراخ بھی ہوتے ہیں کہ جنسے جسم کا پسینہ نکلکر زہریلے مادات خارج کرتا ہے یا موسم کے تغیرات سے جسم کی حرارت کو ایک سا رکھتا ہے ممکن ہے کہ ان سنوں سے بھی کچھ ایسا ہی کام لیا جاتا ہو اتنا تو ضرور معلوم ہے کہ پروں کی رگوں کے اندر ہوا کا دوران ہوتا ہے کہ جس سے اُڑنے میں آسانی ہوتی ہے۔
بیٹا میں نے مچھر قدوقامت میں قریب قریب ایک سے دیکھے ہیں کیا مچھروں کے بچے کہیں پوشیدہ رہتے ہیں اُن کے بچے دیکھنے میں نہیں آتے
باپ تمکو یہ سنکر تعجب ہوگا کہ مچھر جو کہ خشکی کا جانور ہے پانی میں پیدا ہوتا ہے
بیٹا یہ کس طرح ممکن ہے میں نے تو خشکی کے جانور کو پانی میں پلتا سنا نہیں
باپ نہیں بہت سے کیڑے بچپن میں آبی ہوتے ہیں اور بڑھ کر خاکی یا بادی ہو جاتے ہیں مچھر انڈے پانی میں دیتے ہیں ان انڈوں کی صورت تصویروں میں دکھائی گئی ہے ان انڈوں سے ایک قسم کے کیڑے نکلتے ہیں (تصویر نمبر ۱۶ الف و ب و نمبر ۱۷) جو پانی ہی میں رہتے ہیں چھ روز کے بعد دوسری صورت پیدا کرتے ہیں کہ جنکی (تصویر نمبر ۲۲ و ۲۳) سے انکو لاروا کہتے ہیں

باپ تصویر میں یہ بچے پانی کے سطح سے نکلتے ہوئے دکھائی دینگے کیونکہ سطح پر آکر یہ سانس لیتے ہیں پانی کے نیچے زیادہ دیر تک نہیں رہ سکتے۔ تم نے اکثر دیکھا ہوگا کہ پرنالوں کے نیچے جو برساتی پانی بچا بچا تا ہے یا گھڑے جو کھلے بچ جاتے ہیں ان کو اگر لکڑی یا انگلی سے ہلایا جائے تو بہت سے کیڑے سانپ کی طرح لہراتے حرکت کر کے نیچے تہ میں جا بیٹھتے ہیں اور تھوڑی دیر کے بعد پھر اوپر آجاتے ہیں۔ یہی کیڑے مچھر کے بچے ہیں۔

بیٹا یہ کیڑے میں نے اکثر باورچیخانوں کے گھڑوں میں بلکہ پینے کے گھڑوں میں بھی دیکھے ہیں میرا خیال تھا کہ پانی کے سڑنے سے یہ خودبخود پیدا ہو جاتے ہیں

باپ یہ کیڑے گھڑوں تک دو طرح سے پہنچ جاتے ہیں یا تو کنوؤں میں مچھر انڈے دیتے ہیں اور اُن کے بچے یا انڈے پانی کے ساتھ گھڑوں میں آجاتے ہیں اور یا یہ ہوتا ہے کہ گھر کے رہنے والے مچھر کھلے ہوئے گھڑوں کے اندر جا گھستے ہیں اور پانی کے سطح پر انڈے دیدیتے ہیں

باپ تصویر نمبر ۱۸ و ۱۹ میں سانس لینے کا نلکی دکھائی گئی ہے جب لاروا پانی کی سطح پر پہنچ جاتا ہے تو نلکی کا مُنہ باہر کو نکال دیتا ہے اور ہوا کو جو اسکی زندگی کے لئے ضروری ہے اپنے سینہ میں کھینچ لیتا ہے خیال رہے کہ ہوا کی نلکی لاروا کی دم کی طرف ہے چنانچہ اُسکا مُنہ نیچے کی طرف لٹکا رہتا ہے۔

بیٹا مُنہ سے کیا کام لیا جاتا ہے

باپ مُنہ سے غذا کھاتا ہے مُنہ کے اوپر دو بال ہوتے ہیں تصویر نمبر (۲۰) دیکھو یا جن سے غذا کی قربت محسوس ہوتی ہے اور آنکھ بھی ہے جس سے قربت کی چیز کو دیکھ سکتا ہے مُنہ کے قریب ایک بالوں کا برش ہوتا ہے اس سے غذا جمع کر لی جاتی ہے اور مُنہ میں ایک دانت ہوتا ہے کہ جس سے غذا کو باریک کر کے نگل جاتا ہے۔

بیٹا یہ بچے کتنے دنوں میں مچھر کی صورت ہو جاتے ہیں

باپ تقریباً دس بارہ یوم میں مگر زیادہ تر موسم اور غذا پر منحصر ہے یعنی گرم موسم میں جلد بڑھجاتے ہیں اور سرد موسم میں دیر کو

بیٹا کیا یہ دفعتاً مچھر ہو جاتے ہیں۔

باپ مچھر ہونے سے پہلے ایک اور صورت پیدا ہوتی ہے کہ جسکو 'نفا' کہتے ہیں تصویر نمبر ۲۴ و ۲۵ یہ بھی کچھ روز پانی میں رہتا ہے۔ایک روز جس طرح کہ انڈے کا چھلکا پھٹ جاتا ہے اور مرغی کا بچہ نکل آتا ہے اسی طرح 'نفا' پانی کے سطح کے قریب پہنچ کر بہت بڑھ جاتا ہے اور تھوڑی دیر میں یکایک اسکی جلد پھٹ جاتی ہے اور پورا بنا بنایا مچھر نکل کر پانی کی سطح پر بیٹھا اپنے پر سکھاتا ہے اور پھر اوڑ کر شل اور مچھروں کے بندگان خدا کو تکلیف دینے میں مشغول ہو جاتا ہے یہ مچھر کی خلقت کی پوری کہانی ہے اور اللہ تعالیٰ کی حکمت کا ادنیٰ نمونہ ہے۔

رقیہ بیگم

رات

ایک پرانے مکان کے چھوٹے سے کمرے میں کچھ پرانا اسباب پڑا ہے ایک طرف دو ایک صندوق پڑے ہیں دوسری طرف کچھ پکانے کھانے کی چیزیں رکھی ہیں کہیں پھٹے پرانے کپڑے ہیں کہیں ٹوٹے پھوٹے برتن ہیں۔کونے میں لوٹی سی میز پر کچھ کتابیں بھی پڑی ہیں۔آدھی رات گذر چکی ہے چراغ ٹمٹما رہا ہے ایک چارپائی پر ایک عورت دو بچوں کو لئے سو رہی ہے اس کا سن کوئی بیس برس سے زاید نہوگا۔شکل و شباہت سے خاصی حسین معلوم ہوتی ہے مگر چہرہ سے عجیب افسردگی اور پریشانی برس رہی ہے۔چھوٹے

چھوٹے بچوں کی بھولی بھولی صورتوں پر بھی عجیب اوداسی چھائی ہوئی ہے۔ گھر
کی ہر ایک چیز سے مصیبت ٹپک رہی ہے غرض یہ معلوم ہوتا ہے کہ گھر بھر پر آفت
و مصیبت چھا رہی ہے۔ یہ سونے والے بچے معلوم ہوتے ہیں کس مزے سے
سو رہے ہیں۔ اہا اسوقت ان کی نیند بھی کیا مزے دار ہوگی دن بھر کام کاج
میں گذرا نہ جانے کیسی کیسی محنتیں کی ہونگی کیا کیا تکلیفیں اٹھائی ہوں گی کیسے
کیسے رنج و صدمہ سہے ہونگے رات ہوئی اور بیچاروں نے آرام لیا۔ تھکے
ہارے چکنا چور ہو کر پڑ گئے۔ آنکھ لگ گئی اور سو گئے۔ خدا کی شان ہے کہ کوئی
نرم نرم توشک پر مزے سے سو رہا ہوگا نہایت ہوادار کمرے میں آرام کر رہا
ہوگا قیمتی مسہری پر بے خبر پاؤں پھیلائے پڑا ہوگا لیکن ان غریبوں کو ان
خیالات سے کیا واسطہ۔ اُن نعمتوں اور آرام کی انھیں کیا امید اور امید بھی کریں
تو کیا حاصل نیند اُن کی نرم نرم توشک ہے نیند ان کی قیمتی مسہری ہے نیند
اُن کے لئے پنکھا جھلتی ہے اور نیند اُن کے لئے لوریاں گاتی ہے۔ غرض نیند
ہی ان کی غم بہلانے والی ہے نیند ہی ان کی مصیبتوں کو ٹالنے والی ہے
خواہ یہ چند گھنٹوں ہی کے لئے کیوں نہو اور نیند ہی اُن کے زخمی دلوں پر مرہم کا
کام کرنے والی ہے۔ سلادے اے نیند ان غم زدوں کو خوب سلادے ان کے
رنج و صدمہ کو بہلا دے ان کی مصیبتوں کو مٹا دے اُن کی تکلیفوں کو گھٹا دے
ہیں مگر نہیں اس سونیوالے کی حالت سے تو معلوم ہوتا ہے کہ نیند نے بھی اس
بچاری پر رحم نہ کیا اُسے بھی ایسی تھکی ہاری پر افسوس نہ آیا۔ اس کے درد
دُکھ کی پروا نکی اور اسے کبھی بھی آرام نہ پہنچایا کیونکہ سوتے میں یہ کچھ عجیب
پریشان سے ہے بے چین ہے بے کل ہے کروٹیں بدل رہی ہے دل دھڑک
رہا ہے انکھوں سے آنسو بہ رہا ہے شاید رو رہی ہے مگر سنّا سنّا یہ کچھ بڑبڑا

بھی رہی ہے ' میری حالت پر رحم کھاؤ میرے بچوں کو نہ لیجاؤ' کیا مایوسی بھرا فقرہ ہے۔ کیسی بھرائی ہوئی آواز ہے۔ کیا افسوسناک حالت ہے کیسی رنجیدہ معلوم ہوتی ہے۔ دل کیسا دھڑک رہا ہے۔ صورت کیا گھبرائی ہوئی ہے۔ شاید کوئی خوفناک خواب دیکھ رہی ہے۔ مگر اے لو وہ چونک پڑی اُٹھ بیٹھی آنکھیں مل کر بچوں کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھا اور کہا کہ الٰہی میں کیا دیکھ رہی ہوں استغفر اللہ توبہ ان کی نسبت میرے یہ خیال اتنا کہکر اُٹھی اور ایک صندوق کھولا کپڑے اُلٹ پلٹ کر نیچے سے ایک تصویر نکالی اور چراغ کے پاس آکر اُسے دیکھنے لگی دیکھتے ہی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ پھر روتی ہوئی چارپائی کے قریب آئی اور ان بے خبر چھوٹے سونیوالوں کو غور سے دیکھا اور یہ کہکر کہ اپنے سچی تصویر تو یہ ہے چھوٹے بچہ کو پیار کیا۔ پھر چراغ کے قریب آئی اور تصویر دیکھنے لگی اور کہا آپ کی نسبت میرے یہ خیالات نہیں نہیں ہرگز نہیں مجھے معاف کیجئے میں نے یہ کمبخت خواب دیکھا ہی کیوں معاف کرائے تصویر تو بھی معاف کر ہاں مگر ایک خیال ضرور ہے کہ اگر وہ جیسے تھے ویسے ہوتے تو ان ڈھائی سال میں مجھے کبھی تو یاد کرتے اپنے پاس بلاتے یا بلانے کی نسبت کچھ لکھتے وہ بھی نہیں تو خیر وخیریت ہی کے لئے ایک چٹھی لکھ بھیجتے خدانخواستہ کہیں ہمیں بھول تو نہیں گئے۔ توبہ پھر وہی خیال پھر وہی باتیں وہ کسی کام میں مشغول ہونگے کسی سرکاری کام میں لگے ہوں گے یا لوگوں کے کچھ کام کر رہے ہوں گے فرصت نہ ہوگی پھر بچوں کی طرف مڑکر دیکھا بچوں کو میری آنکھوں کے تاروں کو۔ مجھ دکھیاری کے دکھ سکھ کے ساتھیوں کو مجھ غمزدہ کے دل بہلانے والوں کو نہیں نہیں یہ نہیں ہوسکتا میں ہرگز جانے نہ دونگی۔ میں اپنے نور نظر کو ہرگز الگ نہ رکھوں گی میں انھیں کبھی نہ لیجانے دونگی جو آئیگا پہلے اُسے سمجھاؤنگی

سمجھاونگی اسپر اگر نہ مانا تو پھر لڑوں گی مروں گی مگر اپنے پیارے بچوں کو الگ نہونے دونگی۔ واہ ری محبت آئے میرے بچے چھیننے۔ ہیں تو یہ میں پھر بہک گئی۔ پھر وہی بہکی بہکی باتیں توبہ توبہ آج مجھے ہو کیا گیا ہے نگوڑی خواب نے تو مجھے عجب بد حواس کر دیا۔ یہ میں کیا بُرا بھلا بک گئی زندگی بھر ان کی نسبت کبھی میرے دل میں بدگمانی نہیں آئی اور اب ایسی سخت سُست باتیں۔ کیا بدتمیز بیوی ہوں توبہ یا خدا تو مجھے معاف کر پھر تصویر دیکھ کر اچھا اے تصویر جس کی تو تصویر ہے تجھے اُسی کی قسم ہے سچ سچ بتانا انھیں ہو کیا گیا۔ ہم لوگوں کا کبھی خیال بھی کرتے ہیں ہمارا کبھی ذکر بھی کرتے ہیں۔ ہماری کبھی انھیں یاد بھی آتی ہے وہ وہاں کیسے رہتے ہیں۔ کس طرح سے ہیں۔ کیا کرتے ہیں مجھ سے کہا تھا کہ میں کلکتہ پہنچ کر تمہیں بلا لونگا اور پھر خبر تک نہ لی ارے توبہ پھر میں بکنے لگ گئی کوئی سُنے گا تو کیا کہے گا کیسی نالایق بی بی ہوں اپنے شوہر کی نسبت کیا کیا کہہ رہی ہوں اتنا کہہ کر تصویر کو بڑی دیر تک غور سے تکتی رہی نہ جانے اُس وقت اُس کے دل میں کیا کیا خیالات گذرے ہوں گے مگر تھوڑے عرصہ میں اُس نے اِس تصویر کو صندوق میں کپڑوں کے نیچے چھپا کر رکھدیا اور چارپائی پر جا بیٹھی۔ بیٹھے بیٹھے کچھ سوچا کی پھر دونوں بچوں کو پیار کیا اور لیٹ گئی مگر بےچینی اور اضطراب کی وہی حالت تھی آنکھوں سے آنسو جاری تھے دل کی دھڑکن ویسی ہی تھی صورت سے مایوسی برس رہی تھی۔ حرکات سے پریشانی ٹپک رہی تھی مگر جبراً آنکھیں بندکیں اور سو گئی

صبح

صبح کے کوئی آٹھ بجے ہوں گے باہر سے بڑا بچہ خوشی خوشی دوڑتا آیا اور اپنی ماں کے ہاتھ میں ایک خط دیا اور کہنے لگا کہ اماں یہ صادق علی بھائی نے دیا ہے وہ کل کلکتے سے آئے اور یہ ابا کا خط لائے ہیں یہ سنتے ہی رقیہ بیگم

مارے خوشی کے اچھل پڑی۔ چہرہ تمتما اُٹھا۔ مسرت صورت سے ٹپکنے لگی لبوں پہ مسکراہٹ چھا گئی۔ آنکھوں میں خوشی کے آنسو ڈبڈبا آئے کانوں میں اپنے شوہر کی آواز بھرنے لگی غرض خوشی کے مارے حالت کچھ سے کچھ ہو گئی سچ ہے غمگین دلوں پر خوشی نہیں بلکہ خوشی کی ایک جھلک بھی عجیب کام کر گذرتی ہے اس نے لپک کر خط لیا اور اپنے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے جلد جلد کھولا دونوں بچے بھی اپنی ماں کے پاس بیٹھ گئے اس کی آنکھوں اور ہونٹوں کو تکنے لگے اور اسی انتظار میں تھے کہ اپنے باپ کی نسبت کچھ خوشخبری اب سنیں گے۔ آخرش چھوٹے نے تو کہہ ہی دیا کہ اچھی کیا ابّا آتے ہیں مگر وہاں جواب ندارد۔ پھر بڑے نے کہا کہ کیا ہمیں بلایا ہے جس کے جواب میں وہاں آنسوؤں کی جھڑیاں ؎

شادی جو ہوئی غم کے بھی پہلو نکل آئے ۔۔۔ جب کوئی ہنسا ساتھ ہی آنسو نکل آئے

خوشی آئی بھی اور اپنی جھلک دکھا گئی بھی مگر اس دکھیاری کو اور دُکھ میں ڈال گئی۔ اس غمزدہ کو اور غمگین چھوڑ گئی اس کے زخموں کو پھر ہرا کر گئی نہیں بلکہ ایک اور چرکا دے گئی۔ جلے ہوئے دل کو اور جلا گئی بھڑکتی ہوئی آگ کو اور بھڑکا گئی اس تڑپتی ہوئی کو اور تڑپا گئی۔ ماں کی اس قدر پریشان حالت دیکھ کر بچے بھی رونے لگے اور پوچھا کہ اچھی اماں ہمیں بتاؤ کیا ہوا جس کے جواب میں وہ زور سے رو کر کہنے لگی۔ ہائے میں برباد ہو گئی تباہ ہو گئی۔ تباہ ہو گئی۔ مٹ گئی۔ میرے بچو تمہاری میری قسمت کا فیصلہ ہوا ہائے اب میں کیا کروں خط کو پھر سے پڑھا اور بچوں سے کہا لو سنو۔ میرے غریبو سنو میری زندگی کا اور اپنی قسمت کا فیصلہ سنو

خط

رُقیہ بیگم کو معلوم ہو کہ آج سے بس تمہارا میرا کوئی رشتہ یا تعلق نہ رہا میں تمہارا شوہر نہیں اور تم میری بیوی نہیں وجہ بھی سُن لو ایک مدت سے میرا

یہاں ایک عورت سے تعلق تھا خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ آج ہمارا نکاح ہوا
اور میری دلی خوشی اور تمنا بر آئی میں نے ایک مدت تک تمہیں نباہا اور ہر طرح
کا آرام پہنچایا اب تم کہیں اپنا گذارا کر لو اور اپنی زندگی کے دن گذار لو میں
یہ نہیں چاہتا کہ تمہاری وجہ سے ہم دونوں کی خوشی کی نئی زندگی میں کسی قسم کا
خلل ہو تمہارا طلاق نامہ تھوڑے دنوں بعد بھجوا دیا جائے گا۔ بچوں کی نسبت
چونکہ ہمیں کوئی زیادہ تکلیف نہو گی اسوجہ سے ہم اپنے پاس دونوں بچوں کو
رکھیں گے لہذا جس وقت میں انہیں بلواؤں اسوقت تم بلا پس و پیش میرے
دونوں بچے فوراً بھیج دو میں دوبارہ جتلا دیتا ہوں کہ اب میں تمہارے لئے
ایک اجنبی شخص ہوں جس کا تمہارے ساتھ کوئی تعلق یا رشتہ نہیں رہا

راقم عنایت حسین جو تمہارا شوہر تھا اور اب نہیں رہا

خط پڑھتے ہی یہ زور سے چیخ اٹھی اور ڈھاڑیں مار کر رونے لگی روتے
روتے ہچکیاں بندھ گیئں اور بیہوش ہو گئی بیچارے دونوں ننھے اپنی ماں کے
سرھانے بیٹھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ تڑپنے لگے۔ پچھاڑیں کھانے
لگے اور اپنی ماں کو چلا چلا کر اٹھانے لگے گھر بھر میں اور کوئی نہ تھا جو ان
معصوم بچوں کی مدد کو پہنچتا انھیں دلاسا دیتا سینے سے لگاتا اور ان کی ماں
کو ہوش میں لانے کی کوشش کرتا بیچارے چھوٹے چھوٹے بچے روتے اور
چلاتے ہی رہے اماں اچھی اماں اٹھو یہ آپ کو کیا ہو گیا دیکھئے نا اچھی اب
ہم کیا کریں کس کے پاس جائیں کس سے کہیں۔ اچھی اماں۔ اماں جان ذرا
سنئے تو یہ کہتے جاتے تھے اور روتے جاتے تھے۔ مگر وہ بیہوش ماں بڑی
دیر تک ہوش میں نہ آئی   باقی آئندہ

خدنگ

بقیہ شاہ لیر

لیر اور کینٹ کے ساتھ دیوانہ مصاحب بھی داخل ہوتا ہے

دیوانہ مصاحب لو اب تمہیں بھی رشوت دیکر اپنا جانب دار بناتا ہوں یہ لو دیوانے کا تاج (اپنی ٹوپی جو اس زمانہ میں دیوانوں کے لئے مخصوص تھی اور جو گوشیہ۔ بڑی اونچی چونچ دار ہوا کرتی تھی اتار کر کینٹ کو دیتا ہی)

لیر (دیوانہ سے) میرے دیوانہ تو کیا کر رہا ہے تیرا کیا حال ہے

دیوانہ (کینٹ کی طرف مخاطب ہوکر) حضرت تمہارے لئے بہتر ہے تم مجھ دیوانہ کی ٹوپی پہن لو۔

کینٹ کیوں بھائی دیوانے میں نے کیا قصور کیا

دیوانہ کیوں؟ کیا خوب اس لئے کہ تم اب ایک ایسے شخص کا ساتھ دے رہے ہو (یعنی شاہ لیر کا) جس کو اپنی اولاد تک بھی بُرا سمجھ رہی ہے ایسی حالت میں آپ کو چین کی زندگی نصیب نہیں ہوگی۔ ہوا کچھ مخالف سی چل رہی ہے ابھی تمکو زکام ہو جائے گا پھر تم سے بڑھ کر کون دیوانہ ہوگا۔ لو بھئی جلدی سے لو یہ ٹوپی اوڑھو۔ ذرا یہ بادشاہ صاحب جو سامنے بیٹھے ہیں ان سے دریافت تو فرمائے کہ انھوں نے اپنے دو صاحبزادیوں کو کیوں جلا وطن کیا اور ایک کو اپنا کل مال و دولت کیوں دیا (طنزے) اگر تم ایسے شخص کا ساتھ دینے ہو تو یقینی تمکو دیوانے کی ٹوپی پہنی چاہئے (بادشاہ کی طرف مخاطب ہوکر) کہئے چچا جان اب کیا حال ہے افسوس ہے کہ نہ تو میری دو لڑکیاں ہیں اور نہ دو دیوانے کی ٹوپیاں۔

لیر لڑکے یہ تو بتا کہ تجھکو دو ٹوپیوں اور دو لڑکیوں کی کیا ضرورت ہے۔

دیوانہ۔صرف اس لئے کہ اگر میں تمام اپنی دولت۔ روپیہ۔ مال اپنی دو لڑکیوں کو دیجاتا تو میرے پاس دو ٹوپیاں تو رہتیں کہ کہیں سے کما کھاتا خیر ایک ٹوپی تو میں نذر کرتا ہوں اور دوسری اپنی صاحبزادی سے مانگ لیجئے

لیر (مذاقاً) دیوانے صاحب ذرا سمجھ کر باتیں کیجئے ذرا اس چابک کو بھی دیکھ لیجئے

دیوانہ ہاں جو سچ کہے وہ تو کتے کی طرح پٹ کر باہر نکال دیا جائے اور خوشامدی کیسا آرام سے انگیٹھی کے پاس بٹھائی جائے۔

لیر ارے میرے زخموں کو کیوں تازہ کر رہا ہے

دیوانہ۔حضرت میں آپ کو ایک تقریر سکھانا چاہتا ہوں

لیر۔ضرور

دیوانہ چچا جان ذرا گوش ہوش سے سنئے

دیوانے کی تقریر

تمہاری گرہ میں اُس سے زیادہ مال اور تمہارے دماغ میں اس سے زیادہ عقل ہونی چاہئے جتنا کہ تم لوگوں کے سامنے ظاہر کرتے ہو

جتنی باتیں کہ تمکو معلوم ہیں وہ سب مت کہ ڈالو تمہارا علم اُس سے زیادہ ہونا چاہئے جتنا کہ تم الفاظ میں ظاہر کرتے ہو۔ اگر تم کسی کو قرضہ دو تو اس سے کم دو جتنا کہ دوسروں کا تم پر واجب ہے پیدل چلنے کی نسبت گھوڑے کی سواری زیادہ کرو خود بخود سوچنے کی نسبت باہر سے زیادہ علم حاصل کرو اور شراب خواری اور بدمعاشی ترک کرو اور قناعت سے اپنے گھر میں بیٹھے رہو تو تمہاری ضرورت سے زیادہ تمہارے پاس موجود رہے گا

کینٹ۔بھئی دیوانے یہ کیا بات ہوئی

دیوانہ۔اگر کچھ نہیں ہے تو میں کیا کروں جب وکیل کو فیس نہ دو گے وہ تمہاری

بحث کیا کرے گا (لیر کی طرف مخاطب ہوکر) چچا جان آپ کہئے آپ کے پاس اگر کچھ نہو تو آپ کیا کریں گے۔

لیر۔ لڑکے اگر میرے پاس کچھ نہو تو میں اس سے کیا فائدہ اُٹھا سکتا ہوں جو چیز نہیں ہے اس کو کوئی استعمال ہی کیا کر سکتا ہے۔

دیوانہ (کینٹ کی طرف مخاطب ہوکر) مہربانی سے آپ ان بادشاہ صاحب کو بتا دیجئے گا کیونکہ یہ مجھ دیوانے کی بات کا اعتبار نہیں کرتے ان کی زمین اور جائداد کی آمدنی کچھ نہیں رہی

لیر دیوانے تمھاری باتیں بہت تلخ معلوم ہوتی ہیں

دیوانہ کنگ لیر کو (مخاطب کرکے) کیوں لڑکے تم تلخ اور میٹھی بات میں کچھ تمیز کر سکتے ہو

لیر نہیں لڑکے ذرا مجھے سکھا دو

دیوانہ جن صاحب نے آپ کو یہ رائے دی تھی کہ آپ اپنی جائداد سب کی سب بانٹ دیجئے انھیں بُلائیے اور یہاں بٹھائیے تو آپ کو تلخ اور میٹھی باتیں خود معلوم ہو جاویں گی ایک دیوانہ میں ہوں کہ تلخ باتیں کروں گا اور ایک دیوانے آپ ہیں کہ میٹھی باتیں کریں گے۔

لیر کیوں لڑکے تم مجھکو بھی دیوانہ کہتے ہو

دیوانہ اب سوائے دیوانہ کے اور میں آپ کو کیا کہوں جو کچھ خطابات اور مال و دولت خدا نے آپ کو دیا تھا وہ آپ نے دوسروں کی سپرد کیا اب سوائے دیوانے پن کے اور کیا رہ گیا ہے۔

کینٹ حضور یہ شخص بالکل ہی دیوانہ تو نہیں معلوم ہوتا

دیوانہ نہیں خدا گواہ ہے کہ بڑے آدمی اور بڑے اُمرا مجھے دیوانہ رہنے کی اجازت نہیں دیتے اگر دیوانہ پن کی سند تنہا میرے ہی نام ہوتی تو یہ لوگ

اس میں سے حصہ لینے کے لئے مجھ سے خوب جھگڑتے اور عورتوں کو بھی تو دیکھو کہ وہ بھی تمام میری دیوانگی میرے پاس نہیں رہنے دیتیں وہ بھی مجھسی چھینا چھانی کرتی رہتی ہیں چچا جان مجھے ایک انڈا منگوا دیجئے کہ میں آپ کو دو تاج تیار کردوں

لیر بھئی وہ کیسے دو تاج ہونگے

دیوانہ وہ تاج دو ایسے ہونگے کہ انڈے کو میں درمیان میں سے کاٹ کر اس کی زردی اور سفیدی کھا جاؤں گا اور دو برابر خالی چھلکے رہنے دیں گے اُن سے تمہارے تاج بنیں گے جب تم نے تاج کے دو ٹکڑے کرکے اپنے دونوں بیٹیوں کو دیدئے تو تم بتاؤ کہ تم سے بڑھکر کسی نے حماقت کی اب تمہارا گنجا سر انہیں انڈے کے خالی تاجوں کے قابل رہگیا ہے۔ کیونکہ جبکہ تو نے اپنا سنہری تاج دوسروں کو دیدیا تو معلوم ہوتا ہے کہ تیرے دماغ میں خاک بھی عقل باقی نہیں رہی اگر تم سمجھتے ہو کہ یہ مرے دیوانہ پن کی باتیں ہیں تو جو شخص سب سے پہلے مجھے دیوانہ کہے گا اس پر خوب ہنٹر پڑنے چاہئیں اس سے پہلے کبھی دیوانوں سے کسی نے ایسی بدسلوکی نہیں کی ہوگی کیونکہ اب عقلمند آدمی خود بیہودہ ہوگئے ہیں اور وہ نہیں جانتے کہ اپنی عقل سے کیسے کام لیں اُن کے تمام عادات مثل نقالوں کے ہیں۔

لیر دیوانے یہ گانے کے شوقین تم اسقدر کب سے ہوئے ہو

دیوانہ چچا جان جب سے آپ نے اپنی بیٹیوں کو اپنی اماں بنا لیا ہے اور جب اُن کے ہاتھ میں تم نے لکڑی دے کر خود بچوں کی طرح کپڑے اتار کر ننگے پھرنے لگے تب تمہاری بیٹیوں کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو آگئے اور میں اپنا غم غلط کرنے کو گانے لگا کہ ایسا بادشاہ بچوں کی طرح کھیل میں لگ جائے

باقی آئندہ

اڈیٹوریل

سید الظفر خاں صاحب کے مضمون کے متعلق چند تصویریں ہیں جو خوردبین میں چیزوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتی ہیں مثلاً نمبر ا و ۲ پر ایک بال ہے جو خوردبین میں اتنا بڑا معلوم ہوتا ہے نمبر ۳ پر پسے ہوئے نمک کی نہایت باریک ذرّے ہیں جو اسقدر بڑے بڑے معلوم ہوتے ہیں نمبر ۴ پر ایک کپڑے کا ٹکڑا ہے جو کہ معمولی نظر سے بہت باریک بنا معلوم ہوتا ہے۔ مگر خوردبین سے مثل ایک مرغی کے ٹاپے کے معلوم ہوتا ہے نمبر ۶ و ۷ و ۸ و ۹ و ۱۱ پر مچھروں کی مختلف تصویریں ہیں نمبر ۱۰ پر مچھر کی ٹانگ ہے جو خوردبین میں مثل ایک طویل قامت سانپ کے معلوم ہوتی ہے نمبر ۱۲ پر مچھر کا پر دکھایا گیا ہے جو خوردبین میں دیکھنے سے بہت ہی خوشنما معلوم ہوتا ہے تصویر نمبر ۱۳ ب و تصویر نمبر ۱۴ اب پر نر مچھروں کے سر ہیں اور نمبر ۱۳ الف اور نمبر ۱۵ الف مادین کے سر ہیں اور نمبر ۱۴ اور نمبر ۱۵ دونوں مچھروں کی تصویریں ہیں تصویر نمبر ۱۶ الف و ب و نمبر ۱۷ پر ان کیڑوں کی تصویریں دکھائی گئی ہیں جو انڈوں سے نکلکر ظاہر ہوئے ہیں اور جو درجہ بدرجہ بڑھ کر مچھر کی شکل اختیار کرتے ہیں اور نمبر ۲۲ و ۲۳ پر وہ کیڑے دکھائے گئے ہیں جو کہ بعد چھ روز کے انڈے سے نکل کر شکل پیدا کر لیتے ہیں نمبر ۱۸ و ۱۹ پر سانس لینے کی نلکی دکھائی ہے جو خوردبین سے اسقدر لمبی چوڑی مثل درخت کی جڑ کے معلوم ہوتی ہیں نمبر ۲۱ پر لاروا کے سر کے دو بال ہیں نمبر ۲۴ و ۲۵ پر وہ شکل دکھائی گئی ہے جو لاروا دس بارہ روز کے بعد اپنی شکل بدل کر معلوم ہونے لگتا ہے جسکو نمفا کہتے ہیں

زنانہ نارمل اسکول علی گڈھ بہت عرصہ سے زنانہ نارمل سکول کے بارہ میں کوئی نوٹ خاتون میں شائع نہیں ہوا ہم ناظرین کو مژدہ دیتے ہیں کہ خدا کے فضل سے سکول روز افزوں ترقی کر رہا ہے ذیل میں ہم اپنے مدرسہ کا ٹایم ٹیبل چھاپتے ہیں جس سے ناظرین اندازہ کر سکیں گے کہ کیا کیا مضامین مدرسے میں پڑھائے جاتے ہیں اور مدرسہ اب کس حالت میں ہے خدا کا شکر ہے کہ ہماری موجودہ ضروریات کے لئے بہت کامل اور نارمل کی امتحانات کی پاس کی ہوئی نہایت شریف اور ہمدرد استانیاں ملگئیں اسمیں خدا ہماری مدد کر رہا ہے اور مسلمانوں کے لئے خوشی کی بات ہے کہ انکی آرزو کا پودا نہایت سرسبزی

(۱۱)
(۱۰)
(۱۲)

(۱)
(۲)
(۳)
(۴)
(۵)
(۶)
(۸)

(۱۳) الف

ب

ت

(۱۴)

(۱۵) الف

(۱۴)
۱۶
(۱۹)
(۱۸)
(۱)

(۲۱۳)
۲۵
۲۴

لاروا کے سر کے بال

تاڑ کے پتے
کی طرح کے بنے

خاتون
بابت ماہ ستمبر ۱۹۰۸ء
نمبر ۹
ایڈیٹر شیخ محمد عبداللہ بی اے ایل ایل بی سکرٹری تعلیم نسواں سکشن
فہرست مضامین

خاتون

۱ یہ رسالہ ۴۸ صفحہ کا علی گڑھ سے ہر ماہ میں شایع ہوتا ہے اور اسکی سالانہ قیمت دو روپے اور ششماہی ایک روپیہ بارہ آنہ ہے۔

۲ اس رسالہ کا صرف ایک مقصد ہے یعنی مستورات میں تعلیم پھیلانا اور پڑھی لکھی مستورات میں علمی مذاق پیدا کرنا

۳ مستورات میں تعلیم پھیلانا کوئی آسان بات نہیں ہے اور جبتک مرد اسطرف متوجہ نہونگے مطلق کامیابی کی امید نہیں ہو سکتی، چنانچہ اس خیال اور ضرورت کے لحاظ سے اس رسالہ کے ذریعہ سے مستورات کی تعلیم کی اشد ضرورت اور بے بہا فوائد اور مستورات کی جہالت سے جو نقصانات ہو رہے ہیں اس کی طرف ہمیشہ مردوں کو متوجہ کرتے رہینگے

۴ ہمارا رسالہ اس بات کی بہت کوشش کریگا کہ مستورات کے لئے عمدہ لٹریچر پیدا کیا جائے جس سے ہماری مستورات کے خیالات اور مذاق درست ہوں اور عمدہ تصنیفات کے پڑھنے کی انکو ضرورت محسوس ہو تاکہ وہ اپنی اولاد کو اس بڑے لطف سے محروم رکھنا جو علم سے انسان کو حاصل ہوتا ہے معیوب تصور کرنے لگیں۔

۵ ہم بہت کوشش کریں گے کہ علمی مضامین جہانتک ممکن ہو سلیس اور بامحاورہ اردو زبان میں لکھے جائیں۔

۶ اس رسالہ کی مدد کرنے کے لئے اسکو خریدنا گویا اپنی آپ مدد کرنا ہے اگر اسکی آمدنی سے کچھ بچے گا تو اس سے غریب اور یتیم لڑکیوں کو وظایف دیکر استانیوں کی خدمت کے لئے تیار کیا جائے گا۔

۷ تمام خط و کتابت و ترسیل زر بنام اڈیٹر خاتون علی گڑھ ہونی چاہیے

YAB

THE LATI
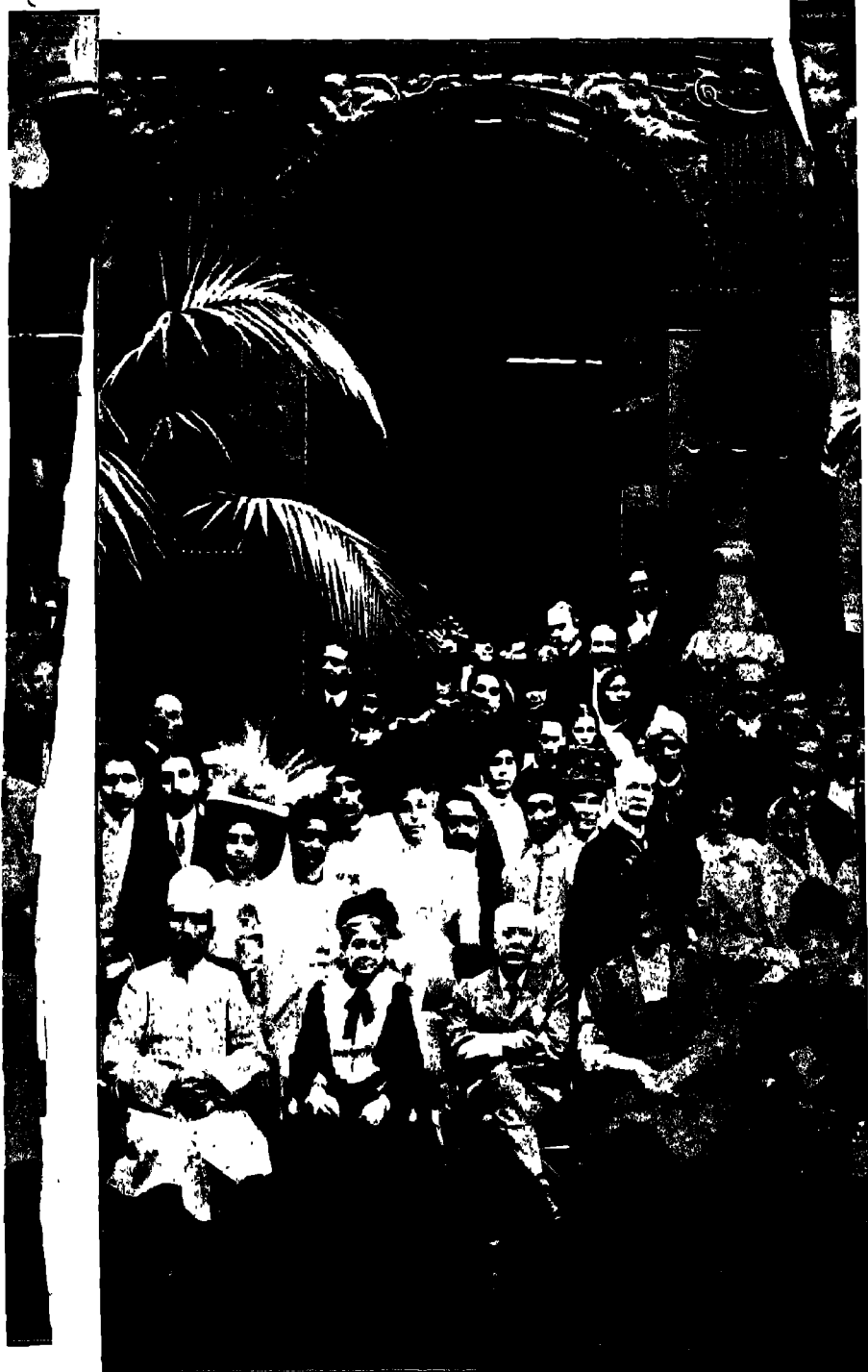
ddi

Crome.

The W

YABJI WEDDING.

dding Party.

Cromer, The Countess of Cromer, Mme. d'Otterberg, Mrs. C. A. Latif, the Bride, Mrs. M. B. Tyabji,

بچّوں کی پرورش

بیگم عبدالواحد خاں صاحبہ کا بیش بہا مضمون بچوں کی پرورش پر ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ لیڈی ناظرین اس پر توجہ کریں گی اور بچوں کی پرورش کے متعلق اپنی معلومات اور تجربہ بڑھانے کی کوشش کریں گی۔ اولاد کی پرورش پر آجکل سب سے مفید معلومات انگریزی اور دوسری یورپ کی زبانوں میں موجود ہیں جن سے ہماری ناظرات بالکل بے بہرہ ہیں اس بارے میں مردوں کو مستورات کی امداد کرنی چاہیئے بچوں کی عمدہ پرورش پر اُن کی آیندہ زندگی اور ترقی منحصر ہے۔ ہمارے ناظرین کو جاننا چاہیئے کہ یہ ہی انسان ہیں جو رسول اور نبی ہوئے ہیں اور انہیں انسانوں میں سے چور اور بدمعاش ہوتے ہیں اس کی وجہ دریافت کرنا کوئی بہت وقت طلب نہیں ہے عمدہ پرورش اور اعلیٰ اور برگزیدہ صحبت خدا کی اعلیٰ

سے اعلیٰ نعمت اور عطیات کا مستحق بناتی ہے بدصحبت ہمیشہ کے لئے قعر ذلت میں
میں گراتی ہے غالباً ہمارے ناظرین کو یہ معلوم ہوگا کہ انگریز جو ہندوستان پر حکومت
کرنے آئے ہیں اُن کا ایک ایک بچہ یہ قابلیت رکھتا ہے کہ دوسروں کے اوپر
نہایت خوش اسلوبی اور عمدگی سے حکومت کرے اپنے کاروبار اور انتظام میں نئی
نئی ترقی کی صورتیں اور راہیں نکالے اور برخلاف اُس کے کل ہندوستان میں
لاکھوں بلکہ کروروں آدمی ایسے ہیں جو صبح سے شام تک بالکل معطل اور بیکار پڑے
رہتے ہیں انھیں اپنی بہبودی اور ترقی کے لئے کوئی راہ ہی نہیں سوجھتی ہے اور
اس بڑے اختلاف کی وجہ صرف یہ ہے کہ یورپ میں بچپن سے بچوں کو ترقی کے
راستہ پر لگا دیا جاتا ہے اور ہندوستان میں مطلق اس کا کچھ لحاظ نہیں کیا جاتا لیکن
خدا کا شکر ہے کہ اب خود مستورات کو ہندوستان میں اس طرف توجہ ہوئی ہے

لاڈیٹر

چھوٹے بچے بھی مثل پان پھول کے ہوتے ہیں ان کی دیکھ بھال اور پرورش کو
تجربہ چاہئے اور عمر کی بھی ضرورت ہے ہر ایک آدمی بچہ کا رکھنا اور ان کی سب باتوں
کا دیکھنا نہیں کرسکتا اسی واسطے یہ بات سچ ہے کہ بچہ کا پالنا آسان کام نہیں ہے
پُرانے زمانے میں تو یہ قاعدہ تھا کہ بچے بڑے بوڑھوں کے پالے پڑتے تھے نہ اُن
کے والدین اُن سے خبر ہوتے اور نہ وہ والدین سے نانی دادی انّا کھلائی کا جو
دل چاہتا وہ کرتیں جیسے دل میں آتا وہ کرتیں اگر کسی بے قاعدہ بات پر ماں ایک نگاہ
بھر کر بھی دیکھ لیتی تو غضب کا سامنا تھا سارا گھر اس بیچاری کے پیچھے پڑ جاتا آخر کو
نادم ہوکر اپنا دل جلا کر خاموشی اختیار کرتی نام کی ماں بننے کی گنہگار ہوتی بچہ کے
کھیل تماشوں کے دنوں میں جو اپنی ماں کو کسی وقت پیار آجاتا تو مجال نہیں تھی کہ
ساس سسروں کے سامنے پیار کرے اور اگر کسی وقت دل نے کا اور کرلیا تو ہر بات

کے چرچے اوڑنے لگے باتیں بڑھنے لگیں کہ بیوی چھوٹی دلہن کے تو شرم پاس ہو کر نہیں نکلی ہے اُن کو آپ ارمان ہی سب ہے پہلی بچہ کو ایسا پیار کرتی ہیں معلوم ہوتا ہے کبھی بچوں کی اماں نہ تھیں ہمارے یہاں ایسی نہیں ہوتی آئی ہے نہ ہم ایسی بے شرمی گوارا کریں۔ بس ایسی ایسی باتیں اور ایسی زنگیا ئی پابندیاں بچہ کی پرورش اور تعلیم و تربیت کو خاک میں ملا دیتی ہیں خیر خدا کا شکر ہے کہ اب وہ زمانہ تو ختم ہونے پر آگیا ہے اور رفتہ رفتہ ختم ہوتا جاتا ہے اب تعلیمیافتہ بی بیوں کو اس طرف توجہ چاہیے۔

پیاری بہنو ہمارا آپ کا زمانہ تو جیسا بھی گذرا اچھا یا بُرا گذر گیا مگر اب اپنی اپنی اولاد کی پرورش سے بیفکر نرہنا چاہیے اور اُن کی پرورش اور تعلیم کے واسطے اپنی جان اس طرح لڑانا چاہیے جیسے مالی ایک نئی سی ڈالی کے واسطے جان لڑا دیتا ہے اور جب تک وہ جڑ نہیں پکڑتی پانی سینچ جاتا ہے۔ پیاری بہنو ایسا نہو کہ نئی پود آگے کو بڑھ کر اور زمانہ کا حال دیکھکر ہمکو اپنی نگاہوں میں جاہل مطلق سمجھے اور منہ پر نہیں تو دل میں بُرا کہے اس واسطے یہ ننھا پودا دنیا میں جس روز سے قدم رکھے اسکو ہر طرح کا آرام اور نفاست رکھنے میں کوشش کیجائیں کوئی بات کوئی شادی خواہ مخواہ ایسی نکریں جس سے ہمارا پیسہ بھی بے فائدہ خرچ ہو جائے اور اس کو سراسر تکلیف پہنچ کر یہ ننھی سی بے زبان جان باتوں میں کھیل جائے اور بجائے خوشی اپنے دل کا کام تمام ہو۔ کاش ایسی شادیاں مثلاً چھٹی نمک چشی سال گرہ بسم اللہ وغیرہ کو تہ کر کر رکھدیا جائے یہ سب باتیں کچھ فرض تو ہیں نہیں پھر کاہے کے واسطے ایک رقم فضول خرچ ہو اگر یہ رقم پڑی رہے گی اور بچہ اس لائق ہوا تو ضرور تعلیم پر خرچ کرنا چاہیے اسوقت میں جبکہ یہ ایک گوشت کی بوٹی کے مانند ہے اس کو خوب ساصفائی کا زیور پہنا دیں اس کو خوب اُجلا رکھیں جس سے غیر شخص بھی دیکھکر خوش ہو جائے اور نفرت نکرے ایام پیدائش میں چھوٹا بچہ زیادہ تر انگریزی علاج اور پابندی وقت سے بہت ہی صاف رہتا ہے

مثلاً علیحدہ کمرہ روزانہ غسل انگریزی لباس علیحدہ سونا ہر ایک بات کے قاعدے ہر ایک
بات کا وقت ہونا چاہیے یہ سب باتیں اس کے واسطے قاعدے کی ہیں ایک غلطی بہت
بھاری اور یہ ہے کہ اپنی ماں کا دودھ ہمارے یہاں بچہ کو نہیں دیتے جو کہ اس کے واسطے
بہت مفید ہوتا ہے دنیا کے دکھانے کو انا رکھ لی جاتی ہے بعض دفعہ بچہ کے دودھ پینے
کی حد تک تین تین چار چار انائیں بدلنی پڑتی ہیں اور ان کمبختوں سے ناک میں دم آجاتا
ہے یہ قصداً نہیں ہونا چاہیے تکلیف بیشک ماں کو ہوتی ہے لیکن جب عادت ہوگئی تو
کچھ بھی نہیں معلوم ہوتا البتہ اگر ماں کو کوئی مرض دبائے یا کمزوری کسی قسم کی ہو اس حالت
میں مجبوری ہے انا کی جگہ بچہ پر نرس ہو نہیں تو کوئی ہوشیار آیا رکھنا بہتر ہے بچہ کا کام
ہر ایک ملازم سے نہیں لینا چاہیے اور اس کو کسی بے وقوف یا بڑھیا یا کم ہمت یا کم نظر
عورت کے سپرد نہ کرنا چاہیے ملازمہ کا امتحان خوب اچھی طرح سے جب لے لیں جب بچہ
کا کام اس کو دیں بعض بعض آیا نگہبانی اچھی طرح سے کرسکتی ہیں مگر ہر ایک نہیں ان کمبختوں
کے قصے بھی سننے میں آچکے ہیں سنا ہے ایک آیا جب بچہ کو شام کے وقت ہوا خوری
کو لے گئی وہاں جاکر باغ میں اسکو اور بچوں میں چھوڑ دیا بچہ اوروں میں جا ملا آپ بیفکر
ہوکر اپنی ہمجنسوں میں باتیں ہنسی مذاق کرنے لگیں شام کے وقت جب سب بچہ جانے لگے
تو یہ بھی ...را ہوشیار ہوئیں دیکھتی ہیں کہ بچہ کا پتہ نہیں

اب حیران پریشان ادھر ادھر نگاہیں جلدی جلدی دوڑانے لگیں ذرا دور
آگے بڑھکر دیکھے کہ بچہ لانبا لانبا ایک گھانس میں پڑا ہے اسنے جانا کہ سو رہا ہے وہاں
دیکھے تو بچہ بالکل بیدم ہے اسنے فوراً چپ منہ اٹھاکر گاڑی میں ڈال کر گھر لے آئی اور
اس کے کمرہ میں لے گئی اور جو جو کام بچہ کے کرتی تھی سب کئے دودھ گرم کیا بوتل بنائی
پھر اسکا پلنگ لگایا اور رات کے کپڑے پہنا کر اس کو ایسا لٹا دیا جیسے بالکل سوتا ہے جب
ماں باپ باہر سے آئے تو جلدی سے جاکر اجازت مانگی کہا مجکو ضروری کام ہے ادھر

جانا چاہتی ہوں۔

یہ کہ کر فوراً چلی گئی رات کو سونے کے وقت جب میم اپنے پیارے بچہ کو پیار کرنے گئی
اور ہاتھ رکھا تو بدن ٹھنڈا ٹھنڈا معلوم ہوا جلدی سے منہ پر ہاتھ رکھا تو بالکل بیدم تھا
مگر اس کو یقین نہیں آتا تھا کہ یہ مرا پڑا ہے جلدی سے بتی لائی اس سے دیکھا تو سچ مُردہ
کی صورت تھا جب اس نے ہر طرح کی آزمایش سے جان لیا کہ میرا بچہ مرگیا ہے تو بیقرار
ہو کر صاحب کو آواز دی دونوں بیقراری کی حالت میں ہو گئے جب کچھ ہوش آیا اور آیا کے
گھر آدمی بھجوایا تو معلوم ہوا کہ وہ ابھی تک گھر میں نہیں گئی تھی پھر اس وقت کیا ہوتا تھا
صبح کے ڈاکٹر کے دکھانے سے معلوم ہوا کہ سانپ نے کاٹا ہے ذرا سی بے احتیاطی
میں کیسی بچہ کی جان ہاتھ سے گئی افسوس اسی واسطے بچوں کو کبھی بے پروا مدہوش آدمی
پر نہ ڈالنا چاہیے اپنی ماں کسی وقت اور کسی لحظہ اپنی اولاد سے بےفکر نہ رہے

الراقمہ بیگم عبدالواحد خان

ہماری ضروریات کا صحیح اندازہ

جناب بنت نذر الباقر صاحبہ خاتون کے مشہور نامہ نگار کے نام نامی سے ناظرین و
ناظرات خاتون اچھی طرح سے واقف ہیں وہ محض ایک نامہ نگار ہی نہیں ہیں بلکہ
ایک بہت بڑی ہمدرد خاتون ہیں اُن کے مضامین کے لفظ لفظ سے دلی ہمدردی ظاہر
ہوتی ہے۔ ہمارا ہمیشہ سے یہ خیال رہا ہے کہ بیبیوں کے برابر مرد کبھی ہمدرد نہیں ہوسکتے
ہمدردی کا اعلیٰ وصف بیبیوں کی طبیعت میں جہالت کے اندھیرے میں سو رہا ہے
تعلیم کی روشنی رفتہ رفتہ اس کو جگائے گی اور دنیا کو اس سے فائدہ پہنچائے گی۔ بنت
نذر الباقر صاحبہ کا مضمون گو جس کا موضوع خود انھوں نے کچھ اور قرار دیا ہے لیکن
اس کی اصلی موضوع نسوانی فرقہ کی تعلیم ہے ہم بڑی شکرگذاری کے ساتھ انکا یہ مضمون درج کرتے ہیں

خاتون نمبر ۷ کا سب سے پہلا مضمون کچھ ایسا دل دکھانے والا تھا کہ تمام رسالہ پڑھنا مشکل معلوم ہوا خاتون کو رکھ کر لکھنا شروع کر دیا جو خیالات اس مضمون کے پڑھنے سے دل میں پیدا ہوئے قلم سے نکالدینا ہی مناسب جانا گو یہ مضمون کوئی پہلا نہیں ہے تعلیم نسوان اور خاصکر ایجوکیشنل کی مخالفت کرنے والے اسوقت ہزاروں لاکھوں ہیں لیکن اس مضمون سے دل پر زیادہ چوٹ یوں لگی کہ یہ ایک بظاہر تعلیمیافتہ بی بی کے قلم سے نکلا ہوا ہے افسوس دوسرے کیا کم ہیں ہماری تعلیم کی مخالفت کرنے والے جو خود ہم ہی مخالفت پر کمر بستہ ہو کر اُن کی ہمت بندھائیں اور خود ہی تمام عمر کو قعر ضلالت میں زندگی بسر کریں۔

مضمون نگار لکھتی ہیں (۱) بیچاریاں جانوروں کی طرح قفس میں جکڑ دی گئی ہیں (۲) گویا یہ مردوں سے کم رتبہ رکھتی ہیں (۳) یا اُن کے دل اور قسم کے واقع ہوئے ہیں یا مردوں جیسی عقل و تمیز نہیں رکھتی ہیں (۴) ان کو اعلیٰ تعلیم نہیں دیجاتی (۵) لونڈیاں بنا کر رکھی گئی ہیں آزادی نہیں بخشی جاتی یہ الفاظ تعلیم نسوان کے حامیوں کی طرف سے ہیں اور خود لکھا ہے ہم روئیں یا نہ روئیں ہماری طرف سے آنسو بہائے جائیں۔

(۱) آپ کیا نہیں سمجھتیں میں بھی نہیں سمجھتی کہ پردہ ہمارے لئے قید یا قفس یا ظلم ہے اور بیشک کوئی ہندوستانی مسلمان بی بی اسکو ظلم نہیں جانتیں بیشک پردہ سے راحت ملتی ہے لیکن انہیں کو جن کے دل و دماغ روشن آنکھیں کھلی ہوئی ہیں کہ ایک جاہل محض بی بی کے لئے کھلا میدان اور تنگ و تاریک بند مکان برابر ہے مرد کوئی غلط تصویر نہیں کھینچتے نہ تو وہ بیچاری پردہ نشین جاہل بی بیوں کے سر یہ الزام لگا سکیں کہ وہ ٹم ٹم و باغ و تھیٹر کے خواہشمند ہیں نہ اُن بیگموں کو جو پان کھا کر دن گذارتی ہیں بیشک اگر اپنے فرائض کو پوری طرح ادا کیا جائے تو کبھی اُگالدان بھرنے کی نوبت نہ آوے اور اب بیکاری میں بھی کسی بی بی کے دل میں تھیٹر یا سرکس کا شوق نہیں ہے

(۲) مردوں کے ہم رتبہ ہیں یا نہیں یہ فضول بحث ہے اسکو ویسا ہی سمجھو جیسا عقل کہے یا جو
حکمت و مذہب بتائے تاہم اتنا میں بھی کہہ سکتی ہوں کہ بہت کام ایسے ہیں جو مرد اور
عورت برابر کر سکتے ہیں بیشک مرد عورت کی بناوٹ میں بہت فرق ہے طاقت و ہمت
میں فرق ہے لیکن اتنا بھی نہیں کہ عورت سوائے روٹی پکانے جھاڑو دینے کے اور کچھ
کر ہی نہ سکے سالہا سال سے جو بیچاری معطل کر دی گئی ہے اسوجہ سے بالکل ہی ناقابل ہے
ورنہ تواریخ کے دیکھنے سے بیسیوں مثالیں ملتی ہیں جن سے ثابت ہے کہ عورت مرد
کے ساتھ ساتھ سب کام کر سکتی ہے اور بعض اوقات مرد سے زیادہ کر گزرتی ہے میدان
جنگ میں جو صنف نازک کے لئے سب سے زیادہ ڈراؤنا مقام ہے بہت سی مسلمان عورتیں
کام آئیں دور کیوں جاؤ دکن کی ملکہ چاند بی بی نے کیا بہادری دکھائی پھر بادشاہت
جیسی مرد کر سکتا ہے ویسی ہی عورت بھی جس کی زندہ مثالیں اسوقت موجود ہیں اور اہل
تواریخ ہندوستانی ملکہ اور رانیوں سے واقف ہیں۔ اس سے نیچے تعلیم یافتہ عورات نوکری
بھی کر سکتی ہیں مدرسوں میں دفتروں میں سٹیشنوں پر ڈاکخانہ میں شفاخانوں میں تمام
عورات ملازم ہیں اگر یہ کہا جائے کہ وہ میمیں ہیں بیشک میمیں ہیں لیکن بناوٹ تو ان
کی بھی وہی ہے جو ہماری ہے پھر کیا وجہ ہے جو خط پڑھوانے کو منشی جی کو بلائیں اور
وہ ڈاکخانہ میں کلرکی کریں صرف تعلیم ہی تعلیم نے ان کو مردوں کی برابر کر دیا ہے اور
ہندوستان میں بھی نیچے طبقہ کی عورت بڑے بڑے سخت کام کرتی ہیں کیا ۶ گھنٹے میں ایک
من آٹا چکی میں پیسنا آسان ہے؟ بہ نسبت ۴ گھنٹے دفتر میں بیٹھ کر لکھنے کے؟ اب بتائیں کہ
مردوں نے مشکل کیا یا کم ہمت عورت نے بیشک مرد عورت کے فرائض علیحدہ علیحدہ ہیں
لیکن یہ بھی نہیں کہ مردوں کے کام عورت کر ہی نہ سکے ہاں عورت کے کام مرد نہیں
کر سکتا اگر ایک دن کو گھر رکھنا اور بچوں کی نگہداشت سپرد ہو تو معلوم ہو جائے یہ میری
سمجھ میں نہ آیا کہ ابتدائے آفرینش سے یہ خدمت عورت کے سپرد ہے کہ بچوں کی پرورش

کرے اس لئے عورتیں اُن قابلیتوں کے مہیا کرنے میں زیادہ حصہ زندگی کا بسر کرتی ہیں جو
پرورش اولاد اور ازایں قبیل اور کاموں کے انجام کے لئے درکار ہیں بیشک یہ خدمت
مادہ کی سپرد ہے تمام عالم انسانات سے لیکر حیوانات تک منحصر ہے لیکن یہ نہ سمجھ سکی کہ
ساما نوں کے مہیا کرنے میں بسر کرتی ہیں کے کیا معنی؟ اور یہ کس عورت سے مراد ہے یعنی کون
ایسا کرتی ہیں غالباً تعلیم یافتہ بی بیوں سے تو نہ ہوگی انھیں اپنے ہندوستانی کم علم بہنوں
کی بابت ہوگا۔ ہنسی آتی ہے وہ کون ہیں جو اس خدمت کے لئے تیار رہتی ہیں۔ کسی
ہندوستانی ماں نے اپنی بیٹیوں کو اعلیٰ تعلیم کے ساتھ علم طب وحفظ صحت اور پرورش
اطفال کی تعلیم دی ہے یا بندوبست کیا ہے؟ پھر کیا خاک مہیا کرتی ہیں ہاں اپنے گھر
میں نانی خالہ۔ چچی۔ ممانی سے یہ ضرور سیکھتی رہتی ہیں اگر بچہ جاگنے اور کھیلنے والا ہے
جس سے ماں کو فرصت نہیں ملتی کہ الگ ہو تو افیم دینی چاہئے تاکہ تمام دن رات سوتا رہے
اگر بچہ زیادہ روتا ہے تو سمجھو کسی کا سایہ ہے یا بھوکا ہے ٹھونسائے جاؤ جس وقت
مانگے پیسے دو کہیں دل نہ مرے آخر کماتے کس لئے ہیں ہوا خوری کو نجانے دو چڑیل
چمٹ جائے گی وغیرہ یہ تعلیم ہے جو لڑکیوں کو گھروں میں ملتی ہے اور وہ بھی سامان
مُہیّا کرکے پرورش اطفال پر صرف کرتی ہیں (۳) بڑے فخر و ناز سے لکھا گیا ہے کہ
ہماری طبیعتیں نرم اور کمزور بنائی گئی ہیں بچوں کی ضدیں باسانی اٹھا سکیں اور مردوں
کو اپنی شیریں گفتاری سے موم بناکر ان کی زندگی کو پرلطف بنادیں اور یہی نرم دلی
اور کچا پن ہے جو ہمیں مدبّر اور معاملہ فہم نہیں ہونے دیتا بیشک بہت درست ہے عورت
ایک چیز ہی ایسی ہے کہ تلخ چیز کو شیریں اجاڑ جگہ کو بارونق سخت طبیعت کو نرم الطبع
بنا سکتی ہے لیکن عورت کے لئے صرف عورت ہونا بھی اس کام کے لئے کافی نہیں بلکہ
یہاں بھی کامل انسانیت کی ضرورت ہے اور انسان کامل وہی کہلایا جا سکتا ہے کہ
جس میں پوری انسانیت ہو اور انسانیت بلا علم مشکل ایک جاہل عورت اتنی قدرت سے

عاجز ہے یعنی وہ ایسا نہیں کر سکتیں اسوقت عام شکایت ہے کہ ہر گھر میں میاں بی بی کی
نہیں بنتی اسکی کیا وجہ آخر یہی جاہل بیبیاں نہیں جواب سے پچاس سال پیشتر پوری طرح شوہر
کو خوش رکھتی تہیں سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ مرد تعلیم یافتہ ہو گئے ہیں اور بیویاں
جاہل بس مزاج مذاق عادات خیالات کی ناموافقت میاں بیوی کی ناموافقت ہے
ایک کسان میاں بیوی نہایت اچھی زندگی محبت سے بسر کرتے ہیں لیکن ایک لائق
کا تعلیمیافتہ بیرسٹر اور ایک ہندوستانی نواب کی نہایت خوبصورت مگر لاعلم لڑکی وہ
خوشی حاصل نہیں کر سکتی بس وجہ وہی کہ تعلیم نہیں یورپ کی مثال ہندوستانیوں کو ٹھیک
نہیں اول ہمارا علم محدود ہم جانتے نہیں کہ یورپ کے کیا حالات ہیں سُنے سُنائے پر
اعتبار کر کے سند پیش کرنا مناسب نہیں بیشک یورپ کی عورتیں شکار بھی کرتی ہیں لیکن
ہمیں واقفیت نہیں ہے ورنہ جانتیں کہ وہ کیا کیا کر رہی ہیں اچھائیاں چھوڑ کر فوراً
برائیوں کو چُن لینا اخلاق کے خلاف ہے پہلے ان کی خوبیاں ہم حاصل کریں پھر
برائیاں چھانٹیں۔

(۴) بیشک ہم اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے پیدا ہوئی ہیں اور جو فرائض ہمارے
ساتھ وابستہ ہیں وہ خود پکار کر کہتے ہیں ہمیں اچھی طرح ادا کرو اور اچھی طرح کے نئے
علم کی ضرورت ہے یہ خیال غلط ہے کہ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے وقت نہیں اور اس سے
ہماری ڈیوٹیوں میں کوتاہی ہوگئی ہرگز نہیں چار سال کی عمر سے ۲۰ سال کی عمر تک لڑکی
اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے اچھی طرح گھر رکھنے اور پرورش اولاد کرنے کی قابل ہو جاتی ہے اور
یہی عمر بروے حکمت اس بار کے اُٹھانے کے قابل بھی ہے چھوٹی لڑکی گھر سنبھالنا کیا جانے
ہاں یہ اور بات ہے کہ مضمون نگار صاحبہ دس سال کی عمر میں شادی ہو جانا لازمی
جانتی ہیں یا صغیر سنی کی شادی کی حامی ہوں شکر ہے مذہبی تعلیم کی ضرورت کو تو مانا
لیکن یہ نہ کھلا کہ کہاں تک کیا یہی مذہبی کتابیں کافی ہیں راہ نجات تحفۃ العوام

نور نامہ وفات نامہ قیامت نامہ وغیرہ یا کوئی اور رنبیک مذہبی تعلیم سے اوہام پرستی دور ہو سکتی ہے لیکن جب ہی جب تعلیم تعلیم ہو آپ نے تو اس مروج تعلیم پر قناعت کرلی کہ مذہبی کتابیں تو کچھ ہیں زیادہ ضرورت دستکاری - خانہ داری اکانومی پرورش اولاد پر سلیس کتابوں کی ہے اور ساتھ ہی یہ بھی لکھدیا کہ ہمیں صرف کتابو پر ہی بسر کرنا نہیں ہے بس جیسے مذہبی تعلیم بقدر ضرورت ہے ایسے ہی دستکاری وغیرہ کو بھی صبر کرلیں اس وقت تمام ہندوستانی بیبیاں گوٹا کناری بنت ٹانکنا انگرکھا سینا - بٹوا بنانا سب جانتی ہیں بس یہی دستکاری یہاں بہن بیسلو کردئی کی لبس مخمل پر کام کی ضرورت بھی تو نہیں گھر بھی آخر چل ہی رہے ہیں بچے بھی پل ہی رہے ہیں اس تخ میں بھی نہ پڑے جو ہے وہی کافی ہے

(۵) شاید آپ کے خیال میں ذلت نہو گی اور بفضل خدا آپ گھر میں خوش ہونگی خدا خوش رکھے لیکن میں نے تو بیسیوں بیبیوں کو بچشم خود روتے دیکھا کہ ہماری ذرا گھر میں قدر نہیں باندیوں سے زیادہ ذلیل ہیں دن بھر کام کریں اچھا اچھا پکا کر باہر بھیجدیں اور پھر بھی ہم سے کسی معاملے میں صلاح نہیں لیتا مفتوں میاں سیدھے منہ بات نہیں کرتے اور توبہ توبہ بعض گھروں میں یہانتک ظلم و وحشیانہ پن ہے کہ مار پیٹ بھی بری نہیں یہ شریف معزز گھروں کا ذکر ہے اور ہر ایک گھر کی بیبیاں ان حالات کی سچائی میں قسم کھا سکتی ہیں - میں یہ بھی ضرور مانتی ہوں کہ باوجود اسقدر ظلم و سختی ہونے کے وہ نیک بیبیاں شکر گذار اور شوہر کی سلامتی چاہتی ہیں اور دل سے سب کچھ جھیلتی ہیں لیکن اگر غور سے دیکھو تو یہ لونڈیوں کی برابر بھی نہیں تو کیا ہے یہ شکایت تعلیمیافتہ گھروں میں نہیں ہے باعلم بی بی کا رعب ہی اور ہے برخلاف اس کے ایک تعلیمیافتہ بی بی اپنے گھر کی چھوٹی سی سلطنت پر خود مختار ملکہ کی طرح حکمرانی کرتی ہے جس میں مرد کا کچھ دخل نہیں یہاں تک کہ میاں

اتنا بھی نہیں جانتے کہ گھر میں نوکروں کی کیا تعداد ہے کیا کیا تنخواہیں ہیں کتنا ماہوار صرف ہوتا ہے اور اُن کو یہ بھی خبر نہیں کہ اپنے پہننے کے کپڑے کہاں سے کس قیمت کے آئے کب سلے۔ بیشک یہ بی بی کا فرض ہے کہ گھر مثل گلزار کے رکھے جب شوہر گھر میں آئے اس کو آرام کا سامان تیار ملے اُسکا دل بہلایا جائے دل سے کوفت دور کر دیجائے

لیکن میں پھر یہی کہوں گی کہ اتنا کرنے کی قابلیت بھی ہو جاہل بی بی سے تعلیمیافتہ شوہر کا خوش رکھنا ناممکن ہے یہ ایک ظاہر اور لازمی بات ہے کہ کم علم بی بی کے شوہر کے ماتھے پر بلوں کا رہنا ایسا ہی ضرور ہے جیسے بی بی کے مُنہ پر میاں کی شکایت میں ایک اچھے گھرانے کا ذکر کرتی ہوں جس کو ناں نے سب کچھ سونپ رکھا تھا لیکن چند دن سے پکانے والی ماما نکل گئی تھی گرمی کے موسم میں شام کے ۶ بجے میاں گھر میں آئے اسوقت بہت خوش تھے اور جلد جلد راستہ طے کر کے گھر میں پہنچے کہ جاتے ہی کھانا کھائیں گے بچوں میں خوشی منائیں گے دروازہ سے داخل ہوتے ہی کیا دیکھتے ہیں کہ صحن میں کوڑا ہے پلنگ وغیرہ کچھ اب تک نہیں بچھے پڑے ہیں بچے زمین پر رو رہے ہیں کہ اماں روٹی رات ہو گئی اب دو گی اور اماں چولہے کے آگے حیران بیٹھی پنکھا دھونک رہی اور کہتی جاتی ہیں کہاں سے روٹی دوں خاک پڑے اس گھر پر نہ کبھی باپ دادا نے کیا وہ یہاں آکر کرنا پڑا دو سو روپیہ تنخواہ ہے اور ہماری قسمت کا جھولا مرجائے ایمان مجھ سے تو ایسی جلد نہیں پک سکتا"

یہ خفگی یہ حالت گھر کی بیٹھنے کو سوائے زمین کے کوئی جگہ نہیں ملی حیران لڑکے پاس کھڑے ہو کر اُسے اُٹھالیا اور کرسیوں کو وہیں رونا چھوڑ کر باہر آئے بچے کے پیروں سے تمام کوٹ مٹی سے بھر گیا۔ اب بتائیں ان بیوی نے تھکے ماندے میاں کو کیا آرام دیا خوش آئے اور رنجیدہ کر دیا بیٹھنے کو پلنگ بھی نہ ملا۔ اب سُنیں ایک تعلیمیافتہ بی بی کا حال انہیں گرمیوں میں شام کے ۶ بجے جو میاں دفتر سے آئے دو گھنٹہ

میں چالیس روپیہ ماہوار کے ملازم تھے اور تین بچوں کی تعلیم کا خرچ) کیا دیکھتے ہیں کھانا
سب تیار جالیدار الماری میں رکھا ہے جو نوکر نہیں بیوی نے خود ہی پکایا ہے اوپری
طرف سفید بستر سے پلنگ پر بچھے ہیں آدھے حصہ صحن میں کھانے کی میز لگی گرد کرسیاں
پڑی ہیں اور میز پر ۲ گلدستے بھی رکھے ہیں صحن میں کیاریوں میں پھول ہیں جن سے
گھر مہک رہا ہے بیوی سفید لباس پہنے بچوں کے سر کے کپڑے اوتار کر شام کے
پہنا رہی ہیں میاں کو افسردہ دیکھ کر جلدی کام ختم کیا اور میاں کو کرسی دے کر بٹھایا
اور پوچھا کیا وجہ آپ اسوقت افسردہ ہیں چھوٹی شکیلہ دیکھتے ہی پاس گئی لیکن
آپ نہیں بولے "میاں کیا کہوں سخت پریشان ہوں حکم آگیا میری تبدیلی ہو گئی کل
چل پڑنا ہے مہینہ آخر ہے، روپیہ ہے نہیں تم سب کو لے جاؤں تو کیسے چھوڑ دوں تو
کس پر ؟ بیوی ہنس کر او نہ بڑی بات نکالی فکر کی میں تو ڈر گئی کہ کیا ہے خوشی کی بات
ہے شاید وہاں پیسے زیادہ ملیں ہماری فکر نہ کرو تم چلے جاؤ" میاں نہ نوکر دیکھ جاؤ
نہ نوکر تمھارے پاس کون کام کرے میرے ساتھ کون جائے" بیوی کوئی بات نہیں
نوکر کی پروا نکرو جولڑکا میرے پاس برتن صاف کرنے جھاڑنے وغیرہ پر ہے اُس کو
مخصوص کھانا پکانا آتا ہے ساتھ لیجاؤ کچھ روپیہ میرے پاس ہے بچوں کے کپڑے
بنائے تھے اُن کی قیمت ابھی رکھی ہے وہ لیلو۔ میاں اور جب بزاز تنگ کرے گا
تو کیا ہوگا اور برتن تم کیسے صاف کروگی۔

بیوی زور سے ہنس کر بیشک یہ مشکل ہے سنو جس میں سے دو مخمل کے ٹیبل کلاتھ
اور دو ٹین بنا کر لکھنؤ بھیجے ہوئے ہیں آجکل اُن کی قیمت آنے والی ہے بس بزاز کو بھی
دیدیں گے اور بچوں کی مدرسے کی فیس بھی جب مکان ملجاوے فوراً بچے بلالینا بچوں
دونو کو یہیں سکول میں چھوڑ کر چھوٹے احمد کو ساتھ لے آؤں گی۔ میاں کا چہرا ایکدم
خوشی سے سرخ ہوگیا اور بیوی کی موہبت کا اظہار کسی طرح نہ کرسکے ٹھہر کر بولے

او قابل قدر حسینہ تم کیا چیز ہو میں کبھی اس قابل نہ تھا کہ ایسی لایق لیڈی کا شوہر بنتا
خدا تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے لیکن افسوس ہے حسینہ تیری بدقسمتی پر کہ ایسے غریب کے پلّے
پڑی غرض اُن کی خوشی کا اندازہ مشکل ہے دیکھو تعلیم کا اچھا نتیجہ اور جہاں تعلیم نہیں
خواہ تو اہی ہے لیکن بتکلیف - فرائض مردوں کے لاکھ ہم رتبہ ہو سکیں جسقدر حقوق اسلام
نے عورات کو عطا کئے ہیں عیسا موں میں نہیں یہ اور بات ہے کہ اُن کو غصب کر لیا
جائے یا چھپا ڈالا جائے بیشک ہم شریف ہیں اور وہی شریف نہیں بلکہ ہم بھی اور ہم بھی
اپنی مرضی سے جو چاہیں کر سکتے ہیں بشرطیکہ حدود شرع کے اندر ہو اور ہمیں جایز ہو اور
بچے پالنا یہ اپنی اپنی حیثیت سے تعلیم یافتہ مائیں اگر نرس رکھ کر بچے پلواتی ہیں - تو
ہندوستانی غیر تعلیم یافتہ مائیں بھی انائیں رکھتی ہیں اور جاہل اناؤں کے تربیت
یافتہ بچے جیسے ہوتے ہیں وہ معلوم ہی وجہ ہے ہماری قوم کی نکبت کی ہر واسطے
اب عورت کی تعلیم کو تسلیم کیا ہے قوم سدھری کوئی تعلیم یافتہ ماں اس واسطے نرس
نہیں رکھتی کہ میں فارغ ہو کر شہروں میں جاؤں بلکہ جو صاحب مقدرت رکھتی ہیں تو ایسے
جیسے کھانا پکانے کو خانساماں صرف اپنے تمول کے لحاظ کو اور اب ہمارے دیس
میں امرا یورپین نرس رکھنے لگے ہیں وہ اس مجبوری کو کہ بیگمات تعلیم یافتہ نہیں - اگر
دیسی بیبیاں تعلیم یافتہ ہو جائیں تو کبھی نرسوں کا خرچ برداشت کرنا نہ پڑے اس سے
آگے جو الفاظ شرم و حیا پر لکھے ہیں میں ان پر ریمارک کرنا نہیں چاہتی میرے قلم سے عورات
کے لئے خواہ کسی قوم سے ہوں کبھی بُرا نہیں نکل سکتا نہ مجھے تہذیب اجازت دیتی
ہے کہ میں لفظ عصمت و عفت قلم سے بھی نکالوں - جس میں جو برائیاں ہیں ہیں تو
خوبیاں چننا چاہئیں - آخر میں میں بھی آپ کے ساتھ ساتھ دعا کرتی ہوں کہ یا خدا
ہمیں جہالت کی دلدل سے نکال کر علم کے منور میدان میں لا اس اندھیری سڑک کی
گمراہی سے بچا کر راہ راست سے چمنستان علم میں جگہ دے آمین راقمہ بنت نذر الباقر سیالکوٹ

رقیہ بیگم

از سلسلہ سابق

کلکتہ

کلکتہ بھی عجیب شان کا شہر ہے۔ ہندوستان میں سب سے بڑا شہر ہے اس کی عالیشان عمارتیں بڑی بڑی پختہ سڑکیں نفیس دکانیں اس کی خوبصورتی۔ صفائی وغیرہ کا اندازہ تو دیکھنے سے ہی ہوسکتا ہے آدمیوں کی چہل پہل اور گاڑی گھوڑوں کی آمد و رفت دن رات رہتی ہے۔ صبح ہو شام ہو دوپہر ہو رات ہو کوئی وقت ایسا نہیں کہ سڑکیں خالی ہیں کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں آدمیوں کی بھیڑ نہو۔ بازاروں میں ہمیشہ کھوے سے کھوا چھلتا ہے اسوقت صبح کی کوئی آٹھ نو بجے ہوں گے۔ لوگ اُدھر اُدھر تیز تیز آجا رہے ہیں۔ گاڑیاں دوڑ رہی ہیں۔ بائسکلیں ہوا پر اوڑ رہی ہیں غرض عجیب چہل پہل ہے۔ ایک طرف ایک بڑے سے مکان کے سامنے ایک برقعہ پوش عورت کھڑی ہے۔ پاس دو بچے بھی ہیں ہر ایک کے سر پر ایک ایک گٹھری ہے اس عورت نے ایک ملازم سے جو پاس ہی کھڑا تھا کچھ پوچھا اس نے ہاتھ سے پھاٹک کی طرف اشارہ کیا اور یہ عورت اپنے بچوں کو لئے مکان کے اندر گھس گئی ہم بھی چلکر دیکھیں یہ مکان کس کا ہے یہ عورت کون ہے کہاں سے آئی ہے کیوں آئی ہے اندر پہنچکر کیا دیکھتے ہیں کہ نیچے والے دالان میں ایک کرسی پر ایک گورا چٹا آدمی بیٹھا ہے ان کی وضع قطع بالکل انگریزی ہے ڈاڑھی منڈی ہوئی ہے بڑی بڑی مونچھیں ہیں سامنے ایک اور کرسی پر ایک عورت بیٹھی ہے اس کا سن کوئی پچیس تیس کے درمیان ہوگا شکل و شباہت میں اگر بہت خوبصورت نہیں تو کچھ بدشکل بھی نہیں ان کی سج دھج کچھ منگلیوں کی سی ہے یہ دونوں میاں بیوی

معلوم ہوتے ہیں یہ دونوں آپس میں کچھ باتیں کر ہی رہے تھے کہ اتنے میں ماما نے آکر کہا کہ یہاں ایک عورت آگرہ سے آئی ہے دو بچے بھی ساتھ ہیں۔ سعادت علی (یہ وہی سعادت علی رقیہ کے خاوند تھے) نے چونک کر کہا بلاؤ بلاؤ۔ تھوڑی دیر میں وہی عورت جو میں نے باہر دیکھی تھی برقعہ اوڑھے ہوئے بچوں کو لئے اندر آئی اور برقعہ میں سے جھک کر سلام کیا۔ سعادت علی نے اس کے سلام کی کوئی پروانہ کی اور چلا کر کہا کہ بیٹا سرفراز آؤ۔ بیٹا کیسے ہو پھر چھوٹے کو بلایا بیٹا ممتاز آؤ تم تو ہمیں پہچانتے بھی نہیں۔ اب تم بڑے ہوگئے آؤ مگر چھوٹا ممتاز ڈر کے مارے اپنی برقعہ پوش ماں سے چمٹ گیا یہ دیکھ کر سعادت علی نے سرفراز سے پوچھا کہ یہ تمہارے ساتھ کون عورت ہے۔ سرفراز نے نہایت متحیر ہوکر کہا کہ ہیں ابا یہ تو اماں جانی ہیں کیا آپ نے نہیں پہچانا۔ یہ تو اماں ہیں یہ سنتے ہی سعادت علی کی عجیب حالت ہوگئی غصہ کے مارے آگ بگولہ ہوگئے دانت پیسنے لگے۔ ہونٹ چبانے لگے آنکھیں انگارے کی طرح سرخ ہوگئیں۔ بچے کو الگ کیا اور نہایت ہی للکار کر کہا کہ "کون رقیہ۔ تم یہاں کیسے تمہیں کس نے بلایا تھا تمہارا یہاں کیا کام جواب میں رقیہ کے منہ سے کچھ نہ نکلا پھر سعادت علی نے دہرا کر پوچھا کہ تمہیں یہاں آنے کی کس نے اجازت دی تم میرے گھر میں کیوں آئیں۔ مگر رقیہ خاموش تھی ایک وہ تھے کہ غصہ میں بکے جاتے تھے اور ایک رقیہ تھی کہ بت کی طرح خاموش کھڑی سن رہی تھی۔ آخرش سعادت علی سخت غصہ میں آئے اور کہا کہ دیکھو میں نے تمہیں صاف لکھدیا تھا کہ تمہارا میرا اب کوئی تعلق نہ رہا اور تمہارا یہاں میرے گھر میں آنا میں ہرگز پسند نہیں کرسکتا اب میں پھر تمہیں کہتا ہوں کہ بہت جلد اس گھر سے نکل جاؤ اور کہیں اپنا ٹھکانا کرلو ورنہ بے عزت ہوکر جاؤ گی یہ کہہ کر اٹھے گھڑی کی طرف دیکھا کپڑا پہن گاڑی منگوائی اور سیدھے دفتر کو روانہ ہوگئے مگر چلتے چلتے یہ کہہ گئے کہ میرے دفتر سے آنے سے پہلے میرے گھر سے

نکل جاؤ ورنہ تمہارے لئے بہت بُرا ہوگا۔ رقیہ بچاری ویسی ہی کھڑی کی کھڑی
رہی شوہر کے روانہ ہوئے بعد بیگم صاحبہ (سعادت علی کی نئی بیوی) رقیہ کے پاس آئیں
اور کہا کہ بیٹھو نا اور برقعہ تو اتارو پھر تھوڑے سے بسکٹ لا کر بچوں کو دئے۔ بچارے
بھوکے بچے اپنی ماں کے پاس زمین پر بیٹھ کر بسکٹ کھانے لگے۔ بیگم صاحبہ بھی سامنے
ایک کرسی پر بیٹھ کران کی سیر دیکھنے لگیں پھر رقیہ سے برقعہ اتارنے کے لئے اصرار کیا
اسوقت رقیہ کی حالت اور صورت دیکھنے کا شوق ادہر تو بیگم صاحبہ کو ہو رہا تھا
اور ادہر ہمارا دل بھی بے چین تھا کہ دیکھیں اسوقت اس بچاری کی کیا حالت ہے اپنے خاوند
کے گھر میں ایک اجنبی غریب عورت کی حیثیت میں آنے نے اسپر کیا کچھ اثر نہ کیا ہوگا اپنی
جگہ ایک غیر عورت کو راج کرتے دیکھ کر اس کے دلپر کیسا صدمہ ہوا ہوگا اپنے اور اپنے
بچوں کی ایسی حالت دیکھ کر اُس کے دل میں کیا کیا خیالات گذرتے ہوں گے یہ وہی
رقیہ ہے جو اپنے شوہر کے ساتھ نہایت آرام اور چین سے دن گذارتی تھی یہ وہی
رقیہ ہے جو اپنے شوہر کی مفارقت میں ہمیشہ رنجیدہ اور مغموم رہا کرتی تھی یہ وہی رقیہ
ہے جو اپنے خاوند کی بے توجہی پر دن رات رونے دھونے میں گذارتی ہے یہ وہی
رقیہ ہے جو اپنے خاوند کی تصویر ہی سے اپنا دل بہلایا کرتی تھی اور اپنی تنہائی
کے دن کاٹا کرتی تھی اور آج وہی رقیہ اپنے خاوند کے گھر پر کیسی کیسی امیدیں اور
آرزوئیں لیکر آئی تھی دلمیں کیا منصوبے گانٹھ کر آئی تھی مگر یہاں آکر سب امیدیں
خاک میں ملگئیں سب آرزوؤں پر پانی پھر گیا سب منصوبے باطل ہو گئے بچاری اپنے
شوہر کے گھر میں اس ذلت اور خواری سے اپنے پیارے بچوں کو لئے زمین پر بیٹھی
رہی اور ایک غیر عورت کو اپنی جگہ اپنی گھر کی مالکہ بنی ہوئی دیکھ رہی ہے ایک
شریف عورت کے لئے اس سے بڑھ کر رنج و غم اور ظلم شاید ہی اور کوئی ہو مگر یہ
ہے کہ اُف تک نہیں کرتی اور اس جگر سوز صدمہ کو چپ چاپ سہہ رہی ہے۔

رقیہ کی صورت دیکھنے کے شوق نے بیگم صاحبہ کو بچلا بیٹھنے نہ دیا یہ اٹھیں اور اپنے ہاتھ سے رقیہ کا برقع اُتارا مگر برقعہ اتارتے ہی کیا دیکھتی ہیں کہ رقیہ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑیاں لگی ہوئی ہیں۔ کپڑے تمام تر ہو گئے ہیں آنکھیں روتے روتے سوجھ گئی ہیں۔ گرمی کے مارے دم گھٹا جاتا ہے بیگم صاحبہ اس کی ایسی حالت دیکھ کر خود بھی گھبرا گئیں برقعہ اتار کر ڈال دیا اور کہا کہ "بی بی یہ تمہیں کیا ہو گیا" مگر رقیہ تھی کہ گردن جھکائے ہوئے نیچی نظریں کئے ہوئے روتی رہی بیگم صاحبہ نے بہتیرا پوچھا مگر کچھ بھی جواب نہ پایا تو جھنجھلا کر اپنی کرسی پر جا بیٹھیں تھوڑی دیر میں ماما کھانا لے آئی بیگم صاحبہ اپنی میز کرسی پر کھانے لگیں اور رقیہ اور بچوں کو نیچے ایک سینی میں کھانا دیا گیا بیچارے بچے رات بھر کے بھوکے ننھے ہاتھ بڑھا جھٹ سے لپک کر کھانے لگے مگر رقیہ نے چھوا تک نہیں آخرش بیگم صاحبہ اور بچوں کے اصرار سے ایک نوالہ منہ میں ڈالا مگر وہ بھی حلق میں گولی بنکر رہ گیا کھانے کے بعد جوں جوں وقت گذرتا تھا رقیہ کی گھبراہٹ اور بے چینی اور زیادہ ہوتی جاتی تھی جب شام کا وقت آگیا تو ادھر تو بیگم صاحبہ اپنے میاں کے آنے کی خوشیاں منانے لگیں مگر ادھر بیچاری رقیہ کا رنج و صدمہ سے کلیجہ منہ کو آنے لگا گھبراہٹ سے دل تڑپنے لگا۔ ہاتھ پیر کانپنے لگے آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا۔ پسینہ میں شرابور ہو گئی اور یہی سوچتی تھی کہ اب کیا ہونا ہے اور اب کیا ہوتا ہے تھوڑی دیر میں گاڑی کے ٹھیرنے کی آواز سنائی دی اور سعادت علی آہی تو گئے مگر رقیہ کو اس اضطراب اور گھبراہٹ کی حالت میں دیکھ کر ذرا ٹھٹھکے پھر آگے بڑھ کر اپنی کرسی پر بیٹھے اور کہا کہ رقیہ تم نے ابتک اپنا کوئی انتظام نہیں کیا یہ تمہاری محض شرارت تھی کہ تم میرے کہے بغیر چلی آئیں میں تم سے صاف کہتا ہوں کہ میں تمہیں اپنے گھر میں نہیں رکھ سکتا یہ (بیگم صاحبہ کی طرف اشارہ کر کے) میری بیوی ہیں اور میں ان کا شوہر۔ تمہارا میرا اب کوئی تعلق یا رشتہ نہ رہا۔ بچے میرے پاس رہیں گے مگر تم کہیں اپنا انتظام

کرلو ورنہ پچھتاؤ گی۔ یہ کہکر اپنی بیوی سے کچھ باتیں کیں اور پھر کچھ سوچکر کہا ہاں کلکتہ
میں تمہارا رہنا ٹھیک نہیں مناسب ہے کہ تم بچوں کو چھوڑکر آگرہ واپس چلی جاؤ۔ اب تو
گاڑی کا وقت نہ رہا مگر دیکھو کل تک تیار ہو جاؤ اور دس بجے کی گاڑی سے روانہ
ہو جاؤ یہ کہکر جیب سے ایک بیس روپیہ کا نوٹ نکال کر رقیہ کے آگے پھینکدیا یہ لو
تمہارے ٹکٹ کے دام اور خرچ وغیرہ دیکھو میں اب تک تمہارے ساتھ نہایت نرمی
سے پیش آرہا ہوں اور اگر کل تم یہاں سے نہ چلدیں تو پھر مجھے سختی کرنی پڑے گی اور
پھر تمہارے حق میں بُرا ہو گا اتنا کہکر یہ دونو میاں بیوی اُٹھکر برابر والے کمرے میں
چلے گئے اور رقیہ بیچاری روتی ہی رہی یہاں تک کہ شام ہوگئی لوگوں نے کھانا
کھایا رات ہوگئی اور سارا گھر سو بھی گیا مگر اس بیچاری کی نیند کہاں۔ بیٹھے بیٹھے تھک
جاتی تو لیٹتی۔ لیٹے لیٹے چین نہ آتا تو اُٹھکر بیٹھتی کبھی کچھ سوچتی تو کبھی ہاتھ اُٹھا کر
چپکے چپکے کچھ دعایں مانگتی کبھی آبدیدہ ہوکر بچوں کو دیکھتی تو کبھی رنج وحسرت سے
اپنے میاں کی تصویر جو سامنے لگی تھی اسے دیکھتی۔ غرض سخت پریشان تھی اور اسپر
نیند کا نام نہیں۔ رات آنکھوں ہی آنکھوں میں کٹی پلک سے پلک نہ جھپکی تھی کہ گھڑی
نے چار کی صدا اُس کے کانوں تک پہنچادی گھر بھر ویسے ہی خراٹے لے رہا تھا اور
صبح کی میٹھی نیند سو رہا تھا۔ مگر یہ گھبراکر اُٹھی اپنی دونو گٹھریاں لیں بچوں کو چپکے سے
جگایا اور تینوں ماں بچے نہایت دبے پاؤں گھر کے باہر ہوگئے اور سیدھی سٹیشن
کا راستہ لیا۔ گرتے پڑتے دوڑتے ہانپتے راستہ طے کیا اور سٹیشن پر گاڑی کے
وقت جا پہنچے۔ علی الصباح کوئی پانچ بجے کی گاڑی تیار تھی اسمیں سوار ہوگئے دوسرے
روز شام کو اُسی اپنے جھونٹے سے افلاس بھرے گھر پر پہنچ گئی مگر اب کے یہ گھر رقیہ کو
گویا کاٹے دوڑتا تھا قدم رکھنے کو جی کا نپ اُٹھتا تھا پہلے تو یہی اُسکا گھر تھا۔ یہی
اسکی زندگی تھی۔ اسی چار دیواری میں اُسکی اُمیدیں اور آرزوئیں دفن تھیں اور نکل

سسکیں تھیں ان ہی دیواروں سے اس کے آہ و نالے ٹکراتے تھے۔ اسی چھت سے اسکے
پچھلے ہوئے دل کا دھواں نکلتا تھا اور وہیں پر چھا جاتا تھا غرض یہی اس کی دنیا تھی اور
یہی اسکی زندگی۔ باہر کیا ہو رہا تھا یہ کچھ نہ جانتی تھی اپنے میاں کی حالت سے ناواقف تھی
مگر اب یہ اپنے بے رحم۔ بیوفا۔ ظالم شوہر کا گھر دیکھ آئی اس کی فرے وار زندگی دیکھ
آئی۔ سن آئی اور تجربہ کر آئی اب کیوں نہ اس دکھیاری کا دکھ دوبالا ہو جائے اب
کیوں نہ اُس کے زخم جگر ہرے ہو جائیں

(باقی دارد)

کنوارپن

ذیل میں ہم ایک مضمون جناب مسز سعادت علی صاحبہ کا درج کرتے ہیں انہیں اس روشن
خیال نامہ نگار نے ناکتخدا لڑکیوں کو ایک بڑے اہم اور ضروری فرض کی طرف توجہ دلائی
ہے کنواری لڑکیوں کو اپنے عادات خصائل و اخلاق ٹھیک اور شائستہ بنانے کا جس
قدر موقع ہوتا ہے وہ بعد شادی کے بیویوں کو کبھی نہیں مل سکتا یہ بچپن کا زمانہ ہے جسکا
ایک ایک سکنڈ غنیمت سمجھا چاہئے اور کنواری لڑکیوں کو ایک بڑی دشوار گذار منزل
طے کرنیکے لئے تیاری کرنی چاہئے بڑے افسوس سے دیکھا جاتا ہے کہ ہمارے گھروں
میں کیا لڑکوں کیا لڑکیوں کی تعلیم و تربیت نہایت ناقص ہوتی ہے ان کو محنت
مسلسل اور باقاعدہ کام کرنے کا عادی نہیں بنایا جاتا نہ اُن کو وقت کی پابندی
کا عادی بنایا جاتا ہے اگر ماں باپ بچپن سے بچوں کا پورا خیال نہ رکھیں تو یقینی
اُن میں پھوہڑپن۔ غفلت۔ لاپروائی کام سے نفرت سستی اور بیکاری میں
اپنا وقت ضائع کرنا یہ سب قبیح عادتیں ان کی فطرت میں پورے طور پر اپنا اثر
پیدا کرینگی اور زندگی بھر ان سے پیچھا نہ چھوٹے گا۔

بچوں کو ایسا اٹھانا چاہیے کہ ان میں کام کرنیکی عادت ہو اور اس کے ساتھ
وہ کام کو بار نہ سمجھیں بلکہ بڑی خوشی کے ساتھ انجام دینا پسند کریں صفائی کی عادت
جس شخص میں ہوتی ہے وہ سب اپنے ہمجنسوں میں بڑی عزت اور قدر کی نگاہ سے دیکھا
جاتا ہے صفائی کی سب سے زیادہ ضرورت بیویوں کو ہے ایک بیوی خود صاف رہتی
ہے اپنے بچوں کو صاف رکھتی ہے اپنے گھر کو صاف رکھتی ہے اسکو حق ہو کہ وہ اپنے میاں
کے دل کی بھی مالک بنی رہے لیکن ایک غلیظ پھوہڑ بیوی کو گو کوئی شوہر اپنی شرافت
کی وجہ سے نباہے چلا جائے لیکن اگر اس سے خوش خوش رہے تو اس کو کوئی شکایت
کی جگہ نہیں ہے صفائی کا ایک بڑا اثر یہ ہے کہ جو چیز گھر میں جس ترتیب اور سلسلہ سے رکھی ہو
اسکو بے ترتیب نہونے دینا چاہیے جہاں کہیں ترتیب بگڑے اسکو فوراً ٹھیک کر دینا
چاہیے میں پھوڑ بیویوں کو دیکھا ہے کہ جہاں کہیں گھر کی چیزوں اور سامان کو بکھرا دیکھا
اور کسی نے کہا کہ دیکھو یہ چیزیں بکھری پڑی ہیں ان کو ٹھیک کرادو تو گھر کی بیوی نے
جواب دیا کہ ہاں ٹھیک کر لیں گے جلدی کیا ہے بس میرے نزدیک یہی عادت اور
یہی خیال پھوڑپنے کی بنیاد ہے بُری طرح سے چیز پڑی ہو ایک منٹ کے لئے
بھی کیوں گوارا کی جائے اور جس کسی بیوی کو خدا نے ایسی عادت دی ہے کہ وہ
کبھی اس بات کو پسند نہیں کرتیں کہ جہاں کی چیز کہیں پڑی ہو تو وہ بھی اس بات کی
مستحق ہیں کہ اپنے گھر کی معزز ملکہ کہلائیں اور اپنی اولاد کی سب سے بڑی ہمدرد اور
محسن بنیں - ہمکو مسز شیخ سعادت علی صاحبہ کے مضمون کے ایک ایک حرف سے اتفاق
ہے اور ہم اسکو بڑی خوشی کے ساتھ خاتون میں شایع کرتے ہیں (اڈیٹر)

عورت کی عمر کا بہترین حصہ کنوارپن ہے یہ خوشگوار زمانہ ہر بہن کی قسمت
میں ہوتا ہے خواہ وہ امیر ہو یا غریب اسی زمانہ میں ماں باپ کی توجہ زیادہ تر اپنی
لڑکیوں کی تربیت کی طرف ہوتی ہے اُن کو بُری صحبت سے منع کرتے ہیں اور خلاف

کی باتیں سکھلاتے ہیں تاکہ آیندہ سسرال میں اُن کی قدر بڑھے اور شوہر کی ہم مذاق
اور چاہیتی بی بی بن سکے

اس زمانہ میں طبیعت کسی دوسری طرف مایل نہیں ہوتی بلکہ یک سوئی ہوتی ہو
اور جو بہن دل لگا کر وہ باتیں سیکھنا چاہے جس سے آیندہ بہتری اور قدر ہو بہت ہی
آسانی سے سیکھ سکتی ہیں۔ اور جب یہ عمدہ موقع بیکاری اور غفلت میں ضایع کر دیا
جاتا ہے تو بعد میں سوائے ندامت اور رنج کے کچھ حاصل نہیں ہوتا چند باتیں ذیل میں
درج کی جاتی ہیں اگر اُن کو میری کنواری بہنیں غور سے پڑھیں گی تو امید ہے کہ کچھ نہ
کچھ فایدہ ضرور حاصل ہوگا ابتدا ہی سے صفائی وستھرائی و پاکیزگی کا خیال رکھو تاکہ
بعد شادی بھی تمہاری یہ عادت عمدہ باقی رہے اور یہ یاد رکھو کہ تمہارے شوہر زیادہ
تر صفائی اور سلیقہ ہی کو پسند کریں گے اکثر مردوں کی نسبت سُنا ہی کہ اُن کی اپنی بیبیوں
سے اس لئے نہیں بنتی کہ وہ صاف نہیں رہتیں مگر وہ بیچاریاں کیا کریں لڑکپن کی
عادت ایسی ہوتی ہے کہ اسکا کسی صورت چھوٹنا ممکن نہیں اور اس بد عادت کی
وجہ سے جو رنج اور تکلیفیں لڑکیوں کو پہنچتیں ہیں اور گھروں میں نا اتفاقیاں پیدا
ہوتی ہیں ان کے جواب دہ وہ والدین ہیں جنھوں نے اپنی کنواری لڑکیوں کو اس
بد عادت اور غلیظ زندگی کا بچپن سے عادی کیا ہے۔

ہمیشہ شریف اور سن رسیدہ اور مہذب بی بیوں کی صحبت میں بیٹھا کرو تاکہ تمہیں
آداب مجلس صلاحیت وسلیقہ سیکھنے کا موقع ملے اور یہ بات مسلّم ہے کہ انسان خواہ
وہ مرد ہو یا عورت عقل وتمیز و بردباری سوسایٹی میں بیٹھنے اُٹھنے سے آتی ہی اگر تم بچپن
ہی سے عمدہ بیبیوں کی صحبت میں نہ بیٹھو گی تو ہرگز تہذیب وشایستگی سیکھنے کا موقع
نہ مل سکے گا اور بعد شادی جب شوہر کے گھر جاؤ گی تو وہ تمہاری قدر نہ کریں گے تعلیم
کی نسبت کچھ لکھنا میں بیکار سمجھتی ہوں کیونکہ اب تمام ہندوستان میں عام طور پر تعلیم

نسوان کا رواج ہو چلا ہے مگر اتنا ضرور یاد رکھو کہ لاکھ خوبی کی ایک خوبی اور لاکھ زیور کا ایک زیور لڑکی کے لئے یہی تعلیم ہے۔

علی الصباح اُٹھنے کی عادت رکھو نماز روزہ کو قضا نہونے دو۔ اپنے والدین اور بزرگوں کی اطاعت میں فرق مت آنے دو یہ سمجھ لو کہ یہی اطاعت تمہارے شوہر کو بھی تمہارا مطیع کر دے گی انتظام خانہ داری سے پوری واقفیت حاصل کرو خصوصاً پکوان وغیرہ میں جسقدر ہو سکے کمال پیدا کرنے کی کوشش کرو کیونکہ بغیر اس کے تم اپنے گھر کی اعلیٰ منتظمہ نہیں بن سکیں کسی وقت بیکار نہ بیٹھو۔ کوئی وقت ہو کچھ نہ کچھ شغل ضرور چاہئے بیکار بیٹھنے سے طبیعت میں سستی پیدا ہو جاتی ہے اس سے میرا مقصد یہ نہیں کہ آرام ہی نہ لو دن میں ایک دو گھنٹہ آرام لینا بھی ضرور ہے۔ آخر میں پھر کہتی ہوں کہ اے میرے عزیز کنواری بہنو! اپنے اس اچھے اور عمدہ کنوارپن کے زمانہ کو غفلت اور بیکاری میں ضائع نکرو جو کچھ سیکھنا ہے سیکھ لو دیکھو وقت کم ہے اور کام زیادہ

مسز شیخ سعادت علی

حیدر آباد دکن

سوکن کا جلاپا

خاتون میں سوکن کے جلاپے پر جو مضامین کا سلسلہ شروع ہوا ہے اس کے متعلق آج ایک نہایت درد دل سے نکلا ہوا قابل مضمون جناب رع ب صاحبہ کا ہم درج رسالہ کرتے ہیں افسوس ہے کہ رع ب صاحبہ نے اپنا پورا نام ظاہر کرنا پسند نہیں کیا اور نہ ہمکو اجازت دی ورنہ ناظرین اور ناظرات ان کا نام دیکھکر اوسکے مضمون کی اور بھی قدر کرتے۔ بہر حال یہ مضمون خود اپنی خوبی اور ہمدردی کی شہادت دے رہا ہے۔ عورتوں اور مردوں کو چاہئے کہ بڑے غور سے ایک ایک لفظ پڑھیں

اور اسکی طرف توجہ کریں۔ اب یہ اصلاح کا زمانہ ہے اصلاح پسند گروہ کو اپنی ادائ
میں کسی قدر زیادہ قوت پیدا کرنے کی ضرورت ہے اور غیر اصلاح پسند گروہ پر دباؤ
اور اثر ڈالنے کی اشد ضرورت ہے۔ (اڈیٹر)

عرصہ سے ہم مجبور اور بیکس عورتوں کی طرفداری کا شور اُٹھ رہا ہے جس کی ہیں
ممنون اور بہت ممنون ہوں اور ایسے خدا کے نیک نفس بندوں کے واسطے دل سے دست
بدعا ہوں۔

مگر سچ کہوں یہ ہم بچاریوں کے واسطے نہیں یہ بھی اصل میں اپنے واسطے ہے وہ
بوجہ جو ہم اپنی جہالت کی وجہ سے نہیں اُٹھا سکتے وہ بھی ہم سے اُٹھوانا چاہتے ہیں علاوہ
اور کار خانگی کے اور فکر افکار ذاتی کے اب یہ بھی خواہش ہے کہ ہم مردوں کے قصہ خواں
نہیں اور ان کے منشی اور سرشتہ دار بھی ہم ہو دیں وہ حساب کتاب خانگی جو مردوں کے
ذمہ ہیں اُن سے بھی ان کو سبکدوش کر دیں اُن کے بچوں کی اوائل کی تعلیم بھی علاوہ
تربیت کے جو ہمیشہ سے ہمارا فرض ہے ہم کریں (جو یا تو معلم رکھ کر کرانا پڑتی ہے یا وہ
خود دیتے ہیں اور جو صاحب متوسط الحال یا غریب ہیں اُن کو فکر معاش سے بھی
بہت کچھ بےفکری ہو جائے یعنی ہم استانی گری کر کے روزی بھی پیدا کر سکیں۔

غرضکہ ہمیں تو سونے کی فرصت بھی نہ مل سکے اور ہمارے مہربان اسقدر فارغ
البال ہو کر اور بھی ہمارے جلانے ستانے کی مشق بہم پہنچاویں ہم سب کچھ کرنے کو خوشی سے
طیار ہیں مگر ہماری بھی تو کوئی سچے دل سے ہمدردی کرے۔ اے عقلمند و تعلیم نسیم کا
شور مچا کر ہم سے ہمدرد نسوان کا سارٹیفکٹ لیا چاہتے ہو اگر ہمارے سچے ہمدرد اور
سچے طرفدار ہو تو کوشش کرو اور ہمت کرو اور ہمیں ایک سخت مصیبت اور آفت سے
اور مشکل سے بچاؤ آہ وہ ایک ایسی مصیبت ہے جس کا خیال بھی آپ لوگ اپنے واسطے
نہیں کر سکتے زندگی تو زندگی مرنے کے بعد بھی آپ اپنے واسطے نہیں چاہتے مگر ہمارے

واسطے وہ مصیبت آپ اپنے ہاتھوں اپنی خوشی سے مہیا کرتے ہیں۔ ہائے وہ مصیبت
کیا ہے جو سب مصیبتوں آفتوں سے سوا ہے وہ سوکن کا جلاپا ہے۔ شکر ہے خدا کا کہ ہمدرد
نسواں نے اس طرف توجہ کی ہے مگر کوئی آواز لبیک کہنے کو تیار نہیں ہے کیسے بھی مضمون
نگار اکثر ناکتخدا لڑکیاں ہیں اور وہ اس درد سے بے خبر وہ اپنے وہ حقوق بھی جو صرف
رسمی طور پر تھوڑے بہت مردوں نے دے رکھے ہیں نثار کرنے کو تیار ہیں اور مردوں کی
دیکھا دیکھی اپنی بے بس بہنوں پر ہی کل الزام رکھتی ہیں اڈیٹر صاحب خاتون چاہتے
ہیں کہ عورتیں کوشش کریں اس امر میں مگر یہ دشوار بات ہے بیچاری عورتیں مردوں
کے خوف سے کچھ کر بھی نہیں سکتیں ہاں جیسے تعلیم کے واسطے کوشش ہو رہی ہے ایسے
ہی اس امر کے واسطے بھی خدا کے رحم دل بندے فوری کوشش کریں تو کچھ
تھوڑا بہت ہو رہے گا اب ہماری حالت بالکل ردی ہو گئی ہے صرف مضمون نگاری
سے کچھ نہو سکیگا اب مرد عورت سب ملکر اس بدرسم کے دور کرنے کی کوشش اور جان
توڑ کر کوشش کریں۔ اے وہ نیک نفس لوگو جن کو ہماری طرفداری کا دعوا ہے خدا کے
لئے کوشش کرو ہمت کرو سرکار سے امداد لو ہماری حالت اب بہت ہی قابل رحم ہے
آہ ادنی طبقہ کی عورتوں سے زیادہ ہم ذلیل و خوار ہیں اگر اُن کے ساتھ ظلم ہوتا ہے
تو وہ لڑ کر جھگڑ کر پنچایت بیچ میں ڈال کر کسی طرح نہو تو عدالت کے ذریعہ اپنا انصاف
کرا لیتی ہیں مگر ہم جو خاندانی کہلاتی ہیں ہمارے مرد جو ڈپٹی تحصیلدار منصف اور جج
کہلاتے ہیں وہ دنیا کا خود انصاف کرتے ہیں لیکن ہم سے نا انصافی اور سخت نا انصافی
کرتے ہیں اور ہم اپنی شرم کو اپنے ماں باپ ساس سسر بلکہ اُسی نا انصاف شوہر کی
شرم کو مُنہ سے اُف نہیں کر سکتیں مگر ہمارا حال یہ ہے کہ نہایت کس مپرسی ظلم اور
محتاجی کی حالت میں پڑے ہیں ایک سے زیادہ شادیوں کا انسداد دشوار اور بہت
دشوار ہے اس کے واسطے مرد عورت ہمارے علماء ہماری عادل سرکار اور مہذب سیانی

سکولوں سے متوجہ ہونا چاہیئے اس کے لئے جلسہ کرو کمیٹیاں بناؤ ہر مذہب کے لیڈروں کو
اپنا شریک کرو سرکار سے قانون بنواؤ دقت تو ضرور ہو گی مگر بے بسوں کی ہزاروں
دعائیں آپ لوگوں کو ملیں گی۔

ہمارے مذہب اسلام نے جس قید کے ساتھ دوسری شادی کی اجازت دی
اس سے قریب قریب ایک سے زیادہ شادی کرنا گویا قید کر دیا ہے مگر ہمارے خود غرض
صاحبوں نے اپنا تکیہ کلام یہ کر لیا ہے کہ شرع میں چار نکاح جائز ہیں ہائے ہائے کیسا
انصاف ہے ایک اختیاری حکم پر جو کرو یا نکرو تو ایسا عمل ہے گویا مسلمانی کی شرط
ہی ہے مگر اس کے ساتھ جو بندشیں ہیں وہ ایک بھی قابل قبول نہیں میرا یہ مطلب نہیں
کہ مذہب عیسوی کی طرح دوسری شادی جرم قرار دیا جائے مگر اتنا ضرور ہو کہ یہ رسم
عام نہ رہے جو ضرورتاً دوسری شادی کریں بھی وہ پہلی بیوی کے حقوق ضرور مد نظر
رکھیں پنجاب کی طرف رزیل قوموں میں اکثر ایسے مقدمہ ہوا کرتے ہیں کہ ایک عورت
کے دو دعویدار ہوتے تھے کہ یہ ہماری منکوحہ ہے جن کے انسداد کے واسطے سرکار نے
ایک محکمہ بنایا ہے رجسٹروں میں تاریخ نکاح وغیرہ درج کر کے محفوظ رکھی جاتی ہے
اور وقت ضرورت کے اس سے مدد لی جاتی ہے ایسا ہی ایک محکمہ اور بنایا جائے
جو ہر شہر ہر ضلع ہر گاؤں اور قصبہ میں یہ تفتیش کرے کہ ایک ایک مرد کی کتنی کتنی
عورتیں ہیں اور پہلی بیویوں کے ساتھ کیا سلوک ہیں اور کیوں وہ دو عورتیں کی
گئی ہیں اور پہلی بیویاں کس چال چلن کی تھیں اور دوسری کس چال چلن کی ہیں
علما اور سوسائٹی اور سرکار تینوں یک دل ہو کر کوئی قانون پاس کر دیں ایسا کہ
جس سے یہ تباہی ہم سے دور ہو سکے بعضے مرد صرف اپنی خوشی کو دوسری عورت کرتے
ہیں اور الزام سے بری ہونے کو اولاد کا نام کرتے ہیں مگر اس کے سچ جھوٹ کی
اصلیت اس طرح ہو سکتی ہے کہ دوسری عورت اپنی ذات مذہب کی اور خاندانی ہے

یا ذلیل اور بازاری کیونکہ اولاد کے واسطے جو کرتے ہیں وہ کبھی ذلیل عورتیں نہیں کر سکتے اور اگر یہ سچ ثابت ہوا کہ اولاد کے واسطے ہی کی ہے تو پہلی کس حالت میں ہے اور علما اور سوسائٹی اس امر کی کوشش کرے کہ پورا انصاف اس کے ساتھ کیا جائے اگر علما کی کوشش اور سوسائٹی کے دباؤ سے ایسا نہو تو پھر سرکار سے مرد کی حالت اور پہلی بیوی کی عزت اور حیثیت کے لایق دلوانا چاہئے اگر نوکری پیشہ ہے تو ہر ماہ پہلی بیوی کے حصہ کے موافق کاٹ کر تنخواہ ملے اور اگر اور کوئی ذریعہ آمدنی کا ہے تو وہ سرکار ہی مثل اپنی مالگذاری کے وصول کرکے اُسے پہنچا دیا کرے چاہے وہ سسرال میں ہو یا میکے میں کیونکہ بعض یہ جھوٹا عذر کرتے ہیں کہ ہمارے پاس ہے تو ہم دیتے ہیں مگر یہ زبردستی اور ظلم پر ظلم ہے اگر بدسلیقگی کے واسطے دوسری شادی کی ہے اور تحقیقات سے یہ امر ثبوت کو پہنچا ہے تو بھی اُسے نان نفقہ اور شرعی رعایتیں ضرور سوسائٹی اور علما کو دلوانی چاہئیں خواہ اپنے دباؤ سے خواہ سرکار کے اگر ناموافقت دوسری شادی کا باعث ہے تو بھی دیکھنا چاہئے کہ ناموافقت کس کی طرف سے ہے اگر بیوی کا قصور ہے تو بھی روٹی کپڑا ملنا چاہئے اور مرد کی طرف سے ہے تو علاوہ اُسے ہر طرح کے حقوق دلوانیکے ایسے طبینت مرد کو سوسائٹی و علما ہی حقیر و ذلیل کر دیں خواہ وہ کوئی اعلیٰ عہدہ دار یا ملک التجار و تعلقہ دار ہی کیوں نہو۔ بلکہ پہلی حالت میں بھی جو صرف اولاد کے لئے کرتے ہیں اگر وہ بھی پہلی بیوی سے نیکی کا برتاؤ نہ کریں تو انھیں بھی ذلیل کر دینا چاہئے

اگر اس امر میں نہایت سختی سے کوشش کی جائے گی تو امید ہے اس بد رسم میں بہت کمی ہو جائے گی اور حکم شرع سے تجاوز نہ کریگی جس وقت عملی کارروائی شروع ہوگی تو جہاں تک مجھ سے ممکن ہوگا میں ایسی کمبخت مردار اور بدنصیب عورتوں کا حال لکھنے کو موجود ہوں اور امید ہے بہت سی بہنیں اپنے اپنے مقام کا حال بتا دیں گی اور اپنی اپنی رائے ظاہر کرینگی اسی طرح سچے ہمدرد نسواں مردوں سے امید ہے کہ وہ

ضرور کوئی عمدہ تجویز نکالیں گے میں کوئی قانون داں نہیں کوئی مضمون نگار نہیں کسی مدرسے میں نے صلاح لیکر نہیں لکھا صرف بیڈ ہنگا سا خاکہ بنا کے پیش کر دیا ہے اس امید پر کہ میری تحریک پر خیال پیدا ہو اور لائق اشخاص عملی کارروائی پر تیار ہو جا دیں اسی سوچ بچار میں اب عرصہ نہیں لگانا چاہیے بہت جلد عملی کارروائی شروع ہونی چاہئے کیونکہ ہماری عورتوں کا حال بہت سقیم ہے جس وقت دریافت حال کی کارروائی مثل مردم شماری کے ہو جائے گی تو بہت سی ایسی عورتوں کا قابل رحم حال کھلے گا کہ جو تعلیم یافتہ صاحب سلیقہ ہر دل عزیز ہونے کے باوجود مرد کی خود پرستی کا شکار ہو کر اپنے یا خاوند کے کسی عزیز کی مہربانی پر اپنی زندگی ایک ایک کوڑی کے واسطے محتاج ہو کر کاٹ رہی ہیں اور خاوند کسی ذلیل قوم یا بازاری عورت کو گھر میں ڈال کر مفت ہزاری صاحب جاہ و ثروت بنے پھرتے ہیں جنھیں نہ خوف خدا نہ سوسائٹی کی شرم نہ سرکاری قانون کا فکر ہے۔

میرے مضمون سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ میں تعلیم کے خلاف ہوں۔ میں بدل و جان سے تعلیم پر فدا ہوں گو میری تعلیم معمول سے بھی گری ہوئی ہے مگر میری دعا ہے کہ خدا میری بہنوں کو اعلیٰ تعلیم نصیب کرے ہاں اس قول کے خلاف ہوں کہ صرف تعلیم سے عورتوں کے دن پھریں گے۔ جبکہ میرا تجربہ مجھے یہ بتا رہا ہے تعلیم یافتہ صاحب سلیقہ بیویاں تو مصیبت میں دن بسر کر رہی ہیں اور ان کی ہی جگہ پر بالکل جاہل ذلیل اور پھوہڑ عورتیں عیش کر رہی ہیں یقین کرو کہ یہ بدنصیبی ہماری کبھی دور نہ ہوگی جب تک مردوں کی اخلاقی حالت نہ سنورے گی اور ان کے اخلاق جب ہی ٹھیک ہوں گے جب سرکار کا خوف علماء کا دباؤ اور سوسائٹی کا اثر ہوگا اگر میری اس اپیل پر توجہ نہ ہوئی تو یاد کرو تنگ آمد بجنگ آمد کا مضمون ہوگا۔ اپنی بہنوں کی تباہ حالت دیکھ کر میرا کلیجہ پک گیا ہے میرے دل میں ناسور ہو گیا ہے مجھے عورتوں سے

ہمدردی نہیں ہے میں سچے دل سے مردوں کی بہی خواہ ہوں - اس بد رسم کی بدولت
ہمارے مردوں کی ذلت وخواری میں کوئی کمی نہیں۔ مجھے افسوس اُن ماؤں
بہنو رشتہ داروں پر جو اپنی بہو بہاوج اور رشتہ داروں کی اس مصیبت کو صرف اُن
کی ہی مصیبت سمجھتی ہیں - اری کمبختو تمہارے بہائی بیٹے رشتہ دار کی بھی تو تباہی ہے
وہ بدنصیب تو بُرے بھلے دن کاٹ رہی ہے مگر تم بھی بولنے کے قابل نہیں ہو اگر کچھ شرم
ہے تو سمجھو اور سوچو تمہارا خاندان ذلیل عورتوں کی ملاوٹ سے کیسا ذلیل ہوگیا تمہ
تمہاری پیاری اولاد جو ذلیل عورتوں سے پیدا ہو رہی ہے کس ذلت کی نظر سے دنیا
دیکھے گی تمہارے بزرگوں کو لوگ کیا کہیں گے بدنصیبو کوشش کرو سب مل کے کوشش
میں نے تو بیڑا اُٹھایا ہے جہاں تک ہوسکیگا کوشش کروں گی اگر ان نام کی ہمدردوں
نے کم توجہی کی تو وبسرائے تک اپنی آواز پہنچاؤنگی - اے عورتو بدنصیب عورتو میری
کمزور آواز کو سنو اس کی تائید کرو اُٹھو اور لبیک کہو چاہے تم اس جلنے سے ناواقف
ہو مگر اسے ایسا ہی محسوس کرو جیسا کہ تمہارے جسم کو خدا نکرے کوئی دیا سلائی لگادے
اور تمہیں جلن محسوس ہو مجھے تو ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ ہزاروں سوکنیں میرا تکا بوٹی کر رہی
ہیں - میری سب اخبار والوں سے التجا ہے کہ اپنے اپنے اخبار میں اس کی نقل کریں
راقمہ عورتوں کی نہیں - بلکہ مردوں کی
سچی خیر خواہ ع - ب

دو راستے

نوروز کی شب تھی - رات اندھیری - سنسان ہوا کی سرسراہٹ - سردی کا موسم
یہ سب سامان کسی غمزدہ بیکس کا دل دکھانے کے لئے کافی سے زیادہ تھے -
ایسی تاریک ڈراونی رات کو ایک عالیشان مکان کی بالائی منزل میں ایک

لیمپ ٹمٹما رہا ہے ایک ضعیف عورت کھڑکی سے مُنہ باہر نکالے جھانک رہی ہے۔

اُس نے ایک حسرت بھری نگاہ سے آسمان کی طرف دیکھا جس پر ستارے صاف شفاف چشمے پر خوشنما پھول کی طرح چمکتے اور تیرتے نظر آتے تھے پھر اس نے ایک نظر زمین پر ڈالی جہاں کہ بعض بعض آدمی رستہ چل رہے تھے۔

لیکن ان تمام راہ رو آدمیوں میں ایک بھی اس قدر غمگین و پرحسرت نہوگا جیسی کہ یہ ضعیف عورت تھی یہ پرارمان عورت اپنی زندگی کے تمام مرحلے طے کر چکی تھی اور سوائے افسوس اور پچھتاوے کے اس تمام سفر (سفرِ زندگی) میں کچھ ہاتھ نہ آیا تھا صحت برباد ہو چکی تھی طبیعت پراگندہ تھی، دل مُردہ تھا، اور بڑھاپا بالکل بے آرامی سے کٹتا تھا شباب ایک خواب کی طرح گئی گذری بات معلوم ہوتا تھا لیکن پھر بھی اس پرارمان دل نے گئے گذرے زمانہ کو پھر یاد کیا۔ اور دوبارہ بلانا چاہا۔

بچپن ہی سے اس عورت کا باپ اسے ایک ایسے مقام پر بٹھا گیا تھا جہاں سے کہ دو راستے جاتے تھے ایک ایسی جگہ جاتا تھا جہاں کی زرخیز زمین موسم بہار سے پُر تھی بہتے چشمے ہرے بھرے درخت طرح طرح کے میٹھے راگ گانیوالے پرندے اور صدہا قسم کے دل خوش کن چیزیں تھیں (دوسرا راستہ) تنگ اور تاریک غاروں میں جاتا تھا جہاں کسی فردِ بشر کا نشان تک نہ تھا بجائے پانی کے ندیوں میں زہر بہتا نظر آتا تھا سانپ اور اژدہے جابجا پڑے سینکتے تھے اور کوئی باہر جانے کا راستہ نہ ملتا تھا ضعیف عورت نے آسمان کی طرف دیکھا اور نہایت مایوسانہ لہجہ میں کہا۔

"اے شباب! واپس آجا!!"

اے میرے باپ! مجکو پھر ایک دفعہ زندگی کے دروازے پر بٹھا دے تاکہ میں اپنی بہتری سوچ لوں، اور از سرِ نو راستہ تجویز کر لوں۔ لیکن افسوس کہ اُس کا باپ گذر گیا تھا اور عہد شباب گذر چکا تھا!

پھر اس نے زمین کی طرف دیکھا اس کو ایک چمکارہ سا معلوم ہوا اور روشنی میں تمام زمین پر جابجا ٹیلے اور دلدلیں نظر آنے لگیں۔ مگر یہ نظارہ چند لمحہ بعد بالکل غائب ہو گیا۔

پس یہ پیرا مان عورت کی عمر کا وہ حصہ تھا جو کہ گذر چکا تھا پھر اس نے دیکھا کہ آسمان سے ایک تارہ ٹوٹا اور ایک اندھیرے غار میں جا پڑا یہ خود اس کی موجودہ حالت کا ایک فوٹو تھا ایسے خوفناک نظارے دیکھ دیکھ کر افسوس کے تیر کلیجے کے پار ہو رہے تھے لیکن محض بے فائدہ لا حاصل" پھر اس نے ابتدائی زمانہ کے ساتھیوں کا خیال کیا یعنی وہ سب کے سب جو بچپن میں اس کے ساتھ کھیلتے تھے اور اس سے کسی قدر پہلے یا بعد چند ماہ یا سال کے فرق سے دنیا میں آئے تھے۔

لیکن وہ ساتھی جنھوں نے محنت اور تکلیفیں برداشت کر لی تھیں اور سب نشیب و فراز طے کر لئے تھے وہ سب اس نوروز کی شب کو خوش و خرم تھے۔ وہ یہ سین دیکھ ہی رہی تھی کہ یکایک گھر کا گھنٹہ ٹن ٹن کر کے بجا اس گھنٹہ کی آواز نے اپنے باپ کے ساتھ گرجا جانا اور وعظ سننا سب پہلی باتیں یاد دلائیں اور والدین کا لاڈ پیار اس کی آنکھوں کے سامنے پھر گیا۔

لیکن اب اسکا باپ کہاں تھا وہ اپنے دن پورے کر چکا تھا۔ اب ہڈیاں قبر میں خاکستر بن چکی تھیں اور روح آسمان پر تھی اپنے باپ کو یاد کر کے جوں ہی اس نے آسمان پر نظر ڈالی آنکھوں میں آنسو بھر آئے چنانچہ اس نے پھر مایوسانہ لہجہ میں چلا کر کہا

اے میرے شباب! تو واپس آجا!!! آجا!!!"

مگر کیا جوانی واپس آسکتی ہے؟ ہرگز نہیں! پس یہ سب کا سب ایک خواب و خیال کی مانند تھا جو بجائے اس کے کہ نوروز کی شب کو خوشی منائی جائے خوفناک نظارے بن بن کر اس مصیبت زدہ کو عبرت دلا رہے ہیں ڈرا رہے ہیں۔ زندگی سے بیزار

کر رہے تھے اور آٹھ آٹھ آنسو رولا رہے تھے

پس وہ لوگ جو ایک مدت سے اسی کشمکش و پیچ میں ہیں کہ زندگی کا کونسا راستہ اختیار کریں وہ یاد رکھیں کہ جب وقت ہاتھ سے نکل جائے گا تو پاؤں افسوس کے اندھیرے میں پہاڑ پر لڑکھڑائیں گے اور اسوقت گئے گذرے زمانہ کو یاد کرنا اور پچھتانا بالکل بے کار ہوگا۔

محمد مجید الحسن دہلوی از علیگڈھ

سنگ آہن رُبا

اُستانی اور سلمہ کی باہمی گفتگو

اُستانی۔ کیوں سلمہ آج تم کس سوچ میں ہو مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم کسی مشکل مسئلہ کی بھول بھلیاں میں پڑ گئی ہو۔

سلمہ جی ہاں اُستانی جی آپ کا خیال صحیح ہے۔ بات یہ ہے کہ آج میں نے ایک ایسا تماشہ دیکھا ہے جس نے میری عقل کو چکر میں ڈالدیا ہے۔ تماشہ کیا تھا خاص جادوگری تھی

اُستانی ذرا تماشے کی کیفیت تو بیان کرو

سلمہ آج میں نے ایک جادوگر کو دیکھا کہ بہت سے تماشے دکھانے کے بعد اس نے آخری تماشا یہ دکھایا کہ ایک پانی سے بھر ےلگن میں پہلے تو ایک مصنوعی بط چھوڑی اس کے بعد لوگوں کو مخاطب کرکے کہا کہ آپ لوگ دیکھتے ہیں کہ یہ بط محض ایک بے جان مورت ہے اگر کسی کو اس میں ذرا بھی شک ہو تو وہ بلا عذر ہاتھ میں لیکر میرے دعوے کی تصدیق کرسکتا ہے اس پر چند آدمیوں نے آزما کر اپنی تشفی کرلی۔ تب وہ جادوگر پھر اسی طرح کہنے لگا گو یہ دیکھنے میں ایک بالکل بے حس و حرکت چیز نظر آتی ہے مگر اس کی خلقت نہایت عجیب ہے یہ اپنے مالک کو دمجھکو اچھی طرح جانتی ہے اور اس کے اشارہ پر چلتی ہے یہ کہکر اس نے روٹی کا ایک ٹکڑا ہاتھ میں لیا اور سیٹی دیتے ہوئے لگن کے کنارہ پر

کھانے کو بلایا۔ ہم لوگوں کی حیرت کی کوئی انتہا نہ تھی جبکہ ہم لوگوں نے دیکھا کہ وہ بط فوراً ہی تیرتی ہوئی بیچ سے کنارہ آ لگی۔ اس نے پھر دوسری سیٹی دی اور وہ بط اپنے مالک کے ہاتھ کے اشارہ کے ساتھ ساتھ دوسرے کنارہ پر چلی گئی تماشہ دیکھنے والوں میں سے اکثروں نے اپنی نظر کی غلطی کا شبہ کر کے دوسری روٹی کا ایک ایک ٹکڑا ہاتھ میں لے کر ویسا ہی کیا جیسا کہ جادوگر نے کیا تھا۔ اب کے تو بط ٹس سے مس نہ ہوئی استانی جی جس وقت سے میں نے یہ تماشہ دیکھا ہے میرا دماغ اس راز سربستہ کے حل کرنے میں مصروف ہے۔ کبھی یہ خیال ہوتا ہے کہ منتر کے زور سے وہ بط چلتی تھی اور کبھی یہ کہ اس کے اندر جادو بند تھا۔

استانی (مسکرا کر) اچھا کل صبح میں بھی تمہیں یہ تماشہ دکھاؤنگی اور جس جادو منتر سے یہ تماشا ہوتا ہے وہ تمہیں بھی سکھا دونگی

سلمہ کسی طرح اس کہنے کو باور کرنے کے لئے تیار نہ تھی مگر پاس ادب سے کچھ نہ بولی اور نہایت ہی بےچینی سے دوسری صبح کا انتظار کرنے لگی خدا خدا کر کے رات کٹی اور سپیدہ صبح نمودار ہوا۔ سلمہ حوائج ضروری سے فارغ ہو کر سب سے پہلے مکتب میں آ بیٹھی جب سب لڑکیاں جمع ہو گئیں تو استانی نے ایک برتن منگوایا اور اس میں پانی ڈال کر ایک موم کی بنی ہوئی بط چھوڑ دی۔ سلمہ یہ دیکھ کر بے انتہا خوش ہوئی کہ یہ بط بھی کل کے افسوں گر کی طرح روٹی کے ٹکڑہ کی طرف دوڑی اور جدھر جدھر استانی جی کا ہاتھ جاتا تھا۔ ادھر ادھر یہ بھی جاتی تھی

سلمہ اچھی استانی ذرا مجھے بھی بتا دیجئے کہ اس بط کو کس ترکیب سے بنایا ہے

استانی نے دکھا دیا کہ اس بط کے جسم کے اندر ایک سوئی دُم سے منہ تک داخل تھی اور اسی طرح اس روٹی کے ٹکڑے کے اندر بھی لوہے کا ایک لانبا ٹکڑہ پوشیدہ تھا اس کے بعد استانی نے لوہے کا ایک ٹکڑا ہاتھ میں رکھا اور چند سوئیاں میز پر گرا دیں

سلمہ یہ دیکھ کر متعجب ہوئی کہ کل سوئیاں بجے بعد دیگرے اُچک اُچک اس لوہے
میں اس طرح جا لگیں کہ گویا وہ جان دار تھیں۔ اُستانی نے لوہے کی چھڑ کو خوب
اچھی طرح ہوا میں ہلایا ڈولایا مگر کوئی سوئی بھی اپنی جگہ سے نہ کھسکی اس کے
بعد اُستانی نے ایک کنجی میز پر رکھ کر آزمایا تو کنجی بھی سوئیوں کی طرح اس چھڑے
جاملی۔

یہ کل باتیں سلمہ کے لئے عجائب و غرائب ہی نہیں اس لئے وہ بول اٹھی۔

سلمہ اُستانی جی میں دیکھتی ہوں کہ یہ لوہا جو آپ کے ہاتھ میں ہے دوسرے
لوہوں کو اپنی طرف کھینچتا ہے مگر میں جانتی ہوں کہ سب لوہے ایسا نہیں کرتے
ذرا اس لوہے کی کیفیت بیان کیجئے تو کل باتیں میری سمجھ میں آجائیں

اُستانی۔ اچھا بیٹی سنو ایک پتھر ہے جو سنگ مقناطیس کہلاتا ہے اور اکثر
لوہے کی کانوں میں پایا جاتا ہے اس پتھر میں صانع عالم نے ایک عجیب قدرت
مضمر رکھی ہے وہ یہ کہ کل لوہے کے ٹکڑوں کو جو حد سے زیادہ بڑا اور حد
سے زیادہ فاصلہ پر ہو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے لیکن دوسری بات جو پہلی
بات سے کم عجوبہ نہیں ہے یہ ہے کہ جس لوہے پر پتھر رگڑ دیا جاتا ہے
اس لوہے میں بھی وہی قوت پیدا ہو جاتی ہے جو خود پتھر میں ہے اور وہ لوہا
بھی دوسرے لوہے کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے جس وقت تم نے تماشہ کی پوری
حقیقت بیان کی اسی وقت میرے ذہن میں یہ بات آگئی کہ یہ سب مقناطیسی
قوت کا کرشمہ تھا بچہ میں نے بھی روٹی کے ٹکڑے کے اندر مقناطیس کا ایک ٹکڑا
رکھ کر اور بط کے جسم میں ایک سوئی ڈال کر وہی تماشہ دکھا دیا جس نے تم کو حیرت
میں ڈال رکھا تھا

اُستانی کی تقریر ختم ہی ہونے کو آئی تھی کہ سلمہ کی تجسس نگاہوں نے اس مصنوعی

بلا میں ایک اور عجوبہ بات نکالی جس کو اُس نے پہلے بھی غور کیا تھا وہ بلا جب اپنے اختیار پر چھوڑ دی جاتی تھی تو ہمیشہ ٹھیک اُتر اور دکھن کی سیدھ میں کھڑی رہتی تھی۔ سلمہ نے اُستانی سے اسکا سبب بھی دریافت کیا اُن کی معلومات میں بھی کچھ دنوں تک بجز اس کے اور اضافہ نہوا کہ لوہے کے ساتھ اسکو گہرا تعلق ہی اور اسی قدر پر اُن کے تجربہ کا دارومدار رہا لیکن زیادہ عرصہ نہیں گذرنے پایا تھا کہ اُن کی جودت طبع کا دست قدرت اس انکشاف پر بھی جا پہنچا کہ جو سوئی سنگ مقناطیس کے خوان نعمت سے فیض یاب ہو چکی ہے اُسکو اگر سطح آب پر تیرنے کی اجازت دیجائے گی تو اُسکا رخ ہمیشہ شمال ہی کی جانب رہے گا جیسا کہ تم نے بھی اسوقت غور کیا ہے تھوڑے دنوں کے بعد اُن لوگوں نے اس انکشاف میں اور بھی ترقی کی اور کوشش سے اس نتیجہ پر پہنچے کہ اگر سوئی کو وسط سے کسی ایسے نقطہ پر آسانی سے لٹکا دیا جائے کہ جہاں سے وہ آسانی کے ساتھ ہر سمت کو گھوم سکے تو بہت مفید مطلب ہو اس ترکیب میں جب اُن کو کامیابی حاصل ہوئی تو اسی ترکیب سے سوئی کو شیشہ کی چھوٹی سی ڈبیا کے اندر بند کیا جیسا کہ تم نے کسی کی جیب گھڑی کی لاکٹ میں دیکھا ہو گا اور اسی ذریعہ سے زمین و آسمان کی سمتوں کا دریافت کرنا اُن کے اختیار میں ہو گیا۔

سلمہ کیا اس انکشاف سے لوگوں کو کوئی بڑا فائدہ بھی حاصل ہوا

اُستانی قبل اس کے سمندروں میں بجز ستاروں کے کوئی اور اُنکا رہنما نہ تھا ان لوگوں نے بارہا کے تجربہ سے معلوم کر لیا تھا کہ فلاں جانب ستارہ فلاں موسم میں نکلتا ہے اور اسی ذریعہ سے اُن کو پورب پچھم اتر دکھن کا پتہ چلتا تھا جب وہ سمندر کی راہ اپنے ملک سے سفر کرتے تھے تو اُن کو بوقت روانگی یہ معلوم رہتا تھا کہ جس جگہ وہ جانا چاہتے ہیں وہ کون سمت میں ہے اگر وہ جگہ پورب جانب

ہوتی تو جہاز کا سرا کامل طور پر آسمان کی اسی جانب رکھا جاتا اور ستاروں کو غور
رتے ہوئے لوگ اپنی منزل مقصود پر پہنچتے۔ لیکن جب کبھی اَبر آلود موسم رہتا تو
بے پایاں اور بے راہ سمندر میں بھٹکتے پھرتے اور کوئی ذریعہ اُن کی رہنمائی کا
رہتا۔
سلمہ۔ اُستانی جی ان باتوں کو سُنکر تو اوسان میرے خطا ہوئے جاتے ہیں
الی ڈراونی رات سمندر جیسی بے ٹھکانہ جگہ۔ پانی کا لق ودق میدان۔ جس کے
بیچ دھارے پر جہاز یا اللہ کیسی بے بسی ہے۔ بس خدا ہی سے آس رہتی
ہوگی۔
ستانی اسی وجہ سے جہاز کو سمندر کے کنارے سے زیادہ پرے لیجانے کی ہمت
م ہمت ہوتی تھی اس طرح اُس زمانہ میں سمندر کا سفر ایک بڑا اہم تھا لیکن جب سے
نک مقناطیس کے اس قابل تحسین اثر کا انکشاف ہوگیا تب سے سمندر کا سفر نہایت
ہی آسان ہوگیا۔ سمت نما سوئی نے اُجالی اور اندھیری رات کو یکساں بنادیا
سلمہ کیا قدرت خدا ہے ایک ادنیٰ سے پتھر کا یہ کرشمہ ہے کہ بڑے بڑے بحر ذخار
کا سفر بایاں ہاتھ کا کھیل ہوگیا۔

ابو الکمال دیسنوی

شہر لندن

ذیل میں ہم دلچسپ مضمون درج کرتے ہیں یہ ہماری معزز نامہ نگار و مددگار بہن
زہرہ فیضی صاحبہ نے ہمارے پاس بھیجا ہے اگر یہ مضمون وقت پر پہنچتا تو سب سے
اول ہم اس مضمون کو جگہ دیتے لیکن ایسے وقت پر پہنچا جبکہ سلسلہ سے اول سے
مضامین لکھے جاچکے تھے اور زیادہ ردّ و بدل کرنے میں رسالہ کے جاری کرنے

میں بہت تاخیر ہوتی اس لئے ہم نے اس کو مجبوًرا اور مضامین کے آخر میں جگہ
دی لیکن دل چسپی کے لحاظ سے یہ مضمون سب سے اعلی درجہ کا ہے ہم معزز
نامہ نگار کے ممنون ہیں کہ ایسا بیش بہا مضمون اُنھوں نے ہمارے لئے بھیجا ہر
اخباروں میں ہم نے ہز ہائینس اور ہر ہائنس کی بادشاہ سلامت سے ملاقات
کا حال پڑھا تھا لیکن یہ خاص اندرونی واقعات صرف اسی شخص کو معلوم
ہو سکتے تھے جو خود اس جلسہ میں رہا ہو افسوس ہے کہ وہ موقع فوٹو کھینچنے کا
نہیں تھا ورنہ مس عطیہ فیضی صاحبہ ایسے عجیب وغریب وعظیم الشان جلسہ کا فوٹو
ضرور کھینچتیں تاکہ ان کی اور ہندوستانی بہنیں دیکھ کر محظوظ ہوتیں

اڈیٹر خاتون

حضور ہز ہائینس نواب صاحب جزیرہ ۔ کے سی ۔ آئی ۔ ای ۔ حضور ہز ہائینس
نواب صاحب ہز ہائنس نواب بیگم صاحبہ ۔ جناب علی اصغر بیگ فیضی اور مس عطیہ فیضی صاحبہ
ٹھیک دس بجے شب کے ۲۲ ۔ مئی سنہ ۱۹۰۶ء بکنگہامی شاہی محل میں بادشاہ اور بادشاہ
بیگم سے پریزنٹ ہونے کے لئے یعنی قدمبوسی کو یا سلام کو یا آداب بجالانے کو
پہنچے زینے کے قریب ایک بڑے میاں درباری سرخ وردی پہنے ہوئے بہت
تمغے لگائے ہوئے استقبال کے واسطے موجود تھے زینے سے اوپر گئے اور عالی
شان سجی سجائی گذرگاہوں سے گذرتے ہوئے ۔ سنہرے آراستہ جگمگاتے کمروں
میں نظر ڈالتے ہوئے ۔ پالش کی ہوئی زمین پر بچتے سنبھلتے قدم دہرتے بڑے
میاں کی رہنمائی میں چلے اور ذرا بڑھے تو سر کرزن وائلی ملے اور اُن سے معلوم
ہوا کہ بڑے میاں کا نام نامی SIR ghom SLADE ہے اور وہ دربار
شاہی میں ہمارے ساتھ کے لئے مقرر ہوئے ہر کمرے کے دروازہ پر پرانی وضع
کے عمدہ وردیوں میں ملبس بے حس وحرکت چوبدار یا پہرہ دار سنگی تمثالوں کی

* Buckinghum place

طرح نہایت شان سے کھڑے تھے ان لوگوں کو دیکھ کر سب بہت محظوظ ہوئے
بعد اس کے پکچر گیلری Picture Gallery یا تصویر خانہ میں لیجا کر ٹھیرایا یہ
تصویر خانہ مستطیل کمرہ ہے جس کے دو رویہ دیواروں پر عمدہ تصویریں لٹکی
ہوئی ہیں آدہ گھنٹے تک ادہر ادہر خوب دیکھا بعد اس کے دو بڑے دروازے
کھل گئے اور مہاراجہ نیپال کو حضوری میں بلایا - ۵ منٹ بعد مہاراجہ کوچ بہار بلائے
گئے ان کے بعد حضور نواب صاحب اور نواب بیگم صاحبہ جزیرہ شاہی ملاقات کے لئے
چلے (ان رئیسوں کی ملاقات خانگی طور سے ہوئی -) یہاں سے جناب اصغر علی بیگ
فیضی اور عطیہ بیگم فیضی کو الگ جگہ پر لے گئے ہزہائنس اور ہزہائنس بادشاہ اور بادشاہ
بیگم کی حضوری میں پہنچے حضور نواب صاحب آگے بڑھے جھک کے بادشاہ کو سلام
کیا بعد میں انھوں نے حضور سے ہاتھ ملایا اور کئی سوال کئے جن کے جواب دے کر
آگے بڑہے اور بادشاہ بیگم کے قریب گئے اور نواب بیگم صاحبہ کی باری آئی سلام کی
رسم ادا ہونے کے بعد سر کرزن جو ترجمان تھے انھوں نے کہا کہ ہزہائنس اچھی انگریزی
بولتی ہیں بادشاہ سلامت نے پوچھا - لندن کیسا پسند آیا اور آب و ہوا وغیرہ
کیسی ہے ہزہائنس نے جواب دیا کہ ہوا قابل تعریف لیکن لندن کو دیکھ کر متعجب
ہوں کہ کتنا عظیم الشان شہر ہے پھر فرمایا کہ کتنے دن ٹھیرنے کا قصد ہے -
جواب اور دو تین ہفتے اتنے میں ملکہ معظمہ نے پھر کے ہزہائنس سے کہا کہ تم انگریزی
اچھی بولتی ہو - اس کا جواب کیا ہو سکتا تھا اسی طرح سلام کیا ہاتھ ملایا
اور پیٹھ نہ دکھاتے ہوئے عام دربار میں آئے اور اب تماشا دیکھنا باقی
تھا حضور نواب صاحب کو دوسرے راجگان کے برابر ایک چبوترے (Dais)
جس پر شاہی تخت رکھے ہوئے تھے اُن تختوں کی بائیں جانب لیجا کر کھڑا
کیا - جہاں شہزادہ ویلز اور ڈیوک اور دوسرے شہزادے بھی اور بائیں جانب

شہزادیاں موجود تھیں اسی اثنا میں بادشاہ اور بادشاہ بیگم بڑی شان و شوکت
سے باجے اور پرچموں کے درمیان آکے اپنے اپنے تخت کے مقابل کھڑے رہ گئے
لارڈ چیمبرلین Lord Chamberlain ہر ایک کا نام پکارتے تھے اسی طرح سب
سے اول تمام سفیران ممالک مختلفہ پریزنٹ ہوئے اور شہزادہ ویلز کے پیچھے
اپنی اپنی عمر کے موافق سے کھڑے کئے گئے یہ ایک عجیب قاعدہ ہے کہ ان لوگوں
کو سن و سال کے تفاوت سے درجہ دیا جاتا ہے سلطنت کی عظمت پر منحصر نہیں
ہے۔

نواب بیگم صاحبہ اور جناب علی اصغر بیگ فیضی کو داہنی آپنی اپنی جگہ بتائی گئی
تمام حاضرین اہل دربار کھڑے تھے۔ سرخ سیاہ اور سنہری وردیوں کا عجیب و غریب
ٹھاٹھ تھا۔ اور کوئی آٹھ سو پریزنٹ ہونے والی بیبیاں اپنے خوش قطع بیش بہا
لباسوں میں ملبس تخت کے مقابل دور موجود تھیں دستور ایسا ہے کہ بادشاہ تخت
نشین ہوئے کہ اسی وقت تمام بیبیوں کو بیٹھنے کی اجازت ملتی ہے مردوں کو نہیں
اس لئے تماشائی بیبیاں بیٹھ گئیں۔ سفیروں کی بیگمات کی سلامی کے بعد پریزنٹ
ہونے والی خواتین کے نام پکارے جانے کے ساتھ یکے بعد دیگرے آگے بڑھیں
سب سے اوّل شہزادی صوفی دھولیپ سنگھ پریزنٹ ہوئیں کیونکہ ان کی
عزت اور رتبہ بہت بڑا سمجھا جاتا تھا۔ دوسری مس عطیہ فیضی مقرر تھیں لیکن
ایک اور بی بی داخل ہو گئیں اس لئے حضوری میں تیسری وہ پہنچیں اور بائیں
طرف شہزادی صوفی کے ساتھ بٹھائی گئیں۔ یہ جگہیں خاص معزز بیگمات کے لئے
رکھی جاتی ہیں اور کسی کا دخل نہیں ہو سکتا ہے اسی طرح امیرزادیاں بڑے
گلدستہ جن کے خوبصورت چھڑیاں اور قیمتی لباس کے دامن تک پہنچتے تھے
ہاتھوں میں تھامے رائج الوقت رنگا رنگی فاخرہ پوشاکیں زیب تن کئے ہوئے

زیورات برق شعلہ معلوم ہوتی تھیں ایک سرے سے آتی تھیں اور جاتی
تھیں اور اپنے چار چار پانچ پانچ گز کے سایہ کو زمین پر چھوڑ دیتیں یکے بعد دیگرے
سیلاب کی طرح چلی جاتیں حضوری میں زانو خم کرکے تسلیم بجا لاتیں اور دوسری طرف
سے آگے بڑھ کے سرے پر پہنچتیں وہاں پھر کر اپنے سایہ ہاتھوں میں تھام لیتیں اور
چلی جاتیں بجلی کی روشنی میں چیزوں کی بہار دوگنی نظر آتی تھی اور ایسا ہی معلوم
ہوتا تھا کہ رنگا رنگی سونے اور چاندی اور جواہرات کی ندی بہ رہی ہے کہ جس کا ختم
ہی نہیں دو ڈھائی گھنٹہ ٹک اسی نظارے کی دلچسپی سے سر اور آنکھیں تھک گئیں
آفرین ہے بادشاہ اور بادشاہ بیگم پر کہ کس خوشی کے چہرے سے سب کا علیک
(سلام کا جواب) سر جھکا کر مسکراہٹ سے ادا کرتے تھے

نواب بیگمصاحبہ کے قریب - لیڈی لانڈز برو
آکے بیٹھیں ان کے ساتھ مختلف امور پر گفتگو ہوئی ان سے پوچھا کہ اس قسم کے
موقعوں پر بادشاہ اور ملکہ کس درجہ تھک جاتے ہوں گے - جواب - ملکہ ایسے
جلسوں کے بعد اکثر علیل ہو جاتی ہیں سچ ہے کہ عالی تیاریوں کی شان وشوکت
الگ ہوتی ہے ان کی ہر بات خوبی سے معمور ہوتی ہے - دربار کے کمرے
میں تین چار ہزار مخلوق جمع تھی تمام وقت بینڈ بجتا رہا جب سب پریزنٹ ہو چکے
اس کے بعد سپر (رات کا کھانا) کے لئے چلے یہ رواج ایڈورڈ ہفتم نے جاری کیا ہے
پہلے وقتوں میں سپر نہیں ہوتا تھا تو لوگ بہت تھک کر اپنے گھروں کو واپس
جاتے تھے بادشاہ سلامت کو دوسروں کا بہت ہی خیال رہتا ہے انھوں نے
لئے قایم کیا ہے - سپر کے بعد وہی بڑے تمغوں والے بڑے میاں کی رہنمائی میں
واپس چلے گئے اور موٹر کار میں سوار ہو کر ساڑھے ۱۲ بجے کے بعد ہوٹل پہنچے
اور جو کچھ دیکھا تھا اس کی یاد ہمیشہ کے لئے ایک اچھی خواب کی طرح ذہن نشین

رہے گی۔

حضور ہز ہائینس کا ۵ اپمبر کا تار اسٹنبول سے مظہر ہے کہ ہز مجسٹی سلطان المعظم نے حضور ہز ہائینس اور ہر ہائینس کو شفقت نشان عطا فرمایا ہے۔

راقمہ زہرا فیضی صاحبہ

اعلیٰ تعلیم

ہمدم ابھی سے کیوں ہوئے جاتے ہو بیقرار
میری مصیبتوں کا یہ پہلا ہی باب ہے

اگرچہ ہندوستان میں مغربی تہذیب کی نورانی شمع عرصہ سے روشن ہے اور امید کامل ہے کہ ایک دن ہندوستان جاپان اور امریکہ کی ہمسری کا دعوے کرنے لگے گا۔ مگر سب سے زیادہ مایوس کرنے والی ہندوستان کی خواتین کی حالت ہے اگرچہ ایک طور پر ہندوستان میں عورتوں کی تعلیم کا مسئلہ حل ہو چکا ہے اور اکثر لوگ عورتوں کی تعلیم کو اچھا سمجھتے ہیں مگر افسوس ہے کہ اس گروہ کا زیادہ حصہ ایسا ہے جو صرف اردو۔ دینیات کی محدود تعلیم غریب مستورات کے نصیب میں داخل کر کے انکے حقوق نہایت بے رحمی سے ضبط کرنے پر کمربستہ ہے اے قوم کے روشن خیال جنٹلمینوں کیا تمہاری مستورات صرف قرآن شریف کا ترجمہ اور مرۃ العروس پڑھ کر بام ترقی پر چڑھ سکینگی؟ کیا وہ اس مغالطہ میں پڑکر جیسیں ان کو سکھایا گیا ہے کہ عورت کے فرائض صرف یہی دو ہیں۔ گھر کا انتظام اور بچوں کی پرورش؟ وہ امریکہ اور لنڈن کی لیڈیوں کے برابر ملک و قوم کی خدمت کر سکیں گی۔؟ اگر تم ان کو تہذیب کے نورانی میدان میں لانا چاہتے ہو تو ان کو اعلیٰ تعلیم دو ان کو سب سے پہلے اردو کی اعلیٰ تعلیم دلاؤ ایسی کہ کوئی علمی اور اخلاقی اور قومی کتاب ان سے چھوٹنے

نہ پاؤ صرف ڈپٹی نذیر احمد صاحب کی کتابوں پر ہی اکتفا نہ کرو بلکہ ان کتابوں کو ان کے تعلیمی کورس کا ایک جزو سمجھو اس کے بعد انگریزی تعلیم سے ان کے دماغوں کو روشن کرو اور اگر مناسب سمجھو تو فارسی بھی اُن کی تعلیم میں داخل کرو موجودہ رسالے جو ملک میں ماہوار شائع ہوتے ہیں مثلاً مخزن۔ زنانہ خاتون ان کا باقاعدہ مطالعہ کراؤ کہ ان کو دنیا کی ہلچل کا پتہ لگے اور وہ بھی دنیا کا مطالعہ کریں اور سمجھیں کہ دنیا میں کیا کچھ ہو رہا ہے۔

اے تعلیمیافتہ نوجوانو اگر تم ترقی کرتے کرتے یورپ کے ہم پایہ ہو جاؤ تو تمہارے لئے خوشی کا مقام ہے مگر یاد رکھو کہ جب تک تمہاری مستورات اپنی پرانی حالت میں گرفتار ہیں تب تک تم اپنے اس خطاب سے مخاطب کئے جاؤ گے جو قدرت نے تمہارے لئے ایجاد کیا ہے؟ وہ خطاب ہاف سویلائیزڈ (نیم وحشی) ہے جو تمہارے لئے موزوں ہے اگر تم غیرت رکھتے ہو تو اس خطاب کو مٹاؤ ورنہ عورتیں تو مردہ بدست زندہ کا مصداق ہو رہی ہیں۔ اگر تم عورتوں کے حقوق ضبط کرتے ہو تو اُن کا خدا دیکھنے والا ہے وہی خدا جس کے نام کے ساتھ یہ فقرہ زیب دیتا ہے وہ مظلوموں کے ساتھ محبت کرتا ہے اور ان کی حالت دیکھتا ہے ؎

آتا ہی وقت انصاف کا نزدیک یوم الحساب دنیا کو دینا ہوگا ان حق تلفیوں کا واں جواب

راقم ایک خریدار خاتون

لندن میں ایک اسلامی شادی

لندن میں اسلامی شادی۔ اسلامی تاریخ میں پہلا ہی واقعہ ہے جسکو آج ہم ناظرین و ناظرات تہذیب نسواں کی دلچسپی کے لئے درج رسالہ کرتے ہیں۔ ڈاکٹر المالطیفی

صاحب جو پنجاب میں سویلین ہیں اُن کی شادی بمقام لندن مس نسیمہ طیب جی صاحبہ دختر جناب جسٹس بدرالدین طیب جی صاحب مرحوم کے ساتھ ہوئی ہے اور لندن اور ہندوستان کے اخبارات نے شادی کے حالات اور جو لوگ شادی میں شریک تھے ان کے فوٹو ایک بالکل نیا واقعہ سمجھکر لکھے اور درج کئے ہیں۔ ڈاکٹر الماں لطیفی صاحب بھی اُسی جماعت کے تعلیمیافتہ روشن خیال نوجوان ہیں جس جماعت کے جناب جسٹس طیب جی مرحوم تھے اور مس نسیمہ طیب جی جو اب مسز لطیفی کے نام سے مشہور ہونگی عرصہ پانچ چھ سال سے اپنی دوسری ہمشیرہ کے ساتھ لندن کے ایک زنانہ مدرسہ میں تعلیم پارہی تھیں۔ ڈاکٹر الماں لطیفی اور مس نسیمہ کی شادی اُسی قسم کی شادی ہے جس کی خواہش آجکل ہر تعلیمیافتہ ہندوستانی کے دل میں ہے۔ قابل۔ روشن خیال تعلیمیافتہ شوہر اور ویسی ہی بیوی بظاہر یہ ہماری مہذب تمدنی زندگی کا معراج یا اعلیٰ سے اعلیٰ زینہ معلوم ہوتا ہے ڈاکٹر الماں لطیفی صاحب تعلیم نسوان کے بہت بڑے حامی ہیں اور بلا ہماری طلب کے اُنھوں نے تعلیم نسوان میں چندہ عطا فرمایا وہ خاتون کے شروع سے خریدار ہیں کچھ عرصہ سے رخصت پر لندن میں تشریف لے گئے تھے رسالہ لندن ہی میں منگواتے ہیں اور مسز لطیفی صاحبہ کے والد مرحوم اور والدہ مرحوم نے تو گویا ترقی و تہذیب نسوان اپنی زندگی کا ایک بڑا مقصد قرار دے رکھا تھا ہمیں بہت کچھ توقع ہے کہ یہ شادی ہندوستان کی مستورات کے حق میں بھی مفید ثابت ہوگی اور ایسے روشن خیال میاں بیوی ملکر ضرور اپنی ہندوستانی بہنوں کو جہالت کی تاریکی سے نکالنے کی کوشش کرینگے

رسالہ کے شروع میں جو فوٹو درج ہے اسمیں بہت سے ہندوستانی اور انگریز لیڈیاں اور جنٹلمین شریک تھے اس فوٹو میں دو مرد اور آٹھ لیڈیاں اور ایک بچہ سب سے اول صف میں کرسیوں پر بیٹھے ہیں انہیں میں مس نسیمہ طیب جی

یا مسز لطیفی بھی ہیں۔ مسز لطیفی جو اس وقت دلہن کے لباس میں فوٹو میں بیٹھی ہیں وہ سیدھے
ہاتھ سے شمار کرنے پر چوتھی کرسی پر اور اُلٹے ہاتھ سے شمار کرنے پر چھٹی کرسی بیٹھی ہیں
وہ اپنے ماتھے پر موتیوں کی لڑیاں یا بیربندی پہنے ہوئے ہیں اور ان کے ہاتھ
میں ایک خوشنما گلدستہ ہے اُن کی کرسی کے پیچھے اور کرسی پر ہاتھ رکھے جو صاحب
کھڑے ہیں وہ ہی ڈاکٹر آلما لطیفی یاد دولہا ہیں سب سے بائیں جانب کی کرسی پر جناب
سید حسین صاحب بلگرامی ممبر انڈیا کونسل ہیں اور اُنھوں نے ہی اس موقع پر ڈاکٹر آلما
لطیفی سے مس بینہ طیب جی کا نکاح پڑھایا دوسرے مرد جو سامنے کی صف کی کرسی
پر بیٹھے ہیں وہ لارڈ کرامر ہیں جو بہت عرصہ تک مصر میں بطور قایم مقام سرکار انگلشیہ
کے رہے لارڈ کرامر کے پیچھے غالباً مسٹر عبداللہ یوسف علی صاحب سولیمین کھڑے ہیں
اور اُن کے پیچھے ڈاکٹر ارنلڈ صاحب ہمارے کالج کے پرانے پروفیسر اور ہمارے
کالج کے اولڈ بوائز کے دل عزیز دوست کھڑے ہیں۔ اس گروپ میں تین چار ہمارے
کالج کے ٹرسٹی ہیں۔ پندرہ بیس ہمارے کالج کے پُرانے طالب علم ہیں جو اب لندن
میں تعلیم پا رہے ہیں اور چند مرد اور بیبیاں دولہا اور دلہن کے خاندان کے ہیں
ایک بات خاص قابل دیکھنے کی ہے کہ سب ہندوستانی اپنا اپنا قومی لباس پہنے
کھڑے ہیں یہ بہت خوشی کی بات ہے۔ گو اس قسم کی شادیاں اور مردوں اور عورتوں
کا ایک جگہ بیٹھ کر فوٹو کھچوانا ہمارے ملک کے رسم و رواج میں ابھی داخل نہیں ہوا اسلئے
بعض لوگ اس گروپ کو دیکھ کر ناک بھوں چڑھائیں گے لیکن زمانہ کی رفتار کو روکنا
اور بہتے ہوئے دریا کے سامنے پاڑ باندھنا کسی کے بس کی بات نہیں ہے ایسے
بزرگوں کے خیالات سے ہم پوری ہمدردی کرتے ہیں اور ہم بھی ان سے متفق
ہیں کہ یورپین تہذیب کو ایسی اجازت نہ دینا چاہیے کہ وہ بالکل ہی کانہ ہماری
پرانی تہذیب کو پامال کر دے۔ لیکن ایک یورپین تہذیب کا دلدادہ یہ کہکر

ہمارا منہ بند کردے گا کہ ع گر تو نمی پسندی تغیر کن قضارا

نوٹ:۔ یہ فوٹو ہم منیجر آف انڈیا یا مبئی کی خاص اجازت سے اس رسالہ میں درج کرتے ہیں ہم منیجر صاحب ٹائم آف انڈیا کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ انھوں نے ہمکو اجازت دی۔

اڈیٹوریل

گورنمنٹ کیطرف سے تعلیم نصاب نسوان

اسوقت تک ہمارے صوبہ میں تعلیم نسوان کے لئے کوئی جداگانہ نصاب نہ تھا۔ پارسال گورنمنٹ کی طرف سے ایک اشتہار دیا گیا تھا کہ ابتدا سے لیکر مڈل کی تعلیم تک درجہ بدرجہ ریڈریں اردو اور ناگری میں تیار کی جائیں ٭جن کے مضمون تو واحد ہوں اور زبان بھی جہاں تک ممکن ہو ایک ہی ہو صرف حروف مختلف ہوں اور ناگری حروف میں جو ریڈریں لکھی جائیں ان میں جہاں کہیں ہندوستانی ماخذ کے الفاظ ملنے ممکن ہوں وہی استعمال کئے جائیں اور عربی اور فارسی کے الفاظ نہ استعمال کئے جاویں اس اشتہار کے موافق تمام صوبہ بھر سے صرف دو سلسلہ کی ریڈریں تیار ہو کر گورنمنٹ میں پیش ہوئی ہیں ایک تو نولکشور پریس لکھنؤ سے۔ دوسری مسٹرال پروفیسر میور کالج کی انگریزی کی ریڈروں سے ترجمہ کرکے انڈین پریس الہ آباد نے چھاپ کر پیش کی ہیں ان ریڈروں کی صحت اور انتخاب ایک کمیٹی کے سپرد کیا گیا ہے اس کمیٹی میں ایک مسٹر وینس پرنسپل بنارس کالج میں جو کمیٹی کے پریسیڈنٹ ہیں اور دوسرے مسٹر جان ہیڈ ماسٹر کرسچین کالج الہ آباد ہیں تیسرے پنڈت سودا کر صاحب سنسکرت پروفیسر میور کالج الہ آباد اور چوتھے مس گانجہ صاحبہ انسپکٹرس صوبجات متحدہ اور پانچویں خاکسار ایڈیٹر ہیں۔ ناظرین اس کمیٹی کے ممبروں کو دیکھکر اسبات کا اندازہ کر سکتے ہیں کہ گورنمنٹ کی طرف

حتی الوسع اسباب کی کوشش ہو رہی ہے کہ ہر قوم اور فرقہ کے لوگوں کی کیٹیاں ملکر نصاب کی کتابوں کا انتخاب کیا کریں یعنی گورنمنٹ کی طرف سے انصاف کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں ہے لیکن ہماری پبلک جو بات بات میں شاکی رہتی ہے اسکو بھی اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھنا چاہیئے کہ وہ تعلیمی معاملات میں گورنمنٹ کو کیا مدد دے رہی ہے۔ گورنمنٹ نے اشتہار دیا پانسو روپیہ کا انعام مقرر کیا اور پھر اسباب کی اس کے ساتھ امید کہ اگر اچھی ریڈریں منتخب ہو کر جاری ہو جاویں گی تو دولت کمانیکا ایک اعلیٰ درجہ کا موقع ملے گا۔ پھر اسپر بھی لوگ کلیتاً سکوت اختیار کریں اور ان کی غفلت اور سکوت کی وجہ سے ایک ادنے درجہ کی ریڈریں بوجہ مجبوری منتخب کرنی پڑیں تو اس کے بعد پبلک کو شکایت کرنیکا کونسا موقع ہے۔ گورنمنٹ کو کوئی نکوئی نصاب جاری کرنا لازمی ہے ہندوستان میں مستند اہل قلم اسطرف توجہ نکریں اور گورنمنٹ کو امداد نہ دیں تو پھر بتایا جائے کہ گورنمنٹ کرے تو کیا کرے جو ریڈر دل کے سلسلے کہ اس وقت کیٹی کے سامنے انتخاب اور صحت کی غرض سے پیش کئے گئے ہیں ان میں سے ایک بھی اس قابل نہیں ہے کہ اس کا انتخاب کیا جائے لیکن گورنمنٹ اور کیٹی دونوں مقابلہ سے ایک نہ ایک سلسلہ کا انتخاب کریں گے ان ریڈروں کے متعلق خاکسار اڈیٹر جو نوٹ لکھ رہا ہے اور جو کیٹی کے سامنے پیش ہوں گے ان میں بہت سی ایسی ترمیمات ہیں کہ توقع کی جاتی ہے کہ کیٹی ان کو منظور کرے گی لیکن بعد جلسہ کیٹی کے خواہ وہ منظور ہوں یا نامنظور ان کو ہم شائع کریں گے جس سے پبلک کو اندازہ ہو جاوے گا کہ جس حالت میں کہ وہ ریڈریں لکھی گئی تھیں اس حالت میں ان کا جاری کرنا گویا اپنی قوم اور ملکی لٹریچر کی زبان کو بالکل برباد کرنا ہے ہم ان ریڈروں کے انتخاب یا تحریر کے لئے گورنمنٹ یا سررشتہ تعلیم یا ممبران کیٹی میں سے کسی کو ذمہ دار نہیں ٹھہرائیں گے

البتہ ہمارے ملک کے اہل قلم اور ہماری تعلیمیافتہ پبلک اس کی ذمہ دار ہے کہ اُس مُنہ سے ہم گورنمنٹ پر بار بار الزام لگاتے ہیں اور بات بات میں یہ کہنے کو کھڑے ہو جاتے ہیں کہ گورنمنٹ نے یہ نہیں کیا اور وہ نہیں کیا ہم یہ بھی تو دیکھیں کہ ہم کیا کر رہے ہیں
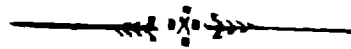
زنانہ نمایش امسال کانفرنس امرتسر میں جس کو ہم زندہ دلان پنجاب کا ایک بڑا مرکز کہ سکتے ہیں منعقد ہو گی۔ ہمیں امید ہے کہ زندہ دل برادران پنجاب اب کے نمایش زنانہ دستکاری ایسے اعلیٰ پیمانہ پر کرنے میں کامیاب ہوں گے کہ جو اس سے پیشتر کی سب نمایشوں سے اعلیٰ درجہ کی ہو گی امرتسر کی لوکل کمیٹی نے ایک سب کمیٹی قایم کر دی ہے جس کے سکرٹری خواجہ صمد خاں صاحب مختار عدالت ہیں اس کمیٹی نے نمایش کے لئے جگہ اور مکان بہم پہنچانا اور انتظام کرنا اپنے ذمہ لیا ہے باقی اشیار کی فراہمی اور مصارف کا بہم پہنچانا علی گڑھ کی کمیٹی کو کرنا پڑے گا۔ ہمیں امید ہے کہ حامیان نمایش ہم کو امسال بھی ویسی ہی مدد دیں گے جیسی کہ ہمیشہ دیتے رہے ہیں۔ نمایش کا پراسپکٹس تو مفصل طور پر اخبارات میں شائع ہو گا اور نیز پرایویٹ طور پر لوگوں کے پاس بھیجا جاوے گا۔

لیکن بالفعل مختصراً پبلک کو یہ اطلاع دینا ضروری ہے کہ مفصلہ ذیل اشیار نمایش کے لئے لی جائیں گی۔ اور وہ یہ ہیں

(۱) دراں تھریڈ رپن یا فیتے کا کام کروشیا کا کام اُن کا مختلف قسم کا کام لیس یا کلابتوں کا کام مختلف قسم کی بیلیں اور کناری سوت کی بنی ہوئی چیزیں کشیدہ کاری کی چیزیں کلابتوں اور مینا کاری کی چیزیں

مکانات اور دیواروں اور دروازوں کی آرایش اور نقش و نگار کی چیزیں
و آرایش کی چیزوں میں کپڑوں پر بعض بیبیاں نہایت خوبصورتی کے ساتھ
پرندوں اور جانوروں کی تصویریں بناتی ہیں۔ چنانچہ علی گڑھ کی نمایش میں
بہت سے اسی قسم کے نمونہ ایک جینی مسلمان لیڈی کے ہاتھ کے بنے ہوئے
رکھے گئے تھے اور دیکھنے والوں نے بہت پسند کئے تھے ۔)

(۴) کارچوبی کا کام سلمہ ستارے کا کام فوٹو گراف آل پینٹنگ (جس کو
تیل کی تصویریں کہتے ہیں) واٹر پینٹنگ (جس کو پانی کی تصویریں کہتے ہیں۔
مختلف قسم کے لباسوں کے نمونہ۔ بالخصوص بچوں کے لباسوں کا نمونہ جو گڑیوں
پر پہنا کر نمایش گاہ میں رکھے جاتے ہیں۔ لکڑی میں کارب یا کھدا ہوا کام۔
ساڑیوں اور دوپٹے کے حاشیے مٹی کے مصنوعی پھل اور بیل بوٹے وغیرہ
مختلف قسم کے رنگوں کو ملا کر خوبصورتی پیدا کرنا وغیرہ وغیرہ
اشیاء منتخبہ پر حسب معمول انعامات و تمغہ جات ملیں گے

ماہ رمضان میں زنانہ مدرسہ علی گڈھ بند رہے گا - ۲۵ ستمبر سے ۲۴ اکتوبر
تک تعطیل رہے گی اس زمانہ میں مدرسہ کا بند کرنا اس وجہ سے بھی ضروری ہوا کہ
علی گڈھ شہر میں اسقدر کثرت سے بخار پھیل رہا ہے کہ ۵۰ فیصدی سے زاید لڑکیاں
بیماری میں اور مدرسہ میں نہیں آتی ہیں اس کے علاوہ کہار بھی بیماری میں
مبتلا ہیں اور ڈولی اٹھانے والا کوئی نہیں رہا اس لئے ایک ماہ کی تعطیل کا
یہ ہی زمانہ مناسب سمجھکر مدرسہ بند کیا گیا

---

۲۵ ستمبر سے ۲۹ - اکتوبر تک دیوانی کی کچہریوں کی تعطیل ہوگی اور خاکسار ایڈیٹر کا ارادہ علی گڑھ سے باہر جانے کا ہے اگر خریداران خاتون کے خطوط کے جوابات میں تاخیر ہو تو اس کو دفتر خاتون کی غفلت پر محمول نفرمایا جاوے۔

اعلان چندہ

نمبر ۱ ریاست ٹونک کا عطیہ ماہواری بابتہ ماہ جولائی و اگست ۱۹۱۰ء مبلغ عہ

نمبر ۲ جناب مس عبدالستار صاحبہ معرفت مس زہرہ فیضی صاحبہ بمبئی عہ

نمبر ۳ مسز زمان مہدی صاحبہ لاہور صہ

نمبر ۴ مس نصیر الدین حیدر صاحبہ حیدر آباد دکن صہ

ہم مذکورہ عطیہ دہندگان کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں۔

علی گڑھ منتھلی

ایک ماہوار رسالہ ہے جو علی گڑھ کالج کی طرف سے جو اسلامی ترقی کا مرکز ہے
بت عرصہ سے شائع ہوتا ہے، اس کا ایک جزو انگریزی میں ہوتا ہے اور د
زو اردو میں، ملک کے اچھے اچھے اہل قلم کے مضامین اس میں شائع ہوتے ہیں، نامو
رودنگاروں اور مصنفین کے اظہار خیالات کا یہ رسالہ مرکز ہے اس کے مضامین
ی خوبیوں کا اسوقت تک اندازہ نہیں ہو سکتا جب تک کہ آپ اسکو منگاکر نہ
یکھیں، اسکی سالانہ قیمت چار روپیہ ہے اور ششماہی دو روپیہ نمونہ کا پرچہ ۴/
و ملتا ہے -

ملنے کا پتہ منیجر علی گڑھ منتھلی - ایم۔اے او کالج علی گڑھ

زمانہ با تو بسازد تو با زمانہ بساز

قیمت سالانہ
سع محصول للعہ

قیمت نمونہ
فی پرچہ ۶ر

زمانہ

اردو علم ادب کا بہترین ماہوار رسالہ

جس میں

ملک کے تمام نامور اہل قلم، اردو کے مسلم الثبوت اساتذہ اور ملکی رہنماؤں کے قابل قدر مضامین، جدید کتب پر عالمانہ تنقیدیں، اور ملکی ضروریات پر سنجیدہ اور پر معنی نوٹس کے علاوہ

مشاہیر ملک کی عکسی تصاویر بھی ماہرہ شائع کیجاتی ہیں

اس کی چھپائی لکھائی، کاغذ تصویر مضامین وغیرہ ہندوستان کے ہر پرچے سے نسبتاً عمدہ اور قابل دید ہیں، اور نامی پریس کانپور میں دبیز الوری فنش نمبر اول کاغذ پر اعلی اہتمام سے چھپوایا جاتا ہے، حجم چار جزو، اور قیمت صرف تین روپیہ سالانہ سع محصول ڈاک ہے۔

المشتہر منیجر زمانہ کانپور نیا چوک

خاتون

نمبر	بابت ماہ اکتوبر سنہ ۱۹۰۸ء	جلد

اڈیٹر شیخ محمد عبداللہ بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی سکرٹری تعلیم نسواں سکشن

فہرست مضامین

(۱) عورتوں کی علمی ضروریات .. ۔ ابوالکلام صاحب ۳۶۹

(۲) رضیہ سلطانہ .. .. .. محمد فصیح صاحب آثر ۳۷۴

(۳) سینٹ پیٹرزبرگ .. .. .. ۔ سید خورشید علی صاحب ۳۷۸

(۴) ڈاکو فقیر کا قصہ .. .. سید ضیاء حسین صاحب بی۔ اے ۳۸۲

(۵) حیدرآباد کی حیرت ناک تباہی .. .. سید خورشید علی صاحب ۳۹۱

(۶) حیدرآباد میں رود موسیٰ کی طغیانی .. ۔ بنت نصیر الدین حیدر صاحبہ .. .. .. [illegible]

(۷) ایک چھوٹی بچی کی عید .. .. .. سید محمد یوسف صاحب قیصر ۴۱۱

(۸) اڈیٹوریل ۴۱۲

عبدالسلام کے اہتمام سے

مطبع فیض عام علی گڑھ میں طبع ہوا

شیخ محمد عبداللہ پبلشر

خاتون

۱- یہ رسالہ ۴۸ صفحے کا علی گڑھ سے ہر ماہ میں شائع ہوتا ہے اور اسکی سالانہ قیمت (سے/) اور ششماہی عصہ ہے۔

۲- اس رسالہ کا صرف ایک مقصد ہے یعنی مستورات میں تعلیم پھیلانا اور پڑھی لکھی مستورات میں علمی مذاق پیدا کرنا۔

۳- مستورات میں تعلیم پھیلانا کوئی آسان بات نہیں ہے اور جبتک مرد اس طرف متوجہ ہونگے مطلق کامیابی کی امید نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ اس خیال اور ضرورت کے لحاظ سے اس رسالہ کے ذریعہ سے مستورات کی تعلیم کی اشد ضرورت اور بے بہا فوائد اور مستورات کی جہالت سے جو نقصانات ہو رہے ہیں اُنکی طرف ہمیشہ مردوں کو متوجہ کرتے رہینگے۔

۴- ہمارا رسالہ اسبات کی بہت کوشش کریگا کہ مستورات کے لیئے عمدہ اور اعلیٰ لٹریچر پیدا کیا جائے جس سے ہماری مستورات کے خیالات اور مذاق درست ہوں اور عمدہ تصنیفات کے پڑھنے کی اُنکو ضرورت محسوس ہو تاکہ وہ اپنی اولاد کو اُس بڑے لطف سے محروم رکھنا جو علم سے انسان کو حاصل ہوتا ہے معیوب تصور کرنے لگیں۔

۵- ہم بہت کوشش کرینگے کہ علمی مضامین جہانتک ممکن ہو سلیس اور بامحاورہ اُردو زبان میں لکھے جائیں۔

۶- اس رسالہ کی مدد کرنے کے لیے اسکو خریدنا گویا اپنی آپ مدد کرنا ہے اگر اسکی آمدنی سے کچھ بچیگا تو اُس سے غریب اور یتیم لڑکیوں کو وظائف دیکر اُستانیوں کی خدمت کے لیئے تیار کیا جائیگا۔

۷- تمام خط و کتابت و ترسیل زر بنام اڈیٹر خاتون علی گڑھ ہونی چاہیئے۔

عورتوں کی ضروریات علمی

ہمارے دوست ابوالکمال صاحب اس مضمون میں حامیان تعلیم نسواں کو خصوصیت کے ساتھ اس بات کی طرف توجہ دلاتے ہیں کہ عورتوں کے لیے عمدہ لٹریچر پیدا کیا جائے، یہ وہ کمی ہے کہ جسکو نہ صرف ہم ہی بلکہ تمام تعلیم نسواں کے ہمدرد عرصہ سے محسوس کر رہے ہیں،

ہم چونکہ اسوقت کریس کے اہم کام میں لگے ہوئے ہیں اسلیے تاوقتیکہ اس سے فارغ نہو جائیں، کسی دوسری طرف توجہ کرنا مناسب نہیں ہے، لیکن ہم نے پہلے ہی یہ لکھا تھا اور اب بھی کہتے ہیں کہ کوئی شخص جو ہماری مستورات کے لیے عمدہ لٹریچر پیدا کرنے کی کوشش کرے اسکو ہر قسم کی ضروری امداد دینے کے لیے ہم تیار ہیں، اور کورس کے کام سے فارغ ہونے کے بعد ہم خود اس کی طرف خصوصیت کے ساتھ توجہ کرینگے،

ہم ابوالکمال صاحب کے اس جملہ سے بالکل متفق ہیں کہ انجمن ترقی اردو پر عورتوں کا

حق بھی ضرور ہے اسلیے اسکا فرض ہے کہ جس طرح مردوں کے لیے لٹریچر کی ترقی میں کوشاں ہے، اسی طرح عورتوں کے لٹریچر کے لیے بھی کوشاں رہے، ہم کو امید ہے کہ انجمن ترقی اُردو ضرور اس طرف اپنی توجہ مبذول رکھے گی۔

نیز اُن حضرات سے بھی جن کی طرف خصوصیت کے ساتھ اس مضمون میں روے سخن ہے امید ہے کہ اپنی علمی فیاضی سے عورتوں کو محروم نہ رکھینگے اور ایک قومی فرض سمجھکر اپنی قلمی امداد سے زنانہ لٹریچر میں اضافہ کرینگے۔

اڈیٹر

طبقہ انسانی مرکب ہے دو جنس سے ایک ذکور دوسری اناث۔ دونوں جنسوں میں کس کی تعداد زیادہ ہے، یہ ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے مگر دونوں کی تعداد برابر مان لینے میں شاید کسی کو بھی اختلاف نہو گا۔

ترقی انسانی کا پہلا زینہ تدبیر منزل ہے اور تدبیر منزل کا تعلق زیادہ تر طبقہ اناث سے ہے مگر جب ادبار کا بھوت سر پر سوار ہوجاتا ہے تو عقل پر بھی پردہ پڑجاتا ہے اور سمجھ بھی اُلٹی ہوجاتی ہے جیسا کہ مسلمانوں نے درمیان میں آکر یہ سمجھا کہ عورتیں محض توالد و تناسل کا ایک ذریعہ ہیں اُن کو پڑھانا لکھانا تعلیم یافتہ بنانا بالکل فعل عبث ہے اور یہ نہ سمجھا کہ انسانی کمال منحصر ہے علم و ہنر پر تو پھر طبقہ انسانی درجۂ کمال کو کیونکر پہنچ سکتا ہے جبکہ اُسکا نصف حصہ الکدم علم سے بے بہرہ اور معطل چھوڑ دیا جائے،

جس طرح راہ کا بھٹکا ہوا مسافر بہت سی مصیبتیں اور صعوبتیں اُٹھا کر پھر راہ پر آلگتا ہے اسی طرح مسلمانوں کو بہت سی ٹھوکریں کھانے کے بعد آخرش اُسی راہ کو اختیار کرنا پڑا جو کہ دراصل ترقی انسانی کے بام کا پہلا زینہ ہے۔ یک بیک تعلیم نسواں کی صدا ہر طرف سے بلند ہو کر گنبد عالم میں گونجنے لگی۔ موافق و مخالف دو گروہ اُٹھ کھڑے ہوئے اور کچھ عرصہ کی زبانی اور کاغذی جنگ کے بعد میدان فتح گروہ موافق کے ہات رہا۔

الحمد للہ کہ کچھ رسالے اور اخبار بھی مخصوص عورتوں کی نفع رسانی کی غرض سے جاری ہوگئے جابجا زنانہ مدارس کے افتتاح کی بھی کوششیں ہونے لگیں اور گورنمنٹ کی نظر توجہ بھی اس جانب مبذول ہوتی جاتی ہے۔ چنانچہ اس ابر کرم کے ترشح سے خاص بانکیپور پٹنہ میں بھی تعلیم نسواں کی کھیتی ہری ہونے کو ہے ایک فیاض رئیس نے اپنی جائداد میں سے ایک معتدبہ آمدنی کا حصہ خاص تعلیم نسواں کے لیے وقف کر دیا ہے جس سے گورنمنٹ کی زیر نگرانی ایک مدرسہ مع بورڈنگ کے بنایا جائیگا، اور سردست کام شروع کر دینے کیلیے مہارانی تبیا نے اپنی کوٹھی جو ایک وسیع عمارت لب دریا ہے دیدی ہے۔

تعلیم نسواں کی حمایت میں جو صدا بلند ہوئی اسکا صرف یہی نتیجہ مترتب نہیں ہوا کہ مرد اپنی عورتوں کی تعلیم کو بدعت سے فرض سمجھنے لگے بلکہ خود عورتوں کو بھی اپنی تعلیم کا خیال ہوگیا۔ اور جنکو کچھ علم تھا اُنکے ذوق و شوق کو جگا دیا۔ جو علمی مشغلے کو خود اپنی جنس کے لیے معیوب سمجھکر بالائے طاق رکھکر اپنی اُس علمی سُدبُد کو بھی جو خوش قسمتی سے قرآن مجید کا سیپارۂ عم، راہ نجات و نور نامہ کو تبرکاً پڑھنے سے حاصل ہوئی تھی، فنا کے دروازہ تک پُہنچا چکی تھیں۔ اب جو دیکھا کہ عورتوں کا پڑھنا لکھنا عیب سے صواب میں داخل ہوگیا ہو نہ پڑھانے والوں کی جماعت کالعدم ہوتی جاتی ہے تو اپنی گم شدہ پونجی کی پھر تلاش ہوئی۔ مدرسہ میں جانے اُستانیوں سے پڑھنے کا وقت توکب کا ہاتھ سے نکل چکا تھا کتب بینی ہی کو ایک ذریعہ ترقی معلومات اور دل بہلانے کا سمجھا۔

کتب بینی کا بھی جب مزہ ملجاتا ہے۔ تو پھر چھٹتی نہیں ہے مونھ سے یہ کافر لگی ہوئی "

اُدہر مانگ بڑہی اور ادہر ذخیرہ جو دیکھا گیا تو لے دیکے چار پانچ عدد تصانیف نذیریہ اور پانچ سات عدد اور دوسروں کی تصانیف اس قابل ٹھہریں جنکو صنف نازک کے ہاتوں میں جانے کی اجازت دیجاسکے۔ مثلاً میں اپنی بستی کا ایک واقعہ پیش کرتا ہوں

ہماری بستی میں بفضل الٰہی باستثناء چند گھروں کے کوئی گھر ایسا نہیں ہے

جس میں کوئی اُردو پڑھنے والی اور بخوبی پڑھنے والی خاتون نہو اور بعض گھروں میں تو موجودہ ضرورت کے موافق پوری استعداد رکھنے والی خاتونیں ہیں، اُن کو یہ بھی معلوم ہے کہ یہاں کے مردوں نے ایک اُردو کتب خانہ قائم کیا ہی اسلیے کتابوں کی برابر فرمائش آتی رہتی ہی، کتب خانہ میں کتابوں کا سرمایہ توانا ہی کہ دو چار برس کے لیے کافی ہوسکتا ہی۔ مگر عورتوں کے مطالعہ کے لائق وہی معدودے چند کتابیں ہیں جنکا تذکرہ اوپر گزر چکا اور انکے علمی شوق میں روز بروز ترقی ہوتی جاتی ہی۔

ایسی لمبی چوڑی تمہید یا ہذیان گوئی سے میری غرض یہ ہی کہ جہاں تعلیم نسواں کی بقدر حمایت ہورہی ہی وہاں اسکے لیے لٹریچر کی بھی کوشش ہونی چاہیے۔ انکے لیے کس قسم کا لٹریچر جمع کرنے اور بہم پہنچانے کی ضرورت ہی اسکے متعلق میرے جو خیالات ہیں اُن کو پیش کرکے اسی جانب حامیان تعلیم نسواں کی توجہ عموماً اور مولوی عبدالراشد صاحب دہلوی، مولوی سید احمد صاحب مؤلف فرہنگ آصفیہ، مولوی امجد علی صاحب اشہری مولوی اسلم صاحب جیراجپوری، مولوی سلیمان صاحب ندوی، مولوی محبوب الرحمن صاحب کلیم سہروردیہ صاحبہ، زہرا فیضی صاحبہ، بنت نصیر الدین صاحبہ وغیرہ کی توجہ خصوصاً مبذول کرانا چاہتا ہوں،

۱۔ سب سے پہلی ضرورت نصاب تعلیم نسواں کے درست ہونے کی ہی معیار اور نوعیت نصاب کے متعلق اظہار خیالات خاتون اور دوسرے رسائل کے ذریعے ہوچکے ہیں اسلیے اسکے متعلق لکھنا تحصیل حاصل ہی ہاں اسقدر رکھدینا ضرور ہے کہ یہ کام کانفرنس کی تعلیم نسواں سکشن کا ہی اور غالباً اس سکشن کے سکرٹری صاحب اس کام کی تکمیل کی طرف پوری سرگرمی کے ساتھ مشغول ہیں۔

۲۔ قاموس النساء کی جو تحریک خاتون کے ذریعہ سے ہوچکی ہی اُس سے مجکو پورا اتفاق ہی اور اس کام کا بیڑا ابھی کسی صاحب علم کو جلد اُٹھانا چاہیے۔

۳ - جس طرح علامہ شبلی نے ہیروزاف اسلام کا سلسلہ شروع کیا ہی اسی طرح ہیروانزاف اسلام کا بھی ایک سلسلہ شروع ہونا چاہیے اور اس کام کے لیے میری نظر میں دو اشخاص بہت موزوں نظر آتے ہیں (۱) مولوی سلیمان صاحب ندوی (۲) مولوی اسلم صاحب جیراجپوری، کاش یہ دونوں صاحبان اس عمدہ اور اہم سلسلہ کی ضرورت کو محسوس کر کے اس کام کے شروع کر دینے کو اپنا قومی فرض سمجھتے۔

۴ - بعض لوگ ناول خوانی کے سرے سے مخالف ہیں اور اُن کی مخالفت ایک حدتک بجا بھی ہی کیونکہ بعض لوگ رذل اور بیہودہ ناول لکھ لکھکر لوگوں کے اخلاق بگاڑنے اور اپنی جیب بھرنے کے لیے یا مصنفوں میں اپنا نام گنوانے کے لیے اُدھار کھائے بیٹھے ہیں مگر یہ قصور تو ناول نویسوں کا ہی۔ ایسے ناول بالکل فضول ہیں، لیکن میرے خیال میں اگر ناول لغو و فحش سے مبرا اور اخلاقی اور تاریخی مضامین سے مملو ہو تو اس سے بڑھکر اصلاح خیالات، استعمال اوقات، اور ترقی معلومات کا دوسرا ذریعہ نہیں ہوسکتا ہی کیونکہ قصہ کا تسلسل پڑھنے والے کی دلچسپی کو ازابتدا تا انتہا قائم رکھنے میں مقناطیسی اثر رکھتا ہی ورنہ یوں خشک تاریخ یا ادب کی کتابوں کے شوقین خاص ہی خاص لوگ ہوتے ہیں اسلیے علمی مشغلے کو طبقہ نسواں میں ترقی دینے کے لیے اس بات کی بھی ضرورت ہی کہ بہت سے اخلاقی اور تاریخی ناول لکھکر عورتوں کے لٹریچر میں اضافہ کیا جائے ورنہ ڈر ہی کہ موجودہ مخرب اخلاق ناولوں کی سمی ہُوا سے یہ طبقہ بھی نہیں بچ سکے گا اور ایسی صورت میں مخالفین تعلیم نسواں کو تعلیم کے سر الزام تھوپ نیکا موقع ملیگا۔

۵ - ضرورت اس بات کی بھی ہی کہ بنات النعش، کے طرز پر عورتوں کے لیے مذہبی کتابیں لکھی جائیں اور عورتوں کے متعلق جتنے مسائل ضروریہ ہیں اُن کو انہیں کتابوں کے ذریعہ سے باتوں باتوں میں سمجھا دیجائیں، حال میں ایک کتاب بہشتی زیور شائع ہوئی ہی اس میں شک نہیں کہ بہت ہی جامع و مانع کتاب ہی مگر طرز تحریر میں کچھ تو پُرانی وضع

کو بات سے بچانے دینے کی کوشش کی گئی ہی اور کچھ وضاحت مسائل کے خیال کا غلبہ
اس قدر غالب آگیا ہی کہ الفاظ کو پردہ دار جامہ پہنا کر وضاحت کی کوشش کی تکلیف
گوارا نہیں کی گئی ہے اور یہ دو باتیں اُس کی دلچسپی کی راہ میں بہت سخت روڑے ہیں،

۶- انجمن ترقی اُردو پر عورتوں کا بھی حق ضرور ہی اسلیے اُسکا فرض ہی کہ جس طرح
مردوں کے لیے لٹریچر کی ترقی میں کوشاں ہی اسی طرح عورتوں کے لٹریچر کے لیے بھی
کوشاں رہے، افسوس ہی کہ آجتک کوئی کتاب انجمن کی منظوری سے عورتوں کے مفید
مطلب شائع نہوئی،

میں امید کرتا ہوں کہ اس کی تلافی کو انجمن اپنا فرض سمجھے گی، انجمن سے میری
درخواست یہ بھی ہی کہ وہ ایک ایسی فہرست جلد شائع کرے جس میں صرف اُن اُردو کی
کتابوں کے نام درج ہوں جنکے پڑھنے کی سفارش وہ عورتوں کے لیے کرسکتی ہی.

ابوالکمال دسنوی

رضیہ سلطانہ

ایشیائی تاریخ کے مرقع میں رضیہ سلطانہ وہ دلچسپ اور خوشنما تصویر ہی، جسکو ملکہ ہند
کی اولیت کا تمغہ ملچکا ہی، یہ نوجوان حسین ملکہ بلاشرکت غیرے محض اپنی خداداد قابلیت
حسن تدبیر اور زور بازو سے تخت ہند پر نہایت جاہ و جلال سے جلوہ گر ہوئی، اس
سلطانہ کے سوانح دیکھنے سے معلوم ہوتا ہی کہ طبقہ اناث میں بھی بعض بعض بیگمات
دلیری، عزم ثبات، جہانبانی، رائے، تدبیر میں مردوں سے کسی طرح کم نہیں ہوتیں،
تاریخ ہم کو بتلاتی ہی کہ روے زمین پر اور خصوصاً ہندوستان میں بہت سی عورتیں علم
وفضل شجاعت سخاوت دلیری میں نام آوری کا تمغہ حاصل کرچکی ہیں، اگر یورپ نے جان

آف آرک اور اگسٹینا زراگوز اپر ناز ہی، تو ہم بھی نور جہاں، گلبدن بانو بیگم روشن آرا اور رضیہ سلطانہ کو کسی قدر ترجیح کے ساتھ پیش کر سکتے ہیں، اگر مسلمانان ہند تعلیم نسواں کی یک قلم مخالفت کو ٹھی کر کے اُس کی ترویج پر کمر بستہ ہوجائیں تو آج ہندوستان میں بہت سی نور جہاں اور روشن آرا بیگم پیدا ہو سکتی ہیں کیونکہ قانون فطرت نے خاتمہ کی مُہر نہیں لگا دی ہی،

رضیہ سلطانہ ۶۳۴ھ میں تخت ہند پر بمقام دہلی اپنے بھائی کی جگہ متمکن ہوئی، باپ کا نام سلطان شمس الدین التمش تھا۔ یہ علاوہ حسن وجمال ظاہری کے اکثر علوم میں دستگاہ رکھتی تھی، اپنے مذہب کی بیحد پابند تھی، قرآن شریف روزانہ نہایت ادب سے تلاوت کرتی، شاعری سے بھی ذوق تھا، شعر بھی کہتی، تخت سلطنت پر مردانہ لباس میں بے نقاب بیٹھتی، خود مقدمات فیصل کرتی، تمام فرامین اسکے قلم سے جاری ہوتے سلطنت کی جزو کل کی یہ خود نگرانی کرتی، میدان جنگ میں اپنی فوج کی سالار بنتی، مگر باوجود ان سب باتوں کے قسمت کی اچھی نہ تھی، اس سے ایک غلطی ہوگئی جسکے طفیل میں اسکو سلطنت کے ساتھ اپنی جان عزیز سے بھی ہات دہونا پڑا،

جب یہ تخت سلطنت پر بیٹھی ہی، تو نظام سلطنت میں سخت ابتری تھی، ارکان سلطنت خود سر تھے، قواعد وضوابط شمسی کا دیباچہ اُلٹ چکا تھا، مگر اسنے اپنی خداداد قابلیت اور حُسن تدبیر سے تمام خرابیوں کی بیخ کنی کر کے فتنہ وفساد کی آگ کو فرو کر دیا تھا،

سلطان شمس الدین التمش نے جب گوالیار کو فتح کر کے دہلی کی طرف مراجعت فرمائی تھی، تو رضیہ کو اپنا ولیعہد کیا تھا، امراے دربار نے عرض کیا کہ شاہزادوں کے ہوتے لڑکی کے ولیعہد کرنے میں کیا حکمت ہی، تو سلطان نے جواب دیا کہ میرے فرزند لہو ولعب اور لغویات میں مبتلا ہیں وہ سلطنت کی قابلیت نہیں رکھتے۔

رضیہ اگرچہ عورت ہے لیکن حقیقت میں مرد ہے

یہ اپنے باپ کے وقت میں مہمات ملکی کو انجام دیتی تھی۔ بادشاہ اسکی صلاح و
مشورہ بغیر کوئی کام نہیں کرتا تھا۔ جب سلطان شمس الدین التمش کا انتقال ہوگیا تو
سنہ ۶۳۳ھ میں بعض ارکین سلطنت کے اغوا سے فیروزشاہ تخت شاہی پر بیٹھ گیا۔ اور
تخت پر بیٹھتے ہی عیش و عشرت میں پڑگیا، اسکو بھانڈوں اور مسخروں سے فرصت
نہیں تھی سلطنت کے کام کو کون سنبھالتا، تمام خزانہ بیہودہ گویوں میں صرف کردیا۔
اور سلطنت کے کاروبار کو اپنی ماں کے بھروسہ پر چھوڑ دیا۔ وہ بید سنگدل اور ظالم
تھی، اُسنے قابو پاتے ہی سلطان شمس الدین کی تمام بیواؤں کو نہایت عذاب سے
قتل کیا، حتی کہ سلطان کے چھوٹے لڑکے قطب الدین کو بھی مار ڈالا۔

آخر کار ان بیگناہوں کا خون رنگ لایا اور چھوٹے بڑے سب فیروزشاہ سے
ناراض ہوگئے۔ شاہزادہ غیاث الدین نے بغاوت کرکے خزانہ شاہی کو لوٹ لیا،
[illegible] نامی سرداروں سے سازش کرکے دہلی کا قصد کیا۔ فیروزشاہ نے بھی فوج
لیکر چڑھائی کی، سردار چونکہ فیروزشاہ سے بددل تھے سب نے ساتھ چھوڑ دیا۔ ملکہ رضیہ
کب چوکنے والی تھی، امراء کو متفق کرکے تاج شاہی اپنے سر پر رکھا، ۱۸۔ ربیع الاول
سنہ ۶۳۴ھ کو فریقین میں ایک سخت معرکہ ہوا، فیروزشاہ گرفتار ہوکر جیلخانہ میں گیا اور چند دن
کے بعد فوت ہوگیا۔

جن سرداروں نے اسکو تخت سلطنت پر بٹھایا تھا اب وہ دوسرے شاہزادہ
کی تخت نشینی کے درپے ہوئے، ایسی حالت میں ایک کمسن عورت کا تخت ہند پر
بیٹھکر سلطنت کو سنبھال لینا کوئی آسان کام نہ تھا، اس بہادر ملکہ نے اپنی حکمت عملیوں
سے سب کو زیر کرکے رعب و داب کا سکہ سب کے دلوں پر جما دیا۔

سنہ ۶۳۷ھ میں ملک اعزالدین حاکم لاہور نے بغاوت کی، جس کی سرکوبی کے لیے

خود ملکہ نے فوج کشی کی اور اس فوج کی خود سپہ سالار بنی۔ اسکا ارادہ تھا کہ باغی کو مقہور کرکے سلطنت کا دورہ بھی کروں گی اور جو خرابیاں کہ سلطنت میں باقی رہگئی ہیں انکا تدارک بھی قرار واقعی ہوجائیگا۔ جب ملکہ حدود لاہور میں پہنچی۔ حاکم لاہور بجز اطاعت کے چارہ کار نہ دیکھکر حاضر ہوگیا۔ اس کی خطابخشی کی ۔ اور ملتان کا صوبہ بھی اس کی گورنری میں شامل کردیا۔ ہنوز کامل طور سے ملکہ کو اس خرخشہ سے نجات نہیں ملی تھی کہ ملک التونیہ حاکم بھٹنڈہ نے یاقوت حبشی (جسکو اس کی حسن خدمات کے صلہ میں امیرالامرا کا خطاب ملا تھا) کی زیادتیوں سے تنگ آکر بغاوت کردی۔ ملکہ نے اس کی سرکوبی کے واسطے بھی خود سپہ سالار ہوکر بیشمار فوج کے ساتھ چڑھائی کی، سرداران فوج چونکہ یاقوت حبشی کے امیرالامرا کے عہدہ سے ناراض تھے موقع پاکر یاقوت حبشی کو قتل کرکے ملکہ کو قلعہ بھٹنڈہ میں نظر بند کردیا۔ اور دہلی جاکر معزالدین بہرام شاہ کو تخت نشیں کیا۔

رضیہ سلطانہ قید کی حالت میں بھی نچلی نہ بیٹھی۔ ملک التونیہ حاکم بھٹنڈہ سے عقد کرکے دہلی کے تخت کیواسطے پھر قسمت آزمائی کی، مگر تقدیر پلٹ چکی تھی کچھ پیش نہ گئی۔ دوبارا پھر مقابلہ کو نہایت زور شور سے اٹھی۔ چند امراسے دربار کو گانٹھ لیا اور جاٹوں کا لشکر لیکر مقابلہ کیا۔ بہرام شاہ کی طرف سے اعزالدین بلبنی جو سلطان شمس الدین التمش کا داماد اور جسکا خطاب الف خاں تھا، مقابل ہوا۔ نواح کستیل میں ایک سخت خونریز لڑائی کے بعد ملکہ کو شکست ہوئی، اگرچہ ملکہ مع اپنے شوہر کے فوج کے ہمراہ تھی، اور جان توڑکر مقابلہ بھی کیا، مگر قسمت کے آگے کچھ بس نہ چلا، شکست فاش کھائی اور بھاگتے وقت گرفتار ہوکر ۲۵ ربیع الاول کو مع اپنی شوہر کے قتل کردی گئی،

مدت سلطنت ۳ سال ۶ ماہ اور ۶ روز ہے، نئی دہلی کے محلہ بلبلی خانہ میں فنشی

شیر علیخاں اور جناب مولوی رشید الدین خانصاحب کے مکانات کے ایک سنگین احاطہ میں دفن ہی۔ اور اس احاطہ میں دو قبریں ہیں ایک رضیہ سلطانہ کی اور دوسری صبیحہ بیگم کی عوام الناس اسکو رجی جھجی کی درگاہ بھی کہتے ہیں، مکان بالکل ٹوٹ پھوٹ گئے ہیں اور قبروں کے تعویذ بھی دستبرد زمانہ سے ثابت نہیں، فاعتبروا یا اولوالابصار۔

محمد صبیح اثر شاہجہانپوری

سینٹ پٹرزبرگ

دارالسلطنت روس

آجکل جاپان اور روس کی نسبت تعلیم یافتہ دنیا کی دلچسپی اس قدر بڑھگئی ہی کہ انکے متعلق معمولی سے معمولی بات بھی نہایت شوق سے پڑھی جاتی ہی۔ اسلیے اگر دارالسلطنت روس کے مختصر حالات بیان کیے جائیں تو خواتین کے لیے خالی از دلچسپی نہونگے سینٹ پٹرزبرگ کو صرف گزشتہ جنگ روس و جاپان کی بدولت ہی یہ شہرت نہیں نہیں حاصل ہوئی ہی بلکہ یہ شہر ایک عظیم الشان سلطنت کا عظیم الشان دارالسلطنت اور تجارت کا مرکز ہونے کے لحاظ سے بھی ایک وقیع حیثیت رکھتا ہی اور دنیا کے بزرگ ترین شہروں کی فہرست میں اسکا نام ایک ممتاز درجہ رکھتا ہی۔

یہاں کے قدیم باشندے سرمائین اور اسکیتھین نامی آوارہ گرد اقوام سے تھے ایورک نامی ایک بحری قزاق نے سب سے پہل ۸۶۲ء میں انکا قلع قمع کر دیا اور اپنی حکومت قائم کر دی۔ یہ روس کا پہلا بادشاہ سمجھا جاتا ہی۔ اسکے جانشینوں میں سے ایک نامی

حکمراں ویلاڈیمیر نے ۹۸۰ء میں یونانی الاصل شاہنشاہ قسطنطنیہ کی لڑکی سے شادی کی اور اپنے ملک میں مذہب عیسوی کی ترویج کی کوشش میں کامیاب ہوا، دو صدی تک روس پر منگولس برسرِحکومت رہے۔ لیکن اسکے بعد ایوان اعظم نے اس خاندان کو ہزیمت دی، ۱۶۱۳ء میں پھر ایک انقلاب ہوا جو آخری تھا اس انقلاب میں سلطنت نے موجودہ زار کے خاندان سے رشتہ جوڑا اور اتنک اسی طرح رفاقت کیے جاتی ہے۔ ۱۶۸۲ء میں پیٹر اعظم نے عنان سلطنت ہات میں لی۔ اس مشہور زمانہ فرمانروا نے ۱۷۰۳ء میں دریاے نیوا کے دہانہ پر جو ایک نہایت دلفریب مقام ہے۔ سینٹ پٹرزبرگ کی بنیاد ڈالی، پہلے یہ مقام اینگریا کے نام سے موسوم تھا، لیکن بعد میں اپنے معزز اور ناموربانی کے نام کو زندۂ جاوید بنانے کے لیے سینٹ پٹرزبرگ بنگیا، پیٹر اعظم نے اس شہر کی تیاری میں اپنی جان کھپادی۔ اپنی حین حیات میں بدل وجان اسی کوشش میں مصروف رہا۔

سینٹ پٹرزبرگ کی تعمیر کی غرض سے سینکڑوں اور ہزاروں خاندان معماروں مزدوروں اور کسانوں کے دریاے نیوا کے کنارے آباد کردیے گئے تھے۔ افسر تعمیرات نسار کے لیے ایک خوبصورت جھونپڑا بنادیا گیا تھا جو اتبک بطور یادگار کے قائم رکھا گیا ہے

شہر کی تعمیر دریاے نیوا کے شمال کی طرف سے شروع ہوئی۔ اور بہت جلد چاروں طرف پھیل گئی۔ ان ہی ایام میں ایک فرمان نافذ ہوا کہ جو گاڑی اس نو تعمیر شہر میں جاے ضرور کچھ پتھر بھی لیتی جاے، یہ پتھر سڑکوں کے بنانے میں کام آتے تھے جو لوگ اس حکم کی خلاف ورزی کرتے تھے انھیں شہر میں داخل ہونے نہیں دیا جاتا تھا، غرض مختلف طریقوں سے اس شہر کے آراستہ بنانے میں کوشش کیجاتی تھی، لیکن افسوس پیٹر اعظم کی اس شہر کو تیار ہوجانے کے بعد ایک آنکھ

دیکھ لینے کی خواہش پوری نہو سکی، اور ابھی اس کی تعمیر ادھوری تھی کہ پیغام قضا آپہنچا، اسکے جانشین نے قدیم پایہ تخت کو سینٹ پٹرز برگ پر ترجیح دی، اور موخرالذکر شہر کی تعمیر معرض التوا میں پڑی رہی۔

حقیقت امر یہ ہی کہ قانون قدرت کے مطابق ہر امر کی تکمیل میں بنی نوع انسان کے دونوں افراد مرد اور عورت کا ہات لگنا ضروری ہی۔ جب تک ان دونوں کا ہات کسی کام میں نہ لگے وہ مکمل نہیں ہوسکتا۔ یہ تو لازمی بات ہی کہ سینٹ پٹرز برگ کی تعمیر میں عورتوں نے بھی کچھ نہ کچھ کام ضرور کیا ہوگا اور ان کا بابرکت ہات بھی کسی نہ کسی کام میں ضرور لگا ہوگا۔ اسی طرح جب شہر کی تعمیر میں مرد اور عورتیں برابر کی شریک رہی ہیں اور قانون قدرت کی تکمیل ہوئی ہی تو یہ کیونکر ممکن تھا کہ اسکے بانی ہونے کا فخر صرف مرد ہی کا حصہ ہوتا۔ لہذا خداوند تعالیٰ نے سینٹ پٹرز برگ کے بانی ہونے کے فخر میں بھی ایک عورت کو پٹیر اعظم کا برابر کا حصہ دار قرار دیا۔ چنانچہ ملکہ این نے عنان سلطنت ہات میں لیتے ہی پھر سینٹ پٹرز برگ کو دارالسلطنت قرار دیا اور اس کی تکمیل میں بدل وجان مصروف ہوگئی۔ اس ملکہ کے عہد میں ہی بیسیوں بڑی بڑی عالیشان عمارتیں ایزاد کردی گئیں اور دریا کی طغیانی سے شہر کو محفوظ رکھنے کا معقول انتظام کیا گیا، مختصراً یہ کہ سینٹ پٹرز برگ۔ سینٹ پٹرز برگ بنگیا۔

اس کی موجودہ حالت نہایت دلچسپ اور سیر حاصل ہی، سیاحوں کے لیے بکثرت دلچسپی کے سامان موجود ہیں، موسم گرما میں جب بندرگاہ میں جہاز بھرے رہتے ہیں اور چھوٹی چھوٹی کشتیاں ادہر اُدہر پھرتی رہتی ہیں تو ایک عجیب سماں نظر آتا ہی، شہر کی مردم شماری ۱۲۷۰۰۰۰ ہی۔ مکانات عموماً نہایت اونچے اونچے چو منزلے اور پنج منزلے ہوتے ہیں، قابل دید عمارتیں کثرت سے ہیں، گرجاؤں میں سینٹ آئزک سینٹ پال اور سینٹ پٹر کے گرجے نہایت ممتاز درجہ رکھتے ہیں اور بہت مشہور

ہیں. سینٹ آئزک کے گرجے میں تین گھنٹے ہیں جن میں سے دو تو ۹۴ ٹن کے اور ایک ۲۹ ٹن کا ہی،

رفیع الشان گرجاؤں اور عظیم الشان ہوٹلوں کے علاوہ کتب خانوں، نباتاتی باغوں اور عجائب خانوں کی بیحد کثرت ہی، جن میں سے سائنس کا عجائب خانہ، بحری عجائب خانہ، فوجی سامان کا عجائب خانہ، زراعتی عجائب خانہ، صنعت وحرفت کا عجائب خانہ اور جنگلات کا عجائب خانہ خاص طور سے قابل ذکر ہیں، ان عجائب خانوں میں نہایت تلاش وجستجو سے سامان مہیا کیا گیا ہے جو سیاحوں کو ہفتوں اور مہینوں اپنی سیر میں محو کرلیتا ہی، شہر میں کثیر التعداد شفاخانے قائم ہیں۔ تھیٹروں اور تماشہ کی کمپنیوں کی بھی کمی نہیں، اکثر تھیٹروں کا انتظام خود گورنمنٹ نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہی اور اُنکے ذریعہ جو کچھ آمدنی ہوتی ہے وہ صنعت وحرفت کے ترقی دینے یا اسی قسم کے مفید ملکی اصلاحوں اور فائدہ رساں مقاصد میں صرف ہوتی ہے، ان تمام تھیٹروں میں دو تھیٹر یعنی الگزنڈرا تھیٹر اور ماری تھیٹر اول درجہ کے شمار کیے جاتے ہیں، الگزنڈرا تھیٹر ۱۸۳۲ء میں تیار ہوا، اس میں ۱۷۰۰ تماشائیوں کی وسعت اور جگہ ہی. ماری تھیٹر اس سے بھی بڑھ چڑھکر ہے، اس میں دو ہزار تماشائی بآسانی بیٹھ سکتے ہیں، قابل دید عمارات میں زار کے محلات نہایت خوبصورت ہیں، جن میں محل ٹاریڈا، میکائیل محل، پیٹر اعظم کا جھونپڑا اور سرمائی محل بہت ممتاز ہیں، ان تمام چیزوں کے علاوہ سینٹ پیٹرزبرگ میں تفریح گاہیں بھی کثرت سے ہیں۔

غرض ان تمام باتوں میں سینٹ پیٹرزبرگ یورپ کے نامور شہروں سے کسی طرح کم نہیں ہی۔ لیکن تہذیب وشائستگی کے لحاظ سے اس کی وہ وقعت نہیں ہے جو دوسرے مشہور یورپین شہروں کی ہی، شخصی حکومت کے ساتھ جہالت کی تاریکی ہنوز یہاں باقی ہی۔ تاہم گزشتہ ایام میں یہ ملک زمانہ کی ترقی کی رفتار سے بے اثر بھی نہیں رہا

بمقابلہ پہلے کے تو اس کی حالت میں بہت کچھ تغیر و تبدل واقع ہوا لیکن اس کی رفتار ترقی اسکے ہمسایہ ملک کی رفتار کے مانند نہ رہی، دوسرے ممالک تو بہت آگے بڑھ گئے اور یہ بعض ایسی الجھنوں میں پھنسا رہا کہ غریب ہندوستان کی طرح اُن کا ساتھ نہ دے سکا، تاہم اس گئی گزری حالت میں بھی وہ ہمارے ملک سے بہت کچھ آگے بڑھا ہوا ہی، ۱۸۶۱ء تک یہاں بردہ فروشی خوب زوروں پر تھی اگر کسی روسی امیر سے اس کی امارت اور تنعم کے بارہ میں سوال کیا جاتا تو وہ اپنی دولت کے اظہار کے لیے محض اپنے پاس کے غلاموں کی تعداد بیان کر دینا کافی سمجھتا، شاہنشاہ الگزنڈر دوم نے اس رسم قبیح کے دفعیہ کی کوشش کی اور اپنی سعی بلیغ میں کامیاب رہا ۱۹۰۳ء تک مذہبی آزادی یہاں بالکل نہیں تھی اور جو مظالم اسکے پہلے دوسرے مذہب والوں اور خصوصاً مسلمانوں اور یہودیوں پر کیے جاتے تھے زبان زد خاص و عام ہیں لیکن موجودہ فرمانروا یعنی شاہنشاہ زار نکولس ثانی نے ۱۹۰۳ء سے ہر فرقہ اور ہر مذہب کو آزادی دیدی۔

غرض اسی طرح اصلاحیں ہو رہی ہیں اور حال میں جاپان نے اسکا کچھ ایسا ٹہوکا دیا ہے کہ یہ خواب خرگوش سے ہشیار ہو کر اپنی اصلاح پر ہمہ تن آمادہ نظر آتا ہی۔

سید خورشید علی

حیدرآباد دکن

ڈاکو فقیر کا قصہ

ہمارے دوست سید نیاز حسین صاحب بی اے سے ناظرین خاتون واقف ہونگے تعلیم نسواں کے خاص حامیوں اور علی گڑھ کالج کے سربرآوردہ طالبعلموں میں سے ہیں

آپ نے پیشتر خاتون میں ایک سلسلہ ہند کی خواتین کا نکالا تھا جسکا پہلا مضمون "درو پدی" ناظرین کی نظر سے گزر چکا ہی لیکن افسوس ہے کہ پھر اُسکے بعد اُس سلسلہ میں کوئی مضمون نہیں آیا۔ اب اسوقت انہوں نے ایک انگریزی کتاب "تیوری انما سکڈ" جس میں ڈاکوؤں کے دلچسپ قصے ہیں ترجمہ کرنے کا وعدہ کیا ہی۔

اسکا پہلا قصہ فقیر کا ہے جسکو ہم نہایت خوشی سے درج کرتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ یہ نہایت دلچسپ ثابت ہوگا۔ اور سید ضیا حسین صاحب دوسرے ڈاکوؤں کے قصے بھی ترجمہ کرکے حسب وعدہ ہمارے پاس بھیجتے رہیں گے۔ الکریم اذا وعد وفا۔

اڈیٹر

خونخوار ڈاکوؤں کا ایک گروہ اتفاق سے ایک جگہ جمع ہوگیا ہی۔ اس میں مختلف قوم اور مختلف پیشوں کے آدمی شامل ہیں، اسوقت یہ فیصلہ ہوا ہی کہ ہر شخص اپنے اُن واقعات کو جو اُسکو ڈکیتی کے معزز پیشہ میں پیش آئے ہیں ہو بہو ایک دوسرے سے بیان کرے، چنانچہ سب سے پہلے ایک فقیر نے جو بعد میں اس معزز پیشہ میں شامل ہوگیا تھا اس طرح سے بیان کرنا شروع کیا۔

میرا پیشہ اصل میں فقیری ہے۔ اگرچہ میرا اس پیشہ کی طرف خاص طور سے میلان نہ تھا تاہم تھوڑے سے عرصہ میں جو شہرت متقی پرہیزگار ہونے کی میں نے حاصل کی شاید ہی میرے پیشہ کے کسی بھائی کو نصیب ہوئی ہوگی، مدت کی سخت محنت و مشقت کے بعد میں نے اپنے جسم کو اس طرح کا کمایا تھا کہ وہ اس خوبصورتی سے میری حسب منشا کام کرتا تھا کہ بڑے بڑے عالم اور فلسفہ داں ششدر رہجاتے تھے بغیر دانہ پانی کے عرصہ دراز تک زندہ رہ سکتا تھا۔ لوہے کے صندوق میں بحفاظت تمام بند ہوکر عرصہ تک بلا روشنی و ہوا کے رہ سکتا تھا۔ جس آسانی سے زمین کے اوپر رہ سکتا ہوں اُسی طرح پانی کے اندر۔ مجھ میں یہ کمال تھا کہ میں اپنے جسم کو چوبیس گھنٹہ

کے اندر چھپن سیر گھٹا کر بیس سیر پہ لے آتا تھا، پورے چھ ہفتہ دن رات کا روزہ
رکھتا تھا جس سے میرے جسم پر صرف کھال اور ہڈی باقی رہجاتی تھی اور پھر چھ گھنٹہ
کے اندر جسم کو اپنی اصلی حالت پر لے آتا تھا، دوران خون کو بند کرکے زہریلے سے
زہریلے سانپ سے کٹوا لیتا تھا اور مطلق اثر نہوتا تھا، خلاصہ یہ ہے کہ ہندوستان
کے کسی معزز رئیس یا نواب کا دربار ایسا نہوگا جہاں میرے ان کرتبوں کا سکہ
نہ بیٹھ گیا ہو۔

لیکن سب سے بڑا کرتب جو میری زندگی میں ظہور میں آیا وہ دربار رنجیت سنگھ
میں ہوا، اس دربار میں مجکو یورپین افسروں، ڈاکٹروں اور شاہزادوں کے روبرو
ایک بکس کے اندر بند کیا اور چھ فٹ کا گڈھا کھود کر تین ماہ دفن رکھا، مہاراجہ بہادر نے
اس خیال سے کہ میں کسی قسم کے دھوکہ کی چال نہ چل سکوں پہرے چوکی کا خاص انتظام
کیا تھا، اس تین ماہ کی مدت میں میں نے خوراک کا ایک دانہ یا پانی کا ایک گھونٹ بھی
نہیں پیا تھا۔ کیڑے مکوڑے سے بچانے کے لئے میرے بکس کے ہر ایک کونہ میں ایک
کافور کا ٹکڑا رکھدیا گیا تھا۔ تین ماہ کے گزرنے کے بعد انہیں لوگوں کو جنکے سامنے
میں دفن کیا گیا تھا بلوایا گیا اور مجکو گڈھا کھود کر بکس میں سے نکالا، میرے نکالے جانے
پر مجکو ہوش نہ تھا کہ میرے چاروں طرف کیا ہو رہا ہے لیکن ڈاکٹروں نے جو مہاراجہ
بہادر کو میری بابت رپورٹ کی وہ حسب ذیل ہے۔

بکس کھولنے پر ہم کو ایک شخص کا جسم سفید کپڑے کے تھیلے میں لپٹا ہوا جو
سر کی طرف سے مضبوط رسّی سے بندھا ہوا تھا ملا، ٹانگیں اور بازو سوکھ کر اکڑ گئے
تھے اور پورا چہرہ مع سر کے مثل مردہ شخص کے کندھے پر آپڑا تھا۔ ہم نے دل میں
یا کنپٹیوں میں یا بازوؤں میں کسی قسم کی حرکت نہ پائی، البتہ ذرا سی گرمی دماغ کے
حصے میں موجود تھی، ایک مہر لگا ہوا خط جسکے اندر فقیر کے ہاتھ کی چند ہدایات تحریر

کی ہوئی تیں اُس تھیلے کے سرے پر بندھا ہوا ملا، جس میں فقیر لیٹا ہوا تھا، ان ہدایات
پر نہایت اہتمام سے عمل کیا گیا، اول گرم پانی جسم کے اوپر بہایا گیا؛ زبان نکالکر گھی
ملا گیا اور گرم گرم گیہوں کی ٹکیا مغز پر رکھی گئی، تین باران ہدایات پر عمل کرنے کے بعد
فقیر کے اعضا میں کچھ جنبش ہوتی ہوئی معلوم ہوئی اور گرختگی میں بھی کچھ کمی ہوئی لیکن
نبض ابھی تک نہایت کمزور تھی، گھی کے زبان پر ملے جانے سے اول زبان میں
کچھ حرکت معلوم ہوئی اور آنکھوں کی اصلی رنگت معلوم ہوئی لیکن تھوڑی دیر تک بولنے
کی طاقت بالکل نہ تھی، گھی کے متواتر ملے جانے سے طاقت گویائی آئی اور فقیر
بولا کہ میں تین ماہ بعد اپنے پرانے دوستوں کو دیکھکر نہایت خوش ہوا، ایک ہفتہ
تک فقیر کی حالت میں روزافزوں ترقی ہوتی رہی، یہانتک کہ دوسرے ہفتہ میں وہ
ایسا تندرست ہوگیا کہ گویا کبھی دفن ہی نہوا تھا، وہ پھر دفن ہونے کیواسطے کافی روپیہ
کی ترغیب پر راضی تھا،

فقیر نے اپنے دوستوں سے کہا کہ ڈاکٹروں کی رپورٹ کے درست ہونے میں
کوئی شبہ نہیں ہے لیکن انکا یہ کہنا کہ میں ایک ہفتہ کے اندر درست ہوگیا غلط تھا کیونکہ
بظاہر تو میں واقعی تندرست تھا، لیکن حقیقت یہ تھی کہ میں نے اس تکلیف کو کم از کم
ایک سال تک محسوس کیا اور اپنے دل میں عہد کیا کہ اب پھر ایسا خطرناک تجربہ نکروں گا
اور کرونگا بھی تو بہت تھوڑی مدت کے لیے، اس تجربہ کے بعد میری شہرت کا ڈنکا
ہر جگہ بجنے لگا، گویا لوگوں کی نظروں میں جو جو صفات ایک متقی، عابد فقیر میں ہونی
چاہییں مجھ میں موجود تھے، امیر و غریب مجکو دیوتا مانکر پرستش کرنے لگے اور
ہزار ہا قسم کے تحفے تحائف آنے لگے، اسوقت میری وہ حالت ہوگئی تھی کہ مجکو
ایک ہونہار لڑکے کی ضرورت معلوم ہوئی جسکو میں چیلا بناکر سارے ہنر اُسکو تبلاؤں
مزید تلاش کے بعد مجکو میری حسب منشا ایک لڑکا ملا جو حقیقت میں نہایت چالاک

اور ہونہار تھا، میں نے اُسکو سبق دینا شروع کیا، پانچ برس کی محنت و مشقت کے بعد وہ ایسا ماہر ہوگیا تھا کہ اُستاد کو بھی لقمہ دینے لگا، جھوٹی موت کی شکل اختیار کرنے میں تو وہ مجھ سے کہیں زیادہ سبقت لیگیا تھا، وہ شہتیر کی طرح زمین پر گرجاتا، سانس کھینچ لیتا، دل کی حرکت روک لیتا، آنکھیں پھیر لیتا اور موت کی سی سختی اور زردی ایسی سے آتا گویا حقیقت میں موت آگئی ہے جسکو ہشیار سے ہشیار ڈاکٹر بھی تمیز نہیں کرسکتے تھے، لیکن اس جھوٹی موت میں ایک بڑا بھاری روگ یہ تھا کہ جھوٹی موت اختیار کرنے والا شخص خود اپنی اصلی حالت پر نہیں آسکتا تھا تاوقتیکہ کوئی دوسرا شخص جو اصلی حالت پر لانے کی ہدایات سے واقفیت رکھتا ہو نہ لادے اسلیے اس قسم کے تجربے کرنے کے لیے اُستاد شاگرد کی ضرورت لازم و ملزوم تھی۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ میں اور میرا شاگرد سنٹرل پراونسیس میں دورہ کر رہے تھے کہ ایک شخص نہایت پریشان ہمارے پاس سرائے میں آیا اور گھبرا کر کہنے لگا کہ ہم کو اُسکے مالک نے جو ایک بہت بڑا زمیندار ہے فوراً ہی بلایا ہے۔ میرے شاگرد کی اتفاق سے اُسوقت کچھ طبیعت علیل تھی اسلیے میں تنہا ہی اس شخص کے ہمراہ زمیندار کے پاس گیا، زمیندار کی حالت بھی نہایت پریشان تھی، چہرہ سے تشویش و پریشانی کے آثار نمایاں تھے۔ قصہ یہ تھا کہ زمیندار صاحب نے حسد کی وجہ سے غصہ میں آکر اپنے ایک رشتہ دار کو قتل کر دیا تھا اور اُس کی لاش کو تاکہ کسی قسم کا پتہ نہ چل سکے جلوا دیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ مقتول کے ایک دو روز غائب رہنے کے بعد شبہ ہوگا اور تفتیش شروع ہوجائیگی، یہ وجہ تھی کہ زمیندار صاحب نے مجکو بلوا کر درخواست کی کہ میں چند روز کے لیے مقتول کے نام سے دفن ہوجاؤں۔ چونکہ معاوضہ نہایت ہی معقول تھا مجکو راضی ہونا پڑا، لیکن شرط یہ تھی کہ ایک ہفتہ سے زیادہ میں قبر

میں نذر ہوں اور ہفتہ کے اختتام پر میرے شاگرد کو خبر کردیجائے تاکہ وہ مجھکو میری اصلی حالت پر لے آئے، جب سب باتیں طے ہوگئیں تو مسلمانوں کے مذہب کے مطابق میری تجہیز وتکفین کی تیاری ہوئی،

دفن کرتے وقت زمیندار نے رجسٹرار صاحب کو بھی معائنہ کرادیا کہ لاش پر کسی قسم کے ضرب کے نشان موجود نہیں ہیں، چنانچہ قانون کے بموجب میرا نام عمر، وجہ موت رجسٹر میں درج کرنے کے بعد دفن کرنیکا حکم دیدیا گیا۔

دفن ہوئے مجھے ابھی پورے تین روز بھی نہیں گزرے تھے کہ پولیس کو قتل کی خبر لگ گئی۔ مجسٹریٹ اور سپرنٹنڈنٹ نے خود تحقیقات شروع کی لیکن زمیندار نے رجسٹرار اور ڈاکٹر کا سارٹیفکٹ پیش کردیا جس سے صاف ظاہر تھا کہ مقتول نے ہیضہ کی بیماری سے انتقال کیا ہے اور دفن کرتے وقت جسم پر کسی قسم کے ضرب کے نشان بھی موجود نہ تھے، باوجود اس صاف شہادت کے حکاموں کو شبہ ہوا اور لاش نکلوا کر پوسٹ مارٹم کرانے کا حکم دیا۔

میری لاش نکالی گئی اور پولیس کی حفاظت میں ضلع کے پوسٹ مارٹم کرنیکے کمرہ میں رکھی گئی، اس کمرہ میں جو میری حالت تھی اسکا اندازہ میں خود ہی خوب کرسکتا ہوں کیونکہ میں سُن سب سکتا تھا لیکن نہ بول سکتا تھا اور نہ حرکت کرسکتا تھا۔ میرے کاٹنے کے لیے سب اوزار صاف کرکے ڈاکٹر صاحب کے آنے سے پیشتر میری میز پر رکھدیے گئے، کیمیکل اگزامینر کے پاس میرے معدہ بھیجے جانے کیواسطے برتن بھی میز پر رکھدیا گیا، لوگ جو میری لاش کو دیکھکر گفتگو کرتے تھے میں ساری سُنتا تھا۔ ایک کہتا تھا کہ لاش باوجودیکہ تین روز تک دفن رہی لیکن بدبو ابھی تک نہیں ہے، دوسرا جواب دیتا تھا کہ ہاں جب سنکھیے کا ست دیا جاتا ہے تو یہی حال ہوتا ہے،

اسی اسی قسم کی گفتگو ہو رہی تھی کہ ایک شخص نے آکر اطلاع دی کہ صاحب سول سرجن بہادر ایک نہایت ضروری کیس کے معالجہ کے واسطے شہر سے باہر بلا لیے گئے ہیں اور وہ کل صبح تک واپس نہ ہو سکینگے،

چنانچہ پوسٹ مارٹم دوسرے روز تک کے لیے ملتوی کر دیا گیا، لاش کا کمرہ بحفاظت تمام بند کر دیا گیا، پولیس کا پہرہ چاروں طرف مقرر ہو گیا، لیکن کمرے کی کھڑکیاں ہوا آنے کیواسطے کھلی رہنے دیں، یہ چند گھنٹوں کی مہلت کا ملنا میرے لیے قیامت کا سامنا تھا. سوچتا تھا کہ کیا کروں، سینکڑوں اپنے آپ کو لعنت ملامت کرتا تھا کہ کیوں یہ حماقت سر پر مول لی، جس قدر سوچتا تھا اُسیقدر خطرہ کی ڈراونی شکل سامنے نظر آتی تھی،

اسی حالت میں غرق آب تھا کہ قریب بارہ بجے کھڑکی میں سے کوئی شخص اندر آتا ہوا معلوم ہوا۔ مجکو فوراً ہی خیال گزرا کہ ہو نہو یہ تو میرا چیلا ہی، تھوڑی دیر بعد وہ شخص اور قریب آیا اور میں نے معلوم کیا کہ میرا خیال درست ہی، وہ میرا چیلا ہی ہے، میرے قریب آتے ہی اُسنے مجکو اصلی حالت پر لانے کی دوا ملنی شروع کی۔ آدھ گھنٹہ کے اندر میں اس قابل ہو گیا تھا کہ میں اپنے چیلے کے ساتھ چل سکوں، ہم دونوں کھڑکی کے رستہ سے باہر نکلے اور وہ بھی اس ہشیاری سے کہ سنتریوں میں سے کسی کو شبہ بھی نہیں ہوا، اس پوسٹ مارٹم کے کمرہ سے باہر نکلنے پر جو خوشی مجکو ہوئی اسکا اندازہ بھی میں خود ہی خوب کر سکتا ہوں، میں نے قسم کھائی کہ پھر ساری دنیا کی دولت کے عوض میں بھی اس خطرناک تجربہ کے کرنے پر راضی نہونگا۔ راستہ میں میرے چیلے نے مجھے کہا کہ کس اتفاق سے اسکو میرے پوسٹ مارٹم گھر میں آنے کی خبر لگی اور پھر کیونکر میرے بچانے کے لئے وہ اپنی جان پر کھیلا، میں اسقدر کمزور تھا کہ تھوڑی دور

چلنے کے بعد قریب کے گانوں میں قیام کرنا پڑا۔ دوسرے روز صبح کو لاش کے
پوسٹ مارٹم کمرہ سے غائب ہو جانے پر بڑا شور وغل مچا۔ نتیجہ یہ نکالا گیا کہ زمیندار
نے پولیس کو رشوت دیکر لاش کو اسوجہ سے غائب کرا دیا ہے کہ اُسپر قتل کا کسی
قسم کا ثبوت مہیا نہو سکے۔ چنانچہ سارے پولیس کے گارد کو قید کر لیا گیا اور بہت
سے پولیس کے آدمیوں کو لاش کی تلاش میں روانہ کیا گیا۔ پولیس نے شہر شہر
قصبہ قصبہ گانوں گانوں غرض کہ جہاں جہاں شبہ کا دخل ہو سکتا تھا تلاش کیا
لیکن کہیں لاش ہو تو پتہ چلے۔ مچھیرے بلوائے گئے اور اُن سے ندی نالوں
کنوؤں تالابوں میں جال ڈلوائے گئے مگر سب بے سود۔ پتہ نہ چلنے پر معاملہ کو
مجبوراً چھوڑ دیا گیا۔ اگرچہ اب شورش دب چکی تھی تو بھی ہم لوگوں نے وہاں
رہنا مناسب خیال نہ کیا۔ شب کو چپکے سے زمیندار سے ملکر خوب روپیہ جیبوں
میں بھر کر کلکتہ کا راستہ لیا۔ کلکتہ پہونچنے کے تھوڑے ہی دنوں بعد ہمنے معلوم
کیا کہ یہاں تو ایک ہمارا بھی اُستاد خفیہ پولیس میں موجود ہے اسلیے کچھ روز
اور کلکتہ کا رنگ ڈھنگ معلوم کرنے کے لیے یوں ہی گذارے۔ جب ذرا کام
سمجھ میں آگیا تو ایک روز دوپہر کو میں معہ اپنے چیلے کے ایک یورپین صاحب بہادر
کی کوٹھی میں داخل ہوا۔ دربان سے ہم نے معلوم کر لیا تھا کہ صاحب بہادر شادی
شدہ نہیں ہیں اور بہت ہی بخیل ہیں۔ نوکروں کو مارنے پیٹنے میں خاص طور سے
شہرت حاصل کر رکھی ہے۔ بس ایسے ہی شخص کی ہمکو تلاش بھی تھی۔ میں نے اپنے
چیلے کو صاحب بہادر کے پاس بھیک مانگنے کی غرض سے بھیجا اور تاکید کر دی
کہ اپنے گستاخانہ برتاؤ سے صاحب بہادر کے غصہ کو خوب بھڑکانے کی کوشش
کیجیو۔ خود میں دروازہ پر نتیجہ کا منتظر کھڑا ہو گیا۔ صاحب بہادر برآمدے میں سگرٹ
پی رہے تھے جبکہ چیلا اُنکے پاس پہونچا۔ صاحب نے دیکھتے ہی زور سے کہا

"تم کیا چاہتا ہے" "حضور" چیلے نے جواب دیا" میں غریب مذہبی فقیر ہوں اور حضور سے خیرات مانگنے آیا ہوں" صاحب نے غصہ سے چلا کر کہا "جاؤ اور کام کرو" نہایت اطمینان سے میرے چیلے نے جواب دیا" صاحب میں مذہبی فقیر ہوں اور اسلیے کوئی کام نہیں کرسکتا۔ ہم لوگوں کی بسر اوقات تو خیرات پر ہی ہوتی ہے اور آپ لوگوں کو تو ہم لوگوں کے ساتھ سلوک کرنا فخر کا باعث ہونا چاہیئے" صاحب غصہ کے مارے آپے سے باہر ہوکر بولے" تم حرامزادہ، اگر فوراً ہمارے سامنے سے نہیں چلا گیا۔ تب ہم خوب ٹھوکیگا" چیلے نے پھر اُسی اطمینان سے جواب دیا "صاحب غصہ نہو جیئے۔ مجھکو جب تک کچھ مل نہ جاویگا میں ایک قدم آگے نہ رکھونگا" صاحب نے کچھ جواب نہ دیا اور جلدی سے کرسی پر سے اُٹھ اندر کمرہ سے بید نکالکر میرے چیلے کو ڈھونڈھنا شروع کیا۔ چیلے نے دکھاوٹ کے واسطے بھاگنے کی کوشش بھی کی لیکن اسی اثنا میں ایک بید اُسکے کندھے پر اور لگتی تھی کہ چیلا بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑا۔ صاحب کے یہ دیکھکر ہوش پراں ہوگئے۔ میں تو اس نتیجہ کا منتظر ہی تھا۔ فوراً موقع پر پہونچا اور اپنے آپ کو چیلے کا بھائی بتایا۔ تھوڑی دیر تک تو روتا پیٹتا رہا اُسکے بعد میں صاحب بہادر کے پاس آیا اور کہا کہ اگر صاحب بہادر معقول رقم معاوضہ میں دیدینگے میں لاش کو لیجاؤنگا اور کسی کو کانوں کان خبر بھی نہو گی۔ صاحب نے دریافت کیا "کس رقم پہ راضی ہو جاؤ گے" میں نے جواب دیا" پانچسو روپیہ" صاحب نے کہا" اچھی بات ہے میں روپیہ ابھی بنک گھر سے منگوائے دیتا ہوں" مجھکو یہ جواب دیکر صاحب نے فوراً ہی سائیس کو بلایا اور کہا کہ گاڑی فوراً تیار کرکے یہ ہماری چٹھی بنک گھر لیجاؤ معلوم نہیں سائیس کو کسطرح سے سمجھا دیا تھا کہ ایک گھنٹہ بعد کیا دیکھتا ہوں کہ گاڑی میں بجائے پانچسو روپیوں کے ہمارے اُستاد خفیہ پولیس کے سپرنٹنڈنٹ تشریف لا رہے ہیں۔ میری حالت میں اُسکے آنے سے تغیر ضرور ہوا لیکن

میں نے فوراً ہی سنبھال لیا اتنے میں سپرنڈنٹ آن پہونچا اور صاحب نے اُس سے کچھ گٹ پٹ کی۔ سپرنڈنٹ نے روئے سخن میری طرف کیا اور بہت سے جرح کے سوال کیئے۔ اسکے بعد پھر صاحب بہادر سے کہا کہ آپ لاش کو اپنی گاڑی میں پوسٹ مارٹم گھر میں بھجوا دیں میں سول سرجن کو لیکر وہاں پہونچتا ہوں۔ یہ کہنا تھا کہ میرے کاٹو تو خون نہیں فوراً ہی سپرنڈنٹ کے پیروں میں گر پڑا اور گڑگڑا کر التجا کی کہ لاش کو مجھے یونہی لیجانے دو اور میں اسکا کسی سے تذکرہ نہیں کرونگا۔ بہت دیر کی خوشامد کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ پہلے میں اُسکو اصلی حالت پر لے آؤں پھر اُس کی درخواست پر غور کیا جاویگا۔ میں نے فوراً چیلے کے دو تین گھونسے کلہ پر اور دو تین شانہ پر لگائے کہ وہ اُچھل کر یہ جا وہ جا۔ اُسکا بھاگنا تھا کہ سپرنڈنٹ نے لپک کر مجھے پکڑ لیا اور دغا بازی سے روپیہ حاصل کرنیکا الزام لگا کر پانچ سال کی باشقت قید کرادی لیکن پہلا سال بھی ختم ہونے نہ پایا تھا کہ مجھکو بھاگنے کا موقع ملگیا اور یہی وجہ ہے کہ تم مجھکو اب آزاد زمین میں۔ آزاد آدمیوں میں شریف اور نڈر لوگوں کے گروہ میں دیکھتے ہو۔

"بسیاد حسین"

حیدرآباد کی حسرت ناک تباہی

حیدرآباد۔ عروس البلاد حیدرآباد۔ جو کہ ہندوستان کی جنت۔ امن وعیش کا گھر۔ اور چشمۂ فیض ہے۔ جسکے جود وسخا کا تمام ہندوستان مرہون احسان ہے۔ یہ اسکے بربادی کی داستان ہے۔ یہ وہ صدمہ ہے کہ اسکا ماتم ہر گھر میں ہونا چاہیئے۔ یہ وہ مصیبت ہے کہ اسکا رنج ہر دل میں ہونا چاہیئے یہ وہ غم ہے کہ ہر آنکھ کو اسپر آنسو بہانا چاہیئے کیونکہ یہ صرف حیدرآباد کی تباہی نہیں ہے بلکہ ملک کو اس سے نقصان پہونچا ہے۔

عظیم الشان قومی صدمہ ہے۔ یا اللہ تو پھر حیدر آباد کو جلد حیدر آباد بنا اور اس نقصان کی تلافی کر۔ آمین

ایڈیٹر

۲۸ ستمبر ۱۹۰۸ء دوشنبہ کا منحوس دن بھی ان قیامت خیز۔ عبرت انگیز۔ ہولناک دنوں کا ایک دن تھا جن میں صفحہ عالم پر عجیب دردناک۔ وحشت انگیز۔ جگر خراش انقلاب واقع ہوئے ہیں۔ کیا زمانہ کا الٹ پھیر ہے کہ اس نامبارک روز حیدر آباد فرخندہ بنیاد کو جو آج تک جملہ آفات ارضی و سماوی سے بالکل محفوظ و مصئون تھا وہ سخت روح فرسا صدمہ پہونچا کہ اس کی نظیر گزشتہ تاریخ میں کہیں نہیں ملتی۔ کوئی دل ایسا نہ ہوگا جو اس جگر فگار انقلاب سے متاثر نہ ہوا ہو اور جس نے اس مصیبت عظیم پر آہ سرد نہ کھینچی ہو۔ اور کوئی زبان ایسی نہ ہوگی جس پر عالم بیخودی میں کلمات افسوس نہ جاری ہوئے ہوں۔ جن آنکھوں نے نیرنگی قدرت کے اس حیرت خیز نمونہ کو دیکھا اور جن نظروں نے اس غمناک منظر کا مشاہدہ کیا ہی ان میں تو دنیا بالکل سیاہ ہوگئی ہی مگر جن کے کانوں تک یہ خبر وحشت اثر پہونچتی ہی ان پر بھی عجیب رقت طاری ہو جاتی ہے۔ اظہار رنج و محن کے لیے نہ آنکھوں میں آنسو باقی رہے ہیں نہ نوک قلم میں بیان کی طاقت ہے اور نہ زبان میں گویائی کی قوت۔ آہ! حیدر آباد ان دنوں کس بہار کے عالم میں تھا اسمیں ذرا بھی مبالغہ نہیں کہ صرف ہندوستان یا ایشیا ہی نہیں بلکہ دنیا بھر کے حاجتمند اس چشمۂ فیض سے سیراب ہوتے تھے۔ یہ ایک ایسا روشن چراغ تھا کہ اس کی شعاعیں اطراف عالم کو منور کئے ہوئے تھیں مگر ہائے! دیکھتے ہی دیکھتے ایک ایسا جھوکا آیا کہ وہ روشن چراغ ٹمٹمانے لگا ؎

زنہار از دو گیتی و انقلاب روزگار ٭ درخیال کس نہ گردد کانچناں گردد چنیں

اس انقلاب عظیم کی عبرت ناک داستان کا اختصار یہ ہے کہ اس سال برسات کا موسم بہت سخت اور غیر معمولی ثابت ہوا۔ ۱۸۹۵ء سے آج تک ایسی بارش حیدر آباد میں نہیں ہوئی تھی اور اگر اس مصیبت کا خیال کیا جاوے جو اس دفعہ کی برسات کی بدولت اس وسیع دلفریب شہر پر پڑی ہے تو ۱۸۹۵ء کے موسم بارش کی کوئی حقیقت نہیں رہتی۔ یوں تو ۲۸ ستمبر ۱۹۰۸ء کے کئی روز پیشتر سے مسلسل بارش ہو رہی تھی لیکن ۲۶ تاریخ سے اس میں عجب بربادکن تغیر واقع ہوا۔ دھواں دھار گھٹائیں جو پہلے ہی سے آسمان پر چھائی ہوئی تھیں بہت ترقی ہوگئی اور سخت موسلا دھار بارش ہونے لگی۔ صرف شہر ہی نہیں بلکہ اس کے گرد و نواح اور اضلاع میں بھی اسی زور سے مینہ برس رہا تھا۔ ایک لمحہ کے لیے مینہ تھمتا نہ تھا اور اس شدت سے بارش ہو رہی تھی کہ الاماں الحفیظ۔ حیدر آباد میں بارش کا سالانہ اوسط تیس[۳۰] اکتیس[۳۱] انچ ہے مگر اسوقت صرف چھتیس[۳۶] گھنٹوں میں سولہ انچ بارش ہوئی۔ برسات کی اس کثرت سے صرف بوسیدہ مکانات ہی نہیں بلکہ پختہ عمارتوں کو بھی صدمہ پہونچنے لگا تھا۔ مکان گرنے شروع ہوگئے تھے اور ان کے گرنے کی ہیبت ناک آوازیں کان میں دمبدم آرہی تھیں۔ اسوقت تک بھی خیر تھی لیکن اتوار (۲۷ ستمبر) کی شام کو موسی ندی جو حیدر آباد کے وسط میں بہتی ہی بڑے زور شور سے چڑھ آئی۔ ندی کے دونوں جانب بہت گنجان آبادی تھی اور شہر کے بہت آباد محلے اس کے دونوں کناروں پر واقع تھے۔ کسی کے حاشیہ خیال میں بھی نہ تھا کہ ندی کا پانی آبادی کے اندر تک پہونچ سکیگا۔ دوسرے روز سے رمضان کا مہینہ شروع ہونے والا تھا اور چونکہ رمضان میں عموماً شادی بیاہ کی تقریبیں موقوف رہتی ہیں اسلیئے باوجود شدت بارش

کے اتوار کے روز بہت ہی شادیاں منعقد تہیں۔ خصوصاً رود موسیٰ کے بہت قریب کے مقامات میں پچاسوں شادیاں ہو رہی تہیں۔ لوگ اپنے تئیں پانی کی رسائی سے باہر سمجھکر بہت مطمئن اور اپنے کاروبار میں منہمک سے تھے ادہر ندی کی طغیانی دمبدم ترقی پذیر تھی۔ حیرت ناک سرعت کے ساتھ پانی بڑہ رہا تھا۔ یہاں تک کہ پلوں کے اوپر سے پانی بہنے لگا اور ندی کے چاروں پل (پرانا پل۔ مسلم جنگ کا پل۔ افضل گنج کا پل۔ چادرگھاٹ کا پل) ٹوٹ گئے پھر تو پانی کی یلغار شروع ہوئی اور پانی ایک متلاطم سمندر کی صورت میں نہایت جوش و خروش سے پوری طاقت کے ساتھ آبادی میں گھس آیا اور چاروں طرف پھیلنے لگا۔ جو لوگ حفظ ماتقدم کے خیال سے پہلے ہی جان بچا کر بھاگ نکلے تھے وہی بچ سکے۔ دوسروں کو تو اس کی بھی مہلت نہ ملسکی۔ آہ! کیا دردناک وقت تھا۔ شہر کے وہ گنجان حصے جن کے ہزارہا مکانات حیدرآباد کی خاص زینت تھے بالکل غرقاب ہو گئے تھے اور پانی ہر چیز کو نگلتا اور فنا کرتا ہوا بڑے ہی زور کے ساتھ بڑھ رہا تھا۔ مکان دھڑا دھڑ گر رہے تھے بڑی بڑی مستحکم عمارتیں بیخ و بنیاد سے اُکھڑ کر فرش زمین ہو رہی تہیں۔ بیشمار آدمی عجب بیکسی اور بے بسی کی حالت میں ڈوب رہے تھے۔ ہزاروں تو مکانوں کے تلے دب کر مر رہے تھے۔ کیسے کیسے کڑیل جوان سخت شکستہ حالی اور بے دست و پائی کے ساتھ نہنگ اجل کے شکار ہو رہے تھے۔ کتنے نئے دُلہے اور تازہ دُلہنیں جنہیں میاں بی بی بنے کچھ ہی وقت گزرا تھا نہایت حرمان نصیبی کے ساتھ دریا برد ہو رہے تھے۔ چھوٹے چھوٹے کمسن بچے جن کے ساتھ والدین کی آئندہ کی تمام اُمیدیں وابستہ تہیں اور جن کو دیکھکر ماباپ بیحد نہال ہوتے تھے ماں کے دامان عاطفت سے موجوں نے اپنے آغوش میں لے لیا تھا

اور ان کی پیاری پیاری ننھی ننھی معصوم جانوں کے ساتھ عجب بیدردانہ سلوک ہو رہا تھا۔ آہ! پانی کی خوفناک لہریں ان بیش بہا منوں کو نگل رہی تھیں ہائے عجب حسرت خیز غمناک منظر تھا۔!!

اسی شدت کے ساتھ دھواں دھار بارش ہو رہی تھی اور سیلاب میں لحظہ بہ لحظہ ترقی ہی تھی۔ یہاں تک کہ دوشنبہ (۲۸ ستمبر) کے ۱۲ بجے دن تک رزیڈنسی کے صدر دروازہ تک پانی چڑھ آیا۔ افضل گنج کا ڈاکٹر خانہ۔ وکٹوریہ زنانہ ہسپتال۔ ڈاک خانہ وغیرہ اور اکثر دفاتر سرکاری بالکل غرق ہو گئے تھے۔ میلوں تک جدھر نگاہ کام کرتی تھی پانی ہی پانی تھا۔ شہر ایک جزیرہ بن گیا تھا۔ ندی کی ایک جانب والے دوسری طرف کی آبادی کے حال سے مطلقاً بیخبر تھے پانی کے زور کی وجہ سے ٹیلیفیوں کے ٹوٹ جانے کے باعث اس ذریعہ سے بھی کیفیت دریافت نہ کیجا سکتی تھی۔ اسوقت عجب ہنگامۂ محشر برپا تھا جس کسی نے اس وحشت ناک سماں کو دیکھا اس کی بس یہ حالت ہوئی کہ کلیجہ چار چار ہاتھ اچھلنے لگا۔ ہاتھ پاؤں لرزنے لگے۔ بدن میں تھرتھری پڑ گئی۔ اور آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا۔ حیدرآباد کا نصف حصہ بالکل پانی میں غرق تھا۔ ہر طرف تباہی و بربادی کی تصویر تھی۔ دلوں پر عجب طرح کا بیم و ہراس طاری تھا۔ کسی کے حواس بجا نہ تھے۔ جو ہونٹ ہمیشہ مسکراتے رہتے اسوقت بالکل خشک اور جو چہرے رنج سے کبھی آشنا تک نہ تھے بالکل اُداس ہو گئے تھے۔ بڑے بڑے سورماؤں کا رنگ فق تھا اور چہروں پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔ مگر آہ! اس ہولناک آفت کے وقت بدنصیب فرقہ نسواں پر تو آلام و مصائب کا آسمان ٹوٹ پڑا تھا۔ ممکن نہ تھا کہ کوئی سنگدل بھی ان کی حالت زار پر اشک حسرت نہ بہائے آہ! ان کی ناگفتہ بہ حالت دیکھکر اس

بدحواسی میں بھی ہر شخص کا دل پگھل جاتا تھا اور ایک شقی القلب تک چار آنسو بہائے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ ہائے! وہ نئی نویلی دلہنیں جو چند ہی گھنٹوں پہلے سیکڑوں آرزوؤں اور ہزاروں ارمانوں کے ساتھ بیاہی گئی تھیں بے خانماں ہوکر کس حسرت نصیبی سے سخت بدحواسی کے عالم میں کسی محفوظ مامن کی تلاش میں سرگرداں پھر رہی تھیں۔ آہ! وہ باوقار عورتیں جن کی ہر حرکت اور ہر ادا سے نہایت باعصمت بی بی اور بیحد پرشفقت ماں ہونے کے قدسی اور علوی صفات ظاہر ہو رہے تھے بیکسی کی تصویر اور شکستہ حالی کی مورت بنی ہوئی سایہ دار درختوں کے نیچے پناہ گزیں تھیں۔ بڑے بڑے باثروت و باوقعت گھرانوں کی نازوں کی پلی ہوئی خاتونیں جنہیں کبھی عمر بھر میں دو قدم پیدل چلنے کا اتفاق نہ ہوا تھا اور جن کے اشارہ پر سیکڑوں مامائیں اور خادمائیں دوڑی آتی تھیں مضطربانہ حالت میں نہایت پریشان عام شاہراہوں اور سڑکوں پر ماری ماری پھر رہی تھیں۔

خدا خدا کرکے بارہ بجے سیلاب کی ترقی رُکی اور آہستہ آہستہ اسمیں تخفیف ہونے لگی۔ چند گھنٹوں میں پانی بہت کچھ اُتر گیا۔ دوسری صبح تک ندی بالکل اپنی اصلی معمولی حالت پر آگئی جہاں جہاں تک ندی کا پانی چڑھا تھا اور جن جن مقاموں میں اس کی تباہ کن لہریں خوفناک اژدہوں کی طرح پھنکاریں مارتی اور بل کھاتی ہوئی پہونچی تھیں ایک عالمگیر تباہی چھائی ہوئی ہے۔ میلوں تک شہر تباہ و تاراج ہوگیا ہے۔ بڑے بڑے محلّوں کا پتہ نہیں۔ یہ بھی نہیں معلوم نہیں ہوسکتا کہ کونسا محلہ کہاں آباد تھا وہ عالی شان عمارتیں جن کی تیاری میں لاکھوں روپے بے دریغ خرچ کئے گئے تھے مٹی کے کھلونوں کی طرح بہہ گئی ہیں۔ اُن مقامات پر جہاں دن دن بھر اور رات رات بھر میلے سے لگے رہتے تھے عجیب

وحشت ناک سناٹا چھایا ہوا ہے۔

افسوس برسوں کے بنے ہوئے بڑے بڑے گھر آنِ واحد میں تباہ و تاراج ہو گئے۔ پشتہا پشت کی جمع کردہ دولت آناً فاناً برباد ہو گئی۔ ممکن ہے کہ مال پھر جمع ہو جائے۔ گھر پھر بنجائیں۔ مگر آہ! وہ عزیز جانیں اب کہاں سے آئیں گی جو بیشمار تعداد میں نذرِ آب ہوئیں یا مکانوں کے تلے دب کر اپنے پیکرِ خاکی سے علحدہ ہونے پر مجبور ہوئیں ہر چیز کا نعم البدل نہیں ہوا کرتا۔ ہائے! ایک دکھیاری ماں اپنے ہونہار سعادتمند اکلوتے لڑکے کو جو اس کی زندگی کا سہارا تھا اور جسے طغیانی کی دراز دستیوں نے اس سے ہمیشہ کے لیے جدا کر دیا اب کہاں سے پائے گی۔ آہ! ایک مظلوم۔ وفا شعار۔ فرمان بردار۔ عصمت مآب بی بی اپنے غمگسار مونس اور جان نثار شوہر کو جس کے دم سے اس کی موت و حیات وابستہ تھی اور جن میں ظالم سیلاب نے ایک حسرت ناک مفارقت ڈالدی اب کہاں دیکھیگی۔ ہائے اس طغیانی نے کتنے ایسے خاندانوں کو تباہ و برباد کر دیا جو نہایت اطمینان و چین سے اپنی زندگی بسر کر رہے تھے دنیا کی تمام راحتیں ان کو میسر اور سارے جہان کی نعمتیں ان کے لیے مہیا تھیں محبت جو دنیا بھر میں سب سے بڑی نعمت ہے اُن کے سروں پر سایہ افگن تھی آہ! وہ دلکش مقام جو امن و عافیت اور خانگی مسرتوں کے مرکز تھے اور جن کے کونے کونے سے حقیقی مسرت کی بو آتی تھی کس بُری طرح برباد ہوئے۔ آہ! وہ مرد اور عورت جو ایک باقاعدہ معاہدہ کے بعد تمام عمر کے واسطے ایک دوسرے کے رنج و راحت میں شریک اور ایک دوسرے کی محبتوں کے مرکز تھے اور جن کی تمام خوشیاں اور جن کے تمام ارمان باہم متعلق اور متحد تھے کس بیدردی کے ساتھ جدا کیے گئے۔ ہائے! کتنے آدمیوں کی ہزاروں امیدوں پر پانی پھر گیا

سیکڑوں آرزوؤں کا خون ہوگیا۔ بیسیوں تمنائیں دل کی دل میں رہ گئیں بڑے بڑے ارمان پورے ہونے پائے۔ اور بہت سے ولولے ابھرتے ابھرتے بیٹھ گئے۔

آہ! جو لوگ پانی میں ڈوب کر یا مکانوں کے تلے دب کر مرنے سے کسی نہ کسی طرح بچ نکلے ان کی تباہ حالی کا تو کچھ نہ پوچھو۔ ہزاروں خانماں برباد آدمی درختوں کے نیچے یا میدانوں میں یا سڑکوں پر خانہ بدوش کنگالوں اور بھک منگوں سے بھی بدتر حالت میں بے سروسامان پڑے ہوئے ہیں اکثر متمول خاندانوں کو عیش و آرام کے بدلے فاقوں کی نوبت پہونچ گئی ہے۔ وہ لوگ جنہوں نے تمام عمر رنج و افلاس کی صورت نہ دیکھی تھی اور جنہیں عمر بھر عیش و آرام اور راحت و چین کے سوا کوئی کام نہ تھا نان شبینہ تک کو محتاج ہوگئے ہیں۔ آہ! انہیں اس وقت نہ پیٹ بھرنے کو ٹکڑا نصیب ہے نہ تن ڈھانکنے کو چھیتڑا۔ افسوس! جن کے ہاں گھوڑوں کو ہر وقت تین تین اور چار چار سیر دانہ دیا جاتا تھا ہائے! ان کے بچوں کو اسوقت پیٹ بھر کر کھانا نصیب نہیں۔ جنکے باورچیخانوں میں ہر وقت مختلف اجناس کی بوریوں کی بوریاں بھری رہتی تھیں آہ! آج ان کے بچے ایک ایک مٹھی چنوں کو ترستے ہیں۔ ہائے! وہ بیگمیں جو ہمیشہ کئی کئی گراں بہا جوڑے اپنی ماماؤں۔ اصیلوں میں تقسیم کرتی تھیں اسوقت خود ان کے بدن پر ثابت کپڑا موجود نہیں۔ **فاعتبروا یا اولی الابصار**

حیدرآباد کی تباہی کا یہ داغ دل سے کبھی نہ مٹیگا۔ اگر کوئی اسے بھلانا بھی چاہے تو نہ بھلا سکیگا۔ تمام دنیا اور اس کی ہمدردی اس زخم کا مرہم نہیں بن سکتی۔ وہ لوگ جنہوں نے اس سے قبل یا خصوصاً شاہزادہ ویلز یا کسی والیسرائے کی آمد آمد کے وقت اس شہر کو دیکھا ہے وہ اگر اسوقت اسے پھر اس حالت میں

دیکھیں تو ہرگز پہچان نہیں سکیں گے کہ یہ وہی بارونق دلفریب شہر ہے۔ آہ! دنیا کتنی ناپائدار ہے۔ !!!

یہ شہر وہ ہے کہ انسان جہاں کا دل تھا + یہ شہر وہ ہے کہ ہر قدر دان کا دل تھا
یہ شہر وہ ہے کہ ہندوستان کا دل تھا + یہ شہر وہ ہے کہ سارے جہاں کا دل تھا

مگر ہائے!

رہی نہ آدھی یہاں سنگ و خشت کی صورت + بنی ہوئی تھی جو ساری بہشت کی صورت

ع ۲

یہاں کی شام تھی مانند صبح نورانی | یہاں کے ذرہ میں تھی مہر کی درخشانی
یہاں کے سنگ سے تھا تیرہ لعل رمانی | یہاں کی خاک سے ہوتا تھا آئینہ پانی
یہ شہر وہ ہے کہ سایہ بھی نور تھا اس کا | چراغ رشک تجلی طور تھا اس کا

مگر افسوس!

پڑی ہیں آنکھیں وہاں جو جگہ تھی نرگس کی
خبر نہیں کہ اسے کھا گئی نظر کس کی ؂

(داغ)

آہ! اے رود موسیٰ! یہ تو نے حیدرآباد کے ساتھ۔ جنت نشان حیدرآباد رشک جنان حیدرآباد۔ انتخاب دو جہان حیدرآباد کے ساتھ کیا کیا۔! اے فتنہ پرداز ظالم! یہ تو نے کیسا ستم ڈھایا! اے دوست نما دشمن! تو کب سے تاک لگائے بیٹھی تھی! اے محسن کش احسان فراموش! کیا تجھے وسط شہر میں سے بہنے کی اسی لئے اجازت دی گئی تھی کہ اپنے ایسے محسن پر جس کی تو قدیمی زلہ ربا ہے یوں مظالم توڑے!۔ اے بیرحم ستمگار! ہم نے سنا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عصا، اژدہا بھی بنجاتی تھی لیکن اے رود موسیٰ! ہمنے تجھے اپنی آنکھوں دیکھ لیا!

آہ! اے بیوفا۔ فریبی پر دغا۔ سفاک! آخر تو مار آستین ثابت ہوئی! اے عیار! جفا ساز! یہ تو نے کیا دام تزویر بچھار کھا تھا! آہ! تو ہمیشہ کس طرح دبکی دبکائی سمٹی سمٹائی سکڑی سکڑائی حیدرآباد کے درمیان سے چپ چاپ گزر جاتی تھی! لیکن اے دغا باز۔ بے ایمان! یہ صرف تیری مکاری اور دھوکا دہی تھی! ہائے! تیری ظاہری صورت دیکھکر کبھی یہ خیال بھی نہ گزرتا تھا کہ تو کبھی اسطرح زہر اگلیگی!۔ مگر اے کینہ توز ناگن! اگر تجھے زہر اُگلنا ہی تھا تو کہیں اور ڈستی! یہ تو نے حیدرآباد کو کیوں تختۂ مشق ستم بنایا؟ آہ! تجھے خبر نہیں کہ حیدرآباد ان دنوں کس بہار کے عالم میں تھا؟ اس کی کیا شان و شوکت تھی؟ اس کی زائد از بیان دلبستگیاں اور اس کی خوش گوار دلچسپیاں اس کو دارالعشرت بلکہ جنت الفردوس بنائے ہوئے تھیں۔ یہ مینو سواد شہر مسرتوں کا سرچشمہ اور اقوام مختلفہ کا مرجع تھا۔ تمام دنیا کے لوگ اس طرف کھنچے چلے آتے تھے۔ اس کی زندگی بخش اور روح پرور ہوا اطراف عالم کے پژمردہ اور شکستہ دلوں کے ساتھ عجب تازگی بخش سلوک کرتی تھی۔ اس کی رعنائی اور دلفریبی ہر سیاح کے دل کو مسخر کئے لیتی تھی۔ ہائے! ایسے ہر دلعزیز عروس البلاد شہر پر تیرا دست ظلم کیسے بڑھا! حیدرآباد فرخندہ بنیاد جو آج تک زمانہ کی چشم زخم سے محفوظ اور حوادث ایام کی اُفتاد سے بالکل مامون و مصئون تھا اور جس کا مطلع ہمیشہ آلام و مصائب کی گرد و غبار سے صاف رہتا تھا آہ! تیرے ہاتھوں کس مصیبت میں گرفتار ہو گیا؟ ہائے! اے بے رحم فتنہ پرداز! تیری ظالمانہ اور وحشیانہ درازدستی کی بدولت اس کی رونق کا آفتاب غروب ہو گیا۔ اس کی خوش حالی کا بدر منیر گھنا گیا۔ اس کے عیش و تنعم کے ستارے ماند پڑ گئے۔ آہ! حیدرآباد کی بہار کا گلشن تباہ ہو گیا۔ اور اس پر ارضی و سماوی بلاؤں اور آفتوں کا آسمان ٹوٹ پڑا

ہاے وہ مقام جو رشک جنان اور انتخاب دو جہان تھا آن واحد میں نقش ماتم اور تصویر غم بن گیا! - اے ناخدا ترس! اگرچہ اب تو اپنی اصلی حالت پر آگئی ہی اور کچھ اپنی حرکتوں پر نادم و منفعل بھی معلوم ہوتی ہی مگر یاد رکھ! یہ بدنما دھبہ یہ سیاہ داغ۔ یہ کلنگ کا ٹیکا تیری مصفیٰ چادر آب پر ہمیشہ کے لئے باقی رہیگا اور کبھی کسی کے مٹائے نہ مٹے گا!!!

راقم

سید خورشید علی (حیدرآباد دکن)

حیدرآباد میں رود موسیٰ کی قیامت خیز طغیانی

سید خورشید علی صاحب کا مضمون درج ہونے کے بعد بنت نصرالدین حیدر صاحبہ کا اسی عنوان پر مضمون ملا۔ ہم اسکو بھی درج کر دیتے ہیں تاکہ دو مختلف تحریروں سے ناظرین کو اس ہولناک مصیبت کا مزید اندازہ ہوسکے۔ مضمون نگار صاحبہ نے ساتھ ہی ایک نقشہ بھی بھیجا ہی جو شروع میں طبع کیا گیا ہے۔

بنت نصیرالدین حیدر صاحبہ اپنی بہنوں سے حیدرآباد کی مصیبت زدہ بیواؤں۔ مسکینوں۔ اور یتیموں کے لیے چندہ کی بھی اپیل کرتی ہیں جسکی ہم نہایت زور کے ساتھ تائید کرتے ہیں کیونکہ مصیبت اور آفت میں کسیکی امداد کرنے سے بڑھکر کار ثواب کوئی نہیں ہے۔ امید ہو کہ ہماری رحم دل اور فیاض بہنیں فراخ دلی کے ساتھ اس فنڈ میں چندہ دینگی۔

اڈیٹر

جو ندی حیدرآباد دکن کے بیچ میں سے ہو کر گزرتی ہی۔ اُسکا نام موسیٰ ندی ہی اُس کی معاون کا نام عیسی ہی۔ یہ دونوں ندیاں حیدرآباد سے کئی کوس

اوپر کی جانب آپس میں ملتی ہیں۔ اور میلوں ساتھ ملکر بہنے اور بہت سے نالوں کو اپنے ساتھ لینے کے بعد دریا میں جا گرتی ہیں۔ رودموسیٰ اور رودعیسی بالکل ساتی ندیاں ہیں گرمی کے موسم میں بعض بعض مقامات پر سے تو بالکل خشک ہو جاتی ہیں اور بعض جگہ نالیوں کی طرح زمین پر پڑی رینگا کرتی ہیں۔ شہر حیدرآباد کے اندر اور بیرون شہر اس ندی کے بہت سے ٹکڑوں میں خشک موسم میں زراعت ہوتی ہے۔ فالیز بوئی جاتی ہے لوگ اسمیں رستہ چلتے ہیں غرض یہ خیال بھی نہیں ہوتا کہ یہاں کبھی پانی تھا موسم بارش کے آتے ہی جیسا کہ برساتی ندیوں کا قاعدہ ہے یہ ندیاں بھی جاگ اٹھتی ہیں۔ موسی ندی کا قاعدہ ہے کہ گرمی کے موسم میں کبھی اسمیں طغیانی نہیں آتی۔ الا اوپری مقامات میں کہیں زور کی بارش ہو جاتی ہی تو اسمیں بھی پانی دکھائی دینے لگتا ہے۔ بارش کے موسم میں ضرور ہے کہ کم سے کم دو تین دفعہ ندی میں طغیانی آئے۔ کیونکہ فصل کے عمدہ ہونے کی یہ بھی ایک نشانی سمجھی جاتی ہی۔ جب ندی چڑھی ہوئی ہوتی ہی (جسکو یہاں کے لوگ کہتے ہیں کہ ندی آئی ہوئی ہی) تو ہزارہا تماشائی جاکر دیکھتے ہیں اور فصل کے اچھے ہونے کی خوشیاں کرتے ہیں۔ کبھی کبھی اس ندی میں غیر معمولی طغیانی بھی ہوتی ہے۔ مگر بس اتنی ہی کہ بھرپور چلنے لگی۔ یا پلوں کے خانے پورے بھر گئے اور پانی چھلک کر بعض اُن گھروں میں بھی چلا گیا جو بالکل کراڑے پر نشیب میں واقع ہیں۔ آج سے پانچ سال پہلے جو ندی آئی تھی وہ نہایت غیر معمولی سمجھی جاتی تھی۔ کیونکہ پانی پلوں کے خانوں میں پورا بھر کر آدہ آدہ گز اور اونچا ہو گیا تھا۔ صرف اتنی ہی طغیانی سے بیرون و اندرون شہر کے کئی محلے بہہ گئے تھے لیکن سوائے دو چار جانوں کے آدمیوں کا بہت نقصان نہیں ہوا تھا۔ تاریخ اور بڈھوں کے زبان سے معلوم ہوا تھا کہ ایسی ندی دو سو برس پہلے آئی تھی۔ لیکن اسدفعہ کی طغیانی۔ طغیانی نہیں تی بلکہ قہر آلہی تھا۔

یہ طغیانی تاریخ دکن میں بے نظیر سمجھی گئی ہے۔ ہائے کونسی زبان لائے جو رود موسی کی اس دفعہ کی ناگہانی طغیانی کی مصیبت ناک داستان پوری پوری لکھی جائے جسنے ہزارہا جانیں۔ تقریباً ایک لاکھ مکان اور کروروں روپیہ کا مالی نقصان چوبیس گھنٹے کے اندر اندر کردیا۔

۲۷ستمبر کی رات (جو ستمگری کا چارج لیکر آئی تھی) اور ۲۸ستمبر کی صبح حیدرآباد والوں پر صبح قیامت سے کم نہ تھی۔ یوں تو آٹھ روز سے بے فصل و بلا فصل بارش ہو رہی تھی بادل پر بادل گھمنڈ کر آتے تھے اور جا بجا جوں پانی برس جاتا تھا مگر ہفتہ کے دن تین بجے سے ایسی گھٹا چھائی۔ جسنے انجام کار چوتھائی حیدرآباد تباہ کردیا۔ شب بھر اور دوسرے سارا دن بغیر ایک منٹ تھمے ایسا موسلا دہار پانی پڑا کہ لوگ کہتے تھے "آسمان میں روزن ہوگئے"۔ بوندوں کی آواز نہ آتی تھی۔ بس ایک دڑیڑا تھا کہ افق سے زمین پر نازل ہو رہا تھا یا پانی کی رسیاں بندھی ہوئی تھیں جو ٹوٹنے یا ٹوٹنے کا نام نہ لیتی تھیں۔ رود موسی کمبخت رود موسی جو شہر و بیرون شہر کو اپنے دونوں کناروں پر لیے ہوئے بل کھاتی ہوئی کوسوں بہتی چلی گئی ہے بھرپور آرہی تھی رفتہ رفتہ اسکی طغیانی بڑہنی شروع ہوئی چونکہ اسکی پانچ برس پہلے کی سفاکی سے لوگ ڈرے ہوئے تھے۔ اسلئے اب بھی سہمنا نظروں سے اسکے غصہ کو دیکھ رہے تھے اس ظالم بیرحم کی ہر موج وقتاً فوقتاً پہلی موج سے بڑہتی چلی جاتی تھی۔ آسمان کا پانی (جسکا اندازہ ہوا ہے کہ ۲۴ گھنٹے کے اندر بتدریج ۱۷ انچ پڑا) اور ندی کی طغیانی کنارے پر رہنے والوں کی جان نکالے ڈالتی تھی۔ شہر کے گرداگرد جسقدر تالاب تھے سب لبلب ہوگئے تھے۔ آخر آسمان اور زمین کے بدلے ہوئے تیور رنگ لائے۔

۲۷ستمبر یعنی پیر کی شام سے ندی کا بے پناہ پانی پھنپھناتے ہوئے سانپ

کی طرح سمت مغرب کے کنارۂ جنوبی وشمالی کے نشیبی گھروں میں گھسنا شروع ہوا۔ اللہ اکبر ایک ہنگامۂ محشر بپا تھا۔ غریب بیکس جان کے ساتھ اسباب زندگی کے لیے بلبلا رہے تھے۔ جو سمیٹا سمائی میں لگے وہ پانی کی رو میں موت کے حوالے ہوئے جنکو پولیس نے کھینچ کھینچ کر نکال لیا۔ اُنکی تمام جمع پونجی اور سامان زیست دریا برد ہوا۔ اونچے اونچے مکانوں اور ندی سے کسیقدر فاصلہ پر رہنے والے پانچ سال پہلے کے اندازہ پر سمجھے ہوئے تھے کہ پانی ہمارے گھروں تک پہنچ نہیں سکیگا اُنمیں سے کچھ تو سوگئے۔ کچھ لالٹینیں لے ہوئے ندی کے تاؤ بہاؤ دیکھتے پھرے۔ پانی بتدریج بڑہتے بڑہتے آخر اُنکے گھروں میں بھی گھسنا شروع ہوا۔ سونے والوں کا تو کچھ کہنا ہی نہیں۔ خدا جانے کدہر سے کدہر بہتے ہوئے پہنچے۔ ایسے سوئے کہ پھر نہ جاگے۔ جاگنے والوں نے صرف اپنی جانیں بچائیں جنھوں نے کچھ اثاث البیت بچانا چاہا۔ اُن پر مکان گرے یا ندی کی لوٹ بغل میں دبا کر چلتی بنی۔ کہتے ہیں کہ لوگ کوٹھوں کوٹھوں بھاگتے پھرے۔ درختوں پر چڑھ چڑھ گئے مگر پانی کے زبردست بہاؤ نے کسی کو بھی نہ چھوڑا (الا ماشا اللہ) جن جن جگھوں پر پناہ لی اُنکو جڑ پیڑ سے اُکھیڑ کرلے گیا۔ اللہ کی پناہ! ان سب کی بیکسی بیان نہیں کیجا سکتی

سمت مغرب میں یہ قیامت برپا ہو رہی تھی۔ اور مشرقی سمت کے کناروں کے رہنے والے جنکے گھروں تک ہنوز سیلاب نہیں آیا تھا اسی خواب خرگوش میں تھے کہ پانی یہاں تک نہیں آئیگا۔ جب عورتیں گھبراتی تھیں۔ اور اپنا پنجھڑا گدڑا سنبھالنا چاہتی تھیں تو مرد اُن سے کہتے تھے۔ گھبراؤ نہیں۔ جب آدہا شہر غرقاب ہو جائیگا۔ تب یہاں تک پانی آئیگا یہ خبر ہی نہیں کہ رات کے ختم ہونے سے پہلے پہلے اُس طرف قیامت برپا ہو بھی چکی۔ غرض ادہر والے اس تو تو میں میں تھے اُدہر رات آخر ہو رہی تھی اور موت مینہ اور ندی کی طغیانی کی صورت میں مونھ کھولے یکے بعد دیگرے کنارے

کے ہر محلے اور ہر حصۂ شہر کی خبر لے رہی تھی۔ جن محلوں پر پانی بھر چکا تھا وہ سب عالم آب معلوم ہوتے تھے۔ جو ہنوز بچے ہوئے تھے۔ اُن پر پانی کا غنیم یلغار کرتا بڑھا چلا آتا تھا۔ جن کی قضا نہیں آئی تھی۔ اُنھوں نے گاڑی۔ ڈولی۔ چھکڑا۔ پیدل غرض جسطرح ہو سکا سر پر پاؤں رکھکر اور سب کچھ خدا کے حوالے کر کے بے تحاشا بھاگنا شروع کیا۔ بعض اب بھی پانی کا رُخ دیکھ رہے تھے اور پانی کی موجوں کا یہ عالم تھا کہ گزوں اُچھلتی تھیں۔ اور جانوں۔ مکانوں اور بھاری سے بھاری چیزوں کو جنمیں عمدہ سے عمدہ فرنیچر وغیرہ سے لیکر غریبوں کی گدڑیاں تک تھیں ساتھ لیتی ہوئی اپنے سے زیادہ دور والوں کی طرف دست قضا بڑھا رہی تھیں۔ ہائے کس قیامت کی رات تھی۔ رات کیا تھی پہاڑ تھی ایک ایک منٹ ایک ایک سال معلوم ہوتا تھا کاٹے نہ کٹتی تھی۔

آخر خدا خدا کر کے رات ختم ہوئی اِدھر سپیدۂ صبح نمودار ہوا اُدھر پانی نے سمت مشرقی کے جنوبی کنارے کے شب کے بقیہ حصہ کی صفائی کرنی شروع کی۔ اب کیا تھا بھاگ مچ گئی۔ گو شب دوشنبہ نے شہر و بیرون شہر کے ایک معقول حصہ کا تصفیہ کر دیا تھا۔ لیکن تاریکی کی سیاہ چادر نے بے یار و مددگار جان دینے والوں اور حواس باختہ بھاگنے والوں کی کسیقدر پردہ پوشی ضرور کی۔ دن کے اُجالے میں جو کچھ ہوا وہ دیکھنے والوں کو مدت تک یاد رہیگا۔ بڑے بوڑھوں کی زبانی غدر ۱۸۵۷ء کی بھاگڑ اور اخبارات میں تسلی وغیرہ شہروں کی فتح کے وقت وہاں کی مخلوق کا بھاگنا پڑھا تھا یا کتابوں میں بعض مقامات کی تباہیوں کے حال دیکھے تھے۔ تو سُن نے ہی سے سن سنیاں آتی تھیں ۱۹۰۸ء کے ستمگر ستمبر نے اپنے اوپر گزروا دی۔ بڑے خوش نصیب تھے وہ جنکی گاڑیوں کو گھوڑوں نے کھینچا۔ نہیں تو کہاں کے گھوڑے۔ آدمی گھوڑے بنے ہوئے گاڑیاں کھینچ رہے تھے۔ کیسی کیسی محذرات بچوں کو لئے ہوئے

نوکروں کے غول میں چادر و برقع سے بلکہ بہت سی بے چادر ہی سڑکوں پر روتی پھرتی تھیں۔ مردکاٹھ کے پتلے معلوم ہوتے تھے کہ جن میں جان تو نہیں ہے مگر کسی اندرونی کل کے ذریعہ سے کام کرتے پھرتے ہیں۔ قلی۔ مزدور اور کرایہ کی سواریاں ڈھونڈھے سے نہیں ملتی تھیں۔ غریب کم معاش و بے معاش عورتیں۔ بیوہ بڑھیاں حسرت بھری نگاہوں سے اپنے گرتے ہوئے مکانوں کو دور سے دیکھکر ایک چیخ مارتی تھیں۔ اور پھر ایسی بیٹھ پھیرتی تھیں کہ اودھر مڑکر نہ دیکھتی تھیں۔ جو پناہ گزیں کسی ایسے محلے میں جاتے تھے جو کسی تالاب کی زد میں ہو وہاں تالاب کی رو سے اس محلے کے بھی بہہ جانے کا اندیشہ اُن کے پاؤں نہ جمنے دیتا تھا۔ غرض کوئی کونہ چین اور پانی سے پناہ کا نظر نہ آتا تھا اور خانہ بربادوں کو بہت کم دلجمعی نصیب ہوتی تھی۔ اعلیٰ حضرت خلد اللہ ملکہ نے فوراً اپنے محلات شاہی خانہ بربادوں کے لیے کھولدئے مضبوط مسجدوں۔ درگاہوں اور بہت سی عالیشان عمارتوں میں لوگ کھچاکھچ بھر گئے محفوظ محلوں کے رہنے والوں نے بڑی فیاضی سے مخدوش و سیلاب زدہ مقامات کے رہنے والوں کو اپنے ہاں جگہ دی۔

مستعد و رحم دل حکام و عہدہ دار اور بعض ہمدرد بنی نوع انسان اصحاب پر آب سڑکوں پر کشتیاں ڈالکر لوگوں کی جانیں بچانے کی کوشش کر رہے تھے۔ بہت سے ایسے بھی ننگ بنی نوع انسان لچے اور شہدے تھے جنھوں نے بجائے آدمیوں کے پانی میں سے بہتے ہوئے سامان خوب کھینچے۔ بلکہ مال و اسباب سے بھرے ہوئے خالی شدہ گھروں میں موقع پاکر گھس گئے۔ اور خوب موسا ایسے لوگوں سے اگر زندوں کی مدد کرنے کے لیے بہ منت کہا بھی جاتا تھا۔ اور بہت گراں اجرت پر بھی اُن کو بلایا جاتا تھا تو وہ اُس سے صفا کانہ منہ موڑکر ندی کا رُخ لیتے تھے۔ اور بے بُتا پانی میں گھر کر سرکار کی مزید تکلیف کا باعث ہوتے تو کہ چار و ناچار ہاتھی

بیچکر اُنکو نکالنا پڑتا تھا۔ امید ہی کہ ایسے لوگ اپنے کیفر کردار کو دونوں جہان میں پہنچینگے۔

اسوقت کہ تقریبًا دن کے دس بجے تھے۔ پانی چاروں پلوں کے اوپر بالس بالس بھرا اونچا اُتر رہا تھا۔ اور بلند بلند عمارتوں کی چھتوں سے ٹکرا رہا تھا۔ وکٹوریہ میموریل ہوسپیٹل کی خوبصورت عمارت۔ افضل گنج کا عالیشان شفاخانہ۔ صاحب رزیڈنٹ بہادر کے فرسٹ اسسٹنٹ کی کوٹھی واقع رزیڈنیسی ۔ سالار جنگ ثالث کا اعلیٰ درجہ کا آئل پینٹنگ کرہ جو مختار الملک اول کے زمانہ کا تھا۔ اور بعض سرکاری اعلیٰ دفاتر وغیرہ کو سرنگون کر چکا تھا۔ یا کھنڈر بنا رہا تھا۔ دو بجے تک پانی کا یہی حال رہا کہ یہاں آیا۔ اور یہاں آیا۔ اور بارش بھی تھم تھم کر برابر ہوتی رہی۔ آخر جونہی کہ بارش بالکل تھمی۔ کانوں میں آواز آئی کہ اب ندی کا رُخ پلٹا۔ یعنی اتار شروع ہو گیا۔ شام تک اُترتے اُترتے دونوں کناروں کے بیچ میں ایسی حالت پر آگئی جیسے کہ عمومًا موسم بارش میں ہو جایا کرتی ہی۔ لیکن پانی میں بالکل سکون نہیں پایا جاتا تھا۔ اس ندی کا قاعدہ ہی کہ چند گھنٹوں سے زیادہ اسمیں طغیانی نہیں رہتی اس دفعہ کی طغیانی نے کم سے کم ۲۴ - ۲۵ گھنٹہ کا طول کھینچا۔

خیر ندی کے اتر جانے سے ادھ موئی جانیں پھر ذرا زندوں میں آئیں سارا دن اور ساری رات تمام کاروبار بند رہے۔ کسی کے مونھ میں کھیل کا دانہ نہ گیا شب کو شاہی باورچیخانہ سے بڑی راحت کے ساتھ غربا کو کھچڑی تقسیم ہوئی۔ غریب تھلکہ زدہ دلوں نے آسمان کو گھڑی گھڑی تک تک کر اور دہشت ناک خواب دیکھ دیکھ خدا جانے کس طرح صبح کی تھی کہ دفعتہً ایک اور قہر ٹوٹا۔ ایک دم سے غلغلہ اُٹھا کہ حسین ساگر اور میر عالم کے تالاب ٹوٹ گئے۔ اور اب رہے سہے محلے بھی بہہ جائینگے۔ ہے ہے خدا اسوقت کی ہل چل بھی نہ دکھائے۔ نوکر نے کام چھوڑا۔ بیوی نے گھر چھوڑا

غریب بڑھیا نے کچے پکے چاولوں کی ہنڈیا سر پر رکھی۔ اور چل کھڑی ہوئی غرض ایک عام ہلڑ مچ گئی۔ رہی سہی بے پردہ ہوگئیں۔ شاید اسوقت کا سماں جو میں بیان کررہی ہوں۔ مبالغہ آمیز معلوم ہو۔ مگر ہرگز نہیں۔ خود میرا چشم دید واقعہ ہے کہ نواب محسن الملک مرحوم کی کوٹھی میں (جہاں ہم لوگ بھی گئے ہوئے تھے) ایک بی بی برقع میں لپٹی ہوئی اُفتاں وخیزاں آئیں۔ اور بغیر نقاب اُٹھائے ایسی دردناک چیخیں مارکر رونے لگیں کہ باوجود خود تالاب کی افواہ سے سراسیمہ ہونیکے بے اختیار میں اُن کی طرف متوجہ ہوگئی میں نے پوچھا آپ یہاں کیونکر آئیں۔ جواب ملا "خبر نہیں نوکروں نے یہاں لاکر چھوڑ دیا۔ ہائے خدا جانے گھر میں جو رہگئے اُن پر کیا گذری" اسواقعہ سے اسوقت کی گڑبڑ کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ پیچھے معلوم ہوا یہ وہ بی بی تھیں جنکے ہاں سواری موجود تھی۔ بارے بعض سمجھدار بیویوں اور ثقہ اور واقف کار مردوں نے ہر مقام پر فوراً اس خبر کی تکذیب کی اور سمجھایا کہ ارے یہ بدمعاشوں کا کرشمہ ہے کہ اسطرح دو بارہ گھر خالی کراکے رہے سہے مال واسباب پر ہتا پھیری کریں اور ایسا ہی ہوا۔ جونہی لوگ باہر نکلے بدمعاش اندر گھس گئے اور جتنا ہوسکا صفایا کیا۔ آخر افواہ اُڑی کہ سرکاری طور سے ایسے افواہ اُڑانے والے ماخوذ ہونگے۔ جب کہیں تھل بیڑا لگا۔

میں بیان کرچکی ہوں کہ پیر کی شام ہی سے شاہی باورچیخانہ سے کچھڑی تقسیم ہونے لگی۔ دوسرے دن منگل سے باقاعدہ رلیف فنڈ قایم ہوگیا جس سے کپڑا اور کھانا بڑی سرگرمی سے تقسیم ہونے لگا۔ کھانا تو کئی ہفتوں کے بعد بند ہوگیا لیکن کپڑا آجتک بنٹ رہا ہے دوسرے ہی دن سے صفائی کا کام بھی شروع ہوگیا ہزارہا مردہ لاشیں جانوروں اور آدمیوں کی موریوں اور نالیوں اور گرے ہوئے مکانوں کے نیچے سے نکلنے لگیں۔ جن کی عفونت سے شہر کی گلیاں سڑی ہوئی تھیں

لکھوکھا من غلہ تلف ہوگیا جسمیں سے کچھ تو بہہ گیا۔ اور کچھ سڑکر بازار اور سڑکیں متعفن کرنے
لگا یہ خراب شدہ غلہ بہا دیا گیا یا بھر بھر کر غاروں۔ گڑھوں اور ریلوں کی بنیادوں میں
ڈالدیا گیا۔ چونکہ پانی کے زور نے زمین کی ہفتاد پشت تک اکھیڑ ڈالی تھی۔ اکثر نل ٹوٹ
گئے۔ اب تک شفاف پانی نہیں میسر۔ جوش کرنے سے بھی پانی کی رنگت صاف
نہیں ہوتی۔ ریلوں کی پٹریاں ٹوٹ گئی تھیں۔ اسلئے تار اور ڈاک کا سلسلہ چندے
مسدود رہا۔ ابھی تک فصل کی پوری حالت معلوم نہیں مگر اتنا تو ضرور ہوا کہ بے اندازہ
پانی سے باغ اور چمن مرجھا گئے جن گھروں میں پانی گھس گیا تھا انکے چمن اور زیر درختی
کا تو بل کر ستیا ناس ہوگیا۔

اس ندی پر شہر اور بیرون شہر میں چار پل ہیں۔ جن کی خوبصورت و مستحکم عمارت
نے علاوہ شہر کی شان بڑھانے کے اندرون و بیرون کے اتصال میں پوری سہولت
پیدا کردی ہی ایک مسلم پل ہی جو سب سے آخر کا بنا ہوا ہے دوسرا نیا پل کہلاتا ہی۔ تیسرا
چادرگھاٹ کا۔ اور چوتھا پرانا پل ہے۔ یہ قطب شاہی زمانہ کا تعمیر کردہ ہے۔ اور
ایسا مضبوط ہی کہ جس طغیانی نے دوسرے تینوں پلوں پر گدھے کے ہل پھیر دئے اس
پل پر صرف اسکی اتنی زبردستی چل سکی کہ کچھ کھرنچیں آئیں اور وہ تمام مرمت بہا دی
جو سنہ ۱۲ ف کی طغیانی کے بعد اس پل کی ہوئی تھی۔ تاہم پورے ایک ہفتہ یہ حضرت
بھی ناقابل گزر رہے۔

جن محلوں پر پانی پھرا انکو کسی اونچی جگہ پر کھڑے رہکر دیکھا جاوے۔ تو حد نگاہ
تک ہتیلی نظر آتا ہے۔ یا جگہ جگہ اینٹ اور مٹی کے ڈھیر نظر آتے ہیں بعض مقامات کے
تو نشان نہیں پائے جاتے جن بازاروں میں رات دن کھوے سے کھوا چھلتا تھا اور

حیدرآباد کی گہما گہمی کا اندازہ ہوتا تھا۔ وہاں اب دو طرفہ کھنڈروں کا جلوس ہو کہ جسکے دیکھنے سے قلب اُلٹتا ہی۔ وہ پل جن پر ہر وقت جھمگٹے۔ گاڑیوں۔ موٹروں۔ ہاتھی اور گھوڑوں کی روندن سے جگہ نہ ملتی تھی اُن کی شکستگی اور بدبختی سے ڈر لگتا ہے۔ مکانوں کے کھنڈر اپنے مکینوں کو کھڑے رو رہے ہیں۔ مکین کچھ تو عدم آباد میں جا بسے کچھ در در کی ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہیں اور کچھ اُن تودہائے خاک پر جن پر سیلاب زدگی کا بھیانک پن برس رہا ہی بانسوں اور کھپچیوں کی جھونپڑیاں ڈالے ماتم زدہ بنے بیٹھے ہیں۔ وہ حیدرآباد جسکے باشندے جے جگرٹے پن میں ضرب المثل تھے۔ جسکے غریبوں میں بھی بہت کم ایسے تھے جنکی ذات کا مکان نہو۔ یا گھر میں ہزار پانسو کی زندگی نہو۔ پسنہاری اور مزدورنیوں تک کے جسم پر تولہ یا دو تولہ سونا اور دس بیس تولہ چاندی ضرور ہوتی تھی۔ آج اُسکے بہت سے دولتمند اپنے سرمایہ کا زبردست حصہ ندی کی بھینٹ چڑھاکر سراسیمہ پڑے پھرتے ہیں۔

غربا کی حالت واقعی ناقابل بیان ہی۔ ریلیف فنڈ سے کپڑے وغیرہ کی جو مدد اُنہیں ملی وہ غنیمت ہو گئی۔ ہمدردی نوع انسان لوگوں کا یہ حال ہی کہ بغیر تحریک چندہ ملے رہے ہیں۔ واقعی آدمی وہی ہی جو دوسروں کی مصیبت سے متاثر ہو۔ اور بُرے وقت میں کام آئے۔ مجھے امید ہی کہ میری جسقدر بہنیں اس مضمون کا مطالعہ کرینگے وہ سب اپنی اپنی حیثیت و حوصلہ کے موافق چندہ دیکر مصیبت زدگان حیدرآباد کی ہمدردی کا حق ادا کرینگی۔ یہاں کے ریلیف فنڈ کے آنریری خزانچی بنگال بینک کے مینجر صاحب قرار پائے ہیں۔ بہتر ہے کہ چندہ کی رقمیں اُنہی کے پاس بھیجی جائیں۔ مگر منی آرڈر میں یہ ضرور لکھدیا جائے کہ "بتحریک مس نصیر الدین حیدر" نیز مجکو بھی ساتھ ہی اطلاع دیدیجائے

اس عاجزہ نے یہ انتظام کیا ہی کہ جو چندہ میری تحریک پر آئے اُس کی باقاعدہ اشاعت مقامی روزانہ اخبار اور ہفتہ وار اخباروں میں ہوتی رہے چندہ دہندگان کو اختیار ہی کہ اگر وہ کچھ چھوٹی موٹی رقمیں بینک میں بھیجیں تو محرکہ کے نام بھیج سکتی ہیں۔ باقاعدہ رسید فوراً اُنکی خدمت میں روانہ کیجائے گی۔

آخر میں پھر میں اپنی بہنوں کی خدمت میں التماس کرتی ہوں کہ ضرور ضرور خود بھی چندہ دیں اور اپنے عزیزوں اور دوستوں سے بھی لیکر اس قومی فرض کو پورا کریں تاکہ اہل عالم سمجھ لیں کہ ہندوستانی عورتیں بھی خصوصاً شمالی ہندوالی بیویاں مردہ دل اور بے پروا نہیں ہیں بلکہ زندہ قوموں کی طرح اُن میں بھی اپنے ابنائے جنس کی رنج و راحت کی حس ہی۔

ایک نظم مشتمل بر واقعات طوفان اور ایک نقشہ طغیانی کا ناظرات خاتون کے ملاحظہ کے لئے اس مضمون کے ساتھ بھیجتی ہوں جس سے پانی کے چڑھاؤ کا پورا حال ظاہر ہوگا۔ راقمہ کا مکان ٹھگی جیل کے ایک سڑک بیچ تھا۔

مس نصیر الدین حیدر راز حیدرآباد دکن

ایک چھوٹی بچی کی عید

ہمارے دوست سید محمد یوسف قیصر یہ چھوٹی سی نظم عید کے موقع پر بھیجتے ہیں جس کو ہم خوشی سے درج کرتے ہیں۔

سید محمد یوسف صاحب ان لوگوں میں سے ہیں جنکو تعلیم نسواں سے خاص شغف ہے۔ ہمکو یہ خوشخبری بھی وہ دیتے ہیں کہ انکا ارادہ ہے کہ نومبر کے مہینے سے "الحجاب" نام کا ایک ماہوار رسالہ بھوپال سے

حضور ہر ہائنس بیگم صاحبہ والیہ بھوپال دام اقبالہا کی ظل حمایت میں عورتوں کے لئے جاری کریں۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ خداوند عالم ہمارے دوست کو ہمت دے اور انکے ارادہ کو پورا کرے۔ ہم دلچسپی کے ساتھ اس رسالہ کے نکلنے کا انتظار کر رہے ہیں۔

اڈیٹر

بھولی ناداں ننھی سی لڑکی
عید کے دن سویرے اٹھ بیٹھی

بچپنے کی خوشی کا منہ پہ اثر
کمسنی کی ہنسی تھی ہونٹوں پر

ماں سے کہنے لگی۔ اُٹھو امی
میری اک بات تو سنو امی

مجھکو کپڑے پہناؤ جلدی سے
اور سواری منگاؤ جلدی سے

میں تو۔ لو۔ آج کب سے ہوں بیدار
اور ہیں آپ نیندیں سرشار

اُٹھنے کا نام تک نہیں لیتیں
توبہ ! ایسی بھی نیند ہو نہ کہیں

ماں نے دو ایک کروٹیں بدلیں
کلبلائیں۔ تو آخر اُٹھ بیٹھیں

کھول کر آنکھ بیٹی کو دیکھا
کچھ ہنسی آئی اور کچھ غصا

بھولی لڑکی لپٹ گئی ماں سے
ننھی لڑکی لپٹ گئی ماں سے

ماں سے بولی۔ منگائیے کپڑے
مجھکو جلدی پہنائیے کپڑے

میں نہ پہنوں گی پارسی ساڑی
لائیے وہ بنارسی ساڑی

جسکو لائیں ہیں سی کے مغلانی
جسکو رکھ آئیں ہیں بی اُستانی

پیلی پھلور گرنٹ کا کرتہ
جلدی جلدی پہنادیا کرتہ

پہنیں جرابیں فینسی کالی
اُس پہ چھوٹی سی ایک گورگابی

بھولی لڑکی نے جو کہا وہ دیا
بھولی لڑکی نے جو کہا وہ کیا

کپڑے اپنے پہن چکی جو تمام
ماں نے آنکھوں کو دونوں چوم لیا
دادی نے دور سے بلائیں لیں
تیری اماں کی گود ٹھنڈی رہے
بڑھیا ہو جائے ماں کی آنکھ تلے
تیرے مکھڑے کی میں بلائیں لوں
صبح صادق تو میرے گھر کی ہے
تیری ماں کا کلیجہ سُکھ میں رہے
پیاری - دل کا مرے قرار ہے تو

اپنی ماں کو کیا ادب سے سلام
ننھے ہاتھوں کو دونوں - چوم لیا
خوب جی کھول کر دعائیں دیں
کھیرے ککڑی کی طرح پود بڑھے
اور دودوں نہائے پوتوں پھلے
آ - اِدھر آ - میں تجھ کو پیار کروں
روشنی تو اندھیرے گھر کی ہے
تیرا دشمن ہمیشہ دُکھ میں رہے
اس چمن کی سدا بہار ہے تو

تجھ پہ قربان - نثار عید کے چاند
یوں ہی دیکھے ہزار عید کے چاند

سید محمد یوسف قیصر - بھوپال

اڈیٹوریل

کچھ عرصہ سے ملک ایران جو ایک اسلامی سلطنت ہے بڑی ابتر حالت میں ہے - موجودہ بادشاہ کے باپ نے اپنی رعیت کو دستوری سلطنت کے حقوق عطا کئے تھے (دستوری سلطنت کا یہ مطلب ہے کہ رعیت خود اپنے میں سے لائق آدمیوں کو منتخب کر کے اُنکی ایک کمیٹی بناتی ہے جسکو پارلیمنٹ بھی کہتے ہیں اور کل سلطنت کا اختیار بجائے ایک شخص یعنی بادشاہ کے اس کونسل کمیٹی یا پارلیمنٹ کے ہاتھ میں ہوتا ہے) لیکن موجودہ بادشاہ کچھ ایسے کم عقل

واقع ہوئے ہیں کہ انہوں نے اپنی رعایا کو بالکل اپنے خلاف کر لیا ہے۔ تبریز ایران
کا ایک نامی شہر ہے وہاں پر کئی ماہ سے شاہ کی فوج محاصرہ کئے پڑی ہے اور شہر والوں
نے شہر پناہ کے اندر مورچہ بندی کر رکھی ہے۔ اور توپ اور بندوق کی لڑائی برابر
جاری ہے جس سے سیکڑوں آدمی ہر روز مارے جاتے ہیں۔ کچھ زیادہ عرصہ نہیں گذرا
کہ بارہ ہزار آدمی ایک دن میں مارے گئے تھے اسیطرح ایران کے دوسرے شہروں میں
بھی شاہی فوج میں اور رعایا میں لڑائیاں ہوتی ہیں اور ہزارہا جانیں تلف ہوتی ہیں
بادشاہ ہمیشہ وعدے کرتے ہیں کہ وہ اپنے باپکے دئے ہوئے حقوق پھر رعایا کو عطا کرینگے
اور اپنے خونخوار اور جابر وزرا اور لشکر سے اپنی رعایا کو بچا ئینگے لیکن اپنا وعدہ وہ
کبھی ایفا نہیں کرتے اور معاملہ روز بروز نازک ہوتا جاتا ہے۔ اُدہر روس نے اپنی
فوج کا ایک دستہ سرحد پر بھیجدیا ہے اور موقع دیکھ رہا ہے کہ ایران کی سرحد میں داخل
ہو کر سلطنت کے کسی حصہ پر قابض ہو جاوے۔ ادہر رعایا بالاتفاق شاہ کے خلاف ہے
اور کسیطرح اُنکے جبر اور ظلم اور تعدی کو برداشت نہیں کرتی ہے اُدہر شاہ خود ہیں کہ وہ
اپنی ضد پر قائم ہیں اور وعدہ خلافی پر وعدہ خلافی کئے جاتے ہیں حال میں ایران کی
بہت سی بیبیوں نے جمع ہو کر ملکہ روس اور ملکہ انگلستان کو تار دیا کہ وہ شاہ روس کو
اور شاہ انگلستان کو اسبات پر آمادہ کریں کہ وہ شاہ ایران کی ظلم اور سختی سے رعایا کو نجات
دلائیں کسقدر افسوس کی بات ہے کہ دُنیا میں چند اسلامی سلطنتیں باقی رہگئی ہیں اور انکی
بھی ایسی ابتر حالت ہو گئی ہے۔ خدا مسلمانوں پر رحم کرے۔

اسوقت ہندوستان کے ہر حصہ میں لوگ حیدرآباد کی آفت خیز طوفان سے آگاہ ہو چکے
ہیں۔ اس نمبر میں ہمنے دو مشہور نامہ نگار اہل حیدرآباد کے قلم سے طوفان کے حالات درج

کئے ہیں۔ دو مختلف حالات درج کرنے سے ہماری یہ غرض ہو تاکہ ایک مرد اور ایک پردہ
نشین بی بی کے مشاہدات کا مقابلہ کرکے ناظرین و ناظرات طوفان کی غارتگری کا پورا
اندازہ کرسکیں۔ ان مضامین کے ساتھ ہم ایک نقشہ بھی درج کرتے ہیں جس سے یہ اندازہ
ہو سکیگا کہ وہ ندی جو شہر کے بیچوں بیچ محض ایک لکیر سی دکھائی دیتی ہے وہ پہیلتے پہیلتے
مثل ایک سمندر کے شہر کے تمام آباد اور خوشنما محلوں کے اوپر پھیل گئی اور آن کی آن
میں حضرت نوح کے طوفان کی یاد تازہ کرگئی۔ اندازہ کیا جاتا ہے کہ پچاس ساٹھ ہزار
آدمی اس طوفان میں غرق ہوئے جنکی نعشوں کے سڑ جانے سے تمام حیدر آباد کی ہوا میں
اسقدر تعفن پھیلا کہ جو لوگ خالص ہمدردی سے نعشوں کو ڈھونڈھتے اور نکالکر دفن کرتے
یا جلانے کی کوشش کرتے تھے اُن سے ایک وقت کے لئے ایک گھنٹہ تک بھی متواتر منہدم
شدہ حصوں کے قریب کھڑا ہنوا جاتا تھا۔ طوفان کیا تہا خدا کا قہر تہا۔ جو لوگ رات کو چین
سے اپنے گھروں میں سوئے وہ صبح کے وقت اس دُنیا سے عدم میں پہونچ گئے۔ مائیں
ننھے ننھے بچونکو اپنے کلیجے سے لگاکر اطمینان سے اپنے مکانوں میں سوئیں لیکن اجل نے
اُنکو یہ موقع ندیا کہ پہر دوسری مرتبہ اپنے لخت جگر کو اپنے کندہے سے لگاکر اپنے روزانہ کاروبار میں مشغول ہوں۔ ایک لکھپتی اپنے ہوا دار محلوں میں سمور اور سنجاف کے بچھونے پر
سو رہا تہا اور ایک مظلوم بیوہ اپنے خس پوش کے نیچے جسم سے پانی ٹپک رہا تہا اور
کہیں اُسے بیٹھنے کی جگہ نہیں ملتی تھی ایک کونے میں بیٹھی اسبات کے انتظار میں تہی کہ کب
بارش تھمے کہ میں اپنی کھری چارپائی پر پڑکر چند گھنٹے کے لیے سو جاؤں لیکن ندی کے
طوفان نے اُس امیر کو جو دولت اور عیش و آرام کو مالک تہا اور اُس غریب بیوہ کو ایک
ہی وقت میں اپنے اپنے مقامات میں جا پکڑا اور ایک کے عیش و عشرت اور دوسرے کی مصیبت کا

ایک ہی وقت میں خاتمہ کر دیا۔ سیکڑوں عورتیں بیوہ ہو گئیں۔ بچے یتیم ہو گئے۔ مردبے گھر ہو گئے عمر بھر کا اندوختہ جو آئندہ زندگی کا توشہ تھا آنکی آن میں غارت ہو گیا۔ عجب بے بسی کی حالت ہے۔ ہمکو اسقدر فاصلہ پر محض حالات کے سننے سے اسقدر صدمہ ہوتا ہے اور ہمارے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں لیکن جن لوگوں پر فی الواقع یہ مصیبت آئی اُن کی تکلیف اور رنج کا ہم کیا اندازہ کرسکتے ہیں۔ ہم اب اُن مصیبت زدہ لوگوں کی بجز اسکے اور کیا امداد کرسکتے ہیں کہ مصیبت زدہ بیواؤں اور یتیم بچوں کے خورونوش کے لئے بہ تحریک مس نصیرالدین حیدر صاحبہ کچھ چندہ دیں۔

زنانہ نمائش کے متعلق ہم اس سے پیشتر اعلان دیچکے ہیں کہ امسال امرتسر میں نمائش ہوگی ہماری خواہش ہی کہ ہمارے کل ناظرات اس نمائش میں ہماری امداد کریں اور خواہ اپنے ہاتھ کی اشیا اور خواہ دوسروں سے مُستعار لیکر نمائش گاہ میں بھیجیں۔ اس سے پیشتر ناظرات خاتون نے ہمکو بہت مدد دی ہی اور ہم اُنکے بہت مشکور ہیں۔ امسال ہم خصوصیت سے چاہتے ہیں کہ وہ نمائش کی کامیابی میں ابھی سے پورا اہتمام کریں اور اپنے ہاں کی دستکاری کی اشیاء بھیجنے اور بھجوانے میں کوشش کریں۔ ابھی اشیاء کی طیاری اور فراہمی کے لیے بہت کافی وقت ہی۔ ۲۰ دسمبر تک اشیاء امرتسر میں پہونچ جانی چاہئیں۔

ستمبر کے پرچہ میں یہ اعلان کیا گیا تھا کہ زنانہ اسکول ایک ماہ کے لئے بند کیا جاتا ہی اب ایک ماہ کے گذرنے کے بعد اسکول پھر کھل گیا ہی لیکن بیماری کی کثرت کی وجہ سے بہت سی لڑکیاں بیمار ہیں اور مدرسہ میں آنیکے قابل نہیں۔ محمدی بی بی صاحبہ ہیڈ معلمہ بھی بٹالہ میں بیمار ہیں اور اُنہوں نے لکھا ہے کہ اگر پھر بخار نہ آیا تو وہ ۲ نومبر تک علیگڈہ پہونچ جاوینگی

خوشخبری

ہم بڑی خوشی سے ناظرات خاتون و دیگر حامیان نمایش کو خوشخبری سناتے ہیں کہ جناب ہرہائنس بیگم صاحبہ جوناگڈھ نے امرتسر کی نمایش کے لیے ایک اول درجہ کا انعام مبلغ پچاس روپیہ کا اور دو انعام پچیس پچیس روپیہ کے اور سو روپیہ نقد واسطے اخراجات نمایش کے عطا فرمانیکا وعدہ فرمایا ہے۔ ہم نمائش کی بہت بڑی کامیابی خیال کرتے ہیں کہ ایسی جلیل القدر بیگمات نے اسطرف اپنی شاہانہ توجہ مبذول کی ہو۔ کل ناظرات کو اور دیگر پبلک کو بیگم صاحبہ کی ہماری اس ہمت افزائی کے لئے ممنون ہونا چاہیئے اور سکو یہ کوشش کرنا چاہیئے کہ وہ ہرہائنس ممدوحہ کا انعام حاصل کرسکیں۔

افسوس ہو کہ بنت نصیرالدین حیدر صاحب نے جو نظم اپنے مضمون کے ساتھ بھیجی تھی وہ عدم گنجائش کی وجہ سے ہم رسالہ میں درج نہ کرسکے۔

گذشتہ نمبر میں حضور انور نواب صاحب جنجیرہ و بیگم صاحبہ کے سلطانی تمغہ پانے کی مختصر خبر لکھی گئی تھی جو اب صحیح اور مفصل طور پر لکھی جاتی ہو۔

حضور انور نواب صاحب جنجیرہ کو سلطان المعظم کی طرف سے عثمانی اول درجہ کا تمغہ مرحمت ہوا۔ مسٹر علی اصغر بیگ فیضی۔ سید محی حسن۔ سید سعید سردار اور ڈاکٹر ہاشم کھانی کو جو حضور انور کے ہمراہ تھے تیسری درجہ کے عثمانی کے تمغے عطا ہوئے۔

نواب بیگم صاحبہ جنجیرہ کو اول درجہ کا شفقت نشان جو جواہرات سے مزین ہو عطا کیا گیا اور مس عطیہ فیضی ہمشیرہ نواب بیگم صاحبہ کو دوسرے درجہ کا شفقت نشان مرحمت ہوا۔

انتقال پرملال

ہم نہایت غمگین و رنجیدہ دل سے مسز ممتاز علی صاحبہ اڈیٹرس تہذیب نسواں لاہور کی بیوقت

وفات کی خبر شائع کرتے ہیں۔ اڈیٹرس مرحومہ کی وفات سے تعلیم نسواں کے اہم کام کو ایک سخت صدمہ پہونچا ہے جسکی تلافی اسوقت ناممکن معلوم ہوتی ہے شمالی ہند کی شریف بیبیوں میں مرحومہ سب سے پہلی بی بی تھیں جنہوں نے اپنی بہنوں کی کمی تعلیم کے بُرے نتائج کو محسوس کیا اور اپنی عمر کے اخیر دم تک برابر مختلف پیرایوں میں انکی ترقی و بہبودی کے لیئے ساعی رہیں۔ ہمارے ملک میں عموماً اور مسلمانوں میں خصوصاً مستورات اول تو تعلیم یافتہ بہت ہی کم ہیں اور جو ہیں بھی اُن میں بہت ہی کم ایسی ہیں جن کو دوسرونکی بہتری کا خیال پیدا ہوا ہو اور جو عملاً کچھ کر رہی ہوں۔ مرحومہ اڈیٹرس صاحبہ شریف مستورات کے لئے ایک بڑا نمونہ اور مثال تھی اور رفتہ رفتہ اُنہوں نے اپنے اثر سے لاہور میں بہت سی اپنی ہمخیال بیبیاں پیدا کر لی تھیں جن سے اُن کو اپنے اصلاحی کاموں میں بہت مدد ملتی تھی۔ ہم مرحومہ کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہیں اور ہم اپنی ناظرات سے خواہش کرتے ہیں کہ وہ بھی مرحومہ کے لیے دعائے مغفرت کراتی رہیں ہمکو سید ممتاز علی صاحب سے نہایت سچی ہمدردی ہے اور خدا سے دعا کرتے ہیں کہ اُن کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

اسوقت تو سید صاحب موصوف ایک نہایت رنج اور ماتم کی حالت میں ہیں لیکن ہمیں امید ہے کہ کچھ عرصے کے بعد وہ مرحومہ کی سوانح عمری لکھکر شائع کریں گے جو ناظرات خاتون اور دیگر تعلیم یافتہ بیبیونکے لیئے ایک نہایت مفید تصنیف ہوگی۔

رجسٹرڈ نمبر اے ۲۷۱

خاتون

جلد ۵ | بابت ماہ نومبر ۱۹۰۸ء | نمبر ۱۱

اڈیٹر شیخ محمد عبداللہ بی اے ۔ ایل ۔ ایل ۔ بی ۔ سکرٹری تعلیم نسواں سکشن

فہرست مضامین

مضمون	مصنف	صفحہ
۱۔ سلطان المعظم	زہرہ نفیی صاحبہ	۴۱۷
۲۔ سوکن کا جلاپا	ر بیگم	۴۲۲
۳۔ ہمارا مستقبل	مومنہ صاحبہ از استھایاں	۴۲۹
۴۔ ایک شریف لڑکی	این جے بیگم صاحبہ	۴۳۲
۵۔ غم جانکاہ	بنت نذر الباقر صاحبہ	۴۳۸
۶۔ اتھانی مریم	سید خورشید علیصاحب	۴۴۳
۷۔ رقیہ بیگم	خدنگ	۴۴۵
۸۔ بقیہ شاہ کبر	اڈیٹر	۴۵۲
۹۔ اڈیٹوریل		۴۵۷

محمد عبدالسلام پرنٹر کے اہتمام سے
مطبع فیض عام علیگڑہ میں طبع ہوا

شیخ محمد عبداللہ بی اے پبلشر

خاتون

۱۔ یہ رسالہ ۴۸ صفحے کا علی گڑھ سے ہر ماہ میں شائع ہوتا ہے اور اسکی سالانہ قیمت (عہ) اور ششماہی ۱۲؍ ہے،

۲۔ اس رسالہ کا صرف ایک مقصد ہی، یعنی مستورات میں تعلیم پھیلانا اور پڑہی لکھی مستورات میں علمی مذاق پیدا کرنا،

۳۔ مستورات میں تعلیم پھیلانا کوئی آسان بات نہیں ہے، اور جبتک مرد اس طرف متوجہ نہونگے مطلق کامیابی کی امید نہیں ہو سکتی، چنانچہ اس خیال اور ضرورت کے لحاظ سے اس رسالہ کے ذریعہ سے مستورات کی تعلیم کی اشد ضرورت اور بے بہا فوائد اور مستورات کی جہالت سے جو نقصانات ہو رہے ہیں اس کی طرف ہمیشہ مردوں کو متوجہ کرتے رہینگے،

۴۔ ہمارا رسالہ اس بات کی بہت کوشش کریگا کہ مستورات کے لیے عمدہ اور اعلیٰ لٹریچر پیدا کیا جاے جس سے ہماری مستورات کے خیالات اور مذاق درست ہوں اور عمدہ تصنیفات کے پڑہنے کی اُنکو ضرورت محسوس ہو تاکہ وہ اپنی اولاد کو اُس بڑے لطف سے محروم رکھنا جو علم سے انسان کو حاصل ہوتا ہی معیوب تصور کرنے لگیں،

۵۔ ہم بہت کوشش کرینگے کہ علمی مضامین جہانتک ممکن ہو سلیس اور بامحاورہ اُردو زبان میں لکھے جائیں،

۶۔ اس رسالہ کی مدد کرنے کے لیے اسکو خریدنا گویا اپنی آپ مدد کرنا ہی اگر اس کی آمدنی سے کچھ بچیگا تو اُس سے غریب اور یتیم لڑکیوں کو وظائف دیکر اُستانیوں کی خدمت کے لیے تیار کیا جائیگا،

۷۔ تمام خط و کتابت و ترسیل زر بنام اڈیٹر خاتون علی گڑھ ہونی چاہیے،

سلطان المعظم

اس سے پہلے مس زہرا فیضی صاحبہ ملک معظم سے ہزہائنس نواب صاحب جنجیرہ اور اُنکے ہمراہیوں کی ملاقات کا حال ہدیہ ناظرین کر چکی ہیں،

حضور نواب صاحب جنجیرہ مع ہمراہیوں کے یورپ کی سیر کرتے ہوئے قسطنطنیہ بھی تشریف لے گئے، جہاں سلطان المعظم نے بھی آپ کا اعزاز و اکرام فرمایا اور شرف ملاقات بخشا، اس ملاقات کا حال پھر مس زہرا فیضی صاحبہ نے ناظرین کی دلچسپی کے لیے لکھکر ہمارے پاس بھیجا ہے، جسکو نہایت شکریہ کے ساتھ درج کرتے ہیں،

اڈیٹر

مسٹر فٹزمارس کے ہمراہ حضور انور ہزہائنس نواب صاحب جنجیرہ یلدیز سرائے یعنی شاہی محل کی طرف تشریف لے گئے، برٹش سفارت کے بڑے ہال میں یہ لوگ جمع ہوئے جہاں بہت سے

ارکان دولت موجود تھے، سلطان لمعظم کے محل کے افسر بھی موجود تھے، ان لوگوں کے ڈیل ڈول قد وقامت اور شان نہایت تعریف کے قابل ہے، البتہ لباس فاخرہ نہیں تھے کیونکہ گرمیوں میں ہمیشہ سفید ڈبل کی وردیاں پہنی جاتی ہیں، وہاں تھوڑی ہی دیر ٹھہرے ہونگے کہ اتنے میں ایک اے۔ ڈی۔ سی یعنی یاور بلانے کو آیا، حضور اور انکے ہمراہیاں جلدی سے مسجد میں تشریف لے گئے، مسجد کے ایک خاص حصے میں حضور کو ٹھہرنے کے لیے کہا گیا جو ممالک غیر کے معزز مہمانوں کے لیے مخصوص ہے، حضور انور کو آگے بڑھا کے کھڑا کیا اور انکے ہمراہیاں پیچھے کھڑے رہے خود بدولت اپنی جگہ پر تشریف فرما تھے، بہت جلد نماز ختم ہو گئی خطبہ پڑھا گیا بعد ازاں سلطان لمعظم گاڑی پر سوار ہو کر روانہ ہو گئے۔

آتے وقت ایک شہزادے ساتھ تھے اور جاتے وقت وزیر اعظم اور کئی اور شہزادے ہمراہ گئے، بہت حشم اور دبدبہ سے یہ سواری جاتی ہے۔ گھوڑے مانند تصویر کے نہایت درجہ خوبصورت ہیں، سلطان کے باڈی گارڈ ایسے حسین جوان ہیں کہ سبحان اللہ،

بعد از نماز حضور نواب صاحب سفارت کے علاقے میں واپس گئے یہ حصہ محل شاہی کے متعلق ہے اور سفیروں کیواسطے ازراہ نوازش دیا جاتا ہے جہاں وہ آپ اور انکے معزز مہمان جاتے ہیں، یہ لوگ واپس آکر یہیں بیٹھ گئے کیونکہ مسٹر فٹنر مارس نے کہا کہ کسی کسی وقت خاص لوگوں کو سلطان یاد فرماتے ہیں بشرطیکہ تھکے ہوئے نہوں، ورنہ پھر اور کسی وقت پہ ملاقات ملتوی کر دی جاتی ہے۔

ذرا دیر بعد کوئی اہلکار آئے اور پیغام سلطانی سنایا کہ خود بدولت نے یاد فرمایا ہے۔ صرف حضور نواب صاحب اور مسٹر مارس گئے، گزرگاہ طے کر کے اخیر دروازہ ہے جس میں سے گزر کر چھوٹے کمرے میں داخل ہوئے اور وہاں بیٹھے، اس کمرے میں خاص کوئی بات نہ تھی جیسے سب جگہ ملاقاتی کمرے ہوتے ہیں ویسا یہ بھی تھا، اسکے پاس ایک اور بڑا کمرہ تھا جو

اچھا سجا سجایا نظر آتا تھا، تھوڑی دیر بعد امیر المومنین رونق افروز ہوئے، حضور نے جھک کر سلام کیا اُنھوں نے سر کو جنبش دی، بہت ہی ضعیف معلوم ہوتے تھے، آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتے تھے، قریب آگئے تو مسٹر فٹز مارس نے حضور کی شناخت کرائی، آپ نے ہاتھ بڑھایا اور حضور نے دونوں ہاتھوں سے آپ کا ہاتھ تھام کر بوسہ دیا سر اور آنکھوں کو لگایا پھر دل سے لگایا۔ حضور کے اس مودبانہ سلام سے خود بدولت بہت خوش ہوئے

سوال۔ تم کہاں سے آئے ہو۔

جواب۔ یورپ کی سیر کرتا ہوا یہاں وارد ہوا۔

سوال۔ کتنے روز یہاں ٹھہروگے۔

جواب۔ کوئی دو تین ہفتہ کا قصد ہے۔

پھر حضور نے یہ کہا کہ میں اپنی خوش قسمتی سمجھتا ہوں کہ امیر المومنین کے ساتھ مسجد میں نماز پڑھنے کا مجھکو موقع ملا اور شرف نیاز بھی حاصل ہوا، یہ واقعی مسرت خیز بات ہے اور جسوقت میری رعایا یہ بات سُنیگی یقین ہے کہ نہایت خوش ہوگی،

آپ نے فرمایا کہ میں بھی تم سے ملکر نہایت ممنون اور خوش ہوا، وہاں ایک چیمبر لین کھڑے تھے اُن کی طرف اشارہ کرکے فرمایا تم کو کچھ بھی کام ہو یا دیکھنا ہو تو ان سے کہنا یہ سب انتظام کر دینگے،

اسکے بعد ملاقات ختم ہوگئی، حضور نے اُسی طرح سلام کیا اور بغیر پیٹھ دکھانے کے آپ کی حضوری سے دروازے کی طرف چلے، انتہائی نوازش سلطانی یہ ہوئی کہ آپ بھی خدا حافظی کے لیے تقریباً دروازے تک آئے اور مسکراتے ہوئے وداع کیا،

حضور جسوقت باہر تشریف لائے مسٹر مارس صاحب نے کہا کہ سلطان آپ سے مل کر بہت خوش ہوئے کیونکہ جب کسی کی ملاقات سے خوش ہوتے ہیں تب ممنون منت کا لفظ استعمال کرتے ہیں،

سلطان المعظم نے اپنی شفقت شاہانہ سے حضور انور کے ہمراہیوں کو بھی تمغے عطا فرمائے جناب علی اصغر بیگ فیضی، سردار سیدی حسن، سیدی سعید، اور ڈاکٹر ہاشم لکھانی کو تیسرے درجہ کے عثمانی نشان دیے گئے اور مس عطیہ فیضی کو دوسرے درجے کا شفقت نشان مرحمت ہوا۔

حضور نواب صاحب مع ہمراہیاں الحمدللہ والمنۃ ۹۔ اکتوبر کو وارد بمبئی ہوئے، اپالو بندر پھریرے اور جھنڈیوں اور مختلف اشیاء سے مزین کیا گیا تھا اور حضور کی ریاست اور بمبئی کے معززین اور رعایا حاضر تھے۔ خیر مقدم کی بڑی گرمجوشی سے طیاریاں کی گئی تھیں بیانڈ کی عمدہ خوش آواز سے سبھوں کے دل اچھل رہے تھے، خوش آمدید کے الفاظ اور تہنیت ناموں سے فراغت کر کے اپنے قیام گاہ پر تشریف لائے جہاں کئی رشتہ دار منتظر اور چشم براہ کھڑے تھے۔

اسی شام کو ماونٹ ٹاور زپر حضور انور نواب صاحب بالقابہ کی خواہشدامن صاحبہ نے خیر مقدم کی ضیافت نہایت عمدہ کی جس میں کل رشتہ دار موجود تھے، باغ گلزار ہو رہا تھا جا بجا برمحل ابیات چسپاں تھیں اور ہر شئے سے جھلک انبساط کی نمایاں تھی۔

تاریخ ۱۹۔ اکتوبر کو حضور انور نواب سر سیدی احمد خاں جی۔ سی۔ آئی۔ ای اور نواب بیگم صاحبہ مع رشتہ داروں، ہمراہیوں، اہلکاروں، اور صوبیداروں کے سپیشل لانچبوٹ میں ۱۲ بجے روانہ ریاست جزیرہ ہوئے۔ اور ۴ بجے کے قریب لنگر انداز ہوئے، استقبال کے لیے کئی اہل ریاست اپنی سجی سجائی کشتیوں میں موجود تھے۔ خیر مقدم کے الفاظ جو کھٹوں میں بعض صاحبوں نے اپنی کشتیوں پر آویزاں کیے تھے، اور پھریرے اور جھنڈیوں سے آراستہ کر رکھا تھا، حضور انور نواب صاحب اور نواب بیگم صاحبہ اپنی اپنی کشتیوں پر سوار ہوئے اور کنارے پر پہنچے، سلامی کی گیارہ توپیں سر ہوئیں، بندرگاہ پر خلق اللہ کا ہجوم تھا، مارے خوشی و مسرت کے ہر ایک کی باچھیں

کھلی جاتی تھیں، منصب دار باقرینہ تعظیم سے کھڑے تھے لیکن انکے چہروں سے خوشی کا جوش نمایاں تھا، چوطرفہ شادمانی اور انبساط کی صدائیں بلند تھیں، ان کی کشتیوں کو آتے ہوئے دیکھکر ریاست کا باجا زور شور سے بجنے لگا اور بیانڈ کی صدا سے عجیب کیفیت طاری ہوئی۔

اس موقع کے لیے بہت بڑا شامیانہ نصب کیا گیا تھا جسے ہر صفت آرائش سے مزین کرکے خیر مقدم کے الفاظ اور خوش آمدید کے فقرے سنہری جلی خطوں میں اس خوبی سے چسپاں کیے گئے تھے کہ دیکھنے والے بے اختیار واہ واہ کہتے تھے، پھریرے اور جھنڈے خوشی سے اُڑ اُڑ کر ہوا میں لہراتے اور اتراتے تھے، امیر و غریب چھوٹے بڑے، غرض کل رعایا اپنے ہر دلعزیز حکمراں کے دیدار فرحت آثار کے لیے منتظر تھی، زنانہ سواری ریاستی دستور کے موافق فینسوں میں شامیانہ کے اُس حصے میں لائی گئی، جہاں کل رشتہ دار بیگمات دیوان صاحب کی صاحبزادی اہلکاروں اور صوبیداروں کی خواتیں اپنی محسنہ کے خیر مقدم اور استقبال کے لیے مشتاق ٹھہری ہوئی تھیں۔

ان لوگوں کا جوش انبساط انکے اطوار اور صورتوں سے ہویدا تھا، اس طرح اپنے سرپرست سے ملیں گویا برسوں کے بعد بچھڑے ہوؤں کو خدا نے ملایا ہو، چلمن کی آڑ سے دربار عام نظر آرہا تھا، حضور انور شامیانے میں تشریف فرما ہوئے اور خاص اس موقع کے لیے جو زرنگار تخت بچھایا گیا تھا اُسپر رونق افروز ہوکر حاضرین دربار کو اپنے دلی تاثیر کے اظہار کرنے اور جوش محبت کے کلام کہنے کا موقع دیا۔

لوکل بورڈ میونسپالٹی اور دیوان صاحب نے اُن مراتب اور واقعات کا ذکر کیا جو اثنائے سفر میں درپیش آئے۔ یعنی شہنشاہ ایڈورڈ معظم نے جو اعزاز بخشا اور ممالک مختلفہ میں جو توقیر اور عزت افزائی ہوئی اور سلطان روم نے جو تمغے مرحمت فرمائے اور آؤ بھگت کی اور مصر میں جو کچھ ہوا ان کل باتوں کو نہایت عمدگی خوشنودی اور فرط محبت سے بیان کرکے اپنے آقائے نعمت اور اپنی محسنہ کے بخیر و خوبی واپس آنے پر خجندہ پیشانی اور جوش و خروش

سے مبارکباد دی۔ اسکا جواب ویسے ہی شفقت اور محبت سے اپنے بہی خواہوں کو حضور انور نے دیا، مختلف سکولوں اور مدرسوں کے لڑکے اور لڑکیوں نے الگ الگ خوشی کے ترانے گائے۔ جن میں ۳-۴ کمسن مسلمان طالبات نے بھی اپنا اظہار مسرت نہایت شائستہ طریقہ سے کیا اور یہ واقعی نہایت خوشنودی کا باعث ہی کہ اسلامی لڑکیاں اتنی ترقی یافتہ ہوئیں۔

جب تہنیت ناموں کا دور ختم ہوگیا تو گلدستہ ہار عطر اور گلاب کی رسم ادا ہوئی اور سواریاں محل کی طرف روانہ ہوئیں، بندرگاہ سے قصر احمد (یعنی نواب محل) تک دو رویہ درختوں سے سرسبز کر چھوڑا تھا اور جابجا طرح طرح کی کمانیں نصب کی تھیں جن پر چیست اور برمحل فقرے سنہرے خطوں میں چسپیدہ تھے۔

تمام شاہراہیں پھریروں سے رنگین بنی ہوئی تھیں، قصر احمد اور احاطہ بہت ہی آراستہ و پیراستہ تھا، شب کو تمام شہر میں چراغان کیا گیا، خدا ہر فرمان واکو اسی طرح ہر دلعزیز بنائے آمین۔

زہرا فیضی

سوکن کا جلاپا

اس سلسلہ میں ہم ر بیگم صاحبہ کا مضمون درج کرتے ہیں، یہ نہایت خوش آیند بات ہی کہ اس تکلیف دہ امر کے انسداد کے لیے خود مستورات مستعد ہوتی جاتی ہیں، اور نہایت پُرزور احساس اس تکلیف کا ان کی طبیعتوں میں پیدا ہوگیا ہے۔

اڈیٹر

گزشتہ خاتون میں سوکن کے جلاپے پر ایک درد دل سے نکلا ہوا قابل قدر مضمون

بہن ع ب صاحبہ کا درج ہی۔ جسکے ایک ایک حرف سے سچی ہمدردی ٹپک رہی ہے۔
بہن موصوفہ کی راے درحقیقت قابل تقلید ہے اور ہر ہمدرد نسواں پر فرض ہی کہ وہ اس ہم
تحریک کو بغور دیکھکر بدل وجان کوشش کرے، بہن صاحبہ نے بہت ٹھیک لکھا ہے کہ اکثر
بہنیں مردوں کی دیکھا دیکھی سب الزام مستورات کے سر دہرتی ہیں حالانکہ اکثر اوقات بی بی
بالکل بے قصور رہا کرتی ہی، ہم نے بسا اوقات سُنا ہی کہ مستورات تو بے قصور رہا کرتی
ہیں اور مرد صرف اس نقص کے باعث کہ بیاہ کو عرصہ گزرا بی بی پُرانی ہوگئی اور ان کا دل
اس بی بی سے نہیں لگتا اور اُن کو اپنی پہلی بی بی سے نفرت سی ہونے لگتی ہے دوسرا
بیاہ کرتے ہیں،

جب ان سے دوسرے بیاہ کی بابت دریافت کیا جائے تو صرف یہی جواب دینگے
کہ اپنی مرضی، کیا خوب لڑکے کا کھیل چڑیا کی موت، آپ تو اپنی دل لگی کے لیے نئی نئی بیویاں
کیجیے اور مٹی پلید مستورات کی ہو، گویا پاؤں کی جوتی ہیں جو پُرانی ہونے پر بدل دیجاتی ہیں،
اگر ایسا ہے تو ہر سال ایک بیوی تبدیل کیا کیجیے گا تاکہ آپ کا دل اور زیادہ بہلے، ہم اس
موقع پر ایک سچا اور ہماری گھرانے کا واقعہ ذکر کرتے ہیں،

ایک گاؤں میں ایک معزز جاگیردار صاحب رہا کرتے ہیں جو کئی قصبوں کے سرپنچ
اور افسر ہیں، ان کی سالانہ آمدنی تقریباً پانچ سات ہزار روپیے کی ہی، انکا بیاہ اپنے ہی
گھرانے میں ایک مالدار بیوی سے ہوا، چونکہ وہ اپنے والدین کی اکلوتی لڑکی تھی اس لیے
اُنھوں نے بہت سی جائداد نقد زیور وغیرہ سب لڑکی کو دیا جسکی سالانہ آمدنی قریب پانچ چھ سو روپیے
کے تھی، دُلہن صورت شکل میں سو سے اچھی نہیں تو سو سے بُری بھی نہیں، ہم جیسی انسان
تھی، نہایت خلیق ملنسار، شیریں زباں، غرضکہ کوئی نقص اس بی بی میں نہ تھا، خدا نے ایک
لڑکی بھی عطا کی جس سے اولاد کی تمنا بھی پوری ہوئی۔

چند سال کے بعد دُلہن کے والدین نے انتقال کیا، میاں بی بی آپس میں محبت سے

رہا کرتے، میاں نے کسی ترکیب سے باتوں باتوں میں بیوی کے نام کی کل جائداد اپنے نام کرالی پھر کیا تھا پیٹ سے پاؤں نکالنے لگے، پہلے پہلے تو کچھ ناموافقت ہونے لگی، رفتہ رفتہ نوبت بدینجا رسید کہ مکان کا آنا جانا بند، بات چیت موقوف، پھر صاحب موصوف نے دوسرا بیاہ کیا بھی تو ایسے شریف خاندان میں کہ پناہ بخدا، نہیں معلوم انکے دماغ میں خلل ہوگیا تھا یا کیا انہوں نے ایک بدشکل بدوضع غیر قوم کی بازاری طوائف سے اپنا نکاح کیا وہ وہ چاؤ چوچلے اسکے ہونے لگے جسکا بیان نہیں، آخر نتیجہ یہ ہوا کہ کھانا پینا اٹھنا بیٹھنا سب وہیں روپیہ پیسہ کپڑا زیور لینا دینا سب وہیں گویا سارے گھر کے سیاہ وسفید کی مالک بنگئیں اور اب وہ مسز .... کے نام سے مشہور ہوئیں۔

اب ...... پہلی بیوی کی حالت غور کرنا چاہیے کہ ایک شریف خاتون کے لیے سوکن تو کجا سوکن کا خیال بھی کیسا شرمناک ہے۔ اسپر سوکن بھی ننگ عالم، گو مکان جدا جدا تھے تاہم یہ اُن کی دست نگر تھیں کیونکہ ماہانہ خرچ کے لیے وہ اپنے ہاتھ سے دس بارہ روپیہ اُٹھا کر دیتی، پہلے آپ کھا کر دس کو کھلا سکتی تھیں اب خود سوکن کی دست نگر ہو کر رہنا اور اپنی جگہ ایک غیر عورت کو راج کرتے دیکھنا ایک شریف عورت کے لیے اس سے زیادہ رنج وغم اور ظلم شاید ہی کوئی اور ہوگا۔

مگر یہ ہیں کہ زبان سے اُف تک نہیں کرتیں اور اس جگر سوز صدمہ کو چُپ چاپ سہ رہی ہیں، اب نہ کسی مہمان سے ان کو ملنے ملانے کی اجازت ہے اور نہ کسی کے یہاں آنے جانے کی طاقت، گویا اچھی بھلی عمر بھر کی قید ہے، کیا کریں بیچاری قہر درویش، بجان درویش، خاموش ہیں دن میں ایک وقت کھاتی ہیں دن بھر سوائے آنسو بہانے کے کچھ کام نہیں،

لیکن اس مظلومہ کا دل اپنے اس بیوفا ظالم شوہر کی ناانصافی اور ناروا ظلم پر کیا کچھ نہ کہتا ہوگا، یقین ہے کہ ضرور خدائے تعالیٰ جو سینے کے چھپے بھیدوں سے واقف ہے

اس صبر کا اجر دیگا اور ضرور اُنہیں اس ظلم کی سزا بھگتنی پڑیگی،

ایک اور صاحب کا ذکر ہی جو ایک معزز عہدہ پر ممتاز تھے، ان کی بی بی بہت مالدار تھیں اور انکے پاس بہت سا زیور تھا، بیاہ کے چند سال بعد اُنھوں نے ایک دن اثنائے گفتگو میں بیوی سے کہا کہ تم اپنا مہر جو اٹھارہ ہزار ہی مجکو بخشدو، بیوی نے کہا کہ تم کیسی باتیں کرتے ہو نہ میں انوکھی بیوی اور نہ تم نرالے شوہر اب تم کو یک بیک مہر کا خیال کیوں گدگدایا، زمانہ کا یہی دستور ہی کہ مہر صرف نام کے لیے مقرر کرتے ہیں ورنہ کون دیتا ہی اور کون لیتا ہی کچھ میں اب تم سے مہر طلب کر رہی ہوں،

میاں نے کہا کہ یہ بات تو نہیں لیکن مہر تم کو ضرور بخشنا ہوگا اگر تم خوشی سے نہ بخشوگی تو تم کو جبراً بخشنا ہوگا، میاں نے ہرچند کہا لیکن بیوی نے ایک نہ مانی اور کہا اے ہی تم کیوں ایسی بات زبان سے نکالتے ہو آج تم کو کیا سوجھی جو باتوں باتوں میں مجھ سے لڑ پڑے۔

غرض اسوقت بات گئی گزری ہوئی، دو تین بعد میاں نے باہر سے آکر کہا کہ گھبی تیار رہے تم میرے ہمراہ چلکر رجسٹرار کے روبرو اپنا مہر بخشدو۔

بیوی نے گھبرا کر کہا توبہ کرو توبہ تم کو ہو کیا گیا ہے شریف پردہ نشین خاتون کو دفتر و کورٹ سے کیا واسطہ، میاں نے بگڑکر کہا دیکھو میں ابتک تم سے نرمی سے پیش آرہا ہوں اب اگر تم میری بات نہ مانوگی تو مجھ سے بُرا کوئی نہیں، اتنا کہکر صاحب موصوف تلوار ہاتھ میں لیکر جان کا خوف دلاکر بیوی کو اپنے ہمراہ دفتر لے گئے اور پردہ میں بٹھاکر رجسٹرار کے آگے بیوی سے مہر بخشوایا۔

اسکے چند مہینے بعد بیوی اپنے میکے گئیں، میاں نے کہا کہ تم اپنا زیور وغیرہ میرے پاس رکھو سفر میں ہزار طرح کا کھٹکا ہی، غرضکہ اونچ نیچ کی باتیں بتاکر بیوی کا زیور اپنے پاس رکھ لیا،

میاں نے بیوی کے جانے کے بعد دوسرا نکاح کر لیا جب بیوی کو خبر ہوئی بہت

روئیں پیٹیں لیکن اب کیا ہونا تھا، خاموش ہوکر بیٹھ رہیں اور اس انتظار میں تھیں کہ آجکل میاں آئیں گے میں اپنے مکان جاؤں گی، اسی طرح چھ ماہ گزر گئے، اب یہ جائیں تو کس کے ہمراہ والدہ بیوہ بھائی بند کوئی انکا نہیں۔

ایک دن یہ خبر سُنی کہ شوہر کسی مہلک عارضہ میں مبتلا ہو گئے ہیں، بیوی نے بہت زور مارا کہ میاں کے پاس جائیں لیکن مجبور رہیں، چند روز بعد سُنا کہ میاں کا انتقال ہو گیا بہت روئیں اپنا سر پیٹا کئی دن تک کسی سے نہ بولیں، صاحب موصوف کے پاس پچاس ہزار روپیہ نقد علاوہ زیورات و فرنیچر کے تھا، اس میں سے حق مہر دوسری بیوی کو دیا باقی سب اُنکے بھائی اپنے مکان کو لے گئے ایک کوڑی کی چیز ان کے ہاتھ نہ لگی، ہاتھ گلے سے ننگی اپنی بیوہ والدہ کے پاس رہگئیں، کورٹ میں دعویٰ کیا وہاں سے صاف جواب ملا کہ مہر بیوی نے اپنی خوشی سے بخشدیا ہی اب رہا زیور سو میاں بیوی کا معاملہ ہے نہیں معلوم میاں نے لیکر کیا کیا، لیا یا نہیں اُنکے بھائی نے صاف طور سے انکار کر دیا کہ میں اپنی بھائی کی جائداد سے ایک حبہ نہیں جانتا میں صرف اپنے بھائی کی عیادت کو گیا تھا نہ کہ اسباب پیسہ وغیرہ لینے کو، چلیے فیصلہ ہو گیا،

اب بھلا انصاف کرو کہ بیوی کی اس حق تلفی سے اُنہیں کیا حاصل ہوا زیور پیسہ وغیرہ نہ اُنکے ہی پاس رہا نہ بیوی کے کچھ کام آیا، مفت میں بھائی صاحب نے دبا لیا، بیوی بیچاری مہر حق زوجیت سے بھی محروم رہی، ماں کا دیا ہوا روپیہ زیور بھی ہاتھ نہ لگا غرض سب چیزوں سے ناامید ہو گئیں،

صرف مثال کے طور پر دو مختصر حالات لکھے گئے اگر خصوصیت کے ساتھ ایسی ستم رسیدہ مستورات کے حالات لکھنا چاہو تو میں دعوی سے کہہ سکتی ہوں کہ اتنے حالات ملینگے کہ جسکے لیے ہر مہینے ایک خاتون جدا چاہیے۔

ہندوستان اے سیاہ بخت ہندوستان تجکو غریب عورت بدنصیب عورت کی

بد دعا لگی ہی ایشیائی مرد مستورات کے حقوق پائمال کیے دیتے ہیں مستورات کی اتنی آزادی کے بھی روادار نہیں جتنی کہ ہمارے سچے پاک مذہب نے عطا فرمائی ہی، دوسرے ملکوں دوسری قوموں میں کیسی قدر و منزلت مستورات کی ہو رہی ہے، یہ کونسے مذہب میں جائز ہے کہ مستورات پر ناحق کا ظلم کریں، ان کو اپنی پاپوش خیال کریں گویا انکے خیال میں ہم کو خدائے تعالیٰ نے دل و دماغ عطا نہیں کیا۔ اور ہمیں صرف اسلیے پیدا کیا ہی کہ مردوں کے ظلم و ستم سہتے ہیں اور زبان سے اُف نہ کریں، انکے نزدیک مستورات کا دل پتھر کا ہوا کرتا ہی جس میں کسی درد کا احساس نہیں، یہ شعر ہمارے حسب حال ہی،

ان کے نزدیک مرے دل کی حقیقت کیا ہے

ایک مٹی کا کھلونا تھا گرا ٹوٹ گیا

بعض مرد ایسے غافل اور صرف اپنے عیش و آرام کے خواہاں خود غرض، حقوق ناآشنا ہوتے ہیں کہ مظلوم مستورات کے نازک دلوں کو جو مردوں کے ظلم کے سبب غمگین ہوتے ہیں ایسا صدمہ پہنچاتے ہیں کہ وہ پاش پاش ہو جاتے ہیں، انکے سخت دل میں جسکو سنگ آہن سے بھی بڑھکر کوئی خطاب دینا چاہیے مطلق دوسرے کے درد کا احساس نہیں ہوتا، وہ دوسروں کی تکلیف کو تکلیف نہیں سمجھتے اور روز قیامت سے غافل ہو کر ناحق کا ظلم مستورات پر روا رکھتے ہیں۔

مگر انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ اُن کی اس غفلت اور ظلم کی سزا وہ خدا جو کبھی غافل نہیں ہوتا بُری طرح دیگا اور وہ ضرور اپنی پاداش کو پہنچینگے، مظلوم کے جلے دل کی آہ آسمانوں کو توڑ دیگی، خدا کے سوتے غصے کو جگا دیگی، دریائے غیظ کو جوش میں لائیگی، اور انہیں خوب اچھی طرح جاننا چاہیے کہ ہمارا اُن کا فیصلہ روز آخرت پر ہی۔ اور یہ بھی عنقریب ہے

آتا ہی وقت انصاف کا نزدیک ہے یوم الحساب

مردوں کو دینا ہوگا ان حق تلفیوں کا واں جواب

لے مرد و برائے خدا گوش حق نیوش کشادہ کرو مظلوم مستورات کی جگر خراش آہ کو سنو، سُنکر تجاہل عارفانہ سے کام نہ لو، بلکہ انصاف کرو، انصاف کرو تم میں سے اکثر منصف، مجسٹریٹ جج بھی ہیں جو لوگوں کا انصاف کرتے ہیں پہلے اپنے گھر کی خبر لو۔ برائے خدا انصاف کو کام فرماؤ اس طرح غافل مت بنو، چشم ہوش کھولکر دنیا کی طرف نظر کرو، مستورات نے غل مچا رکھا ہے، تمہارے ظلم و ستم سے تنگ آگئی ہیں اور زبان حال سے کہتی ہیں،

در و دیوار سے آتی نہیں نالوں کی صدا
بے اثر ہو گئے کیسے ترے نالے بلبل

تعجب ہے کہ تم لوگ جانتے ہو، پہچانتے ہو، سمجھتے ہو، پھر غافل بنجاتے ہو، برائے خدا طفیل رسول اپنے ظلم سے باز آؤ، اپنے مظلوم محکوم پر رحم کرو،

مجکو بہن ع ب صاحبہ کے قابل قدر مضمون کے ایک ایک حرف سے اتفاق ہے اور میں بھی زور شور سے اس کی تائید کرتی ہوں، ہم بیچاری مستورات سے اور تو کیا ہو سکتا ہے، صرف دعا کے لیے بارگاہ الہٰی میں ہاتھ اُٹھائینگے خدا ہماری دعاؤں کو قبول کرے۔

اثر فلک سے اُتر آ ذرا خدا کے لیے
کہ ہم نے ہاتھ اُٹھائے ہیں اب دعا کے لیے

حوادث کا طوفان موجزن ہے مصیبت کی رات ہر لحظہ تاریک ہوتی جاتی ہے افکار کی گھٹائیں مشکلات کے بادل گھرے چلے آتے ہیں، ہمدرد اگر ساتھ نہ دیں، غمگسار اگر یاری نہ کریں تو اسے ہر حال میں ایکساں رہنے والے اسے بیکسوں کے مددگار دنیا میں اگر کوئی ہمارا نہو تو تو ہمارا ہو،

خدایا میری بہنوں کی کمزوری پر رحم فرما اور انکا محافظ ہو، اسے غفور الرحیم تو

بیکسوں کا سہارا ہے، تو مظلوم مستورات کو اس بلائے عظیم یعنی سوکن کے جلاپے سے
محفوظ رکھ، آمین ثم آمین یارب العالمین
ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد، والسلام۔

رقیہ
ربیگم

ہمارا مستقبل

مقام استھاواں ضلع پٹنہ میں پندرہ رمضان المبارک کو وہاں کی معزز خواتین نے مجلس
مولود شریف منعقد کی تھی، اس میں مومنہ خاتون نے مندرجہ ذیل تقریر کی جو عام طور پر
پسند کی گئی،

اس تقریر کے دیکھنے سے ہمکو جو خوشی ہوئی اور ایک گونہ ہمارے دل کو جو اطمینان ہوا وہ یہ ہے
کہ حامیاں تعلیم نسواں کی کوششیں ملک میں مقبول ہوتی جاتی ہیں، اور خاصکر ہماری مستورات
ان کوششوں کو دل سے قدر کرتی ہیں، ہماری حوصلہ افزائی کے لیے اس سے بڑھکر اور
کوئی بات نہیں ہو سکتی،

اڈیٹر

خدا کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اب زمانہ نے جدید کروٹ بدلی ہے اور سلف کے قابل قدر
کارنامے اور آزادیاں خواب فراموش کی طرح یاد آتے جاتے ہیں اور ازمنہ وسطے کی بیجا
تقلید اور جہالت روز بروز پوچ و لچر ثابت ہوتی جاتی ہے، تعلیم نسواں اب ایک ضروری
امر قرار پاگئی ہے اور آیندہ نسل کی بہبودی و فلاح صرف اسی پر منحصر سمجھی گئی ہے اور یہ صرف
شہروں ہی تک محدود نہیں ہے بلکہ بڑے سے بڑے قصبوں اور چھوٹے سے چھوٹے
دیہاتوں میں بھی اسکا احساس ہونے لگا ہے، جس کی بدیہی مثال "انجمن اصلاح" ہے۔

جو استھایاں جیسے چھوٹے سے قصبہ میں عرصہ تین سال سے قائم ہی اور جسکے اہم ترین
مقاصد میں تعلیم نسواں بھی ہے، ہم کو انجمن مذکور کا مشکور ہونا چاہیے جس نے ہماری بستی
میں اس قسم کے مفید کاموں کا بیڑا اُٹھایا ہی اور اس میں ایک حد تک کامیابی بھی حاصل کر لی ہے
یہ کیسے مبارک ایام ہیں جبکہ ہم سب ایک جگہ جمع ہو کر جماعت کے ساتھ تراویح
پڑھتے ہیں اور کلام خدا دست بستہ سنتے ہیں، یہ کیسا مبارک زمانہ ہی کہ جب ہماری تمام
بہنیں ایک جگہ جمع ہو کر اپنے پیارے نبی کے پیارے حالات اور ام المومنین حضرت بی بی
عائشہ اور خدیجۃ الکبریٰ اور بی بی فاطمہ زہرا کے حالات سنتی ہیں اور پڑھتی ہیں، اور اُنکی
تحمل، بردباری، قناعت اور اطاعت پر عش عش کرتی ہیں اور یہ کیسی مبارک تاریخ آئی ہے
جبکہ ہم بہ آزادی تمام انجمن کی لائبریری سے اخبارات اور رسائل منگوا کر دیکھتے ہیں اور گھر
بیٹھے دنیا کی سیر کرتے ہیں اور "خاتون" "عصمت" اور تہذیب نسواں کے ذریعہ سے
آپس میں تبادلۂ خیالات کرتے ہیں، اے خدا تو ایسے زمانہ کو دائم قائم رکھ اور بارآور و باثمر
کر، ہمارے مردوں کی نیت میں خلوص دے اور اُنکے ارادوں کو کامیاب کر،

میری پیاری بہنوں! اس کامیابی سے جسقدر ہم کو خوش ہونا چاہیے اُس سے
زیادہ اُن اسباب پر غور کرنا چاہیے جس سے آیندہ ہمارے مردوں کے دل پر ہماری عزت
اور وقعت قائم ہو، اور دنیا جان لے کہ عورت کیا کر سکتی ہی اور اسکو مذہبی اور خاندانی امور میں
کس قدر دخل ہی اور یہ کہ ایک تعلیم یافتہ عورت کس طرح اپنی آیندہ نسل کو کامیاب بنا سکتی ہی،

اس بنا پر یہ سوال قائم ہوتا ہی کہ ہمارا مستقبل کیا ہونا چاہیے اور ہمارے آیندہ طرز عمل
اور دستور العمل کا کیا معیار ہوگا کیونکہ آیندہ نسل کی کامیابی یا ناکامیابی کا دار و مدار صرف ہماری
ہی ذات پر ہی اور اس کی باز پرس ہم ہی لوگوں سے کیجائیگی، پس ایسے موقع پر ہم لوگوں کی
غفلت اور دفع الوقتی کسی طرح مناسب نہیں ہے اور بہت جلد ایک ایسا دستور العمل مرتب کر لینا
چاہیے جو ہماری آیندہ زندگی کو کامیاب بنا دے،

اگرچہ مجھ جیسی ہیچمداں اور جاہلہ کے لیے چھوٹا مونہ بڑی بات ہے لیکن میں ایک دستورالعمل جسکو میں نے اپنی عقل کے مطابق تیار کیا ہے آپ کی خدمت میں پیش کرنے کی اجازت چاہتی ہوں اور امید کرتی ہوں کہ آپ تمام حاضرات اس سٹرن کی بڑکو بغور سنیں گی اور خذ ماصفا اور دع ماکدر پر عمل کرکے اسکی اچھی باتوں اور صلاحوں پر کاربند ہونے کی کوشش کرینگی۔

(۱) خدا اور رسول کی اطاعت کے بعد اپنے خاوند کی اطاعت ہمارا نصب العین ہونا چاہیے، کیونکہ ہمارے پاک مذہب کی بھی یہی تعلیم ہے اور ہماری دینی اور دنیوی فلاح وبہبودی بھی اسی پر منحصر ہے،

(۲) اپنے بچوں کی تعلیم وتربیت نہایت عمدہ اسلوب پر کرنی چاہیے یہی ہمارا سب سے بڑا فرض ہے اور اسی پر ہماری آیندہ نسل کی کامیابی اور ناکامیابی موقوف ہے اور اسکے لیے ضروری یہ ہے کہ ہم خود اپنے چال چلن اور طرز معاشرت کو درست کریں اور بچوں کی تقلید کے لیے ایک عمدہ نمونہ بنیں کیونکہ بچے فطرتاً مقلد ہوتے ہیں اور اپنے آس پاس کی چیزوں کی تقلید کرتے ہیں اور اُن کی آیندہ زندگی میں یہ تقلید فطرت کا کام دینے لگتی ہے، یہی وجہ ہے کہ جس خاندان میں اخلاق وتھذیب کی بنیاد مضبوط ہوتی ہے جہاں کفایت شعاری اور انجام فرائض کی تعلیم عمدہ اور پسندیدہ اصول پر ہوتی ہے، جہاں روزمرہ کے کاموں میں دیانت داری اور ایمانداری کا برتاؤ ہوتا ہے تو وہاں کی اولاد بھی دانشمند، مھذب، اور کفایت شعار ہوتی ہے، پس اے میری پیاری بہنو یہی وہ سب سے اہم اور دشوار فرض ہے جس میں محض ذراسی غفلت سے بڑے بڑے نقصان کا احتمال ہوتا ہے،

(۳) منجملہ اور تمام فرائض کے ہمارا سب سے بڑا فرض انتظام خانہ داری ہے، لیکن جس طرح ہم اور تمام باتوں سے بے بہرہ ہیں اُسی طرح اس سے بھی ناآشنا ہیں حالانکہ یہ تمام تر ہماری ہی ذات سے وابستہ ہے اور اس میں شک نہیں کہ آجتک ہم ہی اسکو انجام دے رہے ہیں لیکن ایسے بے ڈھنگے اور خراب طریقہ پر جس کی کوئی حد نہیں اس کی اصلاح

بھی بہت ضروری اور لابدی ہے۔

میری پیاری بہنوں! یہی وہ سب سے اہم اغراض ہیں جو ہماری ذات سے وابستہ ہیں جنکے بغیر ہماری آئندہ زندگی کبھی کامیاب ...... نہوگی، میری محترم بہنوں میں بصد التجا کہتی ہوں کہ اگر تم اپنی وہی عزت، وہی عظمت، وہی وقعت پھر چاہتی ہو جو سلف میں تھی تو اسی پیش کردہ دستور العمل کو اپنا طرز عمل بناؤ سلف میں بھی یہی باتیں تھیں،

رقیہ

مومنہ - از اصفہاناں

ایک شریف لڑکی

ابن جے بیگم صاحبہ کا یہ پہلا مضمون خاتون کے لیے آیا ہے جسکا درج نہ کرنا مضمون نگار کی ہمت توڑنا ہے، اسلیے درج کرتے ہیں، مگر یقین نہیں آتا کہ میاں احمد حسن جیسے مرد بھی ہوتے ہیں،

اڈیٹر

ہائے بدنصیب زہرا جیسی تو حسن کی دیوی ہے، ایسی ہی بانصیب ہوتی، تجھے کوئی ایسا شریف خصلت خاوند ملتا، جو تیری حیا، متانت، بردباری، اور صبر کی قدر کرتا، تجھے اس طرح عزیز رکھتا جیسے بلبل کسی پھول کو، کوئی غریب الوطن اپنے مسکن کو، اے کاش جہاں قدرت نے تجھے مجمع کمال پیدا کیا تھا، وہاں، کوئی ایسا ہی جامع الاوصاف بر تیری نوشتۂ تقدیر میں لکھدیتی، افسوس جیسے تو سب گنوں پوری تھی، ویسے ہی تیرا دولھا ہوتا،

آہ ایک دن تھا کہ تیرا سن صرف آٹھ یا نو سال کا تھا، بارہا، تیرا چلبلاپن ہی شوخی تیری ماں کو مجبور کردیتی تھی کہ وہ بے اختیار تنگ ہوکر، تیرے پیارے گلابی رخساروں پر تھپّے مار بیٹھتی تھی، جسپر تو روتی صورت بنا، زمین پر لوٹنے لگتی تھی، کبھی خاک میں اپنے چاند سے مکھڑے کو

ملتی تھی، اسوقت ہی تیرا بھبوت ملا ہوا چہرہ کیسا پیارا معلوم ہوتا تھا، کبھی اپنے پیارے پیارے ہاتھوں کا دھتر بناکر زمین پر دے مارتی، کبھی پیر زمین سے رگڑتی، یہ حرکات تھیں، لیکن شرافت تیرے بشرہ سے ٹپکتی تھی، ماں بیٹھی بیٹھی دل میں کڑھا کرتی، آخر ماں کی ماتما اسے تجھے کب تک اس طرح دیکھکر رہ سکتی تھی، سے تجھے جھٹک کر یہ کہتی ہوئی اٹھا لیتی، کم بخت، بے چین بچی، میں تو تیری ضد پوری کروں گی سسرال میں تیرے ناز کون اٹھائیگا، تو اسوقت اپنی شفیق ماں کی گودی میں بیٹھی ہوئی سسکیاں لے رہی ہے، کہ نیند کے غلبے نے تجھے بے خبر سُلا دیا، اب کسکا رونا، کس کی ضد، تو اب ایک اور عالم میں ہے، تیری ماں پیار سے تیرے رخساروں کو چومتی ہے، تیرا باحیا چہرہ تیرے ماں کے پیٹ سے لگا ہوا ہے، وہ فرطِ محبت میں کہتی ہے، "بانصیب زہرہ، میری آنکھوں کی تارا زہرہ، خدا تجھے بانصیب کرے تیرا خاوند تیرا مطیع اور ناز بردار ہو، تو پھلے پھولے، میں بھر پاؤں (دوبارہ مونھ چومکر) زہرا میری لخت جگر، اماں، تیرے اس چاند سے مکھڑے کے قربان جائے،"

تو یک لخت جاگ اُٹھتی ہے، اپنی نرگسی آنکھوں کو ملتی ہوئی سیدھی کمرے میں آتی ہے جہاں تیری گڑیاں ایک طاق میں نہایت قرینہ سے رکھی ہوئی ہیں، ایک کپڑا فرش پر الگ بچھاتی ہے، ایک ایک گڑیا کو نکالتی جاتی ہے، سینہ سے لگاکر رکھتی جاتی ہے، کبھی گڈے گڑیا کا بیاہ کرتی ہے، لیکن لے باحیا لڑکی کبھی تیرے دل میں یہ بھی خیال پیدا ہوا کہ ایک دن تو بھی اسی طرح بیاہی جا سے گی، ممکن ہے کہ ہو، لیکن یہ تجھے کب علم تھا کہ تیرا ایسے نکھٹو مرد سے پالا پڑے گا۔

یا تو تو ابھی گڑیوں سے کھیل رہی تھی، یا ابھی مٹی گھول کر مصنوعی ہنڈکلیاں پکانے لگی یہ تیرا زمانہ طفلی تھا، تھوڑے دن بعد تو نے عالم شباب میں قدم رکھا، اب وہ تیری شرارت اور چلبلاپن سب دور ہوا، اسکے بجائے حیا۔ شرافت، متانت تجھ میں آگئی، تیرا وقت اب گڑیوں میں صرف نہیں ہوتا، بلکہ تو ہر وقت سینے، پرونے، اور کاڑھنے میں مصروف

رہتی ہی کچھ گھنٹے کھانا پکانے میں صرف کرتی ہی، کچھ وقت تعلیم کو دیتی ہی، ماں باپ کی عزت کا پاس ہی، مذہب کا تجھے ضرور خیال ہی، تو جانتی ہی ہاں اچھی طرح جانتی ہے کہ اب تو اس گھر میں کچھ دنوں کی مہمان ہی، یہ گھر کی چار دیواری تجھے زیادہ عرصہ تک دیکھنا نصیب نہو گی، یہانتک کہ اپنی پیاری ماں باپ کی صورت بہی بھول جائیگی، ظالم تجھے گل کی طرح گلشن سے چھڑا دینگے،

یہ تیرے گزشتہ واقعات ہیں لیکن خدا معلوم اب تیرا ہر منٹ ہر گھنٹہ کیوں رنج والم میں گزرتا ہی، وہ رنگ نرہا، وہ روپ نہ رہا، آہ ماں کی چاہتی اور لاڈلی بیٹی، اپنی قسمت کو روتی ہی، اور کہتی ہی کہ ہاے ایک دن تھا میں کیسی بے فکر زندگی بسر کرتی تھی، آہ، مجھے کب معلوم تھا کہ میرا جہلس منڈاوا، ایک رذیل وکمینہ خصلت سے ہوگا، جسکو نہ قوم کی عزت نہ ماں باپ کا پاس، دن ہی تو اینڈنا، رات ہی تو پڑے رہنا، مردوے کو کھانے کمانے کا ڈھنگ ہی نہیں آتا، اللہ ایسے بھی مرد ہوتے ہیں، سورج نکلا گھر سے سدہارے، گئے گئے لوٹے تو شام کو، بیوی نے برا بھلا کھانا سامنے رکھدیا، صبر شکر کرکے کھالیا، دوسرے دن پھر وہی شغل، بیوی میاں کی فرماں بردار، میاں بیوی کا ناز بردار، گھرداری میں لطف، کھانے پینے کا مزا، نہیں تو کچھ ہماری طرح، کام کے نہ کاج کے، سوا سیر اناج کے، اول تو مردوا گھر میں ہی پڑا رہتا ہی، کسی دن نکلے تو بس دونوں جہان سے گئے، گھر کی کچھ فکر نہیں، سمجھے ہوئے ہیں کہ کسی نہ کسی سے لیکر پکا ہی لیگی۔ مغرب سے پہلے جو روٹی نہ پکے تو بس سوسو طعنے،

آگ لگے، دنیا ہاے دنیا، پھر بھی کہتی ہی کہ چلو سہاگ تو ہی، سر پر سرتاج تو زندہ ہے جھاڑو پھرے ایسے سہاگ۔ پیر مٹ جاے یہ سہاگ، بھاڑ میں جائے سرتاج، جب تن کو کپڑا پیٹ کو روٹی نہیں تو ایسے سہاگ کو کیا چولھے میں پھونکیں،

مجھے معلوم ہوتا تو کنوارپتے ہی میں بول پڑتی، کم بخت ہندوستان میں کیسی

بُری رسم ہے کہ جیتی جاگتی جان کو اس کی مرضی بغیر جسکو چاہا اسکے حوالہ کر دیا، وہ ناشدنی بولے، بے حیا کہلائے، چپ رہے، میری طرح سے مصیبتیں جھیلے، اب دن بھر کارخانے پر بیٹھکر سر رگڑوں، تو آپ بھی کھاؤں اور اسکے موہنہ کو بھی جھلسوں، کام مندہ ہو تو بس فاقہ اماں باوا چاہے غریب تھے لیکن یہ کبھی نہوا تھا،

شبرات کا مہینہ تھا، چاند دیکھے کچھ ہی دن ہوئے تھے، ان دنوں ہماری زہرا کے پاس کام بھی بہت آتا تھا۔ بیچاری علی الصباح، ابھی چڑیاں چوں چوں کرتی تھیں کہ وہ اُٹھ بیٹھتی اسی کاٹھ کے گھوڑے پر پہاڑ سا دن گزار دیتی، شبرات کا تہوار سر پہ تھا، اسوجہ سے کچھ جمع کرنے کے لیے اکثر رات کو بھی بیٹھتی، تھی تو آخر پُرانے خیال کی، چاہے عید کو بچے کپڑے بدلیں یا نہ بدلیں مگر شبرات خالی نہ جائے، سال بھر میں لے دیکے مُردوں کا ایکدن وہ بھی خالی گزرے،

غرض اسنے محنت اور کوشش کرکے چار روپیے جمع کیے تھے، صبح کا وقت تھا آج زہرا نے سویرے ہی گوٹے کو بڑہایا، پہلے میٹھا بنایا، قیمہ پالک کا ساگ پکایا، روٹیاں بھی کی تھی پکا ڈالیں، بارہ بجے منتظر تھی کہ کسی سے فاتحہ دلوائے کہ میاں احمد حسن (زہرا کا خاوند) لکڑی لیے ہوئے آئے، آج رات بھر سے غائب تھے (زہرا جلتی یا جلتی رات تو بیفکر اپنے یار دوستوں میں گزاری، صبح اُٹھے سیدھے گھر میں آئے، ادہر تو یہ ابتدا ہی سے پرلے درجہ کے نکھٹو، کام چور تھے بیوی ملی تو ایسی، جس نے گوٹے بن بنکر گھر کو چلایا، گھر میں بیکار بیٹھی رہتی، تو خود بھوکی مرتی، اسنے گزارے کی سبیل یہ نکالی، میاں اور بھی بے فکر ہوگئے، پہلے ہی دل میں سمجھ لیا تھا کہ بیوی نے شبرات منائی تو ضرور ہوگی، ہمارا حلوا کہیں گیا ہی نہیں،

زہرہ (طعن سے دل میں)، آئے ہیں جمعدار خدا خیر کرے، سر پہ ٹوپی ہے وضعدار خدا خیر کرے۔

احمد حسن کھوئی، حلوا کے قسم کا بنایا،

زہرہ مردہ دوزخ میں جائے، چاہے بہشت میں، تمہیں حلوے مانڈے سے کام، رات سے فکر نہ تھا، کچھ دے گئے تھے جو حلوا بن جاتا، اب کس مونھ سے پوچھتے ہو،

احمد حسن روز تو میں دے ہی جاتا ہوں،

زہرا۔ اللہ رے حوصلہ، نہیں دیتے، نہیں کماتے تو بڑی تعریف کی بات ہے، غیرتمند جو ہو،

احمد حسن لڑتی کیوں ہو، آج شبرات کا دن ہے، حلوا کھلواؤ، اس پرانے قصہ کے چھیڑنے سے مطلب کیا کہ دیتا ہوں یا نہیں،

زہرہ۔ ختم نہ درود، دلواؤ، ابھی اللہ کے نام کا نہیں دیا، کسی کے ہاں حصہ بخرا نہیں بھیجا، کماؤ مرد کو دیدو، تھوڑی سی دیدوں میں خاک،

احمد حسن دیدوں میں خاک ہوتی، تو میں کونڈا کبھی کا صاف کر جاتا، اور ہاں، اچھا یہ تو سنو کہ خاوند کو جس کی تعظیم شرع میں اسقدر واجب ہے، ایسے لفظوں سے یاد کرتی ہو،

زہرا۔ ہاں، میں بھی جانتی ہوں کہ خاوند کی اطاعت فرض ہے، لیکن جو مرد ہوں، عورت کے دست نگر نہوں،

احمد حسن دنیا میں دو ہی دستور ہوتے ہیں، یا تو بیوی میاں کی دست نگر، یا میاں بیوی کا دست نگر، یہ بھی خدا کی قدرت ہے کہ اب تم ہم کو اس درجہ حقیر سمجھنے لگی ہو، کیا ہم سدا ہی سے ایسے تھے،

زہرہ۔ نہیں تو تم لکھ پتی تھے، میں سنے تو یہی دیکھا کہ اماں جان بھی ہمیشہ کاٹھ کے گھوڑے پر سوار رہتی تھیں، اباجان کیا تھے، اُنھوں نے کسدن کمایا، میرے پہلے جو کچھ امارت ٹپکتی ہو تو خبر نہیں،

احمد حسن۔ بس بس تو گلا ہی کیا، باپ پر پوت پتا پہ گھوڑا، بہت نہیں تو تھوڑا تھوڑا، ہم بھی

تو انہیں باپ کے بیٹے ہیں، لو اچھا حلوا دلواؤ،

زہرا۔ بے غیرتی تیرا آسرا، خیر مغز نہ کھاؤ، جہاں رات رہے ہے وہیں حلوا بھی کھاؤ،

احمد حسن لے سب اتنی باتیں بھی کر لیں، پھر بھی حلوے کا وار نہیں آیا۔ خیر صاحب تم سچ اور ہم جھوٹے (کونڈے کا طباق اُٹھا کر) دیکھوں مٹھاس بھی ٹھیک ہے یا کہ نہیں،

زہرا، آگ لگے، ابھی تو فاتحہ بھی نہیں ہوئی، اتنا صبر نہیں کہ کچھ دیر ٹھہر جائیں،

احمد حسن۔ میں نے تو صرف چکھا ہی ہے اگر فاتحہ دلوانی تھی تو ہم سے پہلے کیوں نہ دلوالی

زہرا۔ مجھے تو تمہیں کھلانا ہی منظور نہ تھا اور نہ اب ہے،

احمد حسن۔ فاتحہ کے بعد ملیگا۔ چاہیے بھی یہی، بچہ رو رہا ہے اسے تو دیدو،

زہرا۔ کسی کو بھی نہیں ملتا،

احمد حسن۔ اب سمجھا بچہ بھی ہمارا ہی ہے (بیوی کے جلانے کے لیے ہنسی سے بچے کو مخاطب کر کے) سُن بے ہمارے خاندان کا یہی دستور ہے کہ بیوی کملائے، اور میاں کھائے تو بھی خوب مونچھ مروڑیو اور کھائیو، ہاں ایک فرض ہے۔ قطع نسل نہو، باپ کی نسل قائم رکھیو،

زہرا۔ شاباش بچہ کو بھی ابھی سے تلقین کرو، بیٹا تیری ددھیال میں یہی دستور ہے کہ بچے پیدا ہوں تو پالے کم بخت بیوی ہی،

احمد حسن۔ یہی تو میں بھی تعلیم دیتا ہوں،

زہرا۔ بس بس چلو میرا مغز نہ کھاؤ،

احمد حسن کچھ کھائیں بھی، کہتے تو ہیں کہ حلوا ہی دلواؤ،

زہرا۔ یا اللہ بولے ہی جاتے ہو،

احمد حسن۔ قسم لیلو جو چکھنے کے سوا کھایا ہو،

زہرا۔ لو بس فاتحہ دے لوں، تم بچے کو بہلاؤ،

اسکے بعد زہرا اُٹھی فاتحہ دلوائی، غربا کو دیا، کچھ حصے بھیجے، بعد میں سارے گھرنے ہنسی خوشی پیٹ بھر کر کھایا، اور خدا کا شکر بجالائے،

گو زہرہ، باحیا زہرہ، میاں کی صورت سے بیزار، اُس کی عادات سے متنفر تھی، لیکن پھر بھی اسکو خاوند کا پاس ادب تھا، کوئی یوروپین لیڈی ہوتی تو میاں کی بات بھی نہ پوچھتی لیکن زہرا تو ہندوستان کی شریف لڑکی تھی، فلاکت و ناداری سے تنگ آکر، اکثر اس بات کی تمنا کرتی تھی کہ اسکا خاوند بھی کماؤ ہو، چاہے غربت سے گزارہ ہو، لیکن محبت و سلوک سے گھر چلے، اسی وجہ سے میاں کو کبھی کبھی بُرا بھلا کہہ لیتی تھی، ورنہ اپنی محنت شاقہ سے اپنے خاوند کے اخراجات چلانا موجب فخر جانتی تھی، اُدھر بھی یہ بات تھی کہ جہاں میا احمد حسن نکھٹو تھے وہاں نرم مزاج بھی پرلے درجہ کے تھے، صرف ایک خاندانی عیب ان میں چلا آتا تھا کہ کمانا نہ جانتے تھے، لیکن زہرا اس بات کو جانتی تھی کہ نیک مرد کو نبھانا اور اُسکے ساتھ عمر گزار دینی تو ہوتی ہی آئی ہے، مگر بُرے آدمی کے ساتھ اپنے عیش و آرام کو خاک میں ملا کر گزار دینا، کارے دارد ہے،

اب بھی ہندوستان میں ایسی شریف خاتونیں بہت سی ہیں، جو مصیبت میں اپنی دیدہ ریزی سے اپنے بُرے خاوند کو نبھاتی ہیں، اور اپنے باپ بھائی کی عزت قائم رکھتی ہیں لیکن یہ نظیر سوائے ہندوستان کے اور کہیں نہیں ملے گی،

راقمہ
ابن۔ جے بیگم از پٹیالہ

غمِ جانکاہ

بنت نذر الباقر صاحبہ کی یہ قومی ہمدردی اور قدردانی نہایت ہی قابل احترام ہے کہ وہ اڈیٹرس صاحبہ مرحومہ تہذیب نسواں کی کوئی یادگار قائم کرنے کی تحریک کرتی ہیں،

لیکن اس تحریک میں اُنھوں نے یہ ظاہر نہیں کیا کہ کس قسم کی یادگار ہونی چاہیے، اور اُس کو عام بہنوں کی راے پر محول کر دیا ہے،

حقیقت میں مرحومہ کی خدمات اسی قابل ہیں کہ انکے لیے ضرور مسلمان خواتین کی طرف سے کوئی یادگار قائم ہونی چاہیے، اور اس یادگار کی نوعیت کو ہم خود بھی بیگمات ہی کی راے پر چھوڑتے ہیں،

اڈیٹر

صد حیف پڑا وہ کہ جو غم اُٹھ نہیں سکتا　　اس رنج کے لکھنے کو قلم اُٹھ نہیں سکتا

اتنے ہیں ہمیں رنج دیے ہائے اجل نے

ہر موت کا یہ ہم سے ستم اُٹھ نہیں سکتا

لے موت! یوں تو تیرا نام ہی ڈراونا ہی اور تیرا عمل ہر جاندار کے لیے سخت ہے، تیری مداخلت کی خبر خواہ کیسے ہی غیروں میں ہو افسوس سے سُنی جاتی ہے اور عزیزوں میں موت کا ہونا سخت ناقابل برداشت صدمہ ہی خواہ کیسا ہی ضعیف العمر عزیز جو اپنے دنیا کی کاموں کو انجام دیکر گوشہ نشین ہو چکا ہو اُسکو بھی تو جدا کر دے تو تھوڑے عرصہ کے لیے بیچینی ہو جاتی ہی، اور جہاں بیوقت یعنی عین عالم شباب میں تو چنگل مارے وہ تو سخت ہی مصیبت گنی جاتی ہی، پھر عزیزوں ہی کے واسطے، اور غیروں نے اگر افسوس کیا تو جوانی پر،

لیکن آہ ایسے مقام پر کیا کہا جاسے اور کیا کیا جائے جہاں نہ صرف کم عمری باعث افسوس ہو بلکہ اور بہت سی باتیں سخت باعث رنج ہوں جو موت قومی مصیبت ہو، جس جگہ تیری بیدردی سے کتنے ہی ضروری کام بند ہو جائیں جس کی جدائی نہ صرف اپنے لیے بلکہ قوم کے لیے رنجدہ ہو،

آہ ابتو آئے دن اس بدقسمت قوم کو ایسے ہی ایسے غم نصیب ہو رہے ہیں جو ناقابل برداشت ہیں وہ کمی واقع ہو رہی ہے جسکا بدل ناپید ہی، ابھی اکتوبر ۱۹۰۸ء میں

نواب محسن الملک مرحوم قوم کو منجھدھار میں چھوڑ کر چل بسے تھے، وہی غم دلوں سے نہ بھولا تھا کہ موت نے پھر ایک نیا صدمہ دیکر دُکھتے ہوئے دلوں کو ہلا دیا، آج فرقۂ نسواں کیلیے وہی وقت پیش نظر ہی جو اکتوبر ۱۹۰۷ئہ میں قوم کے لیے تھا،

آہ روز روز کہاں سے ایسے سخت دل لائیں جن میں قومی ماتموں کی طاقت ہو، انسان سے زیادہ کوئی سخت جان نہیں ہو سب کہتے آئے ہیں اور کہینگے لیکن اسوقت یہ صدمہ ناقابل برداشت معلوم ہو رہا ہے' ہائے دل میں بیان کرنے اور قلم میں لکھنے کی طاقت نہیں،

آہ کسنے تمام کام اور نیک ارادے ادہورے چھوڑے، کسنے اعلیٰ اعلیٰ خیالات و مفید نسواں تدابیر' بڑے حوصلوں کو لیے ہوئے بہ حسرت اس دنیا سے جدائی اختیار کی، ہائے یہ لکھنے کے لیے بڑا سخت دل کرنا پڑتا ہی کہ وہ ہماری قابل فخر و رہنما (کیونکہ سب سے پہلے روشنی کا رستہ اُنہوں نے ہی بتایا) ہماری محسنہ (کیونکہ اخبار جاری کرکے بے انتہا احسان کیا) ہماری سچی خیر خواہ (اسلیے کہ اپنی تھوڑی سی مدت عمر میں جو کام کیا مفید نسواں کیا) ہماری ہمدرد خاتونان ہند (زنانہ محتاج خانہ کھولا انجمنیں قائم کیں) ہماری فی زمانہ بمیثل لائق خاتون (کیونکہ اسوقت مسلمان زنانہ اخبار کی دوسری ایسی لائق اڈیٹر نظر نہیں آتی) ہاے کیسے لکھوں کہ اڈیٹر صاحبہ تہذیب نسواں نے ہمیں اس نازک حالت میں کہ بیدار کر لیا تھا اور ابھی کام کے قابل نہ بنایا تھا زنانہ ترقی کی ناؤ منجھدھار میں تھی، زینۂ ترقی کی اول سیڑھی پر قدم رکھا تھا کہ ہماری رہنما نے ساتھ چھوڑ دیا، آہ ۳- نومبر ۱۹۰۸ع کا دن وہ منحوس دن تھا کہ جس نے ایک کارآمد جان کو ہم سے الگ کیا، اسی دن ہماری قابل فخر اڈیٹر ہم سے جدا ہوئیں انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اسوقت یہ لکھنے کی ضرورت نہیں کہ مرحومہ کم عمر تھیں اسلیے افسوس ہی یا چھوٹا بچہ چھوڑا اسکا رنج ہی، یا گھر ویران ہوگیا یہ قابل افسوس بات ہی، نہیں یہ معمولی باتیں ہیں،

آئے دن بیویاں مرتی ہیں، گھر اُجڑتے ہیں، ننھے بچے بھی بن ماں کے رہجاتے ہیں اور پل جاتے ہیں، ہمیں جن باتوں پر دونا رنج ہو وہ اور ہی ہیں، اُن کی نظیر اسوقت مسلمان خواتین ہند میں نظر نہیں آتی ورنہ یہ صدمہ زیادہ قابل افسوس نہوتا، اڈیٹرس صاحبہ کے گذر جانے سے صرف جناب مخدوم مکرم بھائی سید ممتاز علی صاحب کا گھر ہی نہیں اُجڑا، اُن کی جدائی اُنکے معصوم بچے یا عزیزوں کے لیے ہی رنجدہ نہیں اُنکے ہونے سے بھائی ممتاز علی کا ہی حساب خانہ داری نہیں بگڑا بلکہ اُنکے گزر جانے سے ایک گھر ایک محتاج زنانہ سٹور کا بندوبست بگڑگیا، اُن کی جدائی اُنکے عزیزوں کے لیے ہی نہیں، بلکہ تمام تہذیبی بہنوں کے لیے سخت غمناک واقعہ ہے، جن جنکو یہ خبر ملگی جنکا تہذیب سے تعلق تھا روے بغیر نرہینگی،

آہ کیا کرتیں، خیرات فنڈ سے محتاج خانے کو کیسے اعلیٰ پیمانہ پر چلاتیں، آہ کیسے کیسے کام ہونے کو تھے جو بند ہو گئے، اسوقت جو خیال سخت رنجدہ ہے وہ یہ ہے کہ دوسری اس قابلیت کی بیگم مسلمان بہنوں میں نظر نہیں آتیں، ایسی لائق کارکن مسلمانوں میں سے نکالنی مشکل ہے، نواب محسن الملک مرحوم کے بعد نواب وقار الملک ملگئے لیکن آہ اڈیٹرس صاحبہ کے بعد کوئی نام نہیں ہے جس سے ایسی امید ہو،

اے مسلمان خواتین ہند! یہی موقع ہے اُس محبت اور خلوص دل کے اظہار کا جسکا بیج بذریعہ اخبار مرحومہ نے بویا تھا) وہ مرحومہ ہم تہذیبی بہنوں کو دل سے چاہتی تھیں اور ایسا ہی ہم اُن کو چاہتے ہیں، بس اسکا نتیجہ یہی ہونا چاہیے کہ اپنے گھروں میں رو پیٹ کر یا ایک دو خط منیجر صاحب تہذیب نسواں کو لکھکر بیٹھ رہیں بلکہ ہمیں اسوقت وہ کرنا چاہیے جس سے مرحومہ کی یادگار رہے، گو اُنھوں نے بہت سے وہ کام کیے ہیں جن سے اُنکا نام عرصہ تک رہ سکتا ہے اور خدا اُن کی اصلی نشانی و یادگار اُس بچے کو سلامت رکھے جس کی تربیت میں دل و جان سے کوشاں تھیں جس سے دوسری بہنیں بھی فائدہ اٹھا سکتی ہیں،

(یعنی بچے کی ابتدائی ریڈنگ کتابیں) لیکن ہمارا بھی فرض ہے کہ اپنی محسن اور کارگزار بہن مرحومہ کی یادگار اعلیٰ پیمانہ پر قائم کریں، معزز بہنوں جلدی اس طرف توجہ کرکے یادگاری فنڈ کھولدو، جیسے مرحومہ کی زندگی میں اُن کی تحریک پر بلاسوچ بچار کئے ہر نئے فنڈ میں چندہ دینے پر تیار ہوجاتی تھیں ایسے ہی اب بھی جہانتک ہوسکے جلدی چندہ جمع کرنے کی کوشش کرو،

اسوقت میں یہ نہیں کہہ سکتی کہ یادگار کس صورت میں قائم کرنی چاہیے یہ آپ سب کی رائے پر منحصر ہے جو کثرت رائے ہوگی ویسا کیا جائیگا، اسوقت زیادہ سے زیادہ میں یہی کہتی ہوں کہ جلد فہرست چندہ کھولدینی چاہیے، اور پہلے سے زیادہ دریادلی کو کام میں لائیں کیونکہ اب اسکے سوا ہم کیا کرسکتے ہیں،

میری معزز بہنوں! اس سے بڑھکر قابل افسوس بات اور کیا ہوگی کہ ہم یادگار اڈیٹر تہذیب نسواں بھی قائم نہ کرسکیں، بس میں اپنی تمام مسلمان خواتین اور خصوصاً تہذیبی بہنوں سے پھر مکرر سہ کرر کہتی ہوں کہ اپنے اس فرض کو پورا کرنے کی کوشش کرو، معزز اڈیٹر صاحبان عصمت، و پردہ نشین، سے بھی گزارش ہے کہ وہ اپنے پہلے نمبروں میں اس تحریر کو خاتون سے نقل کریں کمال مشکور ہونگی، میری آنکھیں سخت کمزور ہیں الگ الگ نہیں لکھ سکتی،

عصمت، و پردہ نشین یقیناً نومبر کے نمبر میں جگہ دینگے کیونکہ وہ زنانہ ہاتھوں میں جاتے ہیں امید ہے کہ میری آواز سُنی جائے گی، اب میں اس دعا پر ختم کرتی ہوں کہ خدا مرحومہ کو جوار رحمت میں جگہ دے، اور پس ماندگاں کو صبر کی طاقت، آمین ثم آمین،

خاکسار
بنت نذر الباقر

اُمہانی مریم

مسلمانوں کے عروج و اقبال کا بھی کیا زمانہ تھا! کہ اسکے خیال تک سے ایک عجیب مسرت پیدا ہوتی ہی، کسی قوم کی حالت کو جانچنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اُس کی عورتوں کی حالت کا اندازہ کیا جائے، جب ہم اس معیار سے اپنی گزشتہ حالت پر نظر ڈالتے ہیں جبکہ ہماری ترقی کا آفتاب نصف النہار پر تھا تو معلوم ہوتا ہی کہ اُس زمانے میں ہماری عورتوں کو وہ درجہ حاصل تھا جو خداوند عالم نے اُن کے لیے مقرر فرمایا ہی، تمام دنیا کے دوسرا اقوام اور دوسرے مذاہب کے مقابلے میں مسلمانوں میں عورتوں کا وقار زیادہ تھا، عورتوں کے دماغ تعلیم کی روشنی سے منور کرائے جاتے تھے اور انہیں معمولی نہیں بلکہ اعلیٰ درجہ کی تعلیم حاصل کرنے کا موقع دیا جاتا تھا، وہ اپنے جملہ فطرتی حقوق سے متمتع تھیں، اور اُس زمانے کا کوئی ایسا کام نہوتا تھا جس میں عورتوں کا بابرکت ہاتھ نہ لگتا ہو، اگر ہم اس زمانے کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو مشاہیر مردوں کے پہلو بہ پہلو مساوی تعداد میں انھیں اوصاف و خوبیوں سے متصف خواتین بھی بکثرت ملتی ہیں جنکے حالات آجکل کی بیبیوں کے لیے ازبس سبق آموز و حوصلہ افزا ثابت ہونگے،

ہم اسوقت ان کثیر التعداد خواتین میں سے جنکے واقعات زندگی تاریخ عروج اسلام کی خاص رونق ہیں ایک بہت بڑے پایہ کی عالمہ، فاضلہ اور شاعرہ خاتون کا ذکر کرنا چاہتے ہیں جس کی نظیر مردوں میں بھی کم ملیگی،

اس مقدس بی بی کا نام اُمہانی مریم تھا، اور وہ فاضل اجل شیخ نورالدین ابوالحسن خلف قاضی القضاۃ تقی الدین عبدالرحمٰن بن عبدالمومن ہورینی کی صاحبزادی تھیں، ۷۷۸ھ کے شعبان کے مہینے میں کتم عدم سے عالم وجود میں آئیں، انکے نانا بھی بہت

بڑے عالم اور فاضل تھے جنکا نام فخرالدین قایانی تھا، نانا ہی سے زیادہ تران کی تعلیم وتربیت کی، خداداد دماغ پایا تھا اور بچپن سے پڑھنے لکھنے کا بیحد شوق تھا، وہ ہمیشہ علمی مشاغل میں ہمہ تن مستغرق رہتی تھیں، حافظ قرآن تھیں، کئی سال کی متواتر اور مسلسل محنت اور بلیغ کوشش نے انہیں شہرت وکمال کے اعلیٰ شہ نشین پر بٹھلادیا، علم حدیث میں یگانۂ آفاق سمجھی جانے لگیں، تکمیل تعلیم کے بعد خود درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا، خوش قسمتی سے شاگرد بھی ایسے ملے جو اس یکتاے زماں خاتون کے شایانِ شان تھے اور جن میں اس یکتاے عصر کے فیض علم سے مستفید ہونے کی پوری قابلیت تھی،

چنانچہ وہ خود آسمان شہرت وناموری پر ستارے بنکر چمکے، اور زمانے میں اُنکی عظمت اور قابلیت کے ڈنکے بجنے لگے، علامہ جلال الدین سیوطی کو اسی فاضلہ کے تلمذ کا فخر حاصل تھا، اپنی مقدس زندگی کو اس بزرگ خاتون نے عامۂ خلائق کے فائدہ رسانی کے لیے وقف کردیا تھا اور وہ تادم زیست تشنگان علم کو اپنے دریاے فیض سے سیراب کرتی رہیں، بالآخر ۸۷۱ھ کے صفر کی آخری تاریخ کو پیام اجل پہنچا اور وہ خوش خوش عازم فردوس بریں ہوئیں،

خداوند تعالیٰ نے اس مقدس ومحترم خاتون کو جہاں بہت سی قابلیتیں اور قوتیں عنایت کی تھیں وہاں شاعرانہ دماغ بھی مرحمت فرمایا تھا اور وہ اس فن میں کامل دستگاہ رکھتی تھیں، بنظر اختصار صرف دوچار اشعار اس موقع پر نمونتاً ہدیۂ ناظرین کیے جاتے ہیں،

وھو ھذا

فکن حامداً للہ شاکر فضلہ علےٰ سائرالاحوال فی السر والجہر

ہر حال میں ظاہر وباطن خداے تعالیٰ کی حمد وثنا کیا کر اور اُس کی مہربانیوں اور عنایتوں کا شکر گزار رہ،

وکن ساجداً للہ مادمت قادراً　　لعلک تحظیٰ بالسیادۃ والفخرا

اور جہاں تک ہوسکے خداے تعالیٰ کی عبادت کیا کر تاکہ تجکو بزرگی و افتخار کا حظ حاصل ہوتا ہے

فیا ایہا الانسان لاتک جاہلاً　　واعلم بان اللہ ھو الکاشف الضرا

لے انسان! تو جاہل نہ بن اور جان لے کہ خدا ہی مصیبت کو دور کرنے والا ہے

وصل علی المختار اشرف خلقہ　　علیہ سلام اللہ فی اللیل والفجر

اور درود بھیج اُس نبی مختار پر جو اس کی ساری مخلوق پر فضیلت رکھتا ہے اُس پر رات دن اللہ کا سلام ہو

کیا آج بھی ہماری قوم میں کوئی اس پایہ کی خاتون مل سکتی ہے؟

راقم
سید خورشید علی

از سلسلۂ سابق

رقیہ

آگرہ

جس سین سے ہم نے اپنی کہانی شروع کی تھی وہی سین ہے، وہی بیان ہے، وہی ٹوٹا سا مکان ہے، وہی تھوڑا سا اسباب ہے، وہی میز ہے وہی کتاب ہے، مکان میں رہنے والے، مصیبتیں سہنے والے بھی وہی ہیں، رقیہ اور دو بچے، حسرت ویسے ہی برس رہی ہے مایوسی گھیرے ہوئے ہے،

غرض ہر چیز اُسی حالت میں دکھائی دیتی ہے جیسی شروع کے سین میں دیکھی تھی، اگر تغیر کسی چیز میں ہے تو وہ رقیہ کے اندرونی خیالات میں، اور دلی جذبات میں ہے، اور تغیر بھی کیسا رنج و غم بے انتہا مصیبتیں ناگفتہ بہ، ساتھی کوئی ہے نہیں، ہمدرد کوئی رہا نہیں، سہارا

ہو تو کسکا مدد کرے تو کون، تسلی کیسی، کہاں کی ڈہارس، یہاں تو اگر یہ مر بھی جائے تو کوئی خبر لینے والا نہیں، بچوں کو لیکر گئی تھی اپنے خاوند کے ہاں اپنی حالت سدہارنے مگر دل پر ایک اور زخم کاری لیکر آئی، غرض بیچاری دکھیاری اور دکھ میں پڑگئی،

اسوقت صبح کے کوئی نو بجے ہونگے، رقیہ اپنے بچوں کو لیے بیٹھی ہے، بڑے بیٹے سرفراز سے کہہ رہی ہے،

بیٹا سرفراز، اگر تمہیں اپنے ابا نے بلالیا تو تم مجھے چھوڑکر جاؤ گے،

سرفراز نے کہا کہ اماں اگر ابا نے بلالیا تو پھر آپ بھی ہمارے ساتھ چلیے ہم ان سے کہینگے ورنہ زبردستی آپ کو ہم اپنے پاس رکھینگے،

ماں نے کہا اور اگر میں وہاں نہ رہی تو، پھر ہم آپ کے ساتھ چلے آئینگے،

مگر اچھی اماں یہاں اکیلے تو آپ دن بھر روتی رہتی ہیں، اور آپ روتی ہیں تو ہمیں بھی رونا آتا ہے،

رقیہ نے بچے کو گلے سے لگایا اور کہا نہیں اب سے ہم نہیں روئینگے مگر تم مجھے چھوڑکر جاؤگے تو نہیں، سرفراز، اچھے خدا تمہاری عمر دراز کرے تم بڑے ہی اچھے بچے ہو دیکھو تم دونوں اپنی دکھیاری ماں کے ساتھ رہنا اچھا، جب میں مرجاؤں اسوقت تم اپنے ابا کے ہاں چلے جانا، میری زندگی میں تو مجھے نہ چھوڑنا، دیکھو میں غمگین ہوں تمہارے ابا مجھ سے خفا ہیں اب میرا کوئی ہے نہیں جسکے پاس میں جاتی، تم دونوں ہو میری امید آرزو، میری بہار، یوں کہکر بچوں کو پیار کیا اور کہا مجھے اکیلی نہ چھوڑنا اچھا، چھوٹا ممتاز اتنے میں ایک دم سے کہہ اٹھا "اماں ابا کے پاس ہمیں لیچلو" یہ کہنا ہی تھا کہ رقیہ کی انکھوں میں آنسو بھر آئے، کلکتہ کی تصویر سامنے پھر گئی، وہ سین وہ جگہ، وہ وقت غرض سب باتیں یاد آگئیں، پورا سماں آنکھوں کے سامنے پھر گیا آنسو ڈبڈبا تو آئے ہی تھے اب جھڑیاں بنکر بہنے لگے، تھوڑی دیر میں کوئی کواڑ زور زور سے ٹھوکنے لگا،

اور پکار کر یہ کہہ رہا تھا " رقیہ بیگم یہاں رہتی ہیں' اسنے سرفراز کو بھیجا، اُسنے کواڑ کھول کر جوں ہی دیکھا تھا کہ اُن ہی پیروں واپس پلٹا، گھبرائے ہوئے ماں سے چمٹ گیا اور کہنے لگا اماں اماں سپاہی ہیں سپاہی' یہ تو ہمیں پکڑینگے، رقیہ آگے بڑہی اور پوچھا کون ہے باہر سے ایک سپاہی نے اپنی کڑی آواز سے کہا " رقیہ بیگم کس کا نام ہی، اُسنے کہا کیوں کیا کام ہی میں ہوں رقیہ بیگم،

سپاہی، تو تم نے کلکتے سے میر عنایت حسین کے دو بچے بھگائے ہیں' تم مجرم ہو بچوں کو ہمارے سپرد کردو اور تم کو توالی چلی چلو' کوتوال صاحب نے بلایا ہی،

رقیہ (غصے میں آکر) آپ یہ کس سے بول رہے ہیں' بچے میرے ہیں' میر عنایت حسین میرے خاوند ہیں' ہم شریف عورت ہیں ہم نہ کوتوال کو جانیں نہ کوتوالی' اپنا گھر چھوڑ کر کہیں آجا نہیں سکتے،

سپاہی۔ تو کیا تم نہیں چلوگی،

رقیہ بیگم۔ ہرگز نہیں،

دوسرا سپاہی پہلے سے۔ بھئی ہمیں کیا گرج دغرض، پڑی ہی کہدینگے کپتان صاحب سے وہ آپ ہی اسے ٹھیک کر لینگے،

یہ کہکر دونوں سپاہی تو اُدہر چلے گئے مگر ادہر رقیہ کی حالت کچھ سے کچھ ہوگئی، ہاتھ پیر کانپنے لگے دل بلیوں اُچھلنے لگا، ان باتوں نے اسپر جادو کا اثر ڈالا، بس اب اسے یقین ہوگیا کہ آج سے اس کی زندگی برباد ہوگئی، بچے جو اس کی زندگی کا سہارا تھے جنپر یہ اپنی امیدوں کے قلعے باندہا کرتی تہی' جنکے ذریعے سے اس کی زندگی تھی' اُن بچوں کے پیچھے اب پولیس والے پڑے ہیں، خدا ہی خیر کرے،

اب بیچاری کے امن کی کوئی امید نہیں ہوسکتی' بچوں کو اپنے سینے سے چمٹائے گلے سے لگائے ہوئے دل ہی دل میں سوچتی تہی کہ اب کیا کیا جائے کہیں نکل جاؤں،

کہیں بھاگ جاؤں، اپنی جان بچاؤں، یا اپنے بچوں کو ظالموں کے پنجے سے چھڑاؤں،
مگر جاؤں تو کہاں، اب یہ کم بخت میرے بچوں کو نہ چھوڑینگے، مجھ سے چھین لینگے،
بچوں کو لیکر کہیں نکلجاؤں، نہیں نہیں ہرگز نہیں، اپنے خاوند کی عزت کو بٹّہ نہ لگاؤں گی،
اپنے خاندان کے نام پر دھبّہ نہ آنے دونگی، میں شریف زادی ہوں اور شرافت کو ہرگز
نہ چھوڑوں گی، ہمت سے کام لوں گی، استقلال اور صبر کو ہاتھ سے نہ جانے دونگی،
آنے دو کوتوال صاحب کو آخر وہ بھی تو کوئی شریف ہی آدمی ہونگے، سارا قصہ کہہ سناؤنگی
اُنہیں سمجھاؤں گی اور وہ مان لینگے، سب ٹھیک ہوجائیگا،

غرض بیچاری بھولی بھالی رقیہ انہیں من گھڑی باتوں سے دل کو تسلی دے رہی تھی
اور خیالی پلاؤ پکا رہی تھی، اسے کیا معلوم تہا کہ آگے کیا ہونے والا ہے، یہ ان ہی خیالات
میں غرق تہی کہ تھوڑی دیر میں کوتوال صاحب بھی آگئے اور رقیہ بیگم کے نام کے نعرے
بلند کرنے لگے،

رقیہ بیگم نے برقع اوڑھ لیا اور اُنہیں اندر بلا کر کرسی دی اور نہایت ادب سے
التجا کی، "حضور ہی اسوقت مجھ بے بس و بیکس کے مددگار ہیں، جناب ہی مجھ مصیبت زدہ
کے ہمدرد ہیں، میں آپ سے صرف اتنی التجا کی خواستگار ہوں کہ حضور پہلے میری
عرض گوشگزار کریں، میرے غم کی داستان سُن لیں اور پھر میرا فیصلہ کریں،

اسوقت رقیہ کچھ ایسی گھبرائی ہوئی اور سہمی ہوئی تھی کہ اسکے موںھ سے آواز
تک تو ٹھیک نکل نہ سکتی تھی، نہ جانے اس بیچاری نے اس کوتوال کو کیا سمجھ رکھا ہے
گویا دنیا بھر کا مالک یہی ہے، لوگوں کی قسمت کا فیصلہ اسی کے سپرد ہوا ہے، غرض
جوں توں لڑکھڑاتی زبان سے، بھرّائی ہوئی آواز سے، خوشامدانہ الفاظ سے اسنے
سارا قصہ کہہ سُنایا اور کوتوال کم بخت نے نہایت اطمینان سے سنا، سنتے سنتے
کبھی ہنس دیتا، کبھی خوش ہوتا، کبھی موںچھیں چڑہاتا، کبھی موںھ بناتا، ایک بیچاری رقیہ ہے

کہ خوشامد کر رہی ہے، عاجزی کر رہی ہے، گڑگڑا رہی ہے، ایک یہ ہیں کہ اینٹھ رہے ہیں، تن رہے ہیں، بن رہے ہیں، آخرش اُنھوں نے اپنا فیصلہ سُنا ہی تو دیا،

دیکھیے میں نہیں چاہتا کہ آپ کو کسی قسم کی تکلیف پہنچے لہذا مناسب یہی ہے کہ آپ بچے فوراً ہماری سپرد کر دیجیے، ہم انہیں انکے باپ کے پاس جو انکے مالک ومختار ہیں پہنچا دیں گے، ہمارے پاس انکا تار آیا ہوا ہے اور ہمیں انکا اور اپنے افسر کا حکم ماننا فرض ہے، بس اب زیادہ وقت ہم نہیں کھو سکتے بچے دیدیجیے اور آیندہ کیلیے خیال رکھیے،

یہ ظالمانہ فقرے سنتے ہی رقیہ کا رنگ فق ہو گیا ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے، حواس بجا نہ رہے، چہرے پر ہوائیاں اُڑنے لگیں بدن تھر تھر کانپنے لگا، کلیجہ کمسا نے لگا دل دھڑک دھڑک کرنے لگا، تھوڑی دیر تک بے ہوش وحواس سہمی ہوئی کھڑی رہی پھر زور سے ایک چیخ ماری اور رو رو کر کہنے لگی، کوتوال صاحب میرے حال پر رحم کیجیے، کوتوال صاحب لاکھ انسان ہوں، ہزار شریف ہوں مگر تھے تو پولیس ہی کے رحم وہ کیا جانیں، ترس انھیں کیا معلوم، ہمدردی کا کبھی نام بھی نہ سُنا ہوگا، رقیہ کے دل دہلانے والے فقرے سنے اُن پر کچھ اثر نہ کیا، سنگدل آسمان تک کو ہلا دینے والی آہیں انکے سخت دل کو نہ پگھلا سکیں، اُس کی بے بسی اور بیکسی، اُس کی پریشانی اور جانفشانی اُس کی آفت، اُس کی مصیبت، غرض کسی چیز نے اس ظالم انسان کو انسان نہ بنایا، اور اسکو رقیہ کے حال پر ترس نہ آیا پر نہ آیا، رقیہ کی التجاؤں کو، اُس کی دردناک صداؤں کو عبرت انگیز نالوں کو، حسرت انگیز آہوں کو، غم کی داستان کو، اُس کی آہ وفغاں کو غرض ہر ایک چیز کو ہنس ہنس کر سُنتا رہا، اور کوئی ہوتا تو رقیہ کی حالت پر مصیبت وآفت پر رو دیتا، اپنی جان کھو دیتا، تڑپتا لوٹتا، آپ مصیبت میں گرتا، مگر رقیہ کی حفاظت کرتا، مگر ایک کوتوال تھا کہ اُسکے کانوں پر جوں نہ رینگی، بے پروا، بے فکر، بے رحم،

بیدرد اپنے جھوٹے سپاہیانہ جوش میں اکڑا جاتا تھا، اڑنگ بڑنگ جو موتھ میں آتا بکنے لگتا نہ آؤ دیکھا نہ تاؤ، چیخ کر کہنے لگا: بس اب ہم زیادہ ٹھہر نہیں سکتے، بچوں کو دیدو ورنہ زبردستی ہم چھین لینگے،

غریب رقیہ، ستم رسیدہ رقیہ، رنج و غم سے بھری رقیہ، دُکھیاری آفت کی ماری یہ سنتے ہی کلیجہ مسوس کر رہگئی، دل بیٹھ گیا، دھڑسے زمین پر گرگئی، ڈاڑھیں مار مار کر رونے لگی، روتے روتے ہچکیاں بندھ گئیں اور بیہوش ہوگئی، کوتوال اپنی مونچھوں پر تاؤ دیتے ہوئے کرسی سے اٹھا، ایک غضب آلود نگاہ سے رقیہ کو دیکھا اور اپنے سپاہیوں سے کہا کہ اُٹھاؤ بچوں کو، یہ سنتے ہی ننھے ننھے بچے کانپ اُٹھے، ڈر کے مارے اپنی بیہوش ماں سے لپٹ کر چمٹ گئے، وہ یہی سمجھ رہے ہیں کہ یہ ماں انھیں ان ظالموں کے پنجوں سے چھڑائیگی، انہیں گرفتار ہونے نہ دیگی، مگر بیچاری رقیہ اپنے ہی ہوش میں نہ تھی وہ کیا کرسکتی،

کوتوال صاحب کا حکم سنتے ہی سپاہی دوڑے اور ان روتے ہوئے بلکتے ہوئے، اپنی ماں سے چمٹے ہوئے بچوں کو کھینچ کر چھڑا لیا اور لے چلے، اب ایک طرف بچے ہیں کہ ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہے ہیں، لوٹ رہے ہیں، مچل رہے ہیں، سسک رہے ہیں، رو رہے ہیں، چیخ رہے ہیں، پکار رہے ہیں کہ "اماں اماں دیکھو یہ ہمیں لے جا رہے ہیں، اماں ہم مرگئے، اچھی اُٹھو، اچھی اماں دیکھو، دیکھو" اور ایک طرف بیچاری ماں بیہوش و حواس پڑی ہے، ان کی چیخوں سے اس پر کوئی اثر نہیں، اپنے پیارے بچوں کی آواز تک اسکے کانوں میں نہ پہنچی، اپنے پیاروں کو، آنکھوں کے تاروں کو ایک دم بھر کے لیے دیکھتی ہی نہیں آہ وہ بچے جنکے لیے اسنے ایسے ایسے رنج و صدمے اُٹھائے، جنکے لیے اُسنے آگرہ سے کلکتہ تک چکر لگائے، جنکے لیے اُسنے کیا دن کیا رات، کیا جاڑا کیا برسات سب ایک کیا، جنکے لیے اُسنے سخت سے سخت تکلیفیں اُٹھائیں اور انکا بال تک بیکا

ہونے دیا، وہی بچے آج ہمیشہ کے لیے جدا ہو رہے ہیں، وہ بچے پولیس کے حوالے ہو رہے ہیں، جنکو دم بھر کے لیے وہ الگ کرنے والی نہ تھی، آج وہ زبردستی چھینے جا رہے ہیں، اور یہ بے خبر پڑی ہوئی ہے، بچے بلک رہے ہیں اور یہ کروٹ تک نہیں بدلتی، بچے تڑپ رہے ہیں اور یہ آنکھیں تک نہیں کھولتی، اے بے پروا ماں ذرا اُٹھکر دیکھ تو سہی کہ اسوقت تیرے بچوں کی کیا حالت ہو رہی ہے، مگر نہیں اپنے بچوں کی ایسی حالت دیکھکر بھلا اس سے زندہ بھی رہا جا سکتا ہے؟

بیہوشی تو نے اسکے حال پر رحم کیا، ہاں غشی تجھے اسپر ترس آیا، چند لمحوں کے لیے تو نے اسکا غم بھلایا۔ اسکا دل بہلایا، خدانخواستہ اگر تو نہوتی تو یہ بیچاری اس ظلم و ستم سے اپنی جان کھوتی، اچھا ہی ہوا جو یہ بیہوش رہی مگر نہیں لاکھ اچھا ہوا مگر تھی تو یہ ماں ہی، کاشکے اپنے ننھے بچوں کو ایک نظر دیکھ لیتی، اُن سے کچھ کہتی، اُن کی کچھ سُنتی، آخری وقت پیار کرتی، اپنے سینے سے چمٹاتی، کلیجہ سے لگاتی، دھڑکتے ہوئے دل کو ڈھارس دیتی، اپنی محبت کا آخری اظہار یعنی ایک پیار، حسرت بھری ایک نگاہ، مایوسی بھری ایک آہ، اُف یہ بھی نصیب نہوا،

تھوڑی دیر میں رقیہ کو ہوش آیا، اُٹھ بیٹھی، چاروں طرف دیکھا، مُڑ مُڑ کر دیکھا، جُھک جُھک کر دیکھا، حسرت سے دیکھا، گھبراہٹ سے دیکھا، پھر سرفراز اور ممتاز کو چیخ چیخ کر پکارنے لگی، جب جواب نہ پایا تو بدحواس ہو گئی، چیخنے لگی، پاگل کی طرح بکنے لگی "گئے لیگئے، چھین لے گئے، مجھ سے چھُڑا لے گئے، میرے پیاروں کو میرے دلاروں کو، مجھسے چھین لیا، مجھسے الگ کر لیا، لے گئے، پکڑ لے گئے، یہ کہتی جاتی تھی اور کمرے کے اِرد گرد پھرا کرتی تھی، اسوقت کی گفتگو سے، بچوں کی جستجو سے اس کی عجیب و غریب چال سے اور پریشان حال سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ اُس کی دماغی حالت بالکل بگڑ گئی تھی، خدانخواستہ پاگل پن کی کچھ علامتیں معلوم ہوتی ہیں،

دو قدم چلکر بیٹھ جاتی، بیٹھے بیٹھے کلیجہ مسوسنے لگتی، کبھی زمین پر لوٹتی تو کبھی دیواروں سے سر دے مارتی، کبھی بال نوچتی تو کبھی کپڑے پھاڑتی، کبھی کھڑی ہو کر کسی چیز کو ٹکٹکی باندھے دیکھا ہی کرتی تو کبھی کمرے میں دوڑنے لگتی اور کہتی "بیٹا ممتاز، سرفراز کہاں ہو، کس کے پاس ہو، بھوکے ہوگے، کوتوال میں ہوگے، سپاہیوں کے پہروں میں ہوگے، قید میں ہوگے، نہیں نہیں مجھ سے اچھے ہوگے، کلکتہ میں ہوگے، میر صاحب کی گود میں ہوگے، خوش ہوگے" ہیں ہیں کوتوال صاحب انھیں نہ لیجاؤ، یہ میرے بچے ہیں، میرے رنج و غم کے ساتھی ہیں، میرے ہمدرد ہیں، میرے پیارے ہیں، نہیں نہیں آؤ بیٹا سرفراز آؤ، میرے پاس آؤ، تم مجھ سے الگ نہیں رہو گے، میری امید و، میری آرزو و، غرض ایسی بہکی بہکی باتیں کرتی اور کمرے میں اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے ادھر چکر لگاتی تھی،

باقی آئندہ،

راقم
خدنگ

بسلسلۂ سابق

بقیہ شاہ لیر

اور دیوانوں میں جاکر ملجائے، جناب من مہربانی سے مجھے ایک اُستاد رکھدیجیے جو مجھے جھوٹھ بولنے کی تعلیم دیا کرے، اب زمانہ ایسا ہی آگیا ہے میں بھی جھوٹ بولنا سیکھوں گا،

لیر۔ دیوانہ جو جھوٹ بولوگے تو تم خوب ہنٹروں سے پٹو گے،

دیوانہ۔ خدا کی پناہ، آپ اور آپ کی لڑکیاں ایک دوسری کی کیسی رشتہ دار ہیں اگر میں سچ بولتا ہوں تو آپ کی لڑکیاں ہنٹروں سے پٹواتی ہیں اور اگر جھوٹ بولتا ہوں

تو آپ پٹواتے ہیں اور بعض وقت خاموش بیٹھنے پر بھی میری دھن کُٹی ہوتی ہی، ہا ے افسوس، میں دنیا کی کوئی اور چیز ہوتا لیکن دیوانہ نہوتا، ہاں اور سب چیزیں ہوتا لیکن شاہ لیر بھی نہوتا، ہچچاجان تم نے اپنی عقل کے دو ٹکڑے کرکے بانٹ دیئے اور اپنے لیے خاک بھی نہ رکھا، وہ دیکھیے سامنے سے اُن دو میں سے ایک ٹکڑہ آرہا ہے،

گانرل داخل ہوتی ہے،

لیر۔ کیوں بیٹی کیا بات ہی، یہ آپ کی ابرو پر بل کیسا ہے، میرے خیال میں کچھ دنوں سے آپ بہت کچھ چیں بجبیں رہنے لگی ہیں،

دیوانہ۔ آپ کیا ہی اچھے آدمی تھے جبکہ آپ کو اسکے چیں بجبیں ہونے کی کچھ پروا نہ تھی، اب آپ ایک صفر رہگئے جسکے ساتھ کوئی ہندسہ نہیں ہی (صفر کے پہلے جب ہندسہ لگایا جاتا ہے تو وہ ہندسہ کی قیمت دہ چند بڑہا دیتا ہے، مثلاً جب ایک پر بڑہایا جاتا ہی تو دس ہو جاتے ہیں، دو پر بڑہانے سے بیس علی ہذا القیاس، لیکن بلا ہندسہ کے صفر کی کچھ بھی قیمت نہیں ہوتی وہ محض عدم کی برابر ہوتا ہی) میں اسوقت آپ سے بہتر ہوں کیونکہ میں دیوانہ ہوں اور آپ کچھ بھی نہیں، گانرل کی طرف دیکھکر، ہاں ٹھیک ہے مجھے اب خاموشی اختیار کرنی چاہیے، گو آپ اپنی زبان سے کچھ نہیں کہتے ہیں لیکن آپ کی غصہ سے بھری ہوئی آنکھیں مجھے منع کر رہی ہیں کہ میں کچھ نہ کہوں،

چُپ چُپ

جو شخص اپنے لیے کچھ بھی نہیں رکھتا اُسکو جب دنیا ستائیگی تو وہ ضرورت محسوس کریگا، لیر کی طرف اشارہ کرکے (یہی ہیں یہی ہیں جو محتاج ہیں)

گانرل جناب من، صرف آپ کا یہی خود مختار دیوانہ نہیں ہی جو ہر گھنٹہ شور و غل مچاتا ہو اور جھگڑے فساد برپا کرتا ہو بلکہ آپ کے اور بھی گستاخ ساتھی ہر آن کوئی نہ کوئی جھگڑا پیدا کرتے ہیں، اور ناقابل برداشت بلوہ کرتے ہیں، صاحب میں نے یہ چاہا تھا کہ آپ کو

ان کی حالت سے پورے طور سے آگاہ کروں تاکہ آپ کو اس جھگڑے کی اطلاع ہو سکے لیکن اب مجکو آپ کی ان باتوں سے اور عمل سے جو کچھ عرصہ سے ظاہر ہوئی ہیں یہ اندیشہ ہوگیا ہی کہ آپ خود ان تمام جھگڑوں اور فسادات کے سرپرست ہیں اور اپنی اجازت سے اپنے ساتھیوں کو فساد برپا کرنے پر آمادہ کرتے ہیں اور اگر آپ یہی طریقہ جاری رکھیں گے تو یہ قصور بلا بازپرس کے یوں ہی نظر انداز نہ کیا جائیگا، اور نہ اس کے پاداش میں کوئی فرو گزاشت کیجائیگی، اور گو ملکی انتظام اور انصاف کے خیال سے آپ کے ساتھ وہی سلوک کرنا پڑے جو مجرموں کے ساتھ کرنا ضروری ہوتا ہی اور جو سلوک کسی دوسری حالت میں ہمارے لیے باعث شرمندگی ہوتا لیکن موجودہ حالت کے لحاظ سے آپ سے ایسا سلوک کرنا عین تقاضاے دوراندیشی ہوگی،

دیوانہ۔ کیوں چچا صاحب آپ جانتے ہیں، ابابیل نے کوئل کو اتنے دن تک چوگا لا لا کر کھلایا کہ کوئل کے بچوں نے اسکا ٹھونگیں مار مار کر بھیجا نکال نکال کر کھالیا، وہ دیکھو شمع بجھ گئی اور ہم اندھیرے میں رہگئے (بڑ ہانکتا ہے،

لیر۔ گارنرسے، کیا آپ ہماری لڑکی ہیں؟

گانرل۔ سنیے صاحب میں یہ چاہتی ہوں کہ آپ اپنی عقل سے کام لیجیے کیونکہ میں جانتی ہوں کہ آپ بڑے عقلمند ہیں اور مہربانی سے اس اپنی طبیعت کو جسنے آپ کی اصلی طبیعت کو بالکل بدلدیا ہی، چھوڑ دیجیے اور اپنی اصلی حالت پر آجائیے۔

دیوانہ (بڑ ہانکتا ہے) کیا جب گھوڑا گاڑی کھینچتا ہی گدہے کو نہیں معلوم ہوتا کہ گاڑی کھنچ رہی ہی، اوہو، آہا، مجھے تم سے محبت ہے،

لیر۔ کیا کوئی شخص یہاں موجود ہے جو کہہ سکے کہ میں کون ہوں، میں لیر تو نہیں ہوں، کیا لیر اس طریقہ سے چلتا ہی؟ کیا اس طریقہ سے بولتا ہی؟ اُس کی آنکھیں کیا ہوئیں؟ یا اُسکے خیالات کمزور ہوگئے ہیں یا اُس کی سمجھ بوجھ سو گئی ہے، ہا، یہ تو ٹھیک نہیں ہے

کون شخص ہی جو مجکو بتائے کہ میں کون ہوں،

دیوانہ۔ تم لیر کے سایہ ہو،

لیر۔ میں اسکے سمجھنے کی بھی کوشش کرونگا۔ کیونکہ اپنے شاہی نشانات گزشتہ علم اور فراست مجکو دہوکا دے رہے ہیں کہ میرے بھی لڑکیاں تھیں،

دیوانہ۔ ہاں وہی لڑکیاں جو آپ کو فرمانبردار باپ بنائینگی،

لیر۔ گارنر کی طرف مخاطب ہوکر۔ معزز خاتون آپ کا نام کیا ہی،

گانرل، صاحب آپ کی یہ باتیں اُسی قسم کی ہیں جیسے کہ اور دوسرے نئے نئے شعبدے ہیں، میں صرف آپ سے یہ چاہتی ہوں کہ آپ میرا مطلب اچھی طرح سمجھیے اور جیسے کہ آپ بڈہے اور قابل عزت ہیں ویسے ہی آپ کو عقلمند بھی ہونا چاہیے۔ آپ یہاں پر اپنے ساتھ ایسے ساتھیوں کو رکھتے ہیں جو بہت ہی جھگڑالو بدمعاش اور دلیر ہیں اور یہ ہمارا دربار اُن کی بے عنوانیوں اور روز کی شرارتوں کی وجہ سے ایک پُرفساد سرائے معلوم ہوتی ہے، بے اعتدالی اور بدمعاشی نے اس ہمارے مبارک محل کو بجائے محل کے شراب خانہ بنادیا ہی، ہم یہ دیکھ دیکھکر مارے شرم کے ڈوبے جاتے ہیں اور مجبور ہیں کہ اسکا فوراً علاج کریں، اب مہربانی سے میرا کہنا مانیے اور اگر آپ نہیں مانینگے توجس چیز کی میں درخوست کرتی ہوں وہ اپنی خواہش سے کرونگی، اور وہ یہ ہی کہ اپنے آدمیوں میں کچھ کمی کیجیے اور باقی جو رہجائیں وہ ایسے ہوں کہ آپ کی عمر اور حالت کے مناسب ہوں اور جو اپنے کو اور آپ کو اچھی طرح سے پہچانیں،

لیر۔ او باہر کی تاریکی اور تاریکی کی شیطانو اب تمہارا ہی آسرا ہی، (اپنے آدمیوں کی طرف اشارہ کرکے) چلو میرے گھوڑوں پر زین ڈالو، میرے سب آدمیوں کو جمع کرو، (گارنر کو) او کمبخت بدذات میں اب تجھے تکلیف نہیں دونگا، ابھی میری ایک بیٹی موجود ہی میں اسکے پاس جاؤنگا،

گانرل۔ آپ میرے آدمیوں کو مارتے ہیں اور آپ کے بدمعاش آدمی میرے آدمیوں سے جو کہ اُن سے بدرجہا بہتر ہیں خدمت لیتے ہیں،

البنی داخل ہوتا ہے،

لیر۔ حیف ہی اُس شخص پر جو موقع ہاتھ سے دینے کے بعد پچھتاتا ہی، اوہ کیوں صاحب آپ تشریف لائے، کیوں صاحب یہ آپ کی خواہش ہی کہ مجھ سے ایسی بدسلوکی کیجائے، کچھ تو فرمائیے صاحب (ملازمین کو) میرے گھوڑے تیار کرو (آپ ہی آپ) او ناشکرگزاری تو ایک شیطان ہی جسکا پتھر کا دل ہی جب تو کسیکی اپنی اولاد کی طرف سے ظاہر ہوتی ہی تو سمندر کے خوفناک دیو سے بھی زیادہ ڈراونی اور وحشتناک معلوم ہوتی ہے،

البنی۔ حضور میں آپ سے التجا کرتا ہوں کہ آپ ذرا صبر تو کیجیے،

لیر (گارنرل کی طرف مخاطب ہوکر) او مکروہ چیل تو نے سخت جھوٹ بولا، میرے ہمراہی نہایت چیدہ اور بے مثال لوگ ہیں۔ وہ اپنے فرائض منصبی کی سب باتوں کو بخوبی جانتے ہیں اور اُن کو اپنی نیکنامی کا بہت بڑا خیال رہتا ہی (آپ ہی آپ) ہاے افسوس کارڈیلیا کا نہایت خفیف سا جرم مجھے کس درجہ ناگوار گزرا تھا کہ اُسنے مثل ایک انجن کے میرے جسم اور دل و دماغ کو اپنی اپنی جگہہ سے ہلا دیا اور میرے دل سے تمام محبت جو کارڈیلیا سے تھی خارج کرکے اُس کی طرف سے نفرت بھر دی، اوہ لیر، لیر، لیر، اب اپنا سر پیٹو کہ جس میں سے تمہاری عمدہ سمجھ خارج ہوگئی تھی اور اُس کی جگہ حماقت بھر گئی تھی، (اپنا سر پیٹتا ہی) اپنے آدمیوں کی طرف مخاطب ہوکر، چلو، چلو اب یہاں سے چلدو،

البنی، حضور میں اس معاملہ میں بالکل بے قصور ہوں، اور مجھے اس بات کا بالکل علم نہیں ہے کہ کس صدمے نے حضور پر یہ حالت طاری کردی،

لیر۔ ہاں صاحب ممکن ہی ایسا ہی ہو (آپ ہی آپ) اے خدا کے قانون قدرت

ں التجا سُن۔ اے قانون قدرت کی پیاری دیوی ذرا کان دھر کے سُن، میری
سے یہ خواہش ہی کہ اگر تیرا یہ ارادہ ہو کر تو اس جانور کو (گارنرل کی نسبت)
ادوے تو مہربانی سے اپنے ارادے کو فسخ کر دے اور اس بدبخت کو بانجھ
بے، اور اُسکے جسم سے اولاد پیدا کرنے کی قوت بالکل زائل کردے تاکہ اُسکے
وہ وجود سے کبھی کوئی اولاد پیدا نہو جسکو دیکھکر وہ خوش ہو سکے، اور اگر بالفرض اُسکے
ئی بچہ پیدا بھی ہو تو وہ ایسا نابکار اور مجسم غصہ ہی غصہ ہو تاکہ وہ جبتک زندہ رہے
وقت تک اپنی ماں کے لیے ایک سوہان روح ہو، اور اُس کی وجہ سے اُس کے
ان العمری کے چہرے پر جھریاں پڑ جائیں اور اُسکو اتنی تکلیف ہو اور اتنے آنسو بہانے
یں کہ اُسکے گالوں پر نشان پڑ جائیں، اور خدا کرے کہ وہ اپنی ماں کی کُل تکالیف اور
ربانیوں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھے اور اُسپر ہنسی اُڑائے، تاکہ اسکو محسوس ہو کہ اولاد
ں ناشکر گزاری سانپ کے تیز دانتوں سے بھی بڑھکر زیادہ تکلیف دہ ہوتی ہی، (اپنے آدمیوں
ی طرف مخاطب ہوکر) چلو چلو اب یہاں سے چلدو،

مع اپنے ہمراہیوں کے باہر چلا جاتا ہی،

ایلبنی۔ اے خدا یہ کیا ماجرا ہی، اور یہ سب جھگڑا اور فساد کیسے پیدا ہوا،

گارنرل۔ آپ اسکا کچھ رنج نہ کیجیے اور نہ اسکا سبب دریافت کرنے کی آپ کو ضرورت
ہی، اس بڈھے سترے بہترے کو جو کچھ اس کی طبیعت میں آئے کرنے دو،

باقی آیندہ

اڈیٹوریل

معائنہ زنانہ مدرسہ

ہم ذیل میں زنانہ مدرسہ علی گڑھ کے معائنہ کی ایک رپورٹ ناظرین و ناظرات کی آگاہی کے لیے

درج کرتے ہیں، ہماری ہمیشہ یہ خواہش رہی ہی کہ ہماری قوم کے تعلیم یافتہ حضرات خواہ وہ مرد ہوں یا بیبیاں، جبکبھی اُن کو موقع ملے، اس مدرسہ کا معائنہ کرکے اپنا اطمینان فرمائیں کہ یہ مدرسہ کیا کر رہا ہے، ہم مولوی محمد حسین صاحب بی اے اسسٹنٹ جج علی گڑھ کے تہ دل سے ممنون ہیں کہ اُنہوں نے باوجود اپنی عدیم الفرصتی کے تکلیف گوارا فرماکر مدرسہ کا معائنہ فرمایا اور رپورٹ تحریر فرمائی،

اڈیٹر

تاریخ ۲۶ ہم نومبر ۱۹۰۸ء کو زنانہ مدرسہ علی گڑھ کا معائنہ کیا، دالانوں میں فرش قرینہ سے بچھا ہوا تھا، صفائی بھی تھی، بڑی لڑکیاں پردے میں تھیں، بہت چھوٹی چھوٹی عمر کی لڑکیاں البتہ پردے کے باہر سلیقہ سے بیٹھی ہوئی تھیں، میرے جانے پر سب چھوٹی لڑکیاں سروقد کھڑی ہوگئیں اور نہایت ادب سے تعظیم بجا لائیں، اس سے ثابت ہوتا ہی کہ استانیوں نے بچیوں کو ادب وسلیقہ سکھانیکی طرف کافی توجہ کی ہی۔

رجسٹر حاضری کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ جولائی میں ۳۵ لڑکیاں درجہ اول میں تھیں اور اگست ۱۹۰۸ء میں بھی وہی ۳۵ کی تعداد درج ہے حالانکہ خانۂ کیفیت کے اندراج سے معلوم ہوتا ہے کہ پانچ نئی لڑکیاں بھرتی ہوئی ہیں، مگر ماہ جولائی یا اگست کے خانۂ کیفیت میں کسی لڑکی کے نام خارج ہونے کا اندراج نہیں ہے، ایسی ہی فروگذاشت ماہ نومبر کے اندراج میں بھی ہے، جس طرح نئی لڑکیوں کے داخل ہونے کا اندراج خانۂ کیفیت میں ہے ویسے ہی خارج شدہ لڑکیوں کا اندراج بھی خانۂ کیفیت میں ہونا چاہیے

درجہ سوم میں سات لڑکیاں درج رجسٹر ہیں منجملہ اُنکے پانچ حاضر تھیں، یہ سب لڑکیاں اُردو بہت اچھی طرح پڑھتی ہیں اور جو پڑھا ہے اسکا مطلب بھی سمجھا ہے، فارسی کی ابھی پہلی کتاب پڑھتی ہیں، جملوں کے معنی یاد ہیں اور نیز الفاظ کے جن سے جملہ مرکب ہے، یہ نہیں کہ طوطے کی طرح صرف جملے کے معنی رٹا دیے گئے ہوں اور لفظوں کے معنی نہ جانتی ہوں،

جغرافیہ میں تعریفات پڑہائی گئی ہے جو انکو یاد ہے، املا لکھا کر دیکھا گیا کوئی غلطی نہیں نکلی، حروف بہی صاف ہوتے ہیں، حساب میں جمع و تفریق و ضرب کے ایک ایک سوال دیے گئے، اکثروں کے جواب صحیح نکلے، دو ایک لڑکیوں کی کچھ غلطی نکلی، لیکن یہ غلطی عمل کی تہی قاعدہ اُن کو معلوم ہے،

درجہ دوم کی لڑکیوں کی بہی اُردو اچھی ہے، لکھنا بہی اچھا ہے،

درجہ اول فریق دوم کی اکثر لڑکیوں کو پڑہی ہوئی کتاب یاد ہے، صرف دو لڑکیاں اختری و آفتاب کو یاد نہیں ہے، ان پر زیادہ توجہ کرنی چاہیے، نظر بانو و سعیدہ اس درجہ میں بہت اچھی ہیں، حساب میں صرف ہندسہ لکھنا سیکھتی ہیں اور مفرد حروف لکھائے جاتے ہیں، کمی وقت کے باعث درجہ اول فریق اول کا امتحان میں نے نہ لے سکا جسکا مجھے افسوس ہی،

میری راے میں اب وقت آگیا ہے کہ درجہ سوم کی لڑکیوں کو ہفتہ میں کم سے کم دو گھنٹے دینیات کی کوئی کتاب پڑہانی چاہیے، یہی ایک وہ مضمون ہی جس میں مسلمانوں کی عام خواہش کے مطابق اُن کی لڑکیوں کی تعلیم عمدہ اور پختہ ہونی چاہیے،

محمد حسین
اسسٹنٹ سشن جج علی گڑہ

ترکی خواتین

ہندوستان کی موجودہ بیگمات کے حالات پر نظر ڈالتے ہوئے یہ مشکل سے گمان کیا جا سکتا ہے کہ عورتیں بہی بڑے بڑے ملکی کاموں کے انجام دینے کی قابلیت رکہتی ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ عورتوں کے لیے فطرت نے اپنی فیاضی محدود نہیں کر دی ہی، جس طرح مردوں کو قواے دماغی و عقلی عطا ہوئے ہیں، اسی طرح عورتوں کو بہی

عطا ہوئے ہیں، صرف فرق یہ ہے کہ مردوں نے تعلیم کے ذریعہ سے ان قویٰ سے کام لینا سیکھا اور عورتوں میں تعلیم کی کمی سے وہ قوتیں کمزور پڑگئیں، جہاں تعلیم دن رات بڑھتی جاتی ہے اور عورتیں روشنخیال ہوتی جاتی ہیں وہاں عورتوں کے کارنامے بھی کچھ کم حیرت انگیز نہیں ہوتے،

مسلمان عورتوں میں اسوقت ترکی خواتین سب سے زیادہ تعلیم یافتہ اور روشنخیال ہیں انہوں نے علمی اور تمدنی امور سے گزر کر بہت بڑی ملکی خدمت بھی انجام دی ہے اور انجام دے رہی ہیں، ملک امریکا برازل کا ایک عربی اخبار "الافکار" لکھتا ہے کہ صرف نوجوان ترکی جماعت ہی کی کوشش سے سلطنت ٹرکی کو پارلیمنٹ نہیں عطا ہوئی ہے بلکہ اس میں بہت بڑا حصہ ٹرکی خواتین کی کوشش کا بھی شامل ہے جنہوں نے ہر طرح کا خطرہ اُٹھا کر حریت اور آزادی کے لیے تمام اقطاع ملک میں کوششیں کیں، نوجوان ترک جو آزادی کی ریشہ دوانی دس سال سے ملک میں کرتے تھے اس کی مخفی خط و کتابت کا سلسلہ ترکی بیگمات کے ذریعہ سے تھا اور ہر قسم کی ہدایتیں جو فرانس کی نوجوان ترکی جماعت ملک کے نوجوانوں کے لیے کرتی تھی، اُس کی مخفی اشاعت عورتوں ہی کے ذریعہ سے کیجاتی تھی،

بیگمات ان کو لیکر اپنے ہم خیال مردوں اور عورتوں میں تقسیم کرتی تھیں بلکہ بعض تو خود اُن کو چھاپ کر سگریٹ کے بکسوں میں رکھکر لوگوں کے پاس پہنچادیتی تھیں،

خواتین کی ایک خاص انجمن ہے جسکا نام "زرد و سفید" ہے، اس کی غرض یہ ہے کہ غریب ترکوں کی اس سے امداد کیجائے، اور نیز اسقدر چندہ جمع کیا جائے جس سے دو جنگی جہاز نیازی، اور انور کے نام سے جو نوجوان ترکوں کے لیڈر ہیں بنائے جائیں اس انجمن کے علاوہ اور بہت سی انجمنیں اُنہوں نے قائم کی ہیں جنکے اغراض و مقاصد

مختلف ہیں، ان کی قابلیت کی ایک ادنیٰ مثال وہ مضمون ہے جو اخبار اقدام میں ایک سولہ سالہ لڑکی نے لکھا تھا کہ بڑے بڑے لکھنے والے اسکو دیکھکر حیران رہگئے ہیں،

اس رقم کا تخمینہ لگانا نہایت مشکل ہے جو ان عالی ہمت بیگمات نے مختلف قومی اغراض کے لیے جمع کیا ہے، ابھی حال میں ان بیگمات کا ایک ڈپوٹیشن کچھ چندہ جمع کرنے کی غرض سے اُن امرا کے پاس گیا تھا جو بحیرہ باسفورس کے سواحل پر رہتے ہیں، ایک کمپنی نے اس معزز ڈپوٹیشن کو اپنا ایک جہاز مفت اُسوقت کے لیے دیا تھا جبتک یہ دورہ میں رہے، نامہ نگار لکھتا ہے کہ پہلا جلسہ جو مقام "قاضی کوئی" میں ہوا اور جس میں سیکڑوں حضرات اور بیگمات شامل تھیں، اس میں پندرہ ہزار پونڈ چندہ جمع ہوگیا، اسی پر اور جلسوں کا اندازہ کرلیجیے،

اعلان چندہ

نمبر ا- ریاست ٹونک سے مبلغ سو روپیے بابت ماہ ستمبر و اکتوبر ۱۹۰۸ء وصول ہوگئے ہیں،

نمبر ۲- عالیجناب چودھری امیر الحق صاحب رئیس بختیار پور ضلع مونگیر جو تعلیم نسواں کے خاص ہمدردوں میں ہیں، مبلغ پانچ روپیے ہمارے پاس بھیجے ہیں، ہم چودھری صاحب کی اس توجہ کے تہ دل سے شکرگزار ہیں،

نمبر ۳- مولوی امام الدین صاحب، قومی فدائی نہیں، بلکہ قوم کے خاص مربیوں میں سے ہیں، انکی اَن تھک کوششوں کا نمونہ کوئی دوسرا ہم کو قوم میں نظر نہیں آتا، مولوی صاحب کی کوشش سے ۱۲- اکتوبر ۱۹۰۸ء کو مبلغ دس روپیے، اور ۱۴- نومبر ۱۹۰۸ء کو مبلغ پانچ روپیے ہمارے

پاس پہونچگئے، جسکا شکریہ کے ساتھ ہم اعلان کرتے ہیں،

نمبر ۵۔ عالی جناب ہز ہائنس بیگم صاحبہ جونا گڑھ نے دو سو روپیہ کی رقم جسکے وعدکا پہلے نمبر میں تذکرہ کیا جا چکا ہی، زہرا فیضی صاحبہ کے پاس بھیجدی، زہرا فیضی صاحبہ نے ہمارے پاس اُن روپیوں کی رسید لکھ بھیجی ہی، بیگم صاحبہ کی اس ہمت افزائی سے ہمکو امید ہی کہ نمائش کی رونق ضرور بڑہیگی، بیگم صاحبہ تمام قوم کے شکریہ کی مستحق ہیں،

نمبر ۶۔ عالیجناب ہر ہائنس بیگم صاحبہ والیہ بھوپال کو جسقدر تعلیم نسواں کا خیال ہی وہ تمام قوم پر روشن ہی، اسکے ساتھ ہی فنون لطیفہ کی بھی حضور عالیہ خاص سرپرست ہیں امسال نمائش کی امداد کے لیے حضور عالیہ نے تین سو روپیے ہمارے پاس بھیجدیے، ہم اپنے کام کی امداد کے لیے ایسے باہمت ہاتھوں کو اٹھتا ہوا دیکھکر خدا کی درگاہ میں شکریہ ادا کرتے ہیں، اور اپنی کامیابی کی پوری توقع رکھتے ہیں،

نمبر ۷۔ غریب لڑکیوں کے وظائف فنڈ میں معرفت مسز آفتاب احمد خانصاحب کے مبلغ چودہ روپیے حسب تفصیل ذیل وصول ہوئے ہیں،

مس ڈڈم صاحبہ صہ۔ شاہجہاں بیگم صاحبہ دختر صاحبزادہ سلطان احمد خانصاحب چیف جسٹس گوالیار، واہلیہ حشمت اللہ خانصاحب صوبیدار ریاست گوالیار صہ۔

مسز احمد حسین صاحبہ سے۔ مسز آفتاب احمد خانصاحب عصہ۔

مسز ہمایوں مرزا صاحبہ نے جسکو قومی اور ملکی ہمدردی کی ہمیشہ دھن رہتی ہی، ۲۰ اکتوبر کو مصیبت زدگان حیدر آباد کی امداد کے لیے "اپنی ہمایوں منزل میں معزز بیگمات کا ایک جلسہ کیا جسمیں مسز ہمایوں مرزا صاحبہ کے علاوہ اور کئی بیگمات نے نہایت پر زور تقریریں کیں ٭

پراسپکٹس زنانہ نمائش

رسم افتتاح اور مدت قیام وغیرہ

یہ نمائش بڑے دن کے ایام میں یعنی اخیر دسمبر ۱۹۱۰ء میں بمقام امرتسر ہوگی، پارسل بنام سکرٹری نمائش محمدن ایجوکیشنل کانفرنس آنی چاہییں،

کسی سر برآوردہ رئیس مسلمان یا اعلیٰ افسر سے نمائش کا افتتاح کرنے کی درخوست کیجائیگی

مقررہ تاریخوں میں نمائش ہوگی اور ایک ہفتہ سے زیادہ جاری نہ رکھی جائیگی،

دعوت

مسلمانوں کو خاص طور پر اور ہندو پارسی وغیرہ معزز مستورات ہندوستان کو بھی بڑی خوشی کے ساتھ صلائے عام دیجاتی ہو کہ سب اپنی اپنی لیاقت، سلیقے، اور کمال ہنر کے نمونہ جات بھیجکر نمائش کی رونق کا باعث ہوں،

مستورات کو پردے کے خاص انتظام کے ساتھ نمائش دیکھنے کا موقع دیا جائیگا،

استدعا،

جملہ مربیانِ علوم وفنون، افسرانِ مدارس صنعت وحرفت، مہتمان کارخانہ جات نیز سوداگران وکاروبار پیشہ صحاب سے عموماً اور حضرات اہل اسلام سے خصوصاً امید کیجاتی ہو کہ اُنکے پاس یا اُنکے علم میں کسی کے پاس کوئی چیز دیدنی وداشتنی قدیم ہو یا جدید، بہتر ل مستورات کی بنائی ہوئی یا مستورات کے متعلق ہو اور مفید مطالب نمائش ہذا بالفعل موجود ہو، یا بنوائی جاسکتی ہو اُسکے بھیجنے بھجوانے تیار کرلنے یا سکرٹری کو اُنکے پتہ ونشان سی مطلع کرنے میں، نیز اس

نمائش کا چرچا ہنرمند و صاحب صنعت و حرفت مستورات کے کان تک پہنچانے میں دریغ نہ کرینگے

خوشخبری

منتخب اشیار و نمونہ جات پر نیز ایسی چیزوں پر جو کسی ضرورت متعلق زنان و اطفال کے لیے مخصوص ایجاد یا اصلاح ثابت ہونگی خصوصیت کے ساتھ حسب حیثیت اشیار نقد انعامات و تمغہ جات یا تعریفی اسناد کی امید دلائی جاتی ہے،

قواعد

نمائش اشیار و نمونہ جات بھیجنے کے متعلق مفصلۂ ذیل قواعد کی پابندی کی جائے،

۱۔ خود مستورات کی بنائی ہوئی چیزیں زیادہ تر نمائش کے لایق تصور کیجائینگی، جو اشیار بھیجی جائیں اُن میں کوئی بات بھی ہونی ضرور ہوگی،

نیز مستورات ہی کے نتیجۂ صنعت و حرفت ہونے کے اطمینان پر لیجائینگی،

۲۔ اشیار کے ارسال کرنے سے پیشتر ایک درخواست بھیجکر سکرٹری سے منظوری حاصل کرلینی ہوگی،

۳۔ درخواست میں چیز کا نام، قسم، فوائد، خصوصیات، حالات ساخت، وزن و قیمت عرض و طول وغیرہ امور کی تشریح کرنی واجب ہوگی، بنانیوالے یا بھیجنے والے کا نام اور پتہ صاف لکھنا ہوگا، جو مستورات نام ظاہر کرنا پسند نہ کریں وہ حروف و علامات کا استعمال بجائے نام کے پتہ کے لیے کرسکینگی،

۴۔ نمائش میں خرید و فروخت چیزوں کی ہوسکیگی بشرطیکہ مالکان نے منشار فروخت سے مع قیمت مطلوبہ کے مطلع کردیا ہو، لیکن کوئی خریدار نمائش ختم ہونے سے پہلے جائے نمائش سے چیز علیحدہ کرنے کا مستحق نہوگا،

۵ - بیرنگ پارسل پکٹ و بیرنگ خطوط وغیرہ اگرچہ واپس کردیے جائینگے لیکن بعض صورتوں میں کرایہ ریل و محصولڈاک وغیرہ ضرور دیا جائیگا، خاص رعایت کے لیے سکرٹری سے خط وکتابت کرنی چاہیے

۶ - تمام اشیار و نمونہ جات آرایش و احتیاط کے ضروری سامان سے آراستہ و مہیا بھیجنی مناسب ہونگی، مثلاً گھڑی مع خانہ کے اور تصویر مع چوکھٹے کے بھیجنی چاہیے، دیگر اشیار علی ہذالقیاس،

۷ - ہر پکیٹ پلندے اور پارسل میں ایک پرچہ تفصیل اشیار مرسلہ کا ساتھ رکھکر بھیجنا ضروری ہوگا تفصیل کے پرچہ پر ابتدائی درخواست کی منظوری کا نمبر بھی درج کرنا لازم ہوگا،

۸ - ۵ دسمبر کے بعد درخواستوں کے اور ۱۵ دسمبر ۱۹۰۵ء کے بعد پارسلوں وغیرہ کے بھجوانے کا وقت نہیں رہیگا، جسقدر جلد درخواستیں آئینگی سہولت اور آسانی سے توجہ ہوسکیگی،

۹ - خط وکتابت کے جوابات اور اشیار کی رسید وصولیاتی سکرٹری لکھیگا، نمایش کے بعد اشیا کو بصورت وصول احتیاط کے ساتھ واپس کرنے، فروخت شدہ اشیا کی قیمت بھجوانے اور کرایہ ریل یا محصولڈاک جو ضروری ہو ادا کرنیکا کام بھی سکرٹری کے دفتر سے ہوگا،

۱۰ - وصول ہونے کے بعد سے واپس روانہ کردینے تک حفاظت اور اندیشے سے احتیاط کا حتی الامکان انتظام رکھا جائیگا،

۱۱ - ایک کمیٹی لیڈیز اور ہندو مسلمان مبصرین کی اشیار پر انعامات وغیرہ تجویز کریگی،

۱۲ - نمایش کی کیفیت اور انعامات کی تفصیل اخبارات میں اور کانفرنس کی رپورٹ کیساتھ شایع کیجائیگی،

عام ہدایت

اتنی مختلف اور قسم قسم کی چیزیں نمایش کے لائق ہوسکتی ہیں کہ تفصیل دشوار ہی، ہندوستان ایسا وسیع ملک ہی کہ ایک صوبے کی چیزیں دوسرے صوبے کے لوگوں کے لیے اکثر عجیب ہوتی ہیں، ذہین اور پُر مذاق مستورات اپنے اپنے دیس اور شہر کی وضع لباس، زیورات، ہلکے سامان تکلف اور آرایش کی چیزوں کی اصل یا نقل، بڑی چیزوں کے کھلونوں کی شکل میں نمونے،

تصویریں اور نقشے بھیجکر نمایش کو نمونہ عجائبات بنا سکتی ہیں، نئی وضع ایجاد اور پرانی وضع میں نئی بات نکال سکتی ہیں، سینے پرونے کے اسباب و کمالات تو مستورات کا خاص حصہ ہیں، طرح بطرح کے زری ریشم اور سوت کے کشیدے، سلمے، ستارے، گوٹے مصالح کی ٹکنیں اون کی کڑھی اور بُنی ہوئی چیزیں چکن اور کٹاؤ کے کام، چھاپے دسمے مہین سوزنی اُتو اور رفو وغیرہ کے نمونے، دستی بیلیں، جھالریں، چین، رنگ برنگ کے پھول پتی بیل مداخلیں اور ساز وغیرہ اور بیشمار چیزیں ہیں جو اکثر مستورات کو کچھ نہ کچھ ضرور آتی ہیں، انکے علاوہ کپڑے یا کاغذ پر رنگ ریشم وغیرہ کی دستی و عکسی تصویریں، نقشے، رنگ آمیزی کے کام، خوشخطی کے نمونے، لباس کی وضع میں تراش خراش، ایجاد، بچوں کو صاف اور تندرست رکھنے اور اُنکو علمی کھیل کھلانے کی چیزیں، یا دیگر امور خانہ داری میں آرام و خوبصورتی کے لیے اپنی اپنی ایجادیں، خلاصہ یہ کہ جو جو کچھ جسکو بنانا آتا ہو، محنت اور صفائی کے ساتھ تیار کر کے یا تیار موجود ہو تو نمونہ کے لیے نمایش میں بھیجکر انعام اور تعریف حاصل کرنے میں سبقت کی کوشش کریں، صنعت و حرفت کے علاوہ مستورات کی تصنیف اور تالیف کی قدر کیجائیگی، بعض اشیاء کے ساتھ اُنکے بنانے کے اوزار، آسان کلیں، پرزے، سوئیاں، کانٹے اور سلائیاں وغیرہ بھی نمایش میں رکھی جائینگی، مستورات کو فنونِ لطیفہ سکھانے میں اور اُن کی عام تعلیم کے لیے جو چیزیں خصوصاً کارآمد ہوں اُنکا صنعت نسواں ہونا ضروری ہوگا قواعد نمایش کی دفعہ ۳ کے بموجب مشرح درخواست بھیجکر ہر چیز کی نسبت دریافت کیا جا سکتا ہی کہ وہ نمایش کے لائق ہوگی یا نہیں۔

المشتہر

سکرٹری نمایش صنعت نسواں متعلق فنیل ایجوکیشن محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس امرتسر پنجاب

رجسٹرڈ نمبر اے ۲۶۱

خاتون

جلد ۵ | بابت ماہ دسمبر ۱۹۰۸ء | نمبر ۱۲

اڈیٹر شیخ محمد عبد اللہ بی اے ایل ایل بی سکرٹری تعلیم نسواں سکشن

فہرست مضامین

۱- اسپیچ .... بیگم صاحبہ بھوپال ۴۶۵
۲- جاہل ساس .... قیصر دلہن صاحبہ ۴۷۶
۳- انوکھی شادیاں .... مسز س۔ م۔ د صاحبہ ۴۸۲
۴- حفظ لسان .... سہروردیہ صاحبہ ۴۸۷
۵- زبان کی قدر شناسی .... شریفہ حامد علی صاحبہ ۴۹۶
۶- آنسو بھرا کٹورہ .... محمد سعید صوفی از ذیلع سمالی لینڈ افریقہ ۵۰۱
۷- شریک زندگی نظم .... سید محمد احسن صاحب مارہروی ۵۰۶
۸- اڈیٹوریل ۵۱۰

محمد عبد السلام پرنٹر کے اہتمام سے
مطبع فیض عام علی گڑھ میں طبع ہوا

شیخ محمد عبد اللہ بی اے پبلشر

خاتون

۱۔ یہ رسالہ ۴۸ صفحے کا علی گڑھ سے ہر ماہ میں شائع ہوتا ہی اور اسکی سالانہ قیمت (عہ) اور ششماہی (۱۲) ہے

۲۔ اس رسالہ کا صرف ایک مقصد ہی، یعنی مستورات میں تعلیم پھیلانا اور پڑھی لکھی مستورات میں علمی مذاق پیدا کرنا،

۳۔ مستورات میں تعلیم پھیلانا کوئی آسان بات نہیں ہی اور جبتک مرد اس طرف متوجہ نہونگے مطلق کامیابی کی امید نہیں ہوسکتی، چنانچہ اس خیال اور ضرورت کے لحاظ سے اس رسالے کے ذریعے سے مستورات کی اشد ضرورت اور بے بہا فوائد اور مستورات کی جہالت سے جو نقصانات ہورہے ہیں اُس کی طرف مردوں کو ہمیشہ متوجہ کرتے رہینگے،

۴۔ ہمارا رسالہ اس بات کی بہت کوشش کریگا کہ مستورات کے لیے عمدہ اور اعلیٰ لٹریچر پیدا کیا جاے جس سے ہماری مستورات کے خیالات اور مذاق درست ہوں اور عمدہ تصنیفات کے پڑھنے کی اُن کو ضرورت محسوس ہو تاکہ وہ اپنی اولاد کو اُس بڑے لطف سے محروم رکھنا جو علم سے انسان کو حاصل ہوتا ہی معیوب تصوّر کرنے لگیں،

۵۔ ہم بہت کوشش کرینگے کہ علمی مضامین جہانتک ممکن ہو سلیس اور بامحاورہ اُردو زبان میں لکھے جائیں،

۶۔ اس رسالے کی مدد کرنے کے لیے اسکو خریدنا گویا اپنی آپ مدد کرنا ہی اگر اس کی آمدنی سے کچھ بچیگا تو اُس سے غریب اور یتیم لڑکیوں کو وظائف دیکر اُستانیوں کی خدمت کے لیے طیار کیا جائیگا،

۷۔ تمام خط وکتابت و ترسیل زر بنام اڈیٹر خاتون علی گڑھ ہونی چاہیے،

اسپیچ

علیاحضرت ہر ہائنس جناب نواب سلطان جہاں بیگم صاحبہ فرمانروائے ریاست بھوپال دام اقبالہا نے مدرسۂ سلطانیہ بھوپال کی کامیاب لڑکیوں کو انعام تقسیم کرنے کے موقع پر جو تقریر فرمائی تھی، خوش قسمتی سے خاتون میں شائع کرنے کے لیے وہ ہمارے پاس موصول ہوئی ہے،

ہر ہائنس کی یہ تقریر نہ صرف بلحاظ ان بیش قیمت اور بے بہا نصائح کے جو اس میں حضور ممدوحہ نے بیان فرمائی ہیں بے نظیر ہے، بلکہ اس سے علیاحضرت کے اُن اعلیٰ اور مفید خیالات اور اس توجہ اور شغف کا اظہار ہوتا ہے جو جناب ممدوحہ کو تعلیم نسواں کیساتھ ہے، یہ تقریر ہر ایک خاتون کا عموماً اور مسلمان خواتین کا خصوصاً دستور العمل ہونا چاہیے، اور اس کی ایک ایک بات ناظرات خاتون کو اپنے دل پر نقش کر لینی چاہیے،

گو یہ تقریر ۱۴۔ اگست ۱۹۰۷ء کو حضور ممدوحہ نے فرمائی تھی اور ہم کو افسوس ہے کہ آج ایک سال سے زائد عرصہ گزرنے کے بعد ہم کو اسکے شائع کرنے کا موقع ملا لیکن چونکہ اس میں جو باتیں بیان کی گئی ہیں، وہ وقت اور موقع کے ساتھ کچھ خاص نہیں ہیں بلکہ ہر خاتون کے لیے ہر زمانے میں وہ یکساں مفید اور سودمند ہیں اسلیے اس تاخیر سے اس تقریر کی حیثیت میں کسی قسم کا فرق نہیں آیا،

تقسیم انعام کا یہ جلسہ ایوان صدر منزل میں منعقد کیا گیا تھا، ایوان صدر منزل اگرچہ ہمیشہ آراستہ رہتا ہے، لیکن اُس روز خاص طور پر آراستگی کی گئی تھی، شہ نشین اور وسیع دالانوں میں کارچوبی فرش اور بیش بہا قالین بچھے ہوئے تھے،

ماج شہ نشین میں ہر ہائنس کی طلائی کرسی تھی اور اُسکے برابر دونوں طرف جناب قیصر دُلہن صاحبہ (بیگم صاحبہ نواب محمد نصر اللہ خاں صاحب بہادر ولیعہد ریاست) اور جناب شہریار دلہن صاحبہ (بیگم صاحبہ صاحبزادہ حافظ حاجی کرنل محمد عبید اللہ خاں صاحب بہادر کمانڈر انچیف افواج ریاست) کی نفیس کرسیاں تھیں،

پیچھے ایک مکلّف سوفہ پر شاہ بانو صاحبہ (بیگم صاحبہ صاحبزادہ حاجی محمد حمید اللہ خاں صاحب بہادر) و صاحبزادی برجیس جہاں بیگم صاحبہ کی نشست تھی اور یہی دونوں اُس وقت سرکار عالیہ کی "میڈ آف آنر" تھیں،

برابر کی شہ نشین کی محرابوں میں یورپین لیڈیز کے لیے اور دالانوں میں دیگر معزز خواتین کے لیے بلحاظ مراتب اور گیلری میں مدرسہ کی لڑکیوں کیواسطے قرینہ سے کرسیاں بچھائی گئی تھیں،

شہ نشین و صدر دالانوں اور سہ دریوں کی کرسیوں پر مخملی غاشیے جنپر سنہرا کام تھا پڑے ہوئے جگمگا رہے تھے،

مشرقی ضلع کے دالانوں میں ہر ہائنس کی جانب سے نہایت تکلف کیساتھ ریفرشمنٹ

کا انتظام کیا گیا تھا، اور تازہ اور انواع و اقسام کے فواکہات ہندوستانی و انگریزی مٹھائیاں میزوں پر چنی گئی تھیں،

مہتممہ مدرسہ کی طرف سے قریب پانسو کے انویٹیشن کارڈ خواتین و اراکین و دیگر معزز عہدہ داران کی خواتین اور یورپین لیڈیز کے نام جاری کیے گئے تھے۔ اور ہر ہائنس نے مہمانوں کی آمد و رفت کے لیے ریاست کی بگھیاں اور سواریاں عطا فرمائی تھیں،

وقت معینہ پر چار بجے ہر ہائنس شاہانہ لباس اور جی، سی، آئی، ای، کی (روب) اور تمغہ سے مزین ہو کر نہایت عظمت و شان سے تشریف فرما ہوئیں، اور بینڈ نے (جو صدر دروازہ کے بیرونی گیلری میں قائم کیا گیا تھا) سلامی ادا کی،

اس جلسہ کے پیشتر اور کسی بی بی نے سوائے محل کی بیبیوں کے حضور عالیہ کا لباس ان سکندانہ دیکھا تھا، اور اکثر بیبیاں ہر ہائنس کو اُس لباس میں دیکھنے کی متمنی تھیں، اس موقع پر ہر ہائنس کے اس لباس میں جلوہ افروز ہونے سے اور بھی اشتیاق بڑھ گیا تھا،

حتیٰ کہ جو بیبیاں اخیر صفوں میں بیٹھی تھیں اور ہر ہائنس کو اچھی طرح پر نہیں دیکھ سکتی تھیں، اُنہوں نے اختتام کارروائی جلسہ پر مس مارشا چناپا سے درخواست کی کہ وہ ہر ہائنس سے ہماری خواہش کا اظہار کریں تاکہ ہم اُنکو اُس لباس میں اچھی طرح دیکھ لیں،

ہر ہائنس جب اپنی کرسی پر متمکن ہوئیں تو مہتممہ صاحبہ مدرسہ نے اجازت حاصل کر کے مدرسہ کی سالانہ رپورٹ سنائی، رپورٹ ختم ہونیکے بعد ہر ہائنس نے کرسی سے ایستادہ ہو کر اپنی غیر معمولی فصاحت کے ساتھ ایک مختصر سی تقریر فرمائی، بعد ازاں فاطمہ سلطان صاحبہ حضور ممدوحہ کی زنانہ سکرٹری نے حضور محتشم الیہا کی مندرجہ ذیل اسپیچ حاضرین کو سُنائی،

اڈیٹر

اسوقت جو رپورٹ مدرسہ سلطانیہ کی پیش ہوئی ہی، اُس سے آیندہ کامیابی کے لیے بہت کچھ اطمینان ہوتا ہی، اب سے تین سال پہلے جب میں نے اس مدرسہ کے قائم کرنیکا ارادہ کیا میں اس کی کامیابی کے لیے نہایت متردد تھی، لیکن اب تردد کی کوئی وجہ نہیں،

مدرسہ میں لڑکیوں کی ترقی اور سالانہ امتحان کے نتائج اس امر کو ظاہر کرتے ہیں کہ باشندگان بھوپال کو تعلیم کی طرف دلچسپی ہوتی جاتی ہی، اور جو لڑکیاں مدرسہ میں داخل ہوتی ہیں وہ دل لگاکر اور شوق کے ساتھ تعلیم حاصل کرتی ہیں، یہ امر میرے لیے بڑی مسرت کا باعث ہی،

جب سے کہ مس ملکہ وتی چنایا جو ایک ہندوستانی عورت ہیں اور جنھوں نے یورپ میں بھی تعلیم پائی ہی، اس مدرسہ کی مدرّسہ مقرر ہوئی ہیں، اُسوقت سے مجھے مدرسہ کی آیندہ حالت کے لیے اور بھی اطمینان ہوگیا ہی کیونکہ عمدہ تعلیم کے لیے مدرّسہ کا لائق ہونا نہایت ضروری ہی،

اس موقع پر میں مس ملکہ وتی چنایا کی تعریف کیے بغیر نہیں رہ سکتی جنھوں نے تقریباً ایک سال کے عرصہ میں اپنی کوشش سے مدرسہ کو ترقی دی، مگر آبادی شہر بھوپال کے تناسب سے ابھی لڑکیاں بہت کم ہیں اور اس کی وجہ بجز اسکے کچھ نہیں ہی کہ لڑکیوں کے وارثوں کو تعلیم کی طرف سے کم توجہی ابھی تک باقی ہی، یہ حالت صرف بھوپال ہی میں نہیں بلکہ تمام ہندوستان میں ہی بالخصوص مسلمانوں میں بہت زیادہ ہی،

اے خاتونانِ بھوپال!

تم یاد رکھو اور سمجھ لو اور اپنے عزیزوں اور قریبوں کو سمجھا دو کہ تمھاری اور تمھاری اولاد کی آیندہ زندگی اور ترقی اور خانہ داری کی ضرورتوں کے لیے

تمہارے فرقہ کی تعلیم بھی مردوں کی تعلیم کی طرح ضروری ہے، مستورات کے لیے علم کے زیور سے آراستہ ہونا کوئی انوکھی بات نہیں ہے، افسوس ہے کہ تمہارا بڑا حصہ علم کی دولت سے بے بہرہ ہے، ورنہ تم دیکھتیں کہ تم سے پہلے بیبیوں نے کیسے کیسے بڑے کام کیے ہیں، اور وہ کیسی مشہور اور عالمہ گزری ہیں،

اے مسلمان خاتونو!

تم میں سے ہر بیوی نے ضرور حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ، حضرت فاطمہ رضؓ، حضرت سکینہ رضؓ کا نام سُنا ہے، اور یہ بھی تم جانتی ہو کہ وہ اہل بیت رسالت میں سے تھیں، مگر افسوس ہے کہ تم اُنکے کمالات اور فضائل علمی سے واقف نہیں، تم یہ بھی جانتی ہو کہ مسلمانوں میں مسئلہ مسائل اور حدیثیں بھی ہیں، مگر تم اس سے واقف نہیں کہ انکے تم تک پہنچانے میں ان مقدس اور پاک بی بیوں نے کسقدر حصہ لیا ہے، اسی طرح اور بہت سے امیروں، بادشاہوں کی بیگمیں گزری ہیں جو مشہور و مدبر بادشاہوں کے برابر خردمند اور مستعد تھیں، زبیدہ خاتون، نورجہاں بیگم، زیب النساء کے نام اور حالات غالباً تمنے سُنے ہی ہونگے، اور۔

اے ہندو خاتونو!

تمہاری قوم میں بھی اکثر قابل اور نامور عورتیں گزری ہیں، تم میں رانی سیتا جی رانی لیلاوتی، رانی دمینتی کے قصے ہر زن و مرد کی زبان پر ہیں، اس زمانہ میں بھی ہندوستان میں بعض ہندو بیگمات نے علم و ہنر میں بڑی شہرت حاصل کی ہے، اگرچہ ایسی نامور عورتیں ہر زمانہ اور ہر قوم میں بکثرت گزری ہیں، لیکن ہمنے مثالاً صرف چند مشہور خواتین کے نام لیے ہیں جنکو سب جانتے ہیں،

کیونکہ میرا مقصد یہ ہے کہ تم کو اپنی ہمجنسوں کے نام سنکر جنسے تم واقف ہو علم حاصل کرنے کا شوق پیدا ہو، اور جب تم تحصیل علم کی طرف متوجہ ہوگی اور اس میں کوشش کروگی تو ایسے بہت سے ناموں اور انکے کارناموں سے تم خود واقف ہوجاؤگی،

اسوقت تم بالکل ظلمات میں گھری ہوئی ہو، اے خاتونو! کوشش کرو اور اپنے آپ کو اس ظلمت سے نکالو، کیونکہ ظلمات سے نکلنے کے بعد ہی آب حیات ملتا ہے۔ اب وہ زمانہ تمہارے لیے بھی آگیا ہے کہ آب حیواں جس سے مراد "چشمۂ علم" ہے، اپنی کوششوں سے حاصل کرلو، اور مثل سکندر ذوالقرنین کے اُس چشمۂ حیات کے کنارے پہنچ جاؤ، مگر یاد رکھو کہ آب حیواں دیکھا نہیں گیا، صرف اُسکا نام ہی نام سُنا ہے، لیکن چشمۂ علم بلاشبہ آب حیات ہے کہ جس نے اسے پی لیا اُسکا نام ہمیشہ دنیا میں زندہ رہتا ہے،

تم اپنی جنس میں ایسی زندہ جاوید مثالوں کی تلاش کے لیے دور نہ جاؤ، تم میں سے یقیناً سب نے ملکہ وکٹوریہ کا نام سُنا ہوگا جو ہندوستان پر راج کرتی تھیں اور جنکے زمانہ میں تم پیدا ہوئیں اور امن وامان سے پلیں، وہ بھی عورت تھیں مگر دیکھو اُنہوں نے اتنی بڑی سلطنت پر جسمیں کبھی سورج نہیں ڈوبتا ۶۴ سال کس عمدگی سے حکومت کی،

وہ کیسی نیک اور اچھی ملکہ تھیں، گو نہ اُنہوں نے تم کو دیکھا نہ تم نے اُن کو، صرف اُن کی تصویر تم نے روپیوں، پیسوں، یا اپنے بچوں کی کتابوں پر دیکھی ہوگی لیکن وہ تم کو اپنی اولاد کی طرح چاہتی تھیں، اور تمہارے درد دُکھ کی جب اُن کو خبر ہوتی تھی تو وہ بیتاب ہوجاتی تھیں، بڑے بڑے خردمند مرد، اور بڑے بڑے

دلیر آدمی اُنکے نوکر تھے،

اب میں اس سے بھی قریب تر تمہارے ہی وطن کی مثالیں بتاتی ہوں؛ تم کو سکندر بیگم صاحبہ کا نام معلوم ہوگا جو بھوپال کی سرکار اور رئیسہ تھیں، اُنھوں نے کیسے کیسے انتظام کیے، غدر کے زمانے میں بھوپال والوں کی جان و مال کی اپنی بیدار مغزی سے حفاظت کی، تمام فوج کو قابو میں رکھا اور ایسے کام کیے کہ مردوں سے بھی بن نہ آئے،

اپنی دوسری بیگم میری والدہ معظمہ شاہجہان بیگم صاحبہ کو تم میں سے کثیر بی بیوں نے دیکھا ہوگا اور اکثروں نے نام سُنا ہوگا، اُنھوں نے ۳۰ سال بھوپال پر حکومت کی، وہ بڑے بڑے درباروں میں شریک ہوئیں اُنکو سرکار انگریزی سے بڑے بڑے خطاب ملے، تم جانتی ہو کہ وہ کیسی فیاض و عقیل اور رعایا پرور تھیں، اور اکثر کتابیں اُنکی تصنیف سے موجود ہیں، اُنکا نام ہندوستان سے لندن تک مشہور ہے، اور بڑے بڑے خردمند اُنکا ادب کرتے تھے عموماً انگریز اور ہندوستانی اُن کی تعریف کرتے ہیں، آخر یہ سب عورتیں ہی تھیں، مگر اُن میں علم و عقل اعلیٰ درجہ پر تھی، اعلیٰ درجہ کی علم و عقل کی موجودگی نے ہی اُنکو اُس عزت پر پہنچایا جو مردوں کے لیے باعث رشک ہے، اُنکی ہمیشہ کتابوں میں تعریف لکھی جائیگی،

مذہب نے تم کو تعلیم کی ہدایت کی ہے اور رسول برحق صلعم نے تعلیم میں عورتوں کو برابر کا حقدار بنایا ہے لیکن تم اپنے اُس حق سے محروم ہو اور تم نے اُسکو کھو دیا ہے، حتیٰ کہ اب تمہاری حالت اس درجہ پر پہنچ گئی ہے کہ تم یہ بھی نہیں جانتیں کہ تعلیم میں تمہارا حق بھی تھا یا نہیں؟ البتہ کچھ دنوں سے ہر گوشہ سے یہ صدا آرہی ہے، اور کچھ لوگ تمہاری مدد کو کھڑے ہوگئے ہیں اور چاہتے ہیں کہ تم کو

تمہارا حصہ دیا جائے، بڑے بڑے شریف خاندانوں اور اونچے گھرانوں میں بھی
یہ خیال پیدا ہو چلا ہے کہ "لڑکیوں کی تعلیم کا بھی مثل لڑکوں کی تعلیم کے انتظام ہو"
لیکن افسوس ہے کہ ایسی استانیاں نہیں ملتیں کہ جو لڑکیوں کو پڑھا سکیں، اور نہ ایسی
کتابیں موجود ہیں جن سے سلسلہ تعلیم نسواں مکمل ہو سکے، مگر اسکا بھی انتظام
علی گڑھ میں کیا جا رہا ہے،

سرکار انگریزی کا شکر کرو جو تمہاری تعلیم میں فیاضی کے ساتھ مدد کرتی ہے
اور جسکو تمہاری اپنوں سے زیادہ فکر ہے،

اے بی بیو! کیا تم بتا سکتی ہو کہ تم میں سے کتنی ایسی ہیں کہ جو خود اپنے بچوں کو عمدگی
کے ساتھ تعلیم دیکر یا خانہ داری کا حساب کتاب اپنے ہاتھ سے انجام دیکر شوہروں
کو مدد دے سکتی ہیں،

تم میں اکثر امیروں اور اعلیٰ عہدہ داروں کی بیبیاں بھی ہیں مگر کوئی بیوی ایسی ہے
کہ جو جسارت کے ساتھ یہ کہہ سکے کہ وہ اپنے خاوند کی واقعی مشیر اور مددگار ہے، اور
اپنے بچوں کی خود غور و فکر اور تربیت جیسی کہ ہونا چاہیے کرتی ہے،
یا کوئی بیوی ایسی ہے جو یہ کہے کہ اُسنے آج تک کوئی کام ایسا کیا ہے جو اسکی مجلس
یا قوم کیلیے فائدہ بخش ہو، اب تم اُس قوم کی عورتوں کو دیکھو جو ہندوستان پر حکومت
کرتی ہے ویسراے بیگم سے لیکر معمولی یورپین عہدہ داروں کی بیویاں بھی تعلیم یافتہ
ہوتی ہیں، انہیں خانہ داری اور تربیت اولاد کا بڑا سلیقہ ہوتا ہے، اُنکے بچوں کا صاف اور
ستھرا لباس ہی اندازہ کرنیکو کافی ہے وہ بچپن ہی سے بچوں میں اخلاق و آداب کی
درستی کا خیال رکھتی ہیں اور ہر حال اپنی اولاد کی بجائے خود معلمہ اور استانی ہوتی ہے، علاوہ
اسکے اُن میں ہر چھوٹا بڑا حفظان صحت کے اصول سے واقف ہے اور وہ لوگ اپنی اور
اپنے بچوں کی زندگی اُن ہی اصول پر قائم رکھتے ہیں، وہ رفاہ عام کے کاموں میں

بھی دلچسپی لیتی ہیں، اُن میں سے لیڈی ڈفرن، لیڈی لینسڈاؤن، اور لیڈی کرزن ہیں
جنہوں نے ہندوستان میں آکر تمہاری صحت جسمانی پر نظر ڈالی اور اُسکو خراب حالت
میں دیکھکر وہ متاثر ہوئیں، اُنہوں نے تمہارے لیے شفاخانے قائم کیے اور
تعلیم دایہ گری جاری کی، درحقیقت انہوں نے سب سے بڑے اور اہم امر پر لحاظ کیا
کیونکہ بغیر تندرستی کے انسان سے کوئی کام نہیں ہو سکتا، گویا انسان کے تمام کاموں
کی بنیاد تندرستی پر مبنی ہے، اُن نیکدل خاتونوں نے اُسکی مضبوطی میں کوشش کی اُنمیں
یہ ہمدردی اور خیال کسنے پیدا کیا؟ صرف تعلیم نے، پس غور کرو کہ تعلیم کیسی مبارک اور عمدہ چیز ہے
یہ صحیح ہے کہ اُستانیوں کی کمی ہے، لیکن اگر تم میں تعلیم حاصل کرنیکا شوق ہو تو اپنے
گھروں میں اپنے شوہروں، بھائیوں اور باپوں سے کچھ نہ کچھ تو حاصل کر ہی سکتی ہو،
تاکہ تمہارے خیالات میں روشنی پیدا ہو، مگر افسوس ہے کہ ابھی تک علم سے کامل
دلچسپی نہیں ہے، مدرسہ میں تعلیم حاصل کرنیکے لیے زیادہ تر عذر پردہ کا کیا جاتا ہے،
میں بھی پردہ کی مخالف نہیں، پردہ کو اُس خدائے حکیم نے جو ہر انسان اور ہر قوم کے
ظاہر و باطن پر نظر رکھتا ہے، بڑی مصلحتوں سے حکماً جاری کیا ہے اور وہ مسلمانوں کا مذہبی
شعار ہے، مخصوص ہندوستان میں کمسنوں کو پردۂ مروجہ کی بہت ضرورت ہے،
اسیواسطے سب سے اول مدرسہ سلطانیہ اور مدرسہ وکٹوریہ میں پردہ کا انتظام سختی
کیا گیا ہے، اور پردہ شرعی تو مسلمانوں کے لیے فرض ہی ہے، اسی تفریق کے خیال
سے مدرسہ صنعت و حرفت اناث میں جہاں بیوگان تعلیم پاتی ہیں پردہ شرعی
کا لحاظ رکھا ہے،

اب میں مدرسہ کی لڑکیوں سے خاص طور پر کچھ کہنا چاہتی ہوں،
پیاری لڑکیو! مجکو تمہارے نتائج امتحان سے تمہاری ترقی تعلیم کے متعلق بہت کچھ
امیدیں پیدا ہو رہی ہیں اور میری آرزو ہے کہ میں تم میں سے ہر ایک کو عمدہ اخلاق

اداب، اور پابندی مذہب کا ایک نمونہ پاؤں اور یہی تمہاری آیندہ زندگی کا جو
درصل تمہاری تعلیم کے امتحان کا وقت ہوگا کار آمد اور عمدہ بنانے کا ذریعہ ہیں،
تمکو ابھی سے والدین کی اطاعت، بڑے چھوٹے بھائیوں کی محبت، عزیزو
اقارب کے ساتھ ہمدردی سیکھنی چاہیے۔

صفائی وسلیقہ تمہاری تعلیم کا ضروری جزو ہے، اسکو ہر وقت پیش نظر رکھو
تم میں سے جو غریب ہیں انکو امیروں کی حرص نہیں کرنی چاہیے، اور جو امیر
ہیں انہیں غریبوں کو حقارت سے نہیں دیکھنا چاہیے، کیونکہ دوسروں کو حقیر سمجھنا
سب سے بڑا گناہ ہے،

قرآن مجید میں باری تعالی کا ارشاد موجود ہے،

(دیکھو پارہ حٰمٓ سورہ حجرات)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّن قَوْمٍ عَسَىٰ أَن يَكُونُوا خَيْرًا
اے ایمان والو نہ ٹھٹھا کریں ایک لوگ دوسروں سے شاید وہ بہتر
مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِّن نِّسَاءٍ عَسَىٰ أَن يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوا
ہوں انسے اور نہ عورتیں دوسری عورتوں سے شاید وہ بہتر ہوں انسے اور عیب جوئی نہ کرو
أَنفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوقُ
ایک دوسرے کی اور نہ نام چڑاؤ ایک دوسرے کی برا نام ہے گنہگاری
بَعْدَ الْإِيمَانِ وَمَن لَّمْ يَتُبْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۝
پیچھے ایمان کے اور جو کوئی توبہ نہ کرے تو وہی ہیں بے انصاف

تم ایک دوسرے سے تعلیم، صفائی، سلیقہ میں سبقت لیجانے کی کوشش کرو
مگر ایک دوسری کو آپس میں بہن سمجھو اور ہمیشہ ہمدردی اور محبت سے پیش آؤ،
تم رشک کرو لیکن حاسد نہ بنو،

جو وقت تمہارا گھر میں گزرے اور مدرسہ کے کام سے فرصت ملے تمہیں تمہارا فرض ہی کہ اپنی ماؤں اور بڑی بہنوں کا گھر کے کاموں میں ہاتھ بٹاؤ، چھوٹی بہنوں اور بھائیوں کی غور و پرداخت کرو، اگر تمپر کوئی بزرگ خفا ہوا ور تم درحقیقت قصوروار ہو تو ادب کے ساتھ معافی مانگو اور آیندہ کے لیے احتیاط رکھو، اور اگر تمہارا قصور نہو تو تم غصہ سے جواب مت دو اور ضبط کر جاؤ، اور ہمیشہ اَلصَّبرُ جَمِیلٌ کا خیال رکھو کیونکہ تم میں سے ہر ایک لڑکی کو ایسے واقعات پیش آئینگے، پس ابھی سے ایسی عادت ڈالو،

یاد رکھو کہ جو عادتیں تم بچپن میں اپنے گھر سے اختیار کرو گی وہی عادتیں آخر دم تک قائم رہینگی، ان تمام عمدہ عادتوں کیساتھ تم کو فرائض و واجبات مذہب کی پابندی بھی ضروری ہی، کیونکہ اگر تم تعلیم میں کامل بھی ہو جاؤ اور تمام دنیا تمہاری تعریف کرے مگر جبتک تم مذہب کی پابند نہو گی تمکو نہ حقیقی خوشی حاصل ہو گی اور نہ تمہاری نجات ہو سکتی ہی،

دیکھو تم ہنسی خوشی رہتی ہو اور تم کو ہر قسم کا آرام و اطمینان ہی لیکن اگر تم یہ بھی جانتی ہو کہ تم میرے احکام کی تعمیل نہیں کرتیں اور میں اس سبب سے ناراض ہوں تو کیا تمہارا دل مطمئن رہ سکتا ہی؟

ایسے ہی سمجھلو کہ خدا جو سب سے بڑا حاکم اور تمام زمین و آسمان کا مالک ہی اور جو تم کو آرام اور فارغ البالی دینے اور تم پر مصیبتیں نازل کرنے کی یکساں قدرت رکھتا ہی ہرگز اپنے نافرمان بندوں سے خوش نہیں ہو سکتا، اور اُسنے صاف صاف اپنے نبی کے ذریعہ سے ایسے بندوں پر جو اُسکے احکام کی تعمیل نہیں کرتے ناخوشی کا اظہار کیا ہی تو بھلا بتلاؤ کہ تم کو ایسے زبردست مالک سے خوف کرنا چاہیے یا نہیں،

تم کو اخلاق و آداب، تاریخ و دینیات کی کتابیں جب موقع ملے دیکھنا چاہیے، قصے کہانی کی کتابیں دیکھنے سے بجز برائی کے کچھ نتیجہ حاصل نہیں ہوتا، بلکہ ایسی کتابوں کے دیکھنے سے عورتوں کی بُری اور بدنام مثال قائم ہوتی ہی، خصوصاً

کم عمری میں بہت ہی احتراز کرنا چاہیے،

اب آخر میں تم سے مجھے صرف یہ کہنا باقی ہی کہ مجھے تمہاری اس ترقی و کامیابی سے جو تم نے بہت تھوڑی مدت میں کی ہی ایک خاص خوشی ہی اور اُس خوشی کے اظہار کے لیے میں نے آج یہ جلسہ منعقد کر کے تمکو اپنے ہاتھ سے انعام دینا قرار دیا ہے، مجھے یقین ہی کہ جو کچھ مینے آج نصیحت کی ہی تم اُسپر عمل کر کے مجھے اور زیادہ خوش کروگی، اور انعام و اکرام کی مستحق بنوگی، میں خاص طور پر اُن لڑکیوں کو جنکا ذکر اُن کی ہیڈ مسٹرس نے اپنی رپورٹ میں خصوصیت کے ساتھ کیا ہی مبارکباد دیتی ہوں اور مجھے امید ہی کہ وہ آیندہ اور بھی زیادہ دلچسپی تعلیم اور تربیت میں پیدا کر کے انعام مزید کا استحقاق حاصل کرینگی ،،

جاہل ساس

قیصر دلہن صاحبہ ملک کی اُن لائق بیگمات سے ہیں جو قلم اور زبان پر خوب دسترس اور ملکہ رکھتی ہیں، ہم اپنے محترم دوست جواد علی صاحب کے جنکا قیصر دلہن صاحبہ سے خاندانی رشتہ ہی، نہایت مشکور ہیں کہ اُنکے ذریعہ سے یہ مضمون ہم کو ملسکا، اور گو قیصر دلہن صاحبہ اپنے کاروبار خانہ داری کے شکنجوں میں جکڑی رہتی ہیں اور ان کو بہت کم فرصت ملسکتی ہی. لیکن ہم کو امید ہی کہ جواد علی صاحب انکے فرصت کے اوقات کا کچھ حصہ خاتون کے لیے وقف کرائینگے، جو تمام ناظرات کی مشکوری کا باعث ہوگا،

اڈیٹر

موُنھ کالا ایسی ساس کا، جسنے اپنے ہنستے بولتے پوت بہو کے بیچ میں عداوت کا بیج بوکر مزاج نہ پٹنے کی ٹھہرائی ہو، موُنھ مانگی مراد پا کر بھی چین سے بیٹھنا اُسے گوارا نہ ہو، بلکہ

دگا ہوں اور امام باڑوں میں چہلا باندھتی پھرے کہ جس دن بھیا اسے طلاق دیکر اُس کی
اولٹی ڈولی گھر سے میکے پھکوا دیں، میں گھی کے چراغ جلاؤں، بھیا بھی اب کہاں ایسے
انجام میں رہے ہے، بدمزاج اور پھوہڑ ماں اگر ننگے ہو کر ناچنے کہے تو بھیا تیار،

لے بھلا دلہن، تمہیں دیکھو اس بیچاری عالیہ نے کیا کیا؟ بیاہ مانگ کر میکے سے سسرال
آئی، یہ بھی نہیں کہ باپ نے ننگی کھلی بھیجدیا ہو، دان دہیز میں (جہیز) جو دنیا دیتی ہے، وہ سب
سامان، ایک جھوڑ دُہرا زیور، اُنہوں نے تو کچھ اوروں سے بڑھکر ہی کیا، نہیں تو آج کے
زمانے میں داماد کا یہ مان دان کیا ہے کہ اپنے سرمایہ کا ایک حصہ داماد کے نام کر دیا، اور جب
کبھی جیسی ضرورت دیکھی ویسی مدد دی،

سچ پوچھو تو میاں فیاض حسین سے علی گڑھ کے بڑے مدرسے کی تعلیم (علی گڑھ کالج)
سُسر ہی کے بل پر پوری کی، نہیں گھر میں تو خیر صلاح تھی، ماں کہاں سے لاتیں جو پوت
کو پیسہ دیتیں اور پوت گھر سے بے فکر پڑھا کرتے،

ان سب کو بھاڑ میں جھونکو، بذات خاص بہو کو دیکھو، ایسی بہو اندھیرے گھر کا اُجالا خدا
سب کو دی، صورت دیکھو تو ماشاء اللہ حور یا پری، ماتھے چاند، ٹھڈی تارا، شعور و سلیقہ ایسا
کہ چراغ لیکے ڈھونڈھو تو ثانی نہ ملے، پھر چار حرف دیکھے ہوئے، چار آنکھ والی، فرماں بردار
ایسی کہ ساس کی اس نفرت اور دودھ کی مکھی کی طرح نکال پھینکنے پر بھی ساس کا لحاظ، پاس،
توقیر، کسی بات میں بند نہیں، اطاعت گزار ایسی کہ گھر کا دھندا زرخرید لونڈی کی طرح کرنے میں
بند، نہ میاں کی نازبرداری میں بند، اسپر کڑوے بول کے سوا میٹھا بول سننے کو کان ترس
رہے ہیں، مگر صد رحمت کہ کبھی اُف زبان پر نہیں لاتی، میکے والوں کو تو کبھی اس حال سے
آگاہ ہی نہیں کیا، البتہ یہ خبریں چھپتی کہاں، اُنکے کانوں تک پہنچ ہی گئیں، مگر اُن کی بھی لیاقت
ہی ہے کہ بیٹی کی جنبہ داری میں کبھی کوئی بات مونہ تک نہ آنے دی، البتہ دو ایک بار بلا بھیجا
جسپر ساس نے یہ سمجھکر کہ گھر کا کاروبار میرے سر پڑ جائیگا، کہار و میانہ واپس کر دیا،

سُسرال والے اس لڑکی کا ضبط دیکھ دیکھکر حیرت میں ہیں، سوکھ کر کانٹا ہوگئی ہی، پتھر کا دل ہوگا
وہ بھی اس درد دُکھ سے پسیج جائیگا، لیکن فیاض حسین کی والدہ ہیں کہ بہو کے لیے زہر
بونے کو موجود ہیں،

دُلھن۔ باجی میں کیا جانوں، وہیں کی آنے جانے والی عورتوں کی زبان سے سُنا کرتی
کرتی تھی کہ میاں کے بارہ میں عالیہ بیگم کا ایسا نصیب اللہ سارے جہان کا کرے، بیوی کا
عاشق زار ہے، پلکوں کے اشارہ پر چلتا ہے، میں بھی سمجھتی تھی کہ سچ کہتی ہیں،

پہلی۔ وہ بیچاری جھوٹ نہ کہتی تھیں، پہلے تو فیاض حسین حقیقت میں بیوی کو بہت
پیار سے رکھتا تھا، اور وہی نہ رکھتا، اُس کی نظر سیدہی نہوتی تو بیاہ ہی کیوں ہونے
لگا تھا، لیکن مشہور ہی کہ "مرد کی محبت، اولاد، دولت، دہوکہ کی ٹٹی ہی، اسکا کوئی اعتبار نہیں"
ماں نہ پہلے راضی تھیں، نہ اب، ہاں پہلے جبتک فیاض حسین کی نظر سیدہی تہی تو ماں بہی
پوت کو ملانے کے لیے بہو سے ظاہرداری کا برتاؤ کرتی رہیں، جب بیٹے کو اپنے کیے کا
کر لیا تو عالیہ (بہو) سے بگڑ بیٹھیں،

دُلہن۔ باجی یہ کیا آپ نے کہا "ماں نہ پہلے راضی تہیں نہ اب" پھر کیا لڑکے نے اپنی خوشی سے
شادی کر لی،

پہلی۔ تو کیا تم یہ نہ جانتی تھیں، بالکل اپنی ضد سے،

دُلہن۔ تو باجی، بہو بیگم (فیاض حسین کی والدہ) کیوں ناراض تہیں، اور فیاض حسین
تو ہمیشہ سے ماں باپ کے کہے میں تہا، مگر نکاح بیاہ ہی میں اُنکے خلاف کیا،

پہلی۔ بڑے مولوی صاحب (عالیہ خاتون کے والد) کو تو پہلے ہی سے فیاض حسین
کی چوٹ تھی، وہ کہتے تھے کہ اول تو خاندان سادات سے ہی، دوسرے پڑہا لکھا ہوشیار، دولتمند
نہ سہی، اول تو لیاقت اسکے پاس ہوگی، دوسرے میں خود اُس کی خبر رکھونگا اور اپنے بعد
کے لیے انتظام کر جاؤنگا،

بہو بیگم نے اپنے خیال میں فیاض حسین کو اپنی بھتیجی سے مانگ رکھا تھا، جب فیاض حسین بڑی تعطیل میں گھر آیا، تو اُن کی ماں بھائی کے گھر کہلا بھیجا، کہ اب دیر کرنے کی ضرورت نہیں، لڑکا لڑکی جوان ہیں، نہ مجھے کچھ کرنا دھرنا ہے نہ اُنہیں، گھر کا معاملہ ہے، دو بول نکاح پڑھا دیا جائے، فیاض حسین نے جب یہ خبر سُنی، صاف کہدیا کہ میں ماموں کے گھر ہرگز شادی نہ کرونگا، ماں تک خبر پہنچی تو بہت، روئیں پیٹیں، مگر جوان لڑکا تھا کیا زور چلتا، محل والے میاں (فیاض حسین کے پھوپھا) بیچ میں پڑے اور جمیل کے ذریعہ سے فیاض حسین کا عندیہ لیا،

فیاض حسین و جمیل میں یہ باتیں ہوئیں،

جمیل۔ کیوں بھائی جان، بڑے ابا نے دریافت کیا ہے کہ اپنے ماموں صاحب کے یہاں کی نسبت آپ کو کیوں منظور نہیں،

فیاض حسین۔ بھائی تمہیں انصاف کرو، ماموں صاحب کی صاحبزادی کو کوئی اچھا کہتا ہے جسے لکھنے پڑھنے میں کچھ دخل، نہ سینے پرونے میں، گفتگو کا سلیقہ، نہ نشست و برخاست کا ڈھنگ، ایک کندہ ناتراش جسے انسان کہنا بھی ظلم ہے، پھر بھلا عقل سلیم کب گوارا کر سکتی ہے کہ اپنا سررشتہ حیات ایسے حیوان، یا وحشی انسان سے وابستہ کردے جسکے ساتھ سالہا سال رہنے پر بھی لگاوٹ نہیں پیدا ہو سکتی،

جمیل۔ درحقیقت آپ کا فرمانا نہایت صحیح ہے، پھر آخر کہیں آپنے اپنی نسبت خود ٹھہرائی ہے (بلہجہ مذاق)

فیاض حسین۔ تم اسے مذاق ہی سمجھ رہے ہو، ذرا غور تو کرو، عقل کیا کہتی ہے، تمہیں ایک رفیق رازدار، اور انیس خلوت کی ضرورت ہو (جس سے تمہیں مہمات زندگی میں مدد لینی ہو، اور اپنے سیاہ و سفید کا مالک و مختار بنا دینے ہی پر مصالح کی تکمیل ہوتی ہو) تو کیا تم کسی دوسرے کے فیصلہ کو اس بارہ میں بلا سوچے سمجھے قبول کر لوگے؟ ایک سنجیدہ مرد کے لیے اگر کوئی انیس خلوت، رفیق ہمدم اور باعث دل لگی ہو سکتا ہے تو وہ اُس کی متین، شعور دار، و سلیقہ مند،

ور حسین و جمیل بیوی ہو، اس اُصول کو مدنظر رکھکر میں نے اپنے بارہ میں جو رائے قائم کی ہو وہ یہ ہو کر
مولوی حبیب الرحمٰن صاحب کے یہاں سے سلسلہ جاری کیا جائے،

دلہن، (معتراض سخن بنکر) باجی نئی پودہ کے لڑکے بڑے شوخ دیدہ ہوتے جاتے ہیں،
مجھے تو رہ رہکر خلجان ہو رہا ہو کہ فیاض حسین نے کس مونھ سے انکار کیا ہوگا، اور پھر اپنی پسند کا
اظہار، چودہویں صدی تو ہے ہی، خدا معلوم آگے کیا کیا ہونے والا ہو،

پہلی اس میں خلجان کی کیا بات ہو، یہ تو ہونا ہی چاہیے، ہم مسلمان ہیں ہمارے پیغمبر آخرالزماں
نے بھی پسند سے شادی کرنے کا حکم دیا ہو، اسلامی ممالک میں اگلے زمانہ سے آجتک یہ ہوتا
چلا آیا ہو، ہندوستان کی جہاں اور ہوائیں ہمیں لگی ہیں، اُسی طرح اس مذہبی امر میں بھی ہم نے
رسم اہل ہنود کی پیروی کرلی، اور تمہارا تعجب اس اندھی پیروی کا نتیجہ ہو جسے سچائی
سے لگاؤ نہیں،

دُلہن۔ بات کہاں کی کہاں پہونچی، ہاں پھر جمیل اور فیاض حسین میں کیا باتیں ہوئیں،
پہلی نے پھر اس طرح سلسلہ گسستہ کو شروع کیا کہ
جمیل نے فیاض حسین کا اصلی منشار معلوم کرکے اُس سے اس بات کی اجازت لی
کہ بڑے ابا سے وہ ان خواہشات کا اظہار کردے، جسپر فیاض حسین نے ہاں کہا اور دونوں
اپنی اپنی طرف چلے گئے،

جمیل نے اپنے بڑے ابا سے فیاض حسین کا منشا بیان کیا،
رقمہ فیاض حسین کے پھوپھا مولوی کرامت حسین گو پُرانے خیال کے بزرگ
تھے، لیکن نہایت ذی علم، ہوشمند، اور حق و باطل میں تمیز کرنے والے
شخص تھے،

وہ جمیل کی گفتگو سُنکر بجائے کسی کبیدگی کے نہایت کشادہ دلی سے فرمانے لگے
کہ واقعی فیاض حسین ایسے تعلیم یافتہ شخص پر جاہل پھوہڑ بیوی ہرگز زیب نہیں دیتی، میں اُس کی

راستے سے ضرور اتفاق کرونگا،

اسکے بعد مولوی کرامت حسین ہمہ تن اس فکر میں پڑ گئے کہ فیاض حسین کی شادی مولوی حبیب الرحمٰن صاحب کی صاحبزادی ہی سے کرنی چاہیئے، گو خود اُن کو لڑکی کیطرف سے تشفی بخش جواب ملنے کی امید نہ تھی، مگر اللہ کا نام لیکر اُسی دن سے پیام سلام شروع کیا، خلاف امید جواب حسب منشا ملا، نکاح کی تاریخ جلد مقرر کرکے شرعی نکاح ہو گیا، اور فیاض حسین عالیہ کو بیاہ لائے،

قصہ مختصر، فیاض حسین کی والدہ اس شادی سے بوجوہات ذیل متفق نہ تھیں،

اولاً۔ اُن کی بھتیجی کے مقابلہ میں اس نسبت کو ترجیح دی گئی،

دوسرے۔ وہ نہیں چاہتی تھیں کہ پڑھی لکھی بہو اُنکے گھر آئے، کیونکہ انکا عقیدہ تھا کہ پڑھ لکھ کے عورت پاکباز نہیں رہتی،

تیسرے۔ خود سید تھیں، شیخ کی بیٹی نہیں لانا چاہتی تھیں،

الغرض شادی ہونے کے بعد اُنہوں نے یہ سوچا کہ اب پوت بہو میں نااتفاقی کرادی جائے، اُسوقت پوت پر اپنا قبضہ ہو جائے گا، چونکہ یہ بڑی کارٹے پیچ کی ہیں، اسلیے جوڑ توڑ لگا کر سال ہی بھر میں فیاض حسین کو عالیہ کی صورت سے بیزار کرادیا، فیاض حسین پڑھا لکھا سب کچھ تھا، لیکن عقل کا کچا ہونے کی وجہ سے بات کی تہ کو نہ پہنچ سکا، اور اپنی عقیل۔ خوش تمیز، اور پری پیکر بیوی سے بگڑ بیٹھا،

عالیہ کیلیے ہی دُلہن بنکے بیٹھنے کا زمانہ تھا، نہ گھر کے ماہی جال میں پھنس جانے کا، اُس کی کوئی حسرت کھانے پہننے کی نہ نکلی، گو کہ وہ کھانے پہننے کی شوقین نہ تھی، اُسے بچپنے سے ابتک اگر کسی چیز کا شوق تھا تو کتابوں کا، مگر سسرال آکر کتابوں کے مطالعہ کو بھی ترس گئی، کیا مجال کتاب ہاتھ میں لے لوے، میکے میں اُسے سوا پڑھنے کے کوئی کام نہ تھا، مغلانی صاحبہ نے اُسے مسئلے مسائل، سینے پرونے، طرح طرح کے

کھانے پکانے کی کتابیں پڑھائیں، اور اسی قسم کی کتابوں کا اُسے چسکا تھا،

خلاصہ کلام

عالیہ ایسی بھولی بھالی اور ہوشمند لڑکی پر جو گزر رہی ہے وہ اسی کا کلیجہ ہے کہ سہتی ہے،
افسوس اسکی قسمت سے فیاض حسین بن بنا کے بگڑ گیا،

اس سے پڑھی لکھی بیویوں کے شوہروں کو عبرت لینی چاہیے کہ وہ اس طرح اپنی بیویوں سے کج ادائی نہ کر بیٹھیں، کیونکہ خاندان کی وہ کہنہ خیال عورتیں جو فیاض حسین کی والدہ کی ہمخیال ہیں ہمیشہ یہ چاہیں گی کہ زن و مرد میں اتفاق نہو،

گو ہمیں یقین ہے کہ ہماری عالیہ ضبط و استقلال سے زندگی گزار دیگی، لیکن پھر بھی ہم دل سے دعا کرتے ہیں کہ خدا اُسکے دن پھیرے، وہ اپنے میاں کی چشم و چراغ پھر بنجائے اور دودھوں نہائے، پوتوں پھلے،

این دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد،

رقیمہ
قیصر دلہن، از محمد پور

انوکھی شادیاں

شادی انسان کے لیے ایک ضروری امر ہے اور ہر ملک و مذہب میں اسکے رسوم مختلف ہوتے ہیں، لیکن اس مضمون میں جن شادیوں کا ہم ذکر کرنا چاہتے ہیں وہ انوکھی ہونے کی وجہ سے ایک خاص دلچسپی رکھتی ہیں، امید ہے کہ ہماری بہنیں ناظرات خاتون کے پسند خاطر ہونگی،

پہلے ایک بوڑھا بوڑھے کی شادی ہے جو عجیب شادیوں میں شمار ہونے کے قابل ہے کرنل اورٹن باشندہ سینٹ جوزف نے چند سال قبل جبکہ اس کی عمر کامل سو برس کی تھی

ایک بڑھیا سے جسکا سن سنتتر سال کا تہا شادی کی، ڈاکٹر اسٹالنگ نے اس شہر کے کلیسا میں انکا نکاح پڑھایا تہا،

کرنل اورٹن پنی سلونیا میں پیدا ہوا اور بہت سے ممالک میں رہ چکا ہی اور نیز بہت سے پیشے بھی اختیار کیے ہیں، طفولیت کے زمانہ میں وہ تصویر کش تہا اور اُس زمانے میں ان پیشہ وروں کی قلت ہونے کی وجہ سے ان کی زیادہ قدر ہوتی تھی، اور فوٹوگرافی موجودہ حد کمال کو نہیں پہنچی تہی، چھبیس سال وہ ارکنس میں رہا اور اس شادی سے صرف دو سال قبل اُسنے سینٹ جوزف میں سکونت اختیار کی تھی، وہ دُبلا پتلا شخص ہی اور اگرچہ وہ لکڑی کے سہارے چلتا ہی لیکن کسی طرح کمر خمیدہ نہیں ہی، ڈاڑہی اور سر کے بال باقی مگر سفید ہیں تھوڑی مدت قبل تک وہ عینک کبھی استعمال نہیں کرتا تھا اور اب بھی وہ گاہ گاہ استعمال کرتا ہی۔ اُسنے تمباکو اور شراب کو چھوا تک نہیں اور نہ کبھی اپنی زندگی میں ایک خوراک دوا کی پی ہے،

وہ ضرورت کیوقت سارا دن کام کرسکتا ہی۔ سلامت روی کی چال چلنے، اور دور اندیشی کے ساتھ زندگی بسر کرنے کی وجہ سے اُسنے آرام وآسایش کے ساتھ باقی عمر گذارنے کے لیے کافی سرمایہ جمع کیا ہی اسلیے اُسے روزی کمانے کے لیے سخت محنت ومشقت کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی ہی،

اس کی پہلی شادی پنتیس سال کی عمر میں ہوئی تھی، اور دوسری بیوی کا انتقال اُسکے چہتر برس کے سن میں ہوا تہا، اس کی ان دو بیویوں سے دس اولاد ہوئیں جن میں سے سات ابتک زندہ ہیں، اس کی موجودہ بیوی بھی رنڈاپے کی مصیبت اُٹھا چکی ہے، اُس کی عین شباب میں شادی ہوئی تھی، لیکن چند ہی سال بعد اُسکے خاوند کا انتقال ہوگیا،

اسکے بعد ہر ولیم رینڈل باشندۂ مگڈبرگ ملک جرمنی کے اکلوتے بیٹے کی شادی

شادی قابل ذکر ہے، یہ شخص ممالک محروسہ جرمنی کے تمام جلادوں کا صدر افسر ہے اور اسکا بیٹا بھی اسی زمرۂ ملازمین میں شریک ہے، اس شادی میں عجیب بات یہ تھی کہ سوائے جلادوں کے کسی اور کو دعوت نہیں دی گئی اور تقریباً ممالک محروسہ جرمنی کے کل جلاد جن کی تعداد قریب تین سو کے تھی، اس تقریب میں شریک ہوئے تھے:

ایسٹ ہیکم میں (انگلستان میں ایک گاؤں ہے) جو شادی ہوئی تھی اس لحاظ سے قابل ذکر ہے کہ اس تقریب میں بجائے گھوڑے گاڑیوں کے موٹر کار استعمال کیے گئے تھے، اور دولھا دلہن کی سواری کے لیے سڑک کا انجن جو رستہ صاف کرنے اور بار برداری کے لیے کام میں لایا جاتا ہے نہایت عمدگی اور خوبصورتی کے ساتھ پھول اور جھنڈیوں سے سجایا گیا تھا، دُلہن کے مکان سے دولھا دلہن اس انجن میں سوار ہوئے اور براتیوں کے ساتھ کلیسا کو گئے جہاں نکاح پڑھا گیا، اس مبارک رسم کے بعد دولھا دُلہن مع براتیوں کے ایک کھلے میدان میں آئے، جہاں رفرشمنٹ کا ایک میز دعوتیوں کے لیے بچھایا گیا تھا،

ایک اور عجیب قسم کی شادی وہ ہے جو امریکا میں ایک دولھا دُلہن نے بیلون میں نکاح پڑھانے اور ہوا میں ماہ عسل[1] منانے کا اقرار کیا تھا، جب نکاح پڑھا گیا تو یہ بیلون میں اپنے ارادے کو پورا کرنے کی غرض سے روانہ ہوئے، ابھی سو فٹ ہی زمین سے بلند نہیں ہوئے تھے کہ دُلہن پر اسقدر خوف وہراس طاری ہوا کہ پریشانی میں اُسنے بے اختیار اپنے کو باہر پھینک دیا۔ لیکن خدا کو اُسے بچانا منظور تھا، اتفاق سے وہ ایک ندی میں گری جو نیچے بہہ رہی تھی اور اجل کے پنجے سے بچگئی،

ایک دوسری عجیب قسم کی شادی وہ ہے جو مسٹر ایکیلی گسپری اور مس ایلی کے درمیان

[1] انگریزوں میں شادی کے بعد دولھا دُلہن کچھ عرصہ کسی دلفریب مقام میں گزارتے ہیں اس زمانہ کو ہنی مون کہتے ہیں جسکا مشرقی نام ماہ عسل ہوگا،

لنڈن میں ہوئی تھی، یہ دونوں اصل میں ملک اٹلی کے باشندے تھے لیکن ایک مدت سے
اسی شہر میں سکونت رکھتے تھے، نکاح کے بعد دولہا دلہن ایک ہی بائیسکل پر جو دو
آدمیوں کے بیٹھنے کی تھی، سوار ہوئے انکے ساتھ جتنے براتی تھے تمام بائیسکلوں پر
بیٹھے ہوئے انتظام و ترتیب کے ساتھ ایک ہوٹل پر آئے جہاں مہمانوں کی خاطر مدارات
کا اہتمام کیا گیا تھا، راستے والوں کے لیے یہ ایک عجیب و عجیب تماشا تھا،

اب ہم ان سب سے زیادہ انوکھی اور عجیب شادی کا ذکر کرتے ہیں، یہ شادی مس
شارلٹ والبرگ اور مسٹر آرتھر سینٹ انڈراسی کے درمیان شیروں کے ایک پنجرے
میں ہوئی تھی، پادری جارج ایڈا نے پنجرہ کے باہر کھڑے ہو کر انکا نکاح پڑھایا تھا،
کلیوپٹرا اور مسٹر رباسٹن کے دارالحیوانات میں سب سے زیادہ زبردست اور خوفناک
شیر تھے اور یہ دولہا دلہن ان شیروں کے پنجرہ میں نکاح کے وقت بند کر دیے گئے
تھے، عام طور پر اس شادی کی اطلاع اشتہاروں کے ذریعہ سے دی گئی تھی اور
تماشائیوں کے لیے ایک روپیہ ٹکٹ مقرر کیا گیا تھا، قریب پانچ ہزار آدمی کے اس
عجیب و غریب قسم کی شادی کو دیکھنے کی غرض سے جمع ہوئے تھے، اور بہت سے
کم استطاعت لوگ ایسے نڈر جوڑے کو دیکھنے کی غرض سے احاطہ کے باہر کھڑے
ہوئے تھے،

وقت مقررہ پر شادی کا نغمہ شروع ہوا اور دولہا دلہن شیر کے پنجرہ کی طرف
بڑھے، تماشائیوں کا ہجوم و کثرت شیروں کو ایک آنکھ نہیں بھاتی تھی اور وہ اس ناخوشی
کو اپنی خوفناک آواز سے ظاہر کر رہے تھے، اول چار ملازم تیز برچھوں کے ساتھ
پنجرہ میں داخل ہو کر چاروں کونوں پر کھڑے ہوئے، اسکے بعد شیروں کا محافظ
اور اسکے بعد دولہا دلہن اندر داخل ہوئے انکے داخل ہوتے ہی پنجرہ کے سیخدار
دروازہ کو محافظ نے بند کیا اور شیروں کو ایک کونے میں ہٹا دیا، دولہا دلہن

قفس کے بیچ میں پادری صاحب کی طرف مونھ کیے ہوئے جا کھڑے ہوئے، اس مداخلت بیجا کو دیکھ کر شیروں کا غصہ اور بھی بڑھ گیا تھا اور اُن کی صورت زیادہ وحشتناک معلوم ہوتی تھی اور غصہ سے بیتاب ہو کر بے چینی کے ساتھ ٹہلنے لگے، کبھی تو وہ تماشائیوں کو کبھی اُن دو اجنبی اشخاص کو غضبناک نگاہوں سے دیکھتے اور غراتے تھے،

محافظ نے شیروں کو کچھ خاموش کیا اور بعدہ نکاح کی رسم شروع ہوئی، دولہا دُلہن نے بلا کسی خوف وہراس کے صاف او صریح الفاظ میں پادری صاحب کے ایجاب وقبول کے سوالات کے جواب دیے، پانچ منٹ میں یہ رسم ختم ہوئی اور لوگوں کو تاکید کی گئی کہ وہ خاموش اور بے حرکت کھڑے رہیں تاکہ اُن کی تصویر لیجائے،

باوجودیکہ ہر طرح کا انتظام کیا گیا تھا لیکن دولہا دُلہن خود اس خوفناک موقع سے صحیح وسلامت نکلنے پر تعجب وحیرت کرتے تھے اور بار بار درگاہ الٰہی میں شکریہ ادا کرتے تھے، باہر نکلنے پر چار طرف سے مبارکبادیوں کی بھرمار شروع ہوئی، اور ہر شخص تعجب کی نگاہوں سے ان دونوں کو دیکھتا تھا اور اُن کی اس جرأت واستقلال پر حیرت کرتا تھا، دولہا دُلہن کا بیان تھا کہ وہ جبتک پنجرے میں رہے شیروں کے خیال کو مطلق نزدیک نہ آنے دیا، اور ان کی توجہ کو منعطف کرنے کے لیے تماشائیوں کا مجمع ایک کافی سامان تھا،

یہ شادی اس بنا پر ہوئی تھی کہ ایک اشتہار کے ذریعہ سے یہ بات دریافت کی گئی تھی کہ اس طرح سے شادی کرنے پر کون لوگ راضی ہوتے ہیں، اسکے جواب میں چند اشخاص نے اپنے کو پیش کیا، اُن میں سے ان دونوں کا انتخاب اُن کی خوبصورتی اور مستقل مزاجی کے باعث سے ہوا تھا، لیکن پادری صاحب کے لیے یہ شادی نہایت منحوس ثابت ہوئی کیونکہ باسٹن کے پادریوں نے اُنکے اس طریقہ سے نکاح پڑھانے کو خلاف مذہب اور قابل گرفت قرار دیکر اُن کو اپنی جماعت سے خارج کر دیا،

حال میں تین شادیاں ایک جہاز مجسٹک نام کی لائبریری میں ہوئیں، تینوں دولہا ایک سال سے نیو یارک میں سکونت گزیں تھے اور دولہنیں انگلستان سے شادی کی غرض سے دولہوں کے پاس جا رہی تھیں، لیکن چونکہ امریکہ کے جدید ملکی قانون کے رُو سے اجنبی اشخاص کے لیے جو شادی کی غرض سے ملک میں آئیں لازم ہے کہ ساحل پر قدم رکھنے کے قبل شادی کر لیں اسلیے قانون کی پابندی کی غرض سے یہ طریقہ و مقام اختیار کیا گیا،

راقمہ

مسز س۔م۔د

حفظ لسان

منع اللسان من الکلام لانہ	سبب الردی وجالب الآفات
زبان روکی گئی ہو دبیہودہ) گفتار سے کیونکہ (کلام،	ہلاکت کا سبب ہے اور آفتوں کا لانے والا ہے
فاذا نطقت فکن لربک ذاکراً	لا تنسہ واحمدہ فی الحالات
پس جب تو بولا تو ہو پروردگار کے ذکر کرنیوالوں میں	اور مت بھول اُسکو اور تعریف کر اُسکی ہر حالت میں

لوگ کہتے ہیں سارے جسم کا بادشاہ دل ہو، کوئی دماغ کو سردار سے تشبیہ دیتا ہے، مگر غور سے دیکھا تو یہ دل و دماغ جمہوری سلطنت کے بے اختیار بادشاہ کی طرح گویا زبان کے وزیر اعظم کے اقوال و حرکات کے پابند رہتے ہیں،

اس چلتے پُرزے میں خدا نے ایسی طاقت رکھی ہے کہ سخت سے سخت دلوں کے مضبوط قلعے پر لحہ بھر میں فتح پالینا اسکا ادنیٰ کرشمہ ہو، ایک گنوار مثل مشہور ہے، "زبان شیریں تو ملک گیری" زبان کو اگر سپہ سالار جسم سمجھیں تو بھی بجا ہو کیونکہ ملک کی فتح سپہ سالاری کے ذریعہ سے ہوتی ہو نہ کہ بادشاہ کے، پھر بھی سپہ سالار کو کتنے جو کھم

اُٹھانے پڑتے ہیں، شکست کا خوف، جان جانے کا دھڑکا، اور یہاں تو زبان شیریں کی جنبش پر نہ فقط فوراً فتح ہوجاتی ہی بلکہ پورا تسلط ہوجاتا ہی، غرضمندوں کی حاجت روائی مجرموں کی جاں بخشی، تالیف قلوب، استحکام مودت، التیام جراحت دل اس کی کارگزاریوں کا ذرا سا نمونہ ہی، اس کی زبردست طاقت میں کسکو کلام ہی آتش فتنہ دم بھر میں فرو کردینا، سنگین دلوں کو لحہ بھر میں موم بنا دینا اسکا ادنی شعبدہ ہی،

تاریخی واقعہ ہے کہ دو شاہی خاندانوں میں پشتہا پشت سے عداوت چلی آتی تھی اور طرفین نے ایک دوسرے کو زیر و مغلوب کرنے میں فکر و تدبیر، حیلہ و زور کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا تھا، آخرش ایک مرتبہ ایک نے دوسرے کو شکست دی، اور ہزیمت خوردہ بادشاہ مقید ہوکر اپنے رقیب کے سامنے آیا، فاتح کے لیے اب وہ وقت آگیا تھا کہ ایک عمر کی عداوت کا انتقام لے، نہایت رعونت سے پوچھا کہ "اب کہو تم سے کیا سلوک کیا جائے" اسیر نے کہا کہ میں تم سے تمہارے مناسب سلوک کی امید کرتا ہوں نہ کہ اپنے جرم کے مطابق" اس جملہ سے سنگدل فاتح کا دل ایسا پانی ہوا کہ پشتوں کی آگ اُسی وقت بجھ گئی،

تواریخ سے ظاہر ہے کہ جتنے شاہان اُولو العزم اور کامگار گزرے ہیں سب کے سب حسن خلق اور گفتار شیریں رکھنے میں کم و بیش اپنا نام کر گئے ہیں، جتنے مذہبی پیشوا کیا حضرات موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام اور کیا بدھ و کنفوشس جنکا سکہ ابھی تک زمانے کے دل پر ہی، سب کے سب اپنی سلطنت کی بنا اسی پارۂ گوشت پر رکھ گئے،

وہ زمانۂ جاہلیت کا غریب بچہ ۔ یتیمے کہ ناکردہ قرآں درست + کتب خانۂ چند ملت بشست + جس کی زندگی مجسم سختی و درشتی ہوتی، یتیم و فقر اُس کی حالت عرب اجڈ اُسکا مولد، صحرائے لق و دق اُسکا مکتب، کھجور کے کھڑ بڑے جھنڈ اور

کھردری گابہیاں، ببول کے کانٹے پھول سپتے، پھلیاں، اسکے مطالعے قدرت کی کتاب، اونٹ سا بے ڈول جانور اُسکا ہمنشیں، ریگستان کے دریاے موجزن کا کنارہ اُس کی جاے تفریح، مگر اس صحرائی خودرو پھول میں عجیب بوباس تھی، صاحب خُلق عظیم و نفس کریم، شیریں گفتار و ذواللسان تھا، اس ذریعہ سے کیسے کیسے مہم سر کیے، دشمنوں کو دوست بنایا، دوستوں کو یار غار، خویشوں کو جاں سپار، کیسی ملک گیری کی کہ تواریخ میں عدیم النظیر ہے، اسی زبان کی بدولت اپنی پاک زندگی میں اپنی آنکھوں سے سارے عربستان پر تسلط کا ڈنکا بجتا ہوا دیکھا، ایک صدی کے اندر اندر تمام ایشیا پر اور تین صدی کے ہوتے ہوتے پُرانی دنیا کا کوئی حصہ باقی نہ رہا کہ جہاں اُسکا پھریرا نہ پہنچا، یورپ میں ہسپانیہ کے باندھ کو توڑ کر ملک فرانس تک میں جا دھمکا، اور اب بھی دیکھا تو اُس ٹمٹماتی شمع کی لو سے تمدنی دنیا کا ایک بڑا حصہ روشن ہو رہا ہے، بڑے بڑے نقاد جزرس عالم جو بوجہ غیر مسلم ہونیکے قرآن مجید کے آسمانی کتاب ہونے سے منکر ہیں اس کی فصاحت و بلاغت کے معترف ہیں،

عرب میں قدیم سے جوہر زبان اور جوہر شمشیر دو چیزیں شرافت کے لیے مستند مانی گئی ہیں، انما المرءُ باصغریہ قلبہ ولسانہ، جیسے تلوار کے کرتب کے لیے معرکہ آرائی ہوا کرتی تھی، زباندانی کے جوہر دکھانے کے لیے عکاظ کے بازار میں میلہ لگتا تھا،

کل کی بات ہے کہ انگلستان کے ایک مشہور مقرر مسٹر چیمبرلین سے کسی امر میں ایک صوبہ کے لوگ خلاف ہو گئے تھے، اور مخالفت بدرجۂ عداوت پہنچگئی تھی اس موقع پر اُنھوں نے ایک زور شور کی تقریر کی اور اثناے تقریر میں اپنی مطلب کی باتیں اس خوش بیانی سے ہیر پھیر کر بیان کیں کہ نہ فقط معترض ساکت ہو گئے بلکہ مخالف معاون بنگئے، سچ تو یہ ہے کہ اس زمانے میں سلطنت کا قیام زیادہ تر

زبان پر ہی، پارلیمنٹ میں ہر کیا وہی زبانی طوفان، جو بڑا مقرر ہوا اُسی کی بن گئی بے زبانوں کا زورِ شمشیر بے کار رہا،

کلامِ شیریں اور حُسنِ تقریر میں ایسے اثر ہیں کہ اُنکی توضیح و تشریح کی اس مختصر سی تحریر میں گنجائش نہیں، اور اس مضمون کا نفسِ مطلب سے بہت دور جا پڑنے کا اندیشہ ہی، اس مضمون کی سرخی "حفظ لسان" ہی منشاء یہ ہی کہ جہاں زبان کے ذریعہ سے اتنے فوائد ہیں وہاں اسی کی بدولت ہزاروں ضرر و نقصان متصور ہیں، زبان کے ذریعہ سے جو جو آفتیں ہوتی ہیں کچھ ہماری ہی صنف کو روزمرہ کی زندگی میں اُنکا زیادہ تر تجربہ ہوتا ہی، کیونکہ اکثر ایسی مستورات سے پالا پڑتا ہی جنکو بات کے بتنگڑ بنانے میں ایک خاص لطف آتا ہے، اور ہوا ہی پیا ہے، بیکاری کی وجہ سے اسی شغل میں کچھ انکا جی بہلتا ہی، اسلیے ہمکو چاہیے کہ کوشش اس امر کی کریں کہ زبان پر قابو رہے اور کوئی بے موقع بات نہ نکلے کہ موجبِ فساد و آفات ہو، ایک ہم پر کیا حصر ہی ہر بشر کے لیے بے تکی بات موجبِ ضرر و زیان سراسر ہے

کمال ہست در نفسِ انسان سخن   تو خود را بگفتار ناقص مکن

گفتار ہی وہ عطیۂ پروردگار ہی کہ جسکے ذریعہ سے حیوانِ مطلق اور حیوانِ ناطق میں تمیز ہوتی ہی، اسی سے عزت ہی اسی سے ذلت، ؎

تا مرد سخن نہ گفتہ باشد   عیب و ہنرش نہفتہ باشد

یونان کے ایک مشہور فیلسوف سے کسی نے پوچھا کہ تم کو کس چیز کے جانے کا بہت افسوس ہی، کہا "بات کا جو زبان سے نکل گئی" اور یہ بھی ایسا ہی زبان سے بات جہاں نکلی اُسپر کوئی قابو نہیں، پھر پچھتانا اور سر دُھننا بیکار ہی ؎

خامش نشیں کہ جمع نشستن بخامشی   بہتر ز گفتۂ کہ پریشانی آورد

قبل زبان کھولنے کے ہمکو سمجھنا چاہیے کہ اب بھی مجکو اسپر اختیار ہی اور یہ چیز میری ہے، اس سے جہاں بات نکلی دوسرے کی ہو گئی پھر اپنی نہیں ہونے کی، ؎

ایں چو تیر یست ماندہ در قبضہ　　واں چو تیر یست از کماں رفتہ

آداب معاشرت کی غرض سے حفظ لسان جیسی ضروری ہے تمدن کے لیے ویسی ہی اہم ہے، یہ عجیب بات ہے کہ ہم اپنا راز دوسرے سے کہیں اور اُسپر اصرار ہو کہ کسی اور سے نہ کہنا، محل غور ہے کہ اپنی بات کی حفاظت پر جب ہم خود قادر نہیں تو دوسرا کیوں اپنی زبان پہ قابو رکھنے لگا، ایسی بات جسکی نسبت ہمیں منظور نہیں کہ دوسرا جانے بہتر ہے کہ دوست صادق کے سامنے بھی کبھی اسکا تذکرہ نہو ؎

اے بسا سرے کہ از دشمن نہفتنی لازم ہست　　بہ کہ در افشاے آں با دوستاں کم دم زنی

عورتوں کی لگانے بجھانے ادہر کی بات اُدہر کرنے کی عادتوں سے اکثر خاندانوں میں آفتیں برپا ہوئی ہیں، اور نائرہ فساد پشتہا پشت تک مشتعل رہا اور خانماں برباد کرکے بجھا،

جس صحبت میں ضرورت سے زیادہ زبان چلتی ہے اور بے تکی اور مہمل باتیں ہوا کرتی ہیں، کبھی ذرا وقتی خوشی یا تفریح حاصل ہوئی تو ہوئی ورنہ نتیجہ تو سواے گناہ کوفت رنج فساد یا رسوائی کے کچھ نہیں دیکھا، جب انداز سے زیادہ گپ ہانکی جائے تو ضرور ہے کہ دس اچھی باتوں کے ساتھ دس بُری بھی ملی ہوئی ہونگی، کسی کی شکایت تو ضرور ہوگی جو غیبت ہے تعریف بیجا جو خوشامد ہے، کسی پر طعن تشنیع جو موجب دل آزاری ہے، مزخرفات بیہودہ ہنسی تفریح جو بے تہذیبی ہے،

جرم کہیے، گناہ کہیے، عیب کہیے سب سے بڑھکر دل آزاری ہے وہ بھی اسی زبان کی کرتوت ہے، اگر صرف یہی خیال رکھا جائے کہ جو بات میری زبان سے نکلتی ہے اُسکا اثر دوسرے پر کیا ہو سکتا ہے، اگر کوئی میری نسبت یہ جملہ کہے تو میرے دل میں کیا گزرے،

آنچہ بر خود نہ پسندی بر دیگراں مپسند

محض اتنے ہی خیال سے ہم کیسے کیسے جرم سے بچ سکتے ہیں، ؎

می خور و مصحف بسوز و آتش اندر کعبہ زن   ساکن بت خانہ باش و مردم آزاری مکن

سچ ہی کہ زبان کا وار تلوار سے بھی تیز ہی، تلوار کا زخم تو بمرور ایام مندمل ہو بھی جاتا ہے مگر اسکا چرکا تو ایسا ہی کہ جب وہ بات یاد آگئی فوراً جراحت پر نمک پاشی ہو گئی اور زخم تازہ ہو گیا کسی نے کہا ہی اور کیا خوب کہا ہی کہ سنان لسان کا اثر لسان سنان سے بہت بڑھکر ہوتا ہے پس اگر ہم اسی کی کوشش رکھیں کہ سمجھکر سنبھلکر گفتگو کریں تو بہت فائدے اور عزت حاصل کر سکتے ہیں ؎

حق ترا داد یکزبان و دو گوش   تا تو دو بشنوی و یک گوئی

مذہبی رو سے بھی زیادہ تر جتنے گناہ ہیں جھوٹ، چغلی، دغا فریب مردم آزاری، بدگوئی سب اسی بتیس دانتوں کے زنداں سے صادر ہوتے ہیں،

گفتار کے بارے میں فلسفیانہ رائے بھی یہ ہی کہ جو بات زبان سے نکلتی ہی گو وہ بظاہر نسیاً منسیاً ہو جاے مگر وہ کبھی نیست و نابود نہیں ہوتی، جس طرح دریا میں پتھر پھینکنے سے ایک لہر پیدا ہوتی ہی جسکا دائرہ لحظہ بہ لحظہ وسیع ہوتا جاتا ہی یہانتک کہ کناروں کو ٹکراتا ہی، اسی طرح بات کی لہر بھی ایک غیر محدود وسعت کو پہنچتی ہی اور ہمیشہ کہیں نہ کہیں اسکا اثر ضرور رہتا ہی، اسی بنا پر بہت سے خدا رسیدہ بزرگ بیہودہ بے معنی زبان چلانے سے قطعاً اجتناب کرتے تھے، بعض بزرگ تو ایسے گذرے ہیں کہ اپنے کو گونگوں کی طرح رکھا ہی، اور تمام عمر میں سواے ذکر خدا کے کوئی دوسری بات زبان سے نہ نکالی، ؎

بے دہانی دہن سے بہتر ہے   ایک چپ سو سخن سے بہتر ہے

ایک نیک بیوی کی نسبت نقل ہی کہ سواے قرآن مجید کے الفاظ کے دوسرا کوئی جملہ زبان سے نہ نکالتی تھیں اور اسی طرح اُن کو بتیس برس ہو گئے تھے، لوگوں نے کہا ہے کہ یہ بیوی رابعہ بصری تھیں، واللہ اعلم،

ایک بزرگ مکہ سے مدینہ جا رہے تھے راہ میں دیکھا کہ ایک نقاب پوش زمین پر

بیٹھی ہوئی ہیں، بزرگ نے اُن کی تنہائی پر تعجب کیا اور کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

جواب، سلام قولاً من الرب الرحیم، (سلام قول ہے رب رحیم کی طرف سے)

بزرگ نے زبان عربی میں پوچھا کہ یہاں تم کیوں بیٹھی ہوئی ہو،

جواب، ومن یضلل اللہ فلاھادی لہ، (جسکو اللہ گمراہ کرے اُسکا کوئی رہنما نہیں)

بزرگ نے سمجھا کہ ضرور راہ بھولی ہوئی ہے، پوچھا کہاں جانے کا قصد ہے،

جواب. سبحٰن الذی اسریٰ بعبدہٖ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ

(پاک ہے وہ (رب) جو لیگیا اپنے بندہ کو ایک رات میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ کی طرف)

بزرگ نے سمجھا حج کر چکی ہیں بیت المقدس کا قصد ہے، پوچھا کب سے تم یہاں وارد ہو،

جواب. ثلاث لیالٍ سویا (تین راتیں برابر) یعنی تین دن سے،

سمجھ گئے کہ تین دن سے یہ حال ہے پوچھا یہ کہ ان دن تم کو کھانا پینا کہاں سے بہم پہنچا،

جواب. وھو یطعمنی ویسقین (وہی مجھے کھلاتا پلاتا ہے)

سوال. آخر وضو کیونکر کیا ہوگا،

جواب. فلم تجدوا ماءً فتیمموا صعیداً طیباً (پس جب نہ پاؤ پانی تیمم کرو پاک مٹی سے،

بزرگ نے کھانے کی استدعا کی،

جواب. ثم اتموا الصیام الی اللیل (پھر تمام کرو روزے کو رات تک)

بزرگ نے کہا یہ مہینہ تو رمضان کا نہیں ہے،

جواب. من تطوع خیراً فان اللہ شاکر علیم (جو کوئی نیک کام کرے خوشی سے اللہ قبول کرنے والا اور جاننے والا ہے)

بزرگ نے اس طرح کی گفتگو سے گھبرا کر کہا خدا کے لیے ہماری طرح بات چیت کیجیے اس بندش کی گفتگو سے تو دم الجھتا ہے،

جواب۔ مایلفظ من قولٍ الالدیہ رقیب عتید (نہیں کوئی ایسا کلام نکلتا ہے جس پر ایک جاسوس مقرر نہو)

انہوں نے سمجھا کہ یہ بیوی خوف خدا سے سوائے قرآن مجید کی آیتوں کے دوسرا لفظ زبان سے نکالنے کی نہیں ہیں کہا "اچھا اب میں چلتا ہوں اگر مرضی ہو تم کو بھی قافلے تک لیچلوں"

جواب۔ ماتفعلوا من خیرٍ یعلمہُ اللّٰہ (اور جو نیک کام تم کرتے ہو، اللہ اسکو جانتا ہے)

بزرگ نے اونٹنی بٹھا کر بیوی کو چڑھنے کو کہا۔

جواب۔ قل للمومنین یغضوا من ابصارھم (کہہ مومنوں سے کہ اپنی آنکھیں بند رکھیں)

مطلب سمجھکر بزرگ مونھ پھیر کر کھڑے ہوئے، چڑھنے میں کہیں اونٹنی بھڑکی اور بیوی کی چادر پھٹ گئی، چادر کو پھٹتے دیکھکر کہا،

وما اصابکم من مصیبۃٍ فبما کسبت ایدیکم (اور جب کوئی مصیبت تم کو پہنچتی ہے وہ تمہارے ہاتھوں سے ہے)

بزرگ نے یہ سنکر مونھ پھیر کر دیکھا اور اونٹنی کے پاؤں باندھ دیے تاکہ بآسانی چڑھیں، سوار ہو کر کہا،

سبحان الذی سخر لنا ھذا وما کنا لہ مقرنین، (پاک ہے وہ جسنے مسخر کیا اسکو ہمارے لیے اور نہیں تھے واسطے اسکے ہم صلاحیت رکھنے والے) یہ سنکر بزرگ نے مہار ہاتھ میں لی اور چلا کر اونٹ کو چو کنا کیا اور جلد جلد روانہ ہوئے، یہ دیکھکر ضعیفہ نے کہا،

واقصد فی مشیک واغضض من صوتک، (دھیمی کر و اپنی چال اور پست کرو اپنی آواز)

یہ سنکر بزرگ نے آواز پست کرلی اور اونٹ کو چلانے کی غرض سے گنگنانے لگے

ضعیفہ نے کہا، فاقرءوا ماتیسر من القرآن (اور پڑھو جتنی توفیق ہو قرآن سے) بزرگ نے کچھ سورتیں جو یاد تھیں پڑہیں، جب قافلہ نزدیک دیکھا اس غرض سے کہ وہاں انکا کوئی ہوگا پوچھا تمہارے شوہر ہیں،

جواب۔ لا تسئلوا عن اشیاء ان تبد لکم تسؤکم (نہ سوال کرو اُن چیزوں سے کہ اگر ظاہر ہو جائیں تو تم کو بُری لگیں) بزرگ نے کہا کہ خطا ہوئی معاف کیجیے،

جواب۔ یغفر اللہ لکم (معاف کرتا ہے اللہ تم کو)

جب قافلے میں پہنچ گئے تو پوچھا کہ آخر اس قافلہ میں تمہارا ہے کون،

جواب۔ المال والبنون زینۃ الحیٰوۃ الدنیا، (مال اور اولاد جو زینت ہیں زندگانی دنیا کی)

بزرگ نے سمجھا کہ بیٹے ہونگے پوچھا وہ یہاں کیا کرتے ہیں،

جواب۔ وبالنجم ھم یھتدون، (اور تاروں سے وہ راہ پاتے ہیں) بزرگ نے سمجھا کہ ضرور راہبر ہونگے، پوچھا اُنکے نام سے آگاہ کرو،

جواب۔ واتخذ اللہ ابراھیم خلیلا وکلم اللہ موسیٰ تکلیما۔ یایحییٰ خذ الکتاب بقوۃ (پکڑا اللہ نے ابراہیم کو دوست اور کلام کیا اللہ نے موسیٰ سے۔ اے یحییٰ پکڑ تو اس کتاب کو مضبوط)

معلوم ہوا کہ اُنکے بیٹوں کے نام ابراہیم و موسیٰ و یحییٰ ہیں، نام لیکر پکارا تین جوان قافلے سے نکل آئے اور اپنی ماں کو اُتارا اور بزرگ کا بہت شکریہ ادا کیا، سب مل کر کھانے پر بیٹھے، بزرگ نے عذر کیا تو ضعیفہ نے کہا، کلوا واشربوا ھنیئاً بما اسلفتم فی الایام الخالیہ،

اللہ غنی کیسی عظیم الشان نظیر ہی کہ اس کی پیروی بادی النظر میں کسی دنیادار انسان سے ممکن نہیں، مگر وہ بھی انسان تھیں اور اُنکے بھی بال بچے تھے، جب کوشش سے ایک انسان اپنی زبان پر اسقدر قابو حاصل کرسکتا ہی تو ہم بھی انسان ہیں اگر ذرا سی توجہ کریں

توضرور کچھ نہ کچھ کامیاب ہو سکتے ہیں،
یہ بھی معلوم ہو کہ زبان کی دو قسمیں ہیں ایک زبان نطق، دوسری زبان قلم،
جسکے ذریعے انسان اپنی دلی منشا کو اُسی طرح ظاہر کرسکتا ہی جیسے اپنی زبان سے،
اسلیے زبان قلم سے بھی وہی نفع ونقصان متصور ہیں جو زبان انسان سے، بلکہ بعض
موقعوں پر زبان قلم زیادہ ترخطرناک ثابت ہوئی ہی، چنانچہ اسی زمانہ میں زبان قلم کی
شورش سے جو حشر ہندوستان میں برپا ہے سب پر ظاہر ہے، میں بھی دُھن
میں ضرورت سے زیادہ بک گئی ہوں، اب اس زبان کو روکتی ہوں، ؎

یاد دارم از صدف این نکتۂ سربستہ را
سینہ ہا را خامشی گنجینۂ گوہر کند

راقمہ
سہروردیہ

زبان کی قدر شناسی

اُردو زبان خاص اُن شیریں اور دلکش زبانوں میں سے ہی جو محض اپنی لطافت
اور خوبی سے ملکوں اور قوموں پر قبضہ کرتی چلی جاتی ہیں، آج دنیا میں سیکڑوں زبانیں
بولی جاتی ہیں اور ہزاروں برس سے بولی جاتی ہیں، لیکن ان کی اشاعت اسقدر نہیں
ہوئی جسقدر اُردو زبان کی صرف دو ڈہائی صدی میں ہوگئی ہے،
ابھی اُردو زبان کی ابتدائی حالت ہی، اور وہ مختلف زبانوں کے شستہ اور نفیس الفاظ
سے اپنا سرمایہ پورا کر رہی ہی، سیکڑوں الفاظ فارسی، سنسکرت، عربی اور نیز ترکی کے بھی
اس میں پائے جاتے ہیں، اور اب انگریزی کے الفاظ اس میں لیے جاتے ہیں،
لیکن حقیقت میں شریفہ بیگم کا یہ کہنا بہت ہی درست ہے کہ انگریزی الفاظ اُسوقت لاؤ
جب اپنی زبان میں اس معنی ادا کرنے کا لفظ نہ پاؤ، بلا وجہ اور بلا ضرورت انگریزی الفا

کو بھرنا زبان کو خراب کرنا ہی، اچھے اچھے مصنف اور لکھنے والوں پر بھی انگریزی
الفاظ کا جادو پہلے بہت چلگیا تھا مگر اب یہ طلسم ٹوٹتا جاتا ہی، اور ملک کے اہل قلم خاص طور
پر اس امر کی طرف متوجہ ہوتے جاتے ہیں کہ انگریزی الفاظ کا غیر ضروری استعمال
ترک کر دیا جاے،

اڈیٹر

شاید ہماری ہندوستانی بہنیں اس مضمون کو پڑھکر ہنسینگی کہ بمبئی کے رہنے والیاں
اور انہیں زباں دانی یا زبان کی قدر سے کیا واسطہ، یہ سچ ہی کہ ہم بہ نسبت اُن خوش نصیب
بہنوں سے کے جنکی پیدائش دہلی یا لکھنؤ میں ہوئی ہی اور جنکو اپنی مادری زبان بہت سہولیت اور
خوبی سے ورثہ کی طرح ملی ہی، اس بابت بحث کرنے کی بہت کم قابلیت رکھتے ہیں،
اگر میں کوئی عذر پیش کر سکتی ہوں تو صرف یہ ہی کہ گو مجھ میں لیاقت کم ہی مگر اُردو زبان سے
محبت بہت ہی، اور جب میں دیکھتی ہوں کہ خواہ مخواہ ایک ایسی شیریں اور دلپذیر زبان کو ساری
قوم بگاڑنے اور ذلیل کرنے پر آمادہ ہی، اور کوئی اس بیزبان مسکین کی خبر تک نہیں پوچھتا
تو آخر مجکو جرأت ہوئی کہ اپنی ٹوٹی پھوٹی زبان میں اسکی وکالت کروں اور بہنوں کا خیال اس طرف
رجوع کراؤں،

آجکل نئی روشنی والے خواہ مرد خواہ عورت بہت کچھ نیک شغلوں میں مصروف
ہیں، انکا ہمیشہ دعویٰ رہا کرتا ہی کہ ہم تمام غلطیوں کو اور بیجا رسم و رواج کو جو صدیوں سے
چلے آرہے ہیں، مٹا ڈالینگے، مٹا رہے ہیں، اور کئی درجہ مٹا چکے ان کا یہ کہنا بالکل بجا ہی
اور اسی وجہ سے ملک میں ان کی اسقدر عزت اور قدر کیجا رہی ہی، مگر اُن صاحبوں سے
پوچھا جائے کہ اُردو زبان کے حق میں تم نے کیا کیا. بُرائی یا بھلائی؟ جواب ملے گا کہ
بیشک بھلائی،

ہم نے اُسے عربی طرز اور فارسیت کی قید سے نجات دلائی، ہم نے سلیس عبارت

لکھنے کا رواج قائم کیا، ہمنے نئے طرز نثر و نظم میں پیدا کیے، اور ہمنے بے انتہا جدید سے
اور کتابیں وغیرہ لکھیں اور شائع کیں تاکہ ہماری زبان کی وسعت بڑھے اور تمام ہندوستان
کو اسکا فائدہ ملے،

یہ سب صحیح ہے میں بھی پورے طور سے اُنسے متفق ہوں، مگر ایک بات رہگئی وہ یہ کہ
زبان کو پھیلانے کے جوش اور خیال میں زبان کی پاکیزگی کا دہیان مطلق نہ رکھا، جسے سُنیے
وہ ہر فقرہ میں دو تین لفظ انگریزی کے ضرور استعمال کر رہا ہے، اور یہ خرابی نہ صرف مردوں کی
زبان میں پائی جاتی ہے بلکہ عورتیں بھی اب بڑے فخر سے دو چار لفظ انگریزی کے یہاں وہاں
کہہ دیتی ہیں جو شاید اُنہوں نے اپنے گھر کے مردوں سے سُن لیے ہیں، اور جب غلط معنو
میں یا بے محل یہ لفظ کہے جاتے ہیں تو سننے والوں کو رونا بھی آتا ہے اور ہنسی بھی آتی ہے،
بیشک بہت سی بہنیں ایسی بھی ہیں جو آپ انگریزی داں ہیں، مگر وہ جب انگریزی لفظ استعمال
کرتی ہیں تو میرے معیار سے بہت زیادہ قاصر ثابت ہوتی ہیں، حالانکہ جو بہن انگریزی جانتی
ہے وہ ضرور تعلیم یافتہ ہوگی، اور باوجود تعلیم یافتہ ہونے کے اگر وہ اتنا بھی نہیں جانتی کہ غیر زبان
کے لفظ استعمال کرنا زبان کو خراب کرنا ہے اور اس میں صرف کوئی خوبی نہیں ہے بلکہ کم علمی کا
ثبوت ہے، تب اُس کی تعلیم حاصل کرنے سے اپنی زبان کے حق میں تو بڑا کوئی فائدہ
نہیں ہوا،

میں یہ نہیں کہتی کہ بالکل انگریزی لفظ برتے نہ جائیں، ایسا ہونا قریب ناممکن
کے ہے، کیونکہ کئی علوم و فنون نئے نئے ایجاد ہوئے ہیں، اور ہماری زبان میں یا تو انکے
لیے لفظ ہی میسر نہیں یا اگر عربی کے ہونگے بھی تو عام فہم نہیں ہیں،

بیشک اس قسم کے لفظ جیسے سائنس یا آرٹسٹ وغیرہ وغیرہ بہت سے ہیں جو ہماری
زبان میں نہیں پائے جاتے د آرٹسٹ سے صرف مصور مقصود نہیں ہے بلکہ ایک وسیع
معنی میں انگریزی میں استعمال کیا جاتا ہے، یعنی ہر فن کے ماہر کو کہا جاسکتا ہے) اگر اپنی زبان

میں سے لیے جائیں تو بُرائی نہیں بلکہ زبان کی ترقی ہوگی، میرا جو اعتراض ہے وہ صرف بغیر ضرورت کے انگریزی لفظ استعمال کرنے پر ہے، مثلاً ٹیم، یا فرنڈ یا اس قسم کے روزمرہ معمولی لفظ جو آدمی کو سُنکر یا پڑھکر بہت ہی ناگوار گزرتے ہیں،

افسوس تو یہ ہے کہ ہمارے بڑے بڑے مصنف جن سے آدمی توقع کرتا ہے کہ وہ تو زبان کے قدرشناس ہونگے، مگر وہ بھی بے تحاشا انگریزی لفظ لکھنے لگے ہیں،

مجھے معلوم ہے کہ اس مضمون پر بہت کچھ اعتراض ہوسکتے ہیں، اُن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ تواریخ سے ثابت ہوسکتا ہے کہ ابتدائے دنیا سے جب کسی ملک میں دو فرقے حاکم و محکوم کے ہوئے تو ضرور حاکموں کی زبان کا اثر محکوموں کی زبان پر پڑا ہے، اور پڑنا ہی چاہیئے، یہ درست ہے، مگر محکوموں کو لازم ہے کہ ہمیشہ اس اثر سے پرہیز کرتے اور اپنے کو بچاتے رہیں، ورنہ اُنکا وہی حال ہوگا جو ولایت میں ساکسن لوگوں کا ہوا تھا،

جب نارمن ولیم نے وہاں فتح پائی اور سلطنت اسکے ہاتھ میں گئی تب ساکسن زبان کا چند ہی سال میں خاتمہ ہوگیا، کیا ہم اس بات پر راضی ہیں کہ اُردو زبان نابود ہوجائے اور اس کی جگہ پر انگریزی ہی استعمال کریں؟ مثال دینے کے لیے اس جگہ پر پارسیوں کا حال بیجا نہوگا،

بمبئی کی طرف پہلی قوم جس میں انگریزی تربیت اور تعلیم کا شوق پیدا ہوا وہ یہی قوم تھی، اس قوم نے اس عجلت اور تیزی سے اس زبان کو اور تمام مغربی خیالات کو ماخوذ کرلیا کہ اب ان کی زبان، ان کی معاشرت اسکے رواج سب کچھ عجیب حالت میں ہیں، نہ انگریزی ہیں نہ پارسی، بہت سے پارسی گھرانے ایسے بھی ہیں جہاں بچوں کو گجراتی مطلق سکھلائی ہی نہیں جاتی (یہ زبان پارسیوں نے ہندوستان آنے کے بعد اختیار کی تھی چونکہ جب پہلے ایران سے وہ نکالے گئے تو گجرات میں آکر اُن لوگوں نے پناہ لی تھی، اسلیے وہیں کے رسم و رواج اور زبان و لباس سب کچھ اختیار کیا تھا)

مگر یہ مطلق نہ سکھلانا اس سے بہتر ہی کہ جو گجراتی زبان آجکل پارسیوں کی زبان سے سُنائی
دیتی ہی، اگر انسان اسے سُنکر عبرت نہ لے تو پتھر سے زیادہ بےحس اُسکو سمجھنا چاہیے
ایسی بُری زبان دنیا میں آجتک کہیں نہ بولی گئی ہوگی، ان لوگوں نے یہی غلطی کی کہ بے تحاشا
لفظ اور فقرے انگریزی کے اپنی بول چال میں داخل کر لیے، اب ان کی زبان کی کچھ
ایسی حالت ہی کہ وہ آپ شرمندہ ہو رہے ہیں،

اگر ہم بھی اپنی زبان کو محفوظ رکھنے پر زیادہ دھیان نہ دینگے تو انجام یہی ہوگا،
بیشک ہر زبان میں ایسے لفظ کم و بیش پائے جاتے ہیں جو اور زبانوں میں اتنی ہی نزاکت
اور باریک معنوں میں ادا نہیں کیے جاسکتے، اگر ایسے خاص خاص شاذ و نادر لفظ سمجھ
اور سوچکر ہمارے بزرگ اور زباں داں اپنی کتابوں اور تحریروں میں استعمال کرینگے تو
کسی کو ایک لفظ میں اعتراض کرنے کی گنجایش نہوگی، مگر شرط یہی ہی کہ بہت فکر اور غور
و انداز سے، اور زبانوں سے لفظ اختیار کیے جائیں، نہ کہ جیسے اب ہو رہا ہی
ہر طالبعلم بےسند، دس بیس لفظ انگریزی کے اور دس پانچ اُردو کے کہہ رہا ہے،
یہی طالب علم گھر میں جاکر اپنی ماں اور بہنوں کی زبان کی خرابی کرتے ہیں، ذراسی بے پروائی
کہو یا کم سمجھی کہو، اس سے ہر دلعزیز زبان کی مٹی خراب کر رہے ہیں، ہم اُسکا کیا
تدارک کریں، مگر ہر ایک عورت اپنے گھر میں اتنا ضرور کر سکتی ہی کہ اپنی اور اپنے بچوں کی
زبان کو محفوظ رکھے،

یہ تو ہر شخص جانتا ہی کہ زبان کا اثر زندگی پر کس قدر گہرا ہوتا ہی، ہر قوم کا اندازہ اور
جانچ اُس کی زبان سے ہوتا ہی، اگر زبان ہی پاکیزگی اور صفائی سے معزول ہوگئی
تو پھر خیالات کا کیا پوچھنا ہی، ہمیں لازم ہی کہ ہم اسے اپنی قوم کا بیش بہا انمول
موتی سمجھکر اسپر داغ نہ لگنے دیں، اور اس کی دل سے حفاظت کریں، یہ ایسی چیز ہے
کہ اگر ایک دفعہ بگڑی تو بنائے نہ بنیگی، پھر رونے اور پیٹنے سے کچھ حاصل نہوگا،

مجھے ایک واقعہ یاد آتا ہی جس سے پہلے پہل مجکو خیال آیا کہ ہم اپنی زبان کو غیر قوموں کی نگاہوں میں کس قدر ذلیل اور خوار بنا رہے ہیں،

ایک وقت ایک انگریز بیوی ہماری ملاقات کو آئی ہوئی تھیں، حسن اتفاق سے ایک سہیلی بھی آگئیں، اور انہوں نے اُردو میں بات کرنی شروع کی، پہلے ہی فقرے میں دو چار انگریزی لفظ کہدیئے،

جب وہ چلی گئیں تو اس انگریزن نے مجھ سے پوچھا کہ کیا تمہاری زبان میں ان لفظوں کے لیے کوئی الفاظ نہیں ہیں،

مجھے بڑی ندامت ہوئی اور میں اپنے دل میں سوچنے لگی کہ قصور کریں ہم اور بدنام ہو ہماری پیاری زبان،

بہنوں سے میری التجا ہی کہ وہ اس بات پر غور کریں، ہر ایک آدمی کا الگ الگ خیال ہوتا ہی، مگر دو چار بہنیں بھی اگر میری رائے سے متفق ہو گئیں، اور میرے مضمون کے اثر سے خواہ مخواہ انگریزی لفظ بولنے سے باز رہنے لگیں تو میں سمجھوں گی کہ میں نے بہت بڑا کام کیا، اور میری کوشش بارآور ہو گئی،

شریفہ حامد علی
حیدرآباد سندھ

آنسو بھرا کٹورہ

یوسف برسوں سے بیمار تھا، اُسکا جسم گھل گھل کر کانٹا ہو گیا تھا اور اُس میں بجز پوست و استخواں کے گوشت کا نام نہ رہا تھا، اُسکا چہرہ موم بتی کی طرح سفید ہو گیا تھا، آہ! اُس کی حالت زار دیکھکر کلیجہ پاش پاش ہوتا تھا،

ایک رات اُس کی حالت اور زیادہ ابتر ہو گئی، ڈاکٹر نے جواب دیدیا مگر اُسکی

دکھیاری ماں اُسکا گرم آگ سا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے پاس بیٹھی تھی، اور گو آدھی رات ڈھل چکی تھی، مگر دہ غمزدہ اپنے بیمار بچے کے سرہانے بیٹھی اونگھ رہی تھی،

یکایک مریض غفلت سے بیدار ہوا، اور اپنی ماں کی طرف اس طرح کروٹ بدلی، جیسے کسی چیز سے ڈر گیا ہو، اور اُسکے زانو پر سر رکھ کے پھر سو گیا، اور خواب میں آسمان پر گیا، جہاں ایک خوبصورت فرشتہ نے جو اپنے بڑے بڑے بازو پھیلائے کھڑا تھا، اسکے لیے بہشت کا دروازہ کھول دیا اور اسے اندر بلالیا،

یوسف ایک عالیشان قصر میں داخل ہوا جس میں ایسے قالین کا فرش تھا، جسپر اصلی اور سچے پھولوں سے گلکاری کی گئی تھی، اُس کی دیواروں پر پرندوں کی تصویریں بنی تھیں، مگر حقیقت میں وہ اصلی پرندے تھے جو بیٹھے ہوئے نہایت سُریلی آواز سے اپنی اپنی بولیوں میں خدا کی حمد و ثنا کے گیت گا رہے تھے،

جس دروازہ سے یوسف داخل ہوا تھا اسکے مقابل ایک سنہرا تخت بچھا تھا، جسپر زمرد، ہیرے اور موتیوں سے ہزاروں فرشتے بنے تھے، مگر یہ عجیب بات تھی کہ وہ اپنے بازو ہلا رہے تھے جس سے ایک خفیف سی روشنی نکلکر کمرہ کو بقعہ نور بنا رہی تھی، اور خدا! ہاں خداوند خود اُس سنہری تخت پر جلوہ افروز تھا، اُسکے چہرہ سے نور کی شعاعیں نکل رہی تھیں، جنکی روشنی ہزاروں آفتابوں کی روشنی سے بھی زیادہ تھی اور جن کی چکا چوند نے یوسف کو اوپر نظر بھر کر نہ دیکھنے دیا، مگر دور سے اُس نے فرشتوں کی رسیلی آواز سنی جو خدا کی تسبیح و تقدیس کر رہے تھے اور ایسے موثر گیت گا رہے تھے کہ یوسف مارے حیرت کے جہاں کھڑا تھا، وہیں کھڑا رہ گیا، ایسا نظارہ کبھی اُسکے خیال میں بھی نہ گزرا تھا، یکایک فرشتوں نے گانا موقوف کیا، اور تخت پر سے آواز آئی، "اے یوسف ادہر آ! دیکھ میں خدا ہوں!! تیرا خداوند!!!

یوسف کا دل دھڑکنے لگا مگر تعمیل ارشاد میں وہ تخت کے نزدیک چلا گیا،

جو نور اُسے نظر آیا، وہ آفتاب کی روشنی جیسا تو نہ تھا، ورنہ وہ اُسکے دیکھنے کی تاب نہ لا سکتا. مگر اُس سے زیادہ روشن اور نہایت ہی دلکش تھا، اُسے ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ اُس نور کا عکس اُس کی روح پر پڑ رہا ہے اور وہ اُس سے منور ہوئی جا رہی ہے،

یوسف تخت کے اور ذرا نزدیک گیا، اور پھر آواز آئی "اے یوسف تو بیمار اور قریب المرگ ہے. مگر دیکھ ہمارے پاس یہ ایک سنہرا پیالہ ہے اگر تیری خاطر کوئی اسے آنسوؤں سے بھر دے تو ہم تجھے موت سے بچالیں،

یوسف یہ سُنکر کانپنے لگا، اور عرض کیا کہ اے خدا میرے لیے اس قدر کون روئیگا، جو یہ پیالہ آنسوؤں سے بھر جاے. اور مجھے موت سے نجات ملے. میں خود اس قدر نہیں رو سکتا، پس میرے لیے بجز مرنے کے اور کوئی چارہ نہیں.

مگر آہ! وہ مرنا نہیں چاہتا تھا، وہ نہیں چاہتا تھا کہ لوگ اُسے کفن میں لپیٹ کر کلام الٰہی پڑھتے ہوئے جاکر قبر میں دفن کریں اور قبرستان میں مُردوں کے ساتھ اکیلا چھوڑ کر اپنے گھروں کو واپس چلے جائیں،

اُسنے خوف زدہ، پریشان، اور نا امید ہو کر کہا، آہ! خدا کی خدائی میں کون اپنا ہے جو اسوقت رو رو کر میری جان بچالے،

ناگاہ دروازے پر ایک عورت نمودار ہوئی، جسکے بال پریشان تھے، اور جسکے دونوں ہاتھ خداوند کے تخت کی طرف پھیلے ہوئے تھے، وہ اپنے آپے میں نہ تھی، اور سسکیاں لے لیکر دیوانہ وار چلاتی تھی، "اے خدا میں تیری رحیمی کے صدقے" ذرا مجھے وہ پیالہ تو دکھا کہ کہاں ہے، آہ! وہ پیالہ کہاں ہے، اس آواز کو سُنکر یوسف کانپ اُٹھا، اُسکے کان اس آواز سے آشنا تھے، اُسنے روتے روتے سر اُٹھا کر اُس عورت کی طرف دیکھا، جو اُسی کی ماں تھی، جسکے ہاتھوں میں سُنہرا پیالہ تھا اور وہ زار و قطار رو رہی تھی، اُس کی آنکھوں سے موتی ایسے آنسوؤں کی جھڑی لگی ہوئی تھی، اور ایسا

معلوم ہوتا تھا کہ وہ کبھی نہ تھمیگی، اُسکے محبت بھرے دل سے آنسوؤں کا ایک چشمہ

ابل رہا تھا جس کی ابتدا و انتہا کا کچھ پتہ نہ تھا،

آخرکار وہ پیالہ بھر گیا، اور آنسو اُسکے کناروں پر سے چھلکنے لگے مگر بند نہوئے،

اور فرش پر برابر گرتے رہے، یہ اس قدر گرم تھے کہ اُن کی حرارت سے وہ پھول،

جنسے قالین پر گلکاری ہوئی تھی، مرجھا گئے،

مگر آہ! یوسف کی ماں کی آنکھوں میں اپنے بچّے کی جان بچانے کے لیے ابھی

آنسو باقی تھے،

خدا کے دیوان خاص کی دیواروں پر جو طیور بیٹھے ہوئے تھے، اُنھوں نے

چہچہانا چھوڑ دیا، اور اُسکے تخت پر جو زمرد، ہیرے اور موتیوں کے فرشتے تھے،

اُنھوں نے بھی پر ہلانے موقوف کیے، اور ماں کی اس عجیب محبت کے نظارہ سے

متاثر ہوکر سب محو حیرت ہوئے بت کی طرح خاموش کھڑے رہگئے،

مگر یوسف کی ماں کو یہ خوف تھا کہیں اسکا رونا ناکافی نہ سمجھا جائے، وہ آنسوں

بھرا پیالہ خداوند کے ہاتھ میں دیکر اُسکے سامنے سجدے میں گر پڑی اور کانپتی ہوئی

آواز میں کہنے لگی " اے خدا! اے خدا!! میں تیری کریمی کے واری، میں تیری خدائی

کے قربان، میرے بچے کو زندہ رکھ، اور اُسکے عوض میں میری جان لیلے،

اُس کی دعا قبول ہوئی، اور بارگاہ خداوندی سے ندا آئی "سجا تیرا بچہ بچ جائیگا،

وہ بڑا نیک اور نامور ہوگا، اور تو اُس کی بہار دیکھنے کے لیے زندہ رہیگی، تیرے

آنسوؤں نے اُس کی جان بچائی، اگر تو اُسے اسقدر عزیز نہ رکھتی تو وہ ضرور مرجاتا،

ماں اپنے بچے کی طرف جھپٹی اور اُسے آغوش میں لیکر کمرے سے باہر

چلی آئی،

اُس کی گزرگاہ کے دونوں جانب فرشتے تعظیم کے لیے صف بستہ موجود تھے

اور سینوں پر دونوں ہاتھ جوڑے ادب کے ساتھ گردن جھکائے کھڑے تھے،
یوسف کی ماں اپنے بچے کو چھاتی سے لگائے ہوئے تھی، اور زار و قطار رو تی اور
بچے کے رخساروں کو بوسے دیکر کہتی جاتی تھی " میرے بچے! میرے پیارے بچے
میں تیرے واری، میں تیرے صدقے،

یوسف بھی اپنی مہربان اور دلدادہ ماں سے جس نے اُسے مرنے سے بچایا تھا
لپٹ گیا، اور اُسے بوسے دیکر اور خوشی اور شکرگزاری کے آنسو بہاکر کہنے لگا،

" میری اماں! میری پیاری اماں!!

اتنے میں اُس کی آنکھ کھُل گئی،

آفتاب طلوع ہوچکا تھا، پرندے میٹھے میٹھے سروں میں باغ کے درختوں پر
بیٹھے خدا کی ثنا و صفت کے گیت گا رہے تھے، اور صبح کے کھلے ہوئے پھولوں کی
بھینی بھینی خوشبو کو باد سحر ادہر اُدہر اڑاے پھر رہی تھی، آفتاب کی شعاعوں نے یوسف
کے قریب جاکر آہستہ آہستہ اُسکے تلوے سہلاے اور وہ اُٹھ بیٹھا:

آہ! میں نے کیسا عجیب خواب دیکھا،

مگر کیا وہ خواب تھا؟ اگر درحقیقت خواب ہی تھا تو اُسنے بیدار ہوکر اپنی ماں کو
اپنے اوپر جھکے اور اپنے سے لپٹے ہوئے کیوں پایا؟ وہ اُسے نہ ختم ہونے والی محبت
بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی، اور اس شدت سے کیوں رو رہی تھی، جس شدت سے
اُسنے اُسے خداوند کے روبرو روتے دیکھا تھا،

اُسنے پھر کہا، کیا یہ محض خواب ہی تھا، اور کیا درحقیقت میری ماں کے آنسوں نے
مجھے مرنے سے نہیں بچایا؟

مگر اب اُس کی طبیعت بشاش تھی، وہ اپنے جسم میں غیر معمولی تازگی پاتا تھا،
اور وہ اُسے ایسا ہلکا پھول سا معلوم ہوتا تھا کہ گویا وہ بیماری جسنے اُسے برسوں سے

چلنا چور کر رکھا تھا، اُسکے پاس سے کوسوں دور چلی گئی تھی، اور ایک خوشگوار اور میٹھی آواز اُس سے مخاطب ہوکر کہہ رہی تھی کہ "اے یوسف تو اچھا ہو جائے گا"، تھوڑی دیر میں ڈاکٹر آیا اور اُسے بار بار دیکھکر یکایک خوشی کے مارے اُچھل پڑا اور اُس کی ماں سے کہنے لگا "جا تیرا بچہ بچ جائیگا"،

ماں نے پھر یوسف کو گلے سے لگا لیا اور مارے خوشی کے اُس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور اُسنے اسکے رخساروں کو چومکر کہا "میرے بچے، میرے پیارے بچے میں تیرے واری، میں تیرے صدقے"،

یوسف کو اپنے خواب کا خیال آیا اور وہ لفظ بھی یاد آئے جو خداوند نے اُسکی ماں سے کہے تھے "جا تیرا بچہ بچ جائیگا"، تیرے آنسوؤں نے اُس کی جان بچائی، اگر تو اُسے اسقدر عزیز نہ رکھتی تو وہ ضرور مرجاتا، پھر اُسنے فرط محبت سے اپنی ماں کو چوما اور اپنے ننھے ننھے لب اُسکے لبوں پر رکھدیے، اور نہایت محبت کے ساتھ اُس سے جو دوبارہ اُس کی زندگی کا باعث ہوئی تھی کہنے لگا، "اماں جان! اماں جان!! ابتو آپ کا یوسف بچ گیا"،

محمد سعید صوفی

از ڈسٹرکٹ، سمائی لینڈ، افریقہ

شریک زندگی

زندگی اک لق و دق میدان ہے — اُس میں جو ذی روح ہے مہمان ہے

ہر طرف ظاہر خدا کی شان ہے — ہر طرح کا اِس جگہ سامان ہے

عیش بھی ہے لطف بھی ہے رنج بھی

نقد بھی ہے جنس بھی ہے گنج بھی

ہے دوراہہ ایک اُس میدان میں مشترک انسان میں حیوان میں
گر خلل پیدا نہ ہو اوسان میں ہو نہ دقت راہ کی پہچان میں

نور ہے تعلیم کا سیدھی طرف
گھپ اندھیرا جہل کا اُلٹی طرف

جس نے ڈالا نور کی جانب قدم روشن اُس کا نام ہوگا دمبدم
جو اندھیرے میں گیا پہنچا عدم اور اُٹھائے گا ہمیشہ رنج و غم

الغرض ہے علم انساں کے لیے
اور بے علمی ہے حیواں کے لیے

سُنیے! ہیں انساں کی قسمیں کسقدر اور پھر ہے فرق کیا باہمدگر
ہے مسلّم یہ کہ ہے نوعِ بشر ایک زن اک مرد قصہ مختصر

ساخت میں دونوں کے دونوں ایک ہیں
دونوں بد ہیں اور دونوں نیک ہیں

ایک سے دونوں کے ہیں جسم و عروق شرع میں یکساں ہیں دونوں کے حقوق
ہے شہادت میں بھی دونوں کا وثوق جائینگے جنت میں دونوں جوق جوق

پائی ہیں دونوں نے یکساں نعمتیں
دونوں پر اللہ کی ہیں رحمتیں

زندگی کو ہم اگر چھکڑا کہیں، تو یہ دونوں پہیے اُس چھکڑے کے ہیں
عورتوں سے مرد الگ کیونکر رہیں ہو اگر ایسا تو تکلیفیں سہیں،

یہ مثل پوری یہاں چسپاں ہوئی
آج یک جان و دو قالب ہیں یہی

ہے مگر بااین ہمہ حیرت ہمیں — کس لیے ہے اس قدر غفلت ہمیں
کیا نہیں اس بات کی غیرت ہمیں — کہتے ہیں اغیار بے عزت ہمیں

مرد و زن ہیں جبکہ دونوں ہم خمیر
عورتیں بیچاریاں ہیں کیوں حقیر

مرد پڑھ لکھ کر بڑے قابل ہیں کیوں — عورتیں دکھیاریاں جاہل ہیں کیوں
نونڈوں میں ہی بیاں شامل ہیں کیوں — حجتیں آپس میں لاطائل ہیں کیوں

ان میں کیا عقلیں نہیں ہمت نہیں
عورتیں کیوں قابل عزت نہیں

قدر عورت مرد سے کچھ کم نہیں — کم ہو کیوں کیا وہ بنی آدم نہیں
وقت اب غفلت کا اے ہمدم نہیں — ہوں مخالف بھی تو کوئی غم نہیں،

چاہیے رفتار عالم پر نظر
چل رہی ہے آجکل دنیا کدھر

حامی تعلیم نسواں! ہوشیار — وقت کو ضائع نہ کرنا زینہار
ہند میں چاروں طرف ہے یہ پکار — کیا ہو جاہل ماں کا بیٹا ہونہار

عورتیں اَن پڑھ کہیں رہنے نہ پائیں
رہکے جاہل کوئی غم سہنے نہ پائیں

ہو مبارک تم کو خاتونانِ ہند — ہیں تمہاری پشت پر سلطانِ ہند[1]
ہوگا اب ویراں کیا ایوانِ ہند — پڑھکے بڑھجائے گی تم سے شانِ ہند

تم بنو گی افتخار رابعہ

[1] مراد ہے نواب سلطان جہاں بیگم صاحبہ والیہ بھوپال دام اقبالہا سے، اسمیں ایک لطیفہ یہ ہے کہ سلطان جہاں اور سلطان ہند بحساب جمل ہم عدد ہیں ۱۲،

تم رہوگی یادگار رابعہ

ہے مسلمانوں کا ایک دارالعلوم ساری دنیا میں پڑی ہے جسکی دہوم
ہے علی گڑھ خاص جسکی مرز بوم ہیں وہاں عنقا جہالت کی رسوم
ہے وہیں اُن حامیوں کا جمگھٹا
جن سے ملکر دل ہوا خوش غم گھٹا

شیخ عبداللہ اُن میں ایک ہیں دُھن کے پکّے بات کے وہ ایک ہیں
اور نادوت کے نہایت نیک ہیں جتنے ہیں کمزور سب کی ٹیک ہیں
وہ گھرے جب سے تمہارے کام میں
ہوگئے مشہور خاص و عام میں

یہ رسالہ جس کا ہے خاتون نام اسکا مقصد اور جو ہے اسکا کام
ایک میں کیا جانتے ہیں خاص و عام ہے تمہارے واسطے ہی لاکلام
اسکو دیکھو، اسکو لو، اس کو پڑھو،
مردوں سے پیچھے نہو آگے بڑھو،

اس رسالے کی بدولت آج تم بن رہی ہو مردوں کی سرتاج تم
رکھو گی تعلیم کی گر لاج تم، عمر بھر کرتی رہو گی راج تم
ہارنا ہرگز نہ جی تعلیم سے
دور ہوتی ہے کجی تعلیم سے

جو نمایش اب کے امرت سر میں ہے شہرہ اُسکا آجکل گھر گھر میں ہے
عورتوں ہی کے تو وہ فیور میں ہے کام اُسکا بھی اسی دفتر میں ہے
بی بیو! جو تم کیا کرتی ہو گھر
اس نمائش میں کھلیں گے وہ ہنر

جس کو ہو توفیق وہ آئے وہاں دیر اب کچھ بھی نہیں جائے وہاں
دستکاری اپنی سب لائے وہاں ہو کے خوش انعام بھی پائے وہاں

بے تکلف عورتیں جائیں اُدھر
ہو نہیں سکتا ہے مردوں کا گزر

بی بیو! بہنو!! ہنر ور بیٹیو!!! غور سے دیکھا کرو خاتون کو
جس قدر توفیق و ہمت تم میں ہو اس کو دو اور اس سے پورا نفع لو

یہ تمہارا ہے تم اس کی لا کلام
اچھا اب رخصت ہو احسن والسلام

خاکسار
احسن مارہروی

اڈیٹوریل

اس سے پیشتر ہم ایک بڑی سربرآوردہ بی بی یعنی اڈیٹرس صاحبہ تہذیب نسواں کے انتقال پُرملال کا حال شائع کر چکے ہیں، اب ہم کو یہ خبر سُنکر انتہا درجہ کا رنج ہوا کہ مسز فیضی صاحبہ نے بمقام جنجیرہ ۲۰ دسمبر ۱۹۱۰ء کو انتقال فرمایا،

مسز فیضی صاحبہ، مس عطیہ فیضی و مس زہرا فیضی صاحبہ کی مادر مشفقہ تھیں جنکی زندگی ہر نہج سے قابل قدر تھی، یہ اُنہیں کی تربیت کا فیضان تھا کہ اُن کی اولاد اس قدر نامور اور سربرآوردہ ہوئی، انکے چار صاحبزادے ہیں اور تین صاحبزادیاں ہیں، ان تینوں میں سے ایک ہر ہائنس بیگم صاحبہ جنجیرہ ہیں،

بمبئی میں فیضی خاندان اس زمانہ میں بفضل خدا ایک نیکنام اور باثر خاندان ہے

ور اس خاندان کی شہرت اور اثر پیدا کرنے میں سب سے بڑا حصہ مسز فیضی صاحبہ
رحومہ کا تھا،

مرحومہ بلحاظ تعلیم کے موجودہ ہندوستان کی مسلمان بیویوں میں اول درجہ میں
شمار کرنے کے قابل تھیں، انکے مضامین اکثر اخباروں اور رسالوں میں چھپتے رہتے
تھے، اور بعض کتابیں انگریزی اور ترکی سے اُردو زبان میں انہوں نے ترجمہ کر کے
شائع کیں، جنکو اُردو داں پبلک بڑی دلچسپی سے پڑھتی ہے،

مرحومہ کے انتقال سے تعلیم و تہذیب نسواں کے حامیوں کے گروہ کو بہت
بڑا صدمہ ہوا، اور ان کی صاحبزادیوں کو جو کچھ رنج و غم ہوا اُس میں کل ہماری ناظرات اور
ناظرین ضرور انسے ہمدردی کرینگے،

ہم کو انکے صاحبزادوں اور صاحبزادیوں سے اس ماتم میں دلی ہمدردی ہے خدا مرحومہ
کو غریق رحمت کرے، اور پس ماندوں کو صبر جمیل عطا فرمائے،

ندوۃ العلماء کو اپنے سالانہ جلسہ میں جو ۲۸ - ۲۹ - ۳۰ نومبر ۱۹۰۸ء کو منعقد ہوا
غیر معمولی کامیابی ہوئی،

حضور لفٹنٹ گورنر بہادر صوبہ جات متحدہ نے اپنے دست مبارک سے
دار العلوم ندوہ کا سنگ بنیاد رکھا، اور آیندہ ایک دائمی عطیہ پانچ سو روپیہ ماہوار کا
دنیاوی تعلیم کے لیے عطا فرمایا،

ہمارے خیال میں اب سے ندوہ کی بنیاد مستحکم ہوئی ہے، کیونکہ ایشیائی اقوام
بالعموم اور ہندوستانی بالخصوص کسی کام کی طرف پورے طور پر متوجہ نہیں ہوتے جبتک کہ
حاکم وقت اس کی طرف توجہ نہ کرے، ندوہ میں اگر کسی بات کی کمی تھی تو وہ یہی تھی،
اب وہ بھی پوری ہوگئی، ہم اپنے محترم شمس العلماء مولانا شبلی صاحب نعمانی کو جو ندوہ

کی روح رواں ہیں، اس کامیابی پر سچے دل سے مبارکباد دیتے ہیں،

اعلان چندہ۔ ریاست ٹونک سے مبلغ پچاس روپیے بابت ماہ نومبر ۱۹۱۰ء وصول ہوئے،

چین میں تعلیم

چین میں آجکل حیرت انگیز ترقی ہو رہی ہے، اور سب سے بڑی ترقی اسوقت وہاں تعلیم میں ہو رہی ہے،

۱۸۵۴ء میں چین کے دارالسلطنت پیکین میں یوروپین علوم کی تعلیم کے لیے ایک کالج قائم ہوا تھا، اسوقت سے ۱۹۰۲ء تک یہی کالج رہا، اور جب اور چند تعلیم گاہیں بنائی گئیں تو یہ کالج یونیورسٹی کر دیا گیا، اور اسی زمانہ سے تعلیم کی طرف لوگوں کا خیال رجوع ہوا،

۱۹۰۴ء میں جنگ جاپان اور روس کے بعد چین کی بھی آنکھیں کھل گئیں اور وہ ہوشیار ہو گیا، چنانچہ اسی وقت سے ہزاروں طلبا رجاپان اور دیگر یوروپین ملک میں تعلیم کے لیے بھیجے گئے جو ابھی تک تعلیم پا رہے ہیں اور ان کی تعداد دن بدن بڑھتی جا رہی ہے،

اس چار سال کے عرصہ میں چین کے ہر صوبہ میں تعلیم کا چرچا بہت زیادہ پھیل گیا اور ہر ایک صوبہ میں ایک ایک یونیورسٹی قائم ہو گئی، ان یونیورسٹیوں کی تعداد پانچ ہے، لیکن اب موکڈن میں چھٹی یونیورسٹی بنائی جا رہی ہے،

تعلیم تمامتر جدید اُصول پر ہوتی ہے، اور ہر قسم کے علوم جدیدہ سائنس، ریضی، ڈاکٹری، قانونی، زراعت، تجارت اور فنون جنگ کی خاص پر تعلیم ہوتی ہے،

اور یہ کل علوم چینی زبان میں پڑھائے جاتے ہیں، جس طرح کہ جاپان میں جاپانی زبان میں علوم کی تعلیم دیجاتی ہے،

چینی عورتیں بھی اس علمی ترقی میں حصہ لے رہی ہیں، ان کی بہت سی انجمنیں ہیں اور انکے لیے بھی بہت سے مدرسے تعلیم کے لیے کھولے گئے ہیں، چنانچہ صرف صوبہ پیکن میں عورتوں کے لیے چالیس مدرسے اور ایک زنانہ نارمل اسکول ہے، جو معلمات تیار کرتا ہے،

اسی پر دوسرے صوبوں کو قیاس کر لیجیے، اگر اسی طرح چین میں ترقی کی رفتار تیز رہی جیساکہ اس چار سال گزشتہ سے ہے تو یقیناً اس برس میں چین کہیں کا کہیں پہنچ جائے گا،

تاریخ القرآن

اس کتاب میں قرآن شریف کے ابتداے نزول سے لیکر آجتک کے تمام تاریخی حالات نہایت صحت اور تحقیق کے ساتھ لکھے گئے، اور قرآن کے متعلق ہر قسم کی دلچسپ معلومات ہر قسم کے مباحث نہایت لطافت اور اختصار کے ساتھ مختلف زبانوں کی اعلیٰ پایہ کی مستند اور معتبر کتابوں سے لیکر جمع کیے گئے ہیں اس عنوان پر ایسی مکمل کتاب کسی زبان میں نہیں ملسکتی، مصنفہ مولوی حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری، قیمت عہ/

جہان آرا بیگم

اس کتاب میں جہان آرا بیگم جو کہ عالمگیر بادشاہ کی بہن ہے، اسکے تاریخی حالات لکھے گئے ہیں، تمدنی، مذہبی، علمی، ادبی ہر قسم کے کارنامے اسکے بیان کیے گئے ہیں، اردو، فارسی اور یوروپین مورخوں کی کتابوں سے یہ حالات جمع کیے گئے ہیں، مصنفہ مولوی محبوب الرحمن صاحب کلیم بی۔ اے مدرس علیگڑہ کالج قیمت ۸/ ان دونوں کتابوں کی لکھائی چھپائی کاغذ نہایت اعلیٰ درجہ کا ہے،

ملنے کا پتہ۔ منیجر صاحب بک ڈپو، علی گڑہ کالج